بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ
وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (نساء: ۶۹)

مَاثِرُ الْاَنْبِيَآءِ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَآثَارُ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

ملقب بہ

اقوالِ سلفؒ

حصہ یازدہم

جس میں پندرھویں صدی ہجری ۱۴۴۱ھ تک کے مشائخ کرام اور علماء عظام کے مفید اقوال،
اور نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مرتبہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

مکتبہ دار المعارف الہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب	:	مَاثِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ آثَارُ الشُّهَدَآءِ وَ الصَّالِحِیْنَ
		ملقب بہ ''اقوال سلفؒ'' حصہ یازدہم
مرتب	:	شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم
تعداد صفحات	:	۷۵۲ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰
سن اشاعت	:	شعبان ۱۴۴۲ھ مارچ ۲۰۲۱ء
باہتمام	:	مولانا محمد عبد اللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی
تصحیح وترتیب	:	مولانا محمد عبید اللہ قمر الزمان ندوی ومولانا فیروز عالم قاسمی
کمپوزنگ	:	مولوی رشید احمد آچھودی گجرات ومولوی مسعود احمد قاسمی
ناشر	:	مکتبہ دار المعارف الہ آباد۔ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

☆......مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ۶۳۹/۹ بی وصی آباد، الہ آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

☆......مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆......مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆......قاضی بکڈ پو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆......مکتبہ النور دیوبند، یوپی۔ ۲۴۷۵۵۴

☆......مکتبہ صدیق دیوبند، یوپی۔ ۲۴۷۵۵۴

☆......الفرقان بکڈپو، ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد، لکھنؤ

فہرست اقوال سلف حصہ یازدہم

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
ا	عرض ناشر: از محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی	۹
ب	پیش لفظ: از مؤلف عفی عنہ	۱۰
ج	مقدمہ: مکرم حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۲۵
د	تعارف: حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحبؒ استاذ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر	۳۱
ہ	تاثر؛ حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی زیدمجدہ	۳۵
و	تاثر: حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم استاذ تعلیم الدین ڈابھیل	۳۸
ز	تاثر: عزیزم مولانا مفتی محمود سلمہ بارڈولی استاذ تعلیم الدین ڈابھیل	۴۷
ح	تاثر: حضرت مولانا مکرم حسین صاحب دامت برکاتہم سنسارپور	۴۹
	تاثر منظوم: مکرم بھائی انیس احمد صاحب پرخاصوی	۵۰
	تاثر: عزیزم مولانا مقصود احمد سلمہ استاذ مدرسہ بیت المعارف الہ آباد	۵۱

اولیاء مقربین وعلماء ربانیین پندرھویں صدی ہجری

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۱	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ دیوبند	سنہ ۱۴۰۳ھ	۵۶
۲	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ	سنہ ۱۴۰۲ھ	۸۲
۳	حضرت داعی معلم شیخ عبداللہ نوری کویتیؒ	سنہ ۱۴۰۱ھ	۹۷
۴	حضرت علامہ عبداللہ بن محمد بن حمید سعودیؒ	سنہ ۱۴۰۲ھ	۹۹
۵	حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ	سنہ ۱۴۰۲ھ	۱۰۴

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۶	حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ رائے بریلوی	سنہ ۱۴۰۲ھ	۱۱۱
۷	مکرم صوفی عبدالقیوم خاں صاحب گھوسیؒ ضلع مئو	سنہ ۱۴۰۳ھ	۱۱۵
۸	حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب عرف حلّو میاںؒ گنج مرادآبادی	سنہ ۱۴۰۳ھ	۱۱۹
۹	محدثِ جلیل حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ	سنہ ۱۴۰۴ھ	۱۲۲
۱۰	حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ مالیگاؤں	سنہ ۱۴۰۴ھ	۱۳۱
۱۱	حضرت مولانا شبیر احمد صاحب صدیقی مئویؒ	سنہ ۱۴۰۵ھ	۱۳۹
۱۲	حضرت الحاج ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کراچی	سنہ ۱۴۰۶ھ	۱۴۳
۱۳	عظیم داعی ومربی حضرت عمر تلمسانی مصریؒ	سنہ ۱۴۰۶ھ	۱۵۳
۱۴	حضرت مولانا منور حسین صاحبؒ کشن گنج بہار	سنہ ۱۴۰۶ھ	۱۶۰
۱۵	حضرت شیخ عبدالبدیع صقر مصریؒ	سنہ ۱۴۰۷ھ	۱۶۵
۱۶	حضرت شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ سعودیؒ	سنہ ۱۴۰۸ھ	۱۶۷
۱۷	حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروفی مئویؒ	سنہ ۱۴۰۹ھ	۱۷۰
۱۸	حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاویؒ	سنہ ۱۴۰۹ھ	۱۷۳
۱۹	حضرت مولانا پیر غلام حبیب صاحب نقشبندیؒ	سنہ ۱۴۱۰ھ	۱۷۷
۲۰	حضرت عظیم داعی سعید حوی شامیؒ	سنہ ۱۴۱۰ھ	۱۸۳
۲۱	حضرت الحاج کمشنر سید حسین صاحب الہ آبادیؒ	سنہ ۱۴۱۰ھ	۱۸۶
۲۲	حضرت مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادیؒ	سنہ ۱۴۱۰ھ	۱۹۱
۲۳	حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی مونگیریؒ	سنہ ۱۴۱۱ھ	۱۹۸

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۲۴	حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کنہواں بہار،	سنہ ۱۴۱۱ھ	۲۰۱
۲۵	مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ	سنہ ۱۴۱۲ھ	۲۰۶
۲۶	محدث العصر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمیؒ	سنہ ۱۴۱۲ھ	۲۲۵
۲۷	حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ پشاور خلیفہ حکیم الامتؒ	سنہ ۱۴۱۲ھ	۲۳۴
۲۸	حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ	سنہ ۱۴۱۲ھ	۲۴۱
۲۹	حضرت داعی محمد محمود صواف عراقیؒ	سنہ ۱۴۱۳ھ	۲۴۴
۳۰	حضرت شیخ احمد محمد جمال (عمری مکیؒ)	سنہ ۱۴۱۳ھ	۲۴۸
۳۱	مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ جلال آبادی	سنہ ۱۴۱۳ھ	۲۵۱
۳۲	حضرت مولانا عبد الستار صاحب معروفی مئویؒ	سنہ ۱۴۱۴ھ	۲۶۵
۳۳	حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحبؒ سورت	سنہ ۱۴۱۴ھ	۲۶۸
۳۴	حضرت الحاج محمد ابراہیم صاحب نقشبندیؒ مظفرپور بہار	سنہ ۱۴۱۴ھ	۲۷۶
۳۵	حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیویؒ	سنہ ۱۴۱۵ھ	۲۸۱
۳۶	حضرت مولانا طاہر حسین صاحب بنگالیؒ	سنہ ۱۴۱۵ھ	۲۹۲
۳۷	حضرت مولانا حکیم عبد الرشید محمود (ننھو میاں) گنگوہیؒ	سنہ ۱۴۱۵ھ	۲۹۸
۳۸	حضرت الحاج حافظ عبد الرشید صاحب رائپوریؒ	سنہ ۱۴۱۶ھ	۳۰۵
۳۹	حضرت مولانا حکیم شاہ منیر الدین صاحب نقشبندی مئویؒ	سنہ ۱۴۱۶ھ	۳۰۹
۴۰	حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ (حضرت جی)	سنہ ۱۴۱۶ھ	۳۱۲
۴۱	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ	سنہ ۱۴۱۷ھ	۳۱۵

صفحہ نمبر	سنہ وفات	فہرست عنوانات	نمبر شمار
۳۲۴	۱۴۱۷ھ	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ لکھنؤ	۴۲
۳۲۸	۱۴۱۷ھ	حضرت مولانا مفتی اعظم محمود حسن صاحب گنگوہیؒ	۴۳
۳۴۸	۱۴۱۷ھ	حضرت مولانا شاہ عبد الغفور صاحب قریشیؒ قطب دکن	۴۴
۳۵۵	۱۴۱۸ھ	حضرت مولانا سید وجاہت حسین صاحبؒ ہردہ	۴۵
۳۶۱	۱۴۱۸ھ	حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ باندوی	۴۶
۳۶۷	۱۴۱۸ھ	محدث کبیر حضرت علامہ شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ شامی	۴۷
۳۷۷	۱۴۱۸ھ	حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ	۴۸
۳۸۱	۱۴۱۹ھ	حضرت علامہ محمد موسیٰ روحانی بازیؒ پاکستان	۴۹
۳۹۵	۱۴۱۹ھ	حضرت مولانا محمد عبد الوحید صاحب صدیقی فتحپوریؒ	۵۰
۴۰۰	۱۴۱۹ھ	حضرت والد ماجد سلطان احمد خانصاحب مئویؒ	۵۱
۴۰۴	۱۴۲۰ھ	مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی میاں صاحب ندویؒ	۵۲
۴۳۷	۱۴۲۰ھ	حضرت شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء صاحب حنفیؒ ریاض	۵۳
۴۴۴	۱۴۲۰ھ	سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن بازؒ مکۃ المکرمہ	۵۴
۴۵۳	۱۴۲۰ھ	حضرت علامہ السید سابق صاحب مصریؒ	۵۵
۴۵۹	۱۴۲۰ھ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ	۵۶
۴۶۴	۱۴۲۱ھ	حضرت مولانا عبد الصمد خانصاحبؒ رہتاس بہار	۵۷
۴۶۷	۱۴۲۱ھ	حضرت مولانا شیخ احمد علی صاحب آسامیؒ	۵۸
۴۷۲	۱۴۲۱ھ	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ	۵۹

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۶۰	حضرت مولانا علی بھائی یوسف صاحب کاویؒ گجرات	سنہ ۱۴۲۲ھ	۴۷۸
۶۱	حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ گجرات	سنہ ۱۴۲۲ھ	۴۸۴
۶۲	حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مہاجر مدنیؒ	سنہ ۱۴۲۲ھ	۴۹۰
۶۳	حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب الہ آبادیؒ	سنہ ۱۴۲۲ھ	۵۰۰
۶۴	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ پٹنہ	سنہ ۱۴۲۳ھ	۵۰۵
۶۵	حضرت مولانا عبد الحق صاحب عمرجیؒ سورتی گجرات	سنہ ۱۴۲۳ھ	۵۱۳
۶۶	حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب پالنپوریؒ	سنہ ۱۴۲۳ھ	۵۱۸
۶۷	حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور	سنہ ۱۴۲۴ھ	۵۲۰
۶۸	حضرت مولانا شاہ علی احمد صاحب بوالویؒ بنگلہ دیش	سنہ ۱۴۲۴ھ	۵۲۶
۶۹	حضرت مولانا محمد یار صاحب پرتاپگڈھیؒ	سنہ ۱۴۲۵ھ	۵۴۲
۷۰	حضرت محی السنہ مولانا ابرار الحق صاحبؒ ہردوئی	سنہ ۱۴۲۶ھ	۵۴۵
۷۱	حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب گنگوہیؒ	سنہ ۱۴۲۶ھ	۵۶۱
۷۲	حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ اعظمی	سنہ ۱۴۲۷ھ	۵۶۵
۷۳	حضرت مولانا اطہر حسین صاحبؒ سہارنپوری	سنہ ۱۴۲۸ھ	۵۷۲
۷۴	حضرت مولانا سید ذو الفقار احمد صاحبؒ استاد فلاح دارین ترکیسر	سنہ ۱۴۳۱ھ	۵۷۹
۷۵	حضرت مولانا حکیم محمد شفیع اللہ صاحب مظاہری الہ آبادیؒ	سنہ ۱۴۳۱ھ	۵۸۲
۷۶	حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ	سنہ ۱۴۳۱ھ	۵۸۵
۷۷	حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموشؒ گجرات	سنہ ۱۴۳۱ھ	۵۹۰
۷۸	حضرت مولانا عزیز الحق صاحب بنگلہ دیشیؒ	سنہ ۱۴۳۲ھ	۵۹۴

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۷۹	پروفیسر نجم الدین اربکان ترکیؒ	سنہ ۱۴۳۲ھ	۶۰۳
۸۰	حضرت شیخ صالح حصین سعودیؒ	سنہ ۱۴۳۴ھ	۶۰۶
۸۱	حضرت امام حرم علامہ محمد بن عبداللہ السّبیل مکیؒ	سنہ ۱۴۳۴ھ	۶۰۸
۸۲	حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ	سنہ ۱۴۳۴ھ	۶۱۱
۸۳	حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ لکھنؤ	سنہ ۱۴۳۴ھ	۶۲۹
۸۴	حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحبؒ گڈا بہار	سنہ ۱۴۳۴ھ	۶۳۳
۸۵	حضرت مولانا شیر علی افغانیؒ استاد فلاح دارین ترکیسر	سنہ ۱۴۳۶ھ	۶۳۸
۸۶	حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب منوبریؒ گجرات	سنہ ۱۴۳۶ھ	۶۴۱
۸۷	مکرم جناب محمود خان صاحب رائے بریلویؒ	سنہ ۱۴۳۶ھ	۶۵۱
۸۸	حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب بھٹکلیؒ	سنہ ۱۴۳۸ھ	۶۵۹
۸۹	حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ گجرات	سنہ ۱۴۳۹ھ	۶۶۵
۹۰	حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن صاحب کاندھلویؒ	سنہ ۱۴۴۰ھ	۶۷۸
۹۱	حضرت مولانا سید واضح رشید صاحب ندویؒ لکھنؤ	سنہ ۱۴۴۰ھ	۶۸۱
۹۲	حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ مانچسٹر انگلینڈ	سنہ ۱۴۴۱ھ	۶۸۴
۹۳	حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلیؒ لکھنؤ	سنہ ۱۴۴۱ھ	۷۰۱
۹۴	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ دارالعلوم دیوبند	سنہ ۱۴۴۱ھ	۷۰۷
۹۵	حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند	سنہ ۱۴۳۹ھ	۷۱۰
۹۶	نبی خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک		۷۱۶
	خیر ختام از مؤلف عفی عنہ		۷۴۳
	مراجع ومصادر		۷۴۷

عرض ناشر

آج مکتبہ دارالمعارف الہ آباد کے لئے بیحد مسرت وشادمانی کا دن ہے کہ اقوال سلف کی گیارہویں جلد یعنی اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہاہے جوانبیاء کرام اور صحابہ عظام سے لے کر موجودہ صدی ہجری ۱۴۴۱؁ھ تک کے صالحین ومصلحین کے مفید ومؤثر حالات وکمالات اوراچھے اخلاق وکردار کا عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا ہے جو درحقیقت مربیانہ پہلو پر حاوی اور مرشدانہ افادیت کا حامل مجموعہ ہے، یہ مجموعہ محض تذکرہ نگاری اور سوانح عمری ہی نہیں ہے بلکہ مایۂ ناز شخصیات کے دینی، علمی، فکری، اصلاحی، احسانی وعرفانی اور بعض شخصیات کے تناظر میں تجدیدی کارناموں اوران کی متنوع خصوصیات وامتیازات کاایک وثیقہ ہے۔ اورحضرت والدصاحب دامت برکاتہم کی چالیس سالہ بے مثال کاوشوں کا نہایت مفید شاہکار ہے۔ اس کتاب میں حضرت والد صاحب نے اپنے دونوں شیخ یعنی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ کی تعلیمات کوجابجافوائد کے ضمن میں تحریر کرکے اس کی افادیت کوکامل ومکمل کردیا۔

مکتبہ ان تمام حضرات کا شکرگذار ہے جنھوں نے اپنی علمی وفکری اوراصلاحی تحقیقات سے اس کتاب کومزین کیا۔فجزاہم اللہ تعالیٰ

اخیر میں دعاہے کہ اللہ تعالیٰ اقوال سلف کوسرچشمہ فیض رحمت اورقابل استفادہ بنائے، اور والد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کا سایہ عاطفت صحت وعافیت کے ساتھ ہمارے اور امت مسلمہ کے سروں پرتادیر قائم رکھے تاکہ تصنیف وتالیف اور تعلیم وتربیت کا سلسلہ چلتارہے۔آمین

محمد عبداللہ قمرالزمان قاسمی الہ آبادی

ربیع الثانی ۱۴۴۲؁ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۰؁ء

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی خیر خلقه محمد عبده ورسوله وعلی آله وصحبه ومن تبع هداه الی یوم الدین۔

امابعد! قال اللّٰہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ: ۳۰)

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب (فرشتے) کہنے لگے کہ کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے، اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ، اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی (حق تعالیٰ نے) ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ارشاد فرمایا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کے سامنے اس کا تذکرہ فرمایا۔ ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'' کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو زمین میں میرے احکامات کو جاری کرے گا اور حکومت کرے گا اور وہ عناصر اربعہ (صفراء، سوداء، دم یعنی خون اور بلغم) سے مخلوط جسم اور روح سے مرکب ہوگا، جسم عنصری خاکی کی وجہ سے

منافع ارضیہ سے منتفع ہوگا اور اس کا نظام سنبھالے گا، اور روح علوی کی وجہ سے اپنے خالق اور ملاء اعلی سے مضبوط رابطہ میں ہوگا۔

فرشتوں نے اس کی حکمت اور حقیقت کو سمجھنے کے لئے بصد عجز و نیاز عرض کیا ''قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ'' (کیا آپ زمین میں اپنا ایسا خلیفہ بنائیں گے جس کی اولاد زمین میں فساد کرے گی اور خون بہائے گی) اور اس سوال کا مقصد خلیفہ بنانے کی حکمت سمجھنا تھا نہ کہ اعتراض کرنا۔

اس کے بعد فرشتوں نے فرمایا ''نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ'' اللہ نے ہماری فطرت میں ہر آن ہر لحظہ فرمانبرداری (تعمیل احکام) کا مزاج رکھا ہے، ہمیں نیند و آرام سے پاک فرمادیا کہ تعمیل حکم میں نقص و خلل نہ آئے، پھر قتال و فساد کے بجائے تسبیح و تحمید اور تقدیس کا حسین ترین مشغلہ عطا فرمایا ہے۔ لہذا جس طرح دوسرے کام ہم سے لئے جارہے ہیں اسی طرح ہم سے خلافت ارضی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا ''قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' کہ خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب کے لائق کون ہے، اسے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ (فیوض الرحمٰن فی تفسیر القرآن: ۳۵۱)

نیز حضرت علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی حنفیؒ ''مدارک التنزیل وحقائق التاویل'' میں اس ارشاد پاک کی یوں تفسیر فرماتے ہیں ''اعلم من الحکم فی ذلک ماھو خفی علیکم یعنی یکون فیھم الانبیاء والاولیاء والعلماء'' (تفسیر النسفی: ۴۵)

یعنی اس میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان کو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، یعنی اولادآدم میں حضرات انبیاء کرام، اولیاء عظام اور علماء ربانیین پیدا ہوں گے۔

مزید معرفت کے لئے عرض ہے کہ اس آیت کے تحت مفسر عظیم علامہ ابن کثیرؒ نے یوں تحریر فرمایا ہے "**قال قتادة فكان في علم الله انه سيكون في تلك الخليفة انبياء ورسل وقوم صالحون وساكنوا الجنة**" (تفسیر ابن کثیر:۵۰)

یعنی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ اس مخلوق میں انبیاء، رسل، نیک لوگ اور باشندگان جنت ہوں گے۔

نیز اس آیت کے تحت مترجم تفسیر ابن کثیر حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ یوں رقمطراز ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس کے انھیں جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بناء پر پیدا کر رہا ہوں انہیں میں ہی جانتا ہوں تمہارا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا، میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء اور رسول ہوں گے، ان میں صدیق اور شہید ہوں گے، ان میں عابد وزاہد، اولیاء ابرار، نیکوکار، مقرب بارگاہ، علماء، صلحاء، متقی، پرہیزگار، خوف الٰہی اور حب باری تعالیٰ رکھنے والے ہوں گے۔ میرے احکام کی بسروچشم تعمیل کرنے والے اور میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک کہنے والے ہوں گے۔ (ابن کثیر، ترجمہ از انظر شاہ صاحبؒ)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں اولاً انبیاء ورسل علیہم السلام کی ایک بڑی تعداد مبعوث فرمائی، جن میں افضل الانبیاء سیدنا وشفیعنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت بھی ہے، ثانیاً آپؐ کے متبعین

حضرات صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اولیاء کرام کی لاکھوں کی تعداد وجود میں آئی، اور کروڑوں علماء پیدا ہوئے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**ان العلماء ورثة الانبياء**" پس ظاہر ہے کہ حدیث پاک کے مصداق وہ علمائے ربانیین ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**انما يخشى الله من عباده العلماء**" (اللہ تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں) خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا: "**والله انى لاخشكم لله واتقاكم**" (اللہ تعالیٰ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور پرہیزگار ہوں)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ "آدمی کے لئے علم سے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے جہل ونادانی کے لئے اتنا بس ہے کہ اپنے عمل پر نازاں ہو"۔ (اعیان الحجاج)

نیز سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا وابونا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں تدریجاً ہزاروں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، سب نے دین وایمان، توحید ورسالت اور شریعت کی خدمت کو انجام دیا، ان سب کے بعد افضل الانبیاء واشرف المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو دین اور شریعت دے کر مبعوث فرمایا آپ نے اس کو کامل طریقے سے انجام دیا، اور پائے تکمیل کو پہنچایا، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شہادت دی "**اليوم اكملت لكم دينكم**"۔

آپ کے بعد صحابہ کرام کی جماعت نے اس سنہرے سلسلہ کو جاری

وساری فرمایا، جس کی وجہ سے آپ نے ان کو ”**اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم**“ کا مژدہ سنایا۔

ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، علمائے صالحین اور ائمۂ مجتہدین تشریف لائے اور انھوں نے اس کو بخوبی انجام دیا، جس کی وجہ سے ان کی شان کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند کیا کہ ان کو اجتہاد کی شان سے نوازا اور فرمایا کہ اگر ان کا کوئی عالم وامام اجتہاد میں صواب کو پہنچے تو دو اجر دیا جائے گا، اور اگر خطا بھی ہو جائے تب بھی ایک اجر دیا جائے گا۔ یہ علمائے امت کے لئے بہت بڑی شرف کی بات ہے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔

ان شاء اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور علماء وصلحاء پیدا ہوتے رہیں گے جیسا کہ حدیث پاک ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من اکل طیباً وعمل فی سنۃ وامن الناس بوائقہ دخل الجنۃ، فقال رجل یارسول اللہ! ان ھذا الیوم فی الناس لکثیر، قال فسیکون فی قرون بعدی۔ (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے حلال رزق کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے لوگ تو اس زمانے میں بہت پائے جاتے ہیں، آپ نے فرمایا ایسے لوگ میرے بعد بھی ہوں گے۔

اس حدیث پاک میں امت کے لئے بشارت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مثل صحابہ کرام کے صالحین ہوتے رہیں گے اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنے اعمال صالحہ مذکورہ (یعنی اکل طیب، عمل بالسنہ اور لوگوں کو اپنے مہلکات سے حفاظت) کے ذریعہ دخول جنت کے شرف سے مشرف ہوتے رہیں گے۔ **فھنیالھم۔**

مرشدی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اپنی کتاب ''تلاوت قرآن'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے علماء اور مصلحین امت محمدیہ میں پیدا فرماتے رہیں گے جو لوگوں کے اعمال واحوال کو شریعت مقدسہ کی میزان پر وزن کریں گے اور کتاب وسنت کے معیار پر منطبق کریں گے اگر موافق پائیں گے تو اس کو قبول کریں گے اور اس کے حق کو صواب ہونے کا فتویٰ دیں گے اور اگر مطابق نہ پائیں گے تو اس کو رد فرمادیں گے، اس پر نکیر کریں گے، بیشک یہی لوگ وارث انبیاء علیہم السلام اور حفاظ شریعت ہوں گے اور انھیں حضرات کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **''العلماء ورثۃ الانبیاء''**۔

نیز حضرت حسنؒ نے فرمایا:

عن الحسن انه قال لن یزال لله نصحاء فی الارض من عباده یعرضون اعمال العباد علی کتاب الله فاذا وافقوه حمدوا الله و اذا خالفوه عرفوا بکتاب الله ضلالة من ضل وهدی من اهتدی فاولئک خلفاء الله۔

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ ایسے ناصحین برابر ہوتے رہیں گے جو بندگان خدا کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش

فرماتے رہیں گے جب کتاب اللہ کے موافق پائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور جب مخالف پائیں گے تو ضالین کی ضلالت اور مہتدین کی ہدایت کو کتاب اللہ ہی سے پہچانیں گے اور یہی لوگ خلفاء اللہ ہوں گے۔ (تلاوت قرآن)

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام اور وارثین انبیاء خیر وبھلائی کے کام انجام دے رہے ہیں اور امت کو راہ راست پر لا کر فوز و کامرانی سے سرفراز کرنے کی کوشش اور محنت کر رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (الجمعة: ۲)

وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں انھیں (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں جس میں سب علوم ضروریہ دینیہ آ گئے) سکھلاتے ہیں۔

لہذا جو کام انبیاء علیہم السلام نے کیا وہی وارثین انبیاء کر رہے ہیں۔ اور اس کا سلسلہ قائم ودائم ہے۔

اسی طرح شیطان اور اس کے چیلے کفار ومشرکین شر وفساد، قتل وقتال اور ضلالت وگمراہی میں خود بھی مبتلا ہیں اور امت کو بھی اس میں گھسیٹنے کی کوشش اور محنت کر رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ**

غُرُوْرًا ''(الانعام:۱۱۳) (اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی (جن سے اصل معاملہ تھا) اور کچھ جن (ابلیس اور اس کی اولاد) جن میں سے بعضے (یعنی ابلیس اور اس کا لشکر) دوسرے بعضوں کو (یعنی کافر آدمیوں کو) چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں، (مراد اس سے کفر ومخالفت کی باتیں ہیں کہ ظاہر میں نفس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں اور باطن میں مہلک تھیں اور یہی دھوکہ ہے)

لہذا شیاطین الانس والجن اور ان کے چیلے اغوا واضلال جیسے عمل پر لگے ہوئے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:'' قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ط فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا '' (بنی اسرائیل:۸۴) آپ فرما دیجئے ہر ایک شخص اپنے طریقہ پر کام کر رہا ہے (یعنی مومن اور کافر نیک اور بد سب اپنی عقل صحیح یا جہل قبیح کے مقتضی پر عمل کر رہے ہیں) سو آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے اس کو جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے۔

یوں تو حق وباطل کی معرکہ آرائی اور قتل وخونریزی کا سلسلہ ابتدائے آفرینش ہی سے جاری ہے جیسا کہ سیدنا حضرت آدمؑ کے بیٹے نے اپنے ہی بھائی کو قتل کر کے اس فعل خبیث وقبیح کی بنیاد رکھ دی۔اس کے بعد بڑے بڑے ظالم وجابر بادشاہ وحکمراں اس دنیا میں آئے، ان لوگوں نے تو ظلم وستم کی حد ہی کر دی، فرعون نے ہزارہا ہزار معصوموں کی جان لے لی۔بخت نصر، ہٹلر، تاتاری اور حجاج بن یوسف اور ان کے علاوہ بہت سے ظالم وجابر ہیں جن کا شمار مشکل ہے، جنہوں نے دنیا میں قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا اور مخلوق خدا کو ستانے اور ان کو ظلم وستم

کی چکی میں پیسنے کی انتہا کردی، یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ اب بھی جاری ہے اور معلوم نہیں یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔

اور یہ قتل وخونریزی، فتنہ وفساد عموماً جاہ ومنصب کی طلب ،حکومت وسیادت کی ہوس اور خواہشات نفسانی کی تکمیل میں انجام پاتے رہے۔لیکن

ع ظلم توظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

آخر کار سارے ظالم وجابر اپنے انجام بد کو پہونچ گئے، اور جو بھی ظالم ہیں وہ بھی اپنے انجام کو پہونچ کر رہیں گے۔ان شاء اللہ تعالی

لہذا دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی ایسے مصلح، انسانیت نواز اور خلق خدا پر ترس کھانے والے رہنماؤں اور قائدوں کو بھیج دے جو دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے اور لوگوں کے دلوں میں الفت ومحبت پیدا کرنے کی تڑپ رکھتا ہو۔جیسا کہ اللہ تعالی نے محسن انسانیت، رہبر کامل اور عدل وانصاف کے علمبردار حضرت محمد رسول اللہ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، جس کی ترجمانی کسی نے خوب فرمائی ہے ؎

تر ہوئی باران سے سوکھی زمیں یعنی آئے رحمۃ للعالمین

اب یہ حقیر عرض پرداز ہے کہ اگر چہ اس وقت بظاہر باطل اور باطل پرستوں کا غلبہ ہے لیکن یہ ایک عارضی اور بے بنیاد چیز ہے جس کو دوام اور ثبوت نہیں، یہ تو مثل جھاگ کے ہے، جب جھاگ چھٹے گا تو ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ صرف حق اور حق پرست ہی فاتح وغالب نظر آئیں گے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود قرآن مقدس کے اندر حق اور باطل کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ

فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَۃٍ اَوْمَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُہٗ ط کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ط فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً ج وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ '' (الرعد:۱۷) یعنی اس نے آسمان سے بارش نازل کی جس سے ندی نالے بہہ پڑے، ہر نالے میں اس کے ظرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کر دیا، چھوٹے میں کم اور بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہو گیا، پھر میل کچیل اور جھاگ پھول کر اوپر آیا جیسے تیز آگ میں چاندی، تانبا، لوہا اور دوسری معدنیات پگھلاتے ہیں تاکہ زیور، برتن اور ہتھیار تیار کریں اس میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں یہی مثال حق و باطل کی ہے۔ یعنی حق باقی رہے گا اور باطل نسیاً منسیاً ہو کر رہے گا، یعنی نیست و نابود ہو جائے گا۔

انتباہ: پس بصد ادب و خلوص یہ حقیر عرض پرداز ہے کہ الحمدللہ ہم نے گیارہ جلدوں میں انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر اب تک کے اصحاب خیر و حق کے اقوال و احوال کو کسی حد تک جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے تاکہ ان کے تعلیمات اور اخلاق و کردار کو اپنا کر اور شیاطین الانس والجن کے زیغ و ضلال سے بچ کر ہم بعد والے بھی فوز و کامرانی سے سرفراز ہوں۔ جیسا کہ ہمارے سلف صالحین دین و دنیا کی خیر سے بہرہ ور ہوئے۔

اسی کے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ ''سورۂ فاتحہ کا

جمال وجامعیت اور زندگی پر اس کا اثر‘‘ کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ یہ وہ ہدایت ہے جس کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور جس کے دم سے جنت کی رونق قائم ہے، وہ ہدایت ہے جس سے محروم ہو جانے کے بعد کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں اور اس سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد کسی چیز کے چھوٹنے کا کوئی غم نہیں، اس کی طلب وجستجو انسان کی فطرت میں داخل اور اس کی آرزو قلب وروح میں پیوست ہے۔

لیکن یہ ہدایت خلاء میں قائم نہیں ہوسکتی، یہ اسی وقت قابل فہم اور قابل عمل ہوسکتی ہے جب اس کے زندہ اور عملی نمونے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم تاریخ انسانیت میں انبیاء وصدیقین، شہداء وصالحین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ (النساء: ٦٩) قرآن مجید اور تمام گزشتہ آسمانی صحیفوں نے دنیا کے عام انسانوں کو ان کی پیروی وتقلید، ان کی محبت واطاعت، ان کی جماعت میں شمولیت اور ان کی طرف اپنا انتساب کرنے کی دعوت دی ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه﴾ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلئے۔ (انعام: ٩٠)

اور اسی کے ساتھ ان لوگوں سے براءت اور بے تعلقی کا مطالبہ کیا ہے جو ہدایت کی راہ سے ہٹ کر ناشکری، ہوا پرستی اور تباہی وخودکشی کے راستہ پر پڑ گئے، جنہوں نے سرکشی اور انتہا پسندی کی حد کر دی اور غضب الٰہی کے مورد

قرار پائے۔ یا دین میں تحریف، تفریط اور ترمیم و تنسیخ کے مرتکب ہوئے، اور کھلی ہوئی گمراہی کے شکار ہوئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نہایت جامع دعا کی تلقین و تعلیم فرمائی تا کہ انعامات الٰہیہ کے مستحق ہوں۔ چنانچہ وہ دعا یہ ہے۔

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ چلا ہم کو سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ نہ ان لوگوں کا (راستہ) جو زیر غضب آ چکے ہیں، اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔ (ارکان اربعہ: ۵۷-۶۱)

نیز ہم نے اپنے اسلاف کرام کے اقوال و احوال اور تعلیمات کو اس لئے جمع کیا ہے تا کہ امت کے لوگ حق اور حق پرستوں سے باخبر ہوں اور ہر انسان کے سامنے حق واضح ہو جائے۔ اور کسی کو یہ شکایت نہ رہے کہ ہم اس سے بے خبر تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔

(الانفال: ۴۲)

تا کہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل آنے کے بعد ہلاک ہو اور جس کو جینا ہو وہ روشن دلیل آنے کے بعد جئے۔ یہ اس لئے ہوا تا کہ جس کو گمراہی کی موت مرنا ہے وہ قیام حجت اور روشن دلیل آ جانے کے بعد مرے اور جس کو ہدایت یافتہ ہو کر جینا ہے وہ بھی قیام حجت اور روشن دلیل آنے کے بعد جئے۔

(کشف الرحمٰن: ج/۱ص/۲۸۹)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو یعنی ہم نے جو انعام یافتہ حضرات

کے اقوال واحوال کوامت کے سامنے پیش کیا ہے اس کو قبول کر کے نجاتِ اخروی کا ذریعہ بنائے۔آمین یارب العالمین

اس کتاب کی چند موئثر و مفید خصوصیات کا ذکر

۱۔اس کتاب میں الحمدللہ انبیاء علیہم السلام ،اولیاء کرام، صالحین، شعراء اورملوک کے بھی احوال واقوال مذکور ہیں ،جن کے علوم ومعارف کے مطالعہ سے راہ حق کی دیدوشناخت اوران پر عمل سے ان شاء اللہ تعالیٰ باطنی کیف وحال نصیب ہوگا۔اس لئے کہ احوال اعمال ہی کے ثمرات ہوتے ہیں یعنی جب کوئی شخص بزرگوں کے مذکورہ اعمال واقوال کے مطابق چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو احوال کے ثمرات سے نوازتے ہیں بلکہ کبھی کرامات سے مشرف فرماتے ہیں چنانچہ حضرت العلامہ ابوالمواہب عبدالوہاب الشعرانیؒ نے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ چونکہ متابعت سنت میں مبالغہ فرماتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو مزید انعام بلکہ کرامات سے نوازتے ہیں۔اللھم ارزقنا منہ

۲۔اس حقیر نے ان اقوال واحوال کی مزید توضیح کے لئے افادات لکھے ہیں جس کے متعلق اہل علم نے فرمایا کہ آپ کے مرقومہ افادات نہایت مفید ہیں ورنہ تو قاری کتاب کو سرسری طور سے پڑھتا چلا جاتا ہے مگر اصل مقصد تک اس کی رسائی نہیں ہو پاتی۔

۳۔ نیز ان اقوال واحوال کے لکھنے کا یہ بھی مقصد پیش نظر رہا ہے کہ متقدمین کے طریقۂ تعلیم وتربیت اور متاخرین علماء ومشائخ کی تعلیم وتربیت میں یکسانیت تامہ ہے، سر موفرق نہیں ہے۔اس لئے ان کے بدعت وضلالت ہونے

کا شائبہ بھی نہیں رہا، اس لئے ان کے اختیار کرنے میں کوئی خدشہ نہ رہا، بلاتکلف ان کے طریق پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں اور یہ بہت اہم نفع ہے۔ جو ہمارے لئے یقیناً سعادت کی علامت ہے۔

اقوال سلف کے لکھنے میں ان امور کا خاص خیال رکھا گیا

۱۔ ایسی باتیں نقل کی جائیں کہ جہاں سے بھی کتاب کھولی جائے کوئی دینی وعلمی بات سامنے آجائے، اور نقش قلب ہو جائے، اور عمل کا داعیہ پیدا ہو جائے۔

۲۔ چونکہ اکثر اکابر صالحین کی کتابوں سے ہی انتخاب کر کے احوال واقوال درج کیا ہے اور کوشش یہی رہی ہے کہ مصنف کی مرضی ومنشاء کے مطابق ہو اور کوئی فرق نہ آئے۔

۳۔ حوالہ کا بھی خاص التزام رکھا ہے۔ اشعار وغیرہ بھی شاعر کے نام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

۴۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ کے ارشاد کے مطابق حیات ووفات کی سنین کے لکھنے کا بھی دستور رکھا، اگر چہ ان کی دستیابی میں مولانا مقصود احمد صاحب کو سخت ترین دشواری ہوئی، مگر وہ اس مقصد میں کامیاب رہے۔ ماشاءاللہ مضامین کی تصحیح وغیرہ کی خدمت بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

۵۔ پہلے ''اقوال سلف'' کا سلسلہ چھ جلدوں پر تمام ہو چکا تھا مگر ضروری اضافات وافادات کی بناء پر گیارہ جلدوں تک پہنچ گیا ہے۔ جس میں بہت سے اہم مشائخ وعلماء کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۶۔ وہ حضرات علماء ومشائخ جنھوں نے اس کتاب پر تبصرے لکھے ہیں وہ

نہایت اہم ہیں، میں ان کاشکریہ ادا کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، اوران کے حسن ظن کے مطابق مجھے اور میری ذریت ومعاونین کو مزید استعداد وصلاحیت سے نوازے۔اور جن حضرات کی تصانیف سے اقتباسات درج کئے ہیں وہ حضرات بھی ہمارے محسن ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر سے نوازے۔آمین

۷۔شروع سے لے کر اخیر تک ان متعدد کتب دینیہ کی تصنیف وتالیف میں بہت سے معاونین رہے ہیں، ان تمام کے اسماء لکھنا بھی ایک مشکل امر ہے۔ فی الحال جوشریک کار ہیں ان کے اسماء یہ ہیں۔عزیزم مولانا مقصود احمد قاسمی،مولوی محمد عبداللہ قاسمی،مولوی محبوب احمد ندوی،مولوی محمد عبیداللہ ندوی، مولوی فیروز عالم قاسمی،مولوی صابر علی صاحب قاسمی، مولوی حسین احمد قاسمی،ہمارے خویش مولوی عبیداللہ قاسمی گورکھپوری،مولوی کمال احمد ندوی اور مولوی وسیم احمد سلمہم اللہ۔ اسی طرح گجرات کے احباب بھی شریک کار رہے ہیں۔مثلاً مولانا اقبال صاحب مہتمم دارالعلوم ماٹلی والا،مولانا صفی اللہ صاحب، قاری ناظر حسین صاحب ومولوی ابراہیم صاحب ورتھی۔

اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازے۔آمین

محمد قمرالزمان الہ آبادی

وصی آباد الہ آباد

۲۶/ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ

اگست ۲۰۲۰ء

باسمہ تعالیٰ

مقدمہ

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ؒ صاحب مدظلہ

ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جہاں عقل کی دولت عطا کی ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے ماحول کے معاملات اور حالات کو ان کی مختلف نوعیتوں کے لحاظ سے سمجھ سکیں اور ضرورتوں کے مطابق تدابیر طے کرسکیں وہاں ان کو یہ مزاج بھی دیا ہے کہ وہ اپنے مشاہدات اور معلومات سے اثر لیں کسی کو اچھا کرتے دیکھیں تو اپنے دلوں میں اس کی اچھائی کے اختیار کرنے کی خواہش محسوس کریں اور کسی کو برا کام کرتے دیکھیں تو اس کی برائی سے اپنی طبیعت میں بیزاری محسوس کریں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم کے مختصر حالات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کے نواسہ اور مولانا سید خلیل الدین حسنیؒ کے پوتے ہیں۔ والد ماجد سید رشید احمد حسنی مرحوم تھے، ان کی تحریر کے مطابق تاریخ پیدائش ۲۹/اکتوبر ۱۹۲۹ء مطابق ۲۵/جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ ہے، تربیت اپنے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے زیر شفقت ہوئی۔ ۱۹۴۱ء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی لکھنؤ کی مجالس میں اپنے دونوں ماموں کے ساتھ حاضری دی۔ ۱۹۴۳ء یا ۱۹۴۴ء میں ایک ہفتہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ۔ بقیہ صفحہ آئندہ

حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی اطال اللہ بقاءہ جو کہ اپنے اصلاحی ودعوتی دوروں، تصنیفات وتالیفات، ارشاد وتربیت نفوس میں اچھی اور دور دور شہرت رکھتے ہیں، اور مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی قدس سرہ وحضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی نور اللہ مرقدہ کی نسبتوں کے امین وحامل ہیں،

گذشتہ صفحہ کا مابقیہ ...... کی خدمت میں نظام الدین مرکز میں گذارا، اوران کے لکھنؤ کے سفر میں بھی ساتھ رہے۔ ١٩٤٦ء میں مظاہر علوم سہارنپور میں ایک ماہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی خدمت میں کچھ تعلیمی وقت گذارا، پھر دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں گئے، اور وہاں کے مختلف اساتذہ سے شرائط دورہ کی کتابیں پڑھیں، ہدایہ وجلالین میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ شریک درس تھے، ١٩٤٧ء ١٩٤٨ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تکمیل تعلیم کی، اور ١٩٤٩ء میں معین مدرس ہوئے، ١٩٥٠ء میں حجاز مقدس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا سفر ہوا اس میں حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے ساتھ آپ بھی تھے، اور بیت اللہ شریف میں حاضری کی سعادت حاصل کی۔ حضرت رائے پوریؒ سے بیعت کا تعلق قائم کیا اور انہی کے مشورہ سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ سے پورے طور سے مرتبط ہو گئے اور کوئی کام ان کے انشراح کے بغیر نہیں کیا اور بیرونی اسفار میں بطور رفیق وخادم ساتھ رہے، یکم مئی ١٩٩٩ء کو ان کی طرف سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد مختلف ملکی اداروں کی سربراہی اور غیر ملکی اداروں کی رکنیت ان کی جگہ حاصل ہوئی، اور سبھی حلقوں نے ان کا بالاتفاق جانشین تسلیم کیا، ٢٠٠٠ء سے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اور ٢٠٠٢ء سے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر اس کی ہر میعاد میں منتخب ہوتے آرہے ہیں، ان کے اور حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی کے درمیان قدیم محبانہ ومخلصانہ تعلق ہے، اور دونوں ہی ایک دوسرے کی خدمات وتصنیفات کی بڑی قدر فرماتے ہیں۔ اس بات کا بھی اہتمام فرماتے ہیں کہ ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کی سالانہ نشست کی صدارت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی فرمائیں۔ مابقیہ آئندہ صفحہ پر..........

انہوں نے اپنی اہم اور مقبول کتاب ''اقوال سلف'' کی تصنیف کے ذریعہ سے اصلاح نفوس کا عظیم کام انجام دیا، الحمدللہ یہ کتاب گیارہ حصوں پر مشتمل تاریخ، دعوت واصلاح اور تزکیہ نفوس کا اہم سلسلہ ہے، جس کا آغاز انبیاء علیہم السلام کے احوال واقوال سے کیا گیا ہے، اور سب سے بڑھ کر خاتم النبیین سید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پھر آپ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عہد بہ عہد اولیاء واصفیاء امت، سلف صالحین، مجددین ومصلحین حضرات کا دلوں میں ایمانی حرارت اور ذہنوں کو جلا بخشنے والا تذکرہ ہے۔ اوران باہمت خواتین کو بھی شامل کیا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے رشد وصلاح کے ساتھ حکیمانہ تربیت کے مذاق ومزاح سے نوازا تھا۔

یہ سلسلہ تصنیف چھ جلدوں میں مکمل ہوا تھا، پھر ازسرنو اس میں اہم اور وقیع اضافے کئے گئے، اب گیارہ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب ''مَاثِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَآثَارُ الشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ملقب بہ ''اقوال سلف'' کے نام سے ناظرین کے سامنے ہے، یہ بات بلا کسی تردد کے کہی جاسکتی ہے کہ صحبت نبوی کا

حضرت مولانا کی تصنیفات: سیرت نبوی میں ''رہبر انسانیت'' قرآنیات پر ''قرآن مجید ایک رہبر کامل'' اور سورۂ انبیاء کی تفسیر ''احتساب زندگی'' سورۂ یوسف کی تفسیر اور بعض دوسری سورتوں کی تفسیر ہیں، اور جغرافیہ وتاریخ ثقافت عرب پر ''جزیرۃ العرب'' اور بعض درسی نصابی کتابیں ہیں، اور ایک اہم کتاب ''امت مسلمہ ایک رہبر امت'' ہے اس کے علاوہ تقاریر وسفر نامے کے مجموعے ہیں، ملفوظات کا مجموعہ ''ملفوظات مرشد الامت'' بھی ہے۔

(تحریر: سید محمود حسن حسنی ندوی)

قائم مقام حدیث پاک ہوتی ہے، اور اہل اللہ کی صحبت کا فائدہ ان کے ایمان افروز تذکروں اور دلوں کو راحت بخشنے والے ملفوظات ومواعظ سے حاصل کیا جا سکتا ہے، اس کتاب میں نیک لوگوں کی زندگی کے دلنشیں اور مؤثر حالات عام فہم زبان میں پیش کئے گئے ہیں، اور اس میں صحیح عقیدہ اور سنت کے مطابق زندگی گذارنے کے مؤثر واقعات درج کئے گئے ہیں، جن کو پڑھنے سے پڑھنے والے کا رجحان اور مزاج متأثر ہوتا ہے، یہ ایک بہت مفید اور مبارک کام ہے جو حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب الہ آبادی زیدمجدہ نے انجام دیا ہے، حضرت مولانا تعلیم وتلقین، تصنیف وتالیف اور اصلاح وارشاد کے کام میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔

انسانی معاشرہ کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ اس میں ایک فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ تعاون و ہمدردی کا جذبہ کام کرتا ہے، باپ کو اپنے بیٹے سے، بیٹے کو اپنے باپ سے، بھائی کو بھائی سے، دوست کو دوست سے، رفیق سفر و رفیق کار کو اپنے رفیق سفر و رفیق کار سے ہمدردی ہوتی ہے، اور وہ اس کا خیر خواہ ہوتا ہے، اس کو اپنی مصلحت کے ساتھ اپنے اس تعلق والے کی مصلحت سے دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ دلچسپی ذہنی بھی ہوتی ہے اور قلبی بھی، اور کسی کی مصلحت طلبی میں قلب و ذہن دونوں شریک ہو جائیں تو اس میں ایک خاص قسم کی تاثیر وطاقت شامل ہو جاتی ہے، اس تاثیر وطاقت کو اگر الفاظ میں ادا کر دیا جائے تو الفاظ کا یہ مجموعہ ایک شاندار ادب بن جاتا ہے، اور اس کا بڑا حصہ بہت سے مواعظ وملفوظات میں ملتا ہے۔

ادب کی تاریخ میں کلام انسانی کے اس طرح کے نمونے جابجا ملتے ہیں، جن کو کتابوں نے محفوظ کر لیا ہے، اور اس کی اعلیٰ مثالیں ہم کو قرآن مجید میں ملتی

ہے،جس میں قدیم قوموں اور ان کے انبیاء کا تذکرہ ہے، انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کو ان کے فائدے کی جن باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے، اس کے جستہ جستہ تذکرے ملتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام قدیم ترین قوم کے نبی تھے،ساڑھے نوسوسال تک اپنی قوم کو نصیحت کرتے اور سمجھاتے رہے،اس بات کا قرآن مجید نے تذکرہ کیا اور بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دل کی گہرائیوں سے اپنی قوم کو نصیحت کی، اور ان کے انداز کلام کا ذکر کیا گیا، اس کو پڑھئے تو دل پر اثر پڑتا ہے، ان کے بعد آنے والے نبیوں کی نصیحت کا بھی ذکر ملتا ہے، جن میں حضرت لقمان علیہ السلام کا نام سرفہرست آتا ہے، ان نصیحتوں میں حکمت وموعظہ حسنہ کا عنصر پوری طرح غالب ہے، حکمت یہ کہ موقع محل کا خیال رکھ کر اور سننے والے کی ذہنی کیفیت کی رعایت کرتے ہوئے کہی جائے، اور موعظہ حسنہ یہ کہ ایسے انداز سے مخاطب کیا جائے کہ بات دل کو لگتی معلوم ہو۔ بات دل لگتی اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ صرف ذہن کو مخاطب نہ کرے بلکہ قلب تک پہنچے، موثر کلام کے سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ قلب تک پہنچے، زبان کے الفاظ صرف سیدھا سادھا مطلب ہی ادا نہیں کرتے بلکہ مطلب کے ساتھ ساتھ ان سے دل کے احساس وتاثر کی جو کیفیت وابستہ ہو جاتی ہے اس کو ادا کرنے کی بھی ان میں صلاحیت ہوتی ہے، ایک ادیب کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ الفاظ سے وابستہ ان کیفیتوں کو سمجھتا ہو، اور پھر ان کے مطابق الفاظ اختیار کرتا ہو، اور اگر بات خود ادیب ہی کی ہے تو پھر اس کا یہ عمل فطری عمل بن جاتا ہے۔

انسانی احساسات وجذبات کے لحاظ سے انسانوں میں بڑی مماثلت

ویکسانیت ہوتی ہے، اس لئے کوئی آدمی اپنے عہد کے آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے اس طرح بات کرسکتا ہے کہ سننے والے کی واردات واحساسات کا پورا لحاظ کرے، ہم کو نصیحت وموعظت کے تین ایسے بڑے شاندار نمونے ملتے ہیں جن میں مخاطب کے احساسات وواردات کی رعایت پائی جاتی ہے، اوران کی بناء پر نصیحت کرنے والے کا کلام بڑا پراثر ہوجاتا ہے، انبیاء ونیک دل ونیک صفات کے حامل مصلحوں ومربیوں اورصوفیاء کے ہاں اس کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب الہ آبادی کی تحریروں میں تربیت واصلاح کے اثرات نمایاں ہیں، کتاب دراصل اپنے مصنف کی روح ورجحان کی حامل ہوتی ہے، لہذا اس کتاب میں بھی مولانا موصوف کی مربیانہ ومصلحانہ روح سرایت کی ہوئی ہے، اس میں اپنے عہد کی صالح ومصلح شخصیتوں کو ان کی زندگیوں کے سبق آموز حالات کی روشنی میں پیش کیا ہے، اس طرح یہ کتاب مربیانہ پہلو کی حامل اورمرشدانہ افادیت کی حامل ہے۔

لہذا میں ان الفاظ کے ساتھ کتاب کا تعارف کراتے ہوئے اس کارخیر میں چھوٹی موٹی شرکت کی سعادت حاصل کررہاہوں اوردعاگوہوں کہ یہ زیادہ سے زیادہ نافع ہواورمولانا عنداللہ زیادہ سے زیادہ ماجورہوں۔آمین

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷/ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۹/جون ۲۰۲۰ء

تعارف

از: محبّی المکرم حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحبؒ

اُستاذ حدیث: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت (گجرات)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

برکۃ الہند، شیخ طریقت، خانقاہ الہ آباد کی رونق حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ کے انفاس قدسیہ نے بہت سے لوگوں کو روشن ضمیری، محبت الٰہی، معرفت ربانی کی دولت سے سرشار کیا، اس چشمہ صافی سے سیراب ہونے والے لوگوں میں جہاں موصوف کے شاگرد اور مسترشدین تھے وہیں آپ کے معزز اساتذہ کرام بھی شامل تھے، جو موصوف کے مقام کی بلندی اور عند اللہ مقبول ہونے کی علامت تھی۔

حضرت والاؒ سے فیضیاب ہونے والی جماعت میں ایک عارف باللہ مصلح العصر، ہر دلعزیز اور اکابر کی محبوب شخصیت حضرت مولانا قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم ناظم مدرسہ بیت المعارف الہ آباد کی بھی ہے، موصوف کو شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے ساتھ بیعت وخلافت کے ساتھ ساتھ قرابت ومصاہرت بھی حاصل ہے، موصوف نے ایک طویل عرصہ شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی صحبت میں گزارا، سفر وحضر میں ساتھ رہے، حضرت کے ایک ایک ملفوظ کو یاد ہی نہیں رکھا بلکہ حرز جان بنایا، حضرت کی ہمہ وقتی شفقتیں موصوف کو حاصل رہیں، اوران کی نسبت آپ میں منتقل ہوئی، نیز حضرت کے وصال کے بعد شیخ طریقت

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھیؒ کی خانقاہ سے بھی بھرپور فیض حاصل کیا اوراجازت وخلافت سے بھی مشرف ہوئے، اوران کے قلبی واردات کے ایسے وارث بنے کہ ان کے اشعار کی توضیح وتشریح جس انداز میں فرمائی اس کی نظیر نہیں ملتی، سب ہی اصحاب ذوق نے اُس کی بھرپور داد دی ہے۔

موصوف نے اپنی بے نفسی، تواضع اور فنائیت کی خداداد صفت کی وجہ سے ہر خانقاہ سے خوشہ چینی کی اور ہر ایک کو بڑا سمجھ کر کسب فیض کیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کے موجودہ بزرگان دین میں موصوف کا ایک خاص مقام ہے، آپ کے قلم وزبان سے تصوف کے وہ نکتے اوراصلاح باطن کے وہ رموز عام ہورہے ہیں جوسینکڑوں کتابوں کے مطالعہ پر بھاری ہیں، آپ کے قلم سے طریقت اورتربیت پر ضخیم کتب اور نصائح کی چھوٹی بڑی ایسی کتب منظر عام پر آرہی ہیں جن میں دُھلا دُھلایا صاف ستھرا سلوک وتصوف اور اخلاقی امراض کی نشاندہی اوران کے ازالہ کے ایسے نسخے سامنے آرہے ہیں جو مرد وعورت، جوان، بوڑھے، خواص وعوام، شہری دیہاتی سب کیلئے یکساں مفید ہیں۔ موصوف کی کتب نے تصوف اورسلوک کو اتنا نکھار کر آسان اور سہل کردیا ہے کہ ہر شخص مستفید ہوسکتا ہے۔

علامہ شعرانی، علامہ قشیری، محی الدین ابن العربی، مولانا رومی، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، علامہ ابن جوزی، عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ، عارف باللہ مولانا محمد احمد پرتا پگڈھیؒ، مصلح الامت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، مسیح الامت مولانا مسیح اللہ

خان صاحبؒ، مفکر اسلام مولانا علی میاں صاحبؒ ان سب کو اگر کوئی نہیں پڑھ سکا یا ان کے ارشادات سے فیض نہ اٹھا سکا تو اس کو ان سب کے شہ پارے حضرت مولانا کے یہاں ان کی کتب میں مل جائیں گے۔

اقوال سلفؒ اور معارف صوفیہ ، وصیۃ الآداب، عرفان محبت کی شرح فیضان محبت، آں محترم کی وہ شاہکار تصانیف ہیں جن میں تصوف کا نچوڑ اور اس کا خلاصہ موجود ہے، اس کے علاوہ چھوٹے بڑے بہت سے رسالے جو اپنے مضامین کے لحاظ سے اصلاح باطن ، تربیت وسلوک کے راستے کے مینار ہیں، آج طریقت اور اصلاح کی دنیا میں مولانا کا نام سند کی حیثیت رکھتا ہے، مولانا کی شخصیت سارے ہندوستان میں تو معروف ہے ہی، بیرون ہند، لندن، کناڈا، افریقہ، زامبیا، ملاوی، امریکہ اور خلیجی مما لک میں بھی، ان مما لک کے متعدد مرتبہ اسفار اور آپ کی کتب کی وجہ سے آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے، الحمدللہ ہزاروں متوسلین اور مسترشدین ہند و بیرون میں موجود ہیں اور آپ کے فیض سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

برسہابرس سے رمضان المبارک میں ہر سال گجرات کے مؤقر ادارہ کنتھاریہ دارالعلوم میں قیام خانقاہ واعتکاف کے دوران سینکڑوں طالبین راہ سلوک کا رجوع اور استفادہ کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح دینی مجالس، جامعات کے سالانہ اجلاس اور دینی اجتماعات میں خواص وعوام کا جو رجوع آج مولانا کی طرف ہے یہ عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے، مولانا کے مزاج میں جو نرمی، سادگی ، بے نفسی ،تواضع ،مخلوق خدا کے ساتھ محبت ، اپنے

معمولات کی پابندی، شب بیداری، دعاؤں کا اہتمام، اپنے متوسلین کی نگرانی، ان کی اصلاح کی فکر، یہ سب خوبیاں ایک شخص میں یکجا طور پر بہت کم دیکھنے کوملتی ہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

سلوک وتصوف سے شغف رکھنے والے، اپنی اوراپنے اہل کی اصلاح کے فکر مندوں کیلئے موصوف کی یہ گراں قدر تصانیف اور فیض صحبت، رجوع الی اللہ کے لئے ایک قوی ذریعہ ہے، قرآن پاک کی ہدایات ابدی ہیں، قرآن نے فرمایا: کُونُوا مع الصادقین (اللہ والوں کی معیت اختیار کرو) ظاہر ہے کہ اس پرعمل اسی وقت ممکن ہوگا، جبکہ صادقین واصلین اوراہل اللہ ہر دور میں موجود ہوں، لہذا آج کے دور میں بھی اہل اللہ موجود ہیں، چاہے قلیل تعداد ہی میں سہی، مگر موجود ضرور ہیں، صادقین کی علامت دنیا سے بے رغبتی، آخرت ترسی، اخلاص وبےنفسی، فکر حلال روزی، ہر معاملہ میں سنت کی پیروی، علم وعمل میں پختگی، دل کی پاکیزگی ہے۔

تلاش کرنے والا ان کو پا ہی لیتا ہے اور ''کُونُوا مع الصادقین'' پرعمل پیرا ہونے کے لئے ان کی معیت اورصحبت کوضروری سمجھتا ہے، اللہ تعالی ہر طالب حق کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

خاکسار ذوالفقار احمد غفرلہ

خادم دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات

تاریخ وصولیابی: ۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ

تأثر

از: حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی زید مجدہ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد!

بزرگان دین، اہل دل اور اہل روحانیت کی باتوں میں ہمیشہ سے ایک بڑی تاثیر، طاقت و رکیفیت اور لوگوں کے قلب و دماغ کو بدل دینے اور ہدایت کی راہ پر لانے کی بڑی قوت ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہر دور میں، اہل اللہ اور اہل باطن کے الفاظ وکلمات اوران کی ہدایات وتعلیمات کو محفوظ اور قلم بند کرنے کی کوشش ہوتی رہیں، جو بلا شک وشبہ پوری امت کیلئے بے حد مفید اور بڑا قابل قدر سرمایہ ہیں۔ یہ سلسلہ تقریباً تیسری صدی ہجری سے شروع ہوکر، عصر حاضر کے مشائخ ومرشدین تک پہنچتا ہے اور اگر ان سب کتابوں کو دیکھا، تلاش کیا جائے، تو یقیناً ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی۔

ایسے ملفوطات وافادات کومختلف ترتیبات اورعنوان کے تحت جمع اور یکجا کیا گیا ہے، کچھ حضرات نے کچھ بزرگوں کی منتخب چیزیں لیں، کسی نے ان کے کسی افادی پہلوکو سامنے رکھا، کسی نے کسی عنوان کو، بہرحال یہ سلسلہ چلتا، آگے بڑھتا ہوا ہندوستان بھی آیا، یہاں مشائخ کرام کے وابستۂ دامن اصحاب نے، اس میں بڑی بڑی قیمتی چیزوں اور بے بہا افادات کا اضافہ فرمایا، جس سے اس برصغیر میں لاکھوں مسلمانوں نے، اپنی اپنی حیثیت اورظرف کے مطابق، کثیر فائدہ اٹھایا۔ بعد میں ہمارے بزرگوں کے افادات وملفوظات پر بھی خوب توجہ

رہی، حضرت سید احمد شہید سے حضرت حاجی امداد اللہ تک، حضرت حاجی امداد اللہ کے سلسلہ، خصوصاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ سے عصر حاضر کے اہل روحانیت تک، یہ روایت زندہ، متحرک اور بڑی حد تک ایسی ہی مؤثر اور کار فرما رہی، جیسی زمانہ قدیم میں ہوا کرتی تھی۔

ملفوظات کا یہ سرمایہ اور ذخیرہ، بہت وسیع اور سیکڑوں کتابوں پر مشتمل ہے، حضرت مولانا تھانوی کے ملفوظات کے پچاس سے زائد مجموعے ہیں، جس میں سے ہر اک کی اپنی افادیت ہے، مگر آج کل کے حالات اور کشاکش کے دور میں، ان سب سے بیک وقت استفادہ بہت مشکل، بلکہ ناممکن سا ہو گیا ہے، اس لئے عصر حاضر کی، ہندوستان کی ایک ممتاز اور برگزیدہ شخصیت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم نے جو حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی کے چشتی فیضان اور حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے نقشبندی عرفان کے جامع ہیں، عجب ارادہ فرمایا کہ معرفت کے اس سمندر اور تعلیمات روحانی کی اس جوئے رواں کو، ایک ساغر وگاگر میں سمیٹ دیا جائے۔ اس کے لئے حضرت مولانا نے بہت وسیع مطالعہ اور طویل تجزیہ وانتخاب کے بعد، ملفوظات کے خاص اور مؤثر حصوں کو، ایک نئی ترتیب سے اس طرح جمع کیا، کہ باذوق پڑھنے والے آغاز عہد تصوف سے، اس وقت تک کے، تمام مشائخ تصوف کی تعلیمات اور طریقۂ ارشاد وہدایت کو بھی سمجھ لیں اور اس کے ذریعہ سے، اپنے درد دل کی دوا اور اپنے روحانی امراض کی شفا حاصل کرسکیں۔ حضرت مولانا نے اس کام کو گیارہ جلدوں میں صدیوں کی تاریخی ترتیب پر، اس طرح جمع کیا ہے کہ ان کا پڑھنے

والا، ان سے بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے اوران کوراہ عمل بنا کر، اپنی علمی زندگی کو خوشگواراوراپنی معلومات کووسیع سے وسیع تر کرسکتا ہے۔

یہ مجموعہ (اقوال سلف) صرف ایک کتاب نہیں، بلکہ روحانی دستورالعمل ہے، جس میں جواہر پارے چن کرر کھ دئے گئے ہیں، کہ جس کا جی چاہے ان کی مدد سے، راستہ تلاش کرے اور کامیاب ہو۔

میری ایسی حیثیت نہیں ہے کہ میں اس کتاب کے متعلق کچھ عرض کرتا، یا اس پر کچھ لکھتا، لیکن حضرت مولانا کا ارشاد ہوا کہ تجھے اپنا تأثر ظاہر کرنا، لکھنا چاہئے، اس لئے اس کی ہمت وتوفیق ملی۔ اللہ تعالیٰ مجھے حضرت مولانا کے روحانی فیض اوراس کتاب کی تعلیمات سے بہرہ ورفرمائے اور یہ مجموعہ امت کے لئے زیادہ مفیداورزیادہ نافع وکارآمد ہو۔ اللھم آمین۔

نورالحسن راشد کاندھلوی

مولویان، کاندھلہ، ضلع شاملی (یوپی)

۱۸رشعبان المعظم ۱۴۴۰ھ چہارشنبہ

تاثر

از: حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

علماء و مشائخ کے اقوال و احوال کو ہر دور میں اہمیت دی گئی ہے اور ان کے جمع و ترتیب اور طبع و اشاعت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اہل اللہ کے ملفوظات و حالات دلوں کی سرد مہری کو گرمیٔ عشق میں تبدیل کرنے کی تاثیر رکھتے ہیں، پاکیزہ اقوال پڑھ اور سن کر اللہ تعالی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ترقی پذیر ہوتی ہے عمل صالح کا جذبہ بیدار اور آخرت کا یقین تازہ ہوتا ہے، ان کے ذریعہ نہ صرف قرآن وحدیث کی عظمت دل میں جاگزیں ہوتی ہے؛ بلکہ قرآن وحدیث کے بہت سے حقائق و معارف بھی منکشف ہوتے ہیں۔

صوفیاء کے سردار حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ: حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے مریدین کے دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے، کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

”وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ج وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ“ (ھود: ۱۲۰)

اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے

ہیں، جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة. (المقاصد الحسنہ ص: ۳۴۶)

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: نیک لوگوں کے تذکرے پر رحمت باری نازل ہوتی ہے۔

وقال الإمام أبو حنيفة عليه الرحمة: الحكايات عن العلماء ومحاسنهم أحب إلي من كثير من الفقه، لأنها آداب القوم و شاهده قوله تعالى: (أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ) وقوله سبحانه: (لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ)

ومجالسة العلماء الصالحين أو سماع أخبارهم أو قراءة وقائعهم و سيرهم من أهم مقاصد الحياة عند العقلاء الصلحاء، فما تحبب الدنيا لعاقل إلا لتكميل صفاته و تكثير حسناته وتزوده منها لآخرته وفي هذا يقول سيدنا عمر بن الخطاب رضي الله عنه: لولا ثلاث في الدنيا لما أحببت البقاء فيها:

(۱) لولا أن أحمل أو أجهز جيشا في سبيل الله۔

(۲) ولولا مكابدة الليل - يعنى قيام الليل والعبادة فيه۔

(۳) ولولا مجالسة أقوام ينتقون أطايب الكلام كما ينتقي أطايب التمر۔ (العلماء العزاب، بحوالہ امداد الفتاح ص: ۱۹۲)

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ کا فرمان ہے کہ: علماء کے قصوں اور ان کی خوبیوں کو بیان کرنا مجھے فقہ کے بیان کرنے سے زیادہ پسند ہے؛ اس لیے کہ ان

سے قوم کے طور وطریق کا پتہ چلتا ہے اور اس کی دلیل اللہ رب العزت کا قول: ”اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰئهُمُ اقْتَدِهْ“ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، لہذا آپ ان کے اسوہ کی اتباع کیجئے“ ہے۔اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا: ”لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ“ ان کے قصوں میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے“۔

علمائے صالحین کی مجلس میں بیٹھنا یا ان کے قصے سننا یا ان کی سیرت اور واقعات کو پڑھنا عقلائے صالحین کے نزدیک زندگی کا ایک اہم مقصد ہے، اس لیے کہ عقلمند کو دنیا اچھی ہی اس لئے لگتی ہے کہ وہ اس میں اپنی صفات کی تکمیل کر کے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرلے اور اپنی آخرت کے لیے توشہ جمع کرلے اور اسی سلسلے میں سیدنا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ”دنیا میں اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو مجھے اس میں رہنا اچھا نہ لگتا:

۱۔ جہاد کے لیے لشکر تیار کرنا۔

۲۔رات میں نماز پڑھنا۔

۳ - نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ان کی حسین باتوں کو عمدہ کھجوروں کی طرح چننا۔

علمائے اسلام کے تذکروں پر مشتمل علمائے ہند کی عربی، فارسی اور اردو تصانیف بے شمار ہیں، ان تصانیف میں بعض مخصوص موضوع پر اور بعض مخصوص علماء کے احوال پر، جب کہ چند تصانیف وفات یافتہ بزرگاں کے ناموں میں حروف تہجی کی ترتیب پر ہے، مثلاً ”علمائے سلف اور نابینا علماء“ مؤلفہ نواب صدر

یار جنگ حضرت مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔حصول علم کے موضوع پر۔

’’اعیان الحجاج‘‘از حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ، حج وزیارت کے بصیرت افروز احوال وواقعات پر مشتمل ہے۔

’’تاریخ دعوت وعزیمت‘‘ از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت وعزیمت کے کارنامے اس کا موضوع ہے۔

’’پرانے چراغ‘‘از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ،مصنف کے اہل محبت وعقیدت کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔

’’یادرفتگان‘‘از: علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ، جوانھوں نے اپنے اساتذہ،احباب،معاصرین اور دیگر مشاہیر کی وفات پر تحریر فرمائی ہے۔

’’کاروان رفتہ‘‘از: مولانا اسیر ادروی،وفات پانے والوں کے ناموں میں حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔

زیر نظر کتاب’’اقوال سلف‘‘ ازقلم حضرت اقدس مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم، مذکورہ بالا تمام کتب کی بنسبت ایک ممتاز کتاب ہے۔مصنف مدظلہم کے سیال قلم سے ۱۳۹۵ھ میں یہ سلسلہ شروع ہوا تھا اور ۱۴۴۲ھ تک اس کی نوجلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

بڑے بڑے علماء وصلحاء جیسے حضرت اقدس مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ،فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ،حضرت اقدس مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ،حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ

(کراچی)، حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت اقدس مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سہارنپوریؒ ، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ (پٹنہ)، حضرت اقدس مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ، حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ، حضرت اقدس مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور دیگر اکابر علماء واساطین امت نے اس کتاب کو خوب سراہا ہے، ان اکابر امت کی پسندیدگی خود اس کتاب کی مقبولیت کی علامت ہے۔

زیر نظر کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کسی خاص ایک موضوع کے علمائے سلف کے تذکرے پر مشتمل نہیں ہے، بلکہ اس میں نوع بنوع اکابر کا حسین وجمیل تذکرہ ہے، اور مختلف المزاج اسلاف کے اقوال معتبرہ و احوال نبیلہ آراستہ و پیراستہ ہیں۔

حضرات صحابہ، تابعین، تبعِ تابعین، محدثین، فقہا، متعدد مشرب کے صوفیاء، مؤلف کے اہل تعلق، سلاطین، مؤرخین، شعراء کے اقوال وارشادات اور احوال کے علاوہ ہندوستان کے اساطین ومشاہیر واکابر علماء کے زریں افادات و ولولہ انگیز احوال کا حسین گلدستہ ہے، اس کتاب کو اردو زبان میں اکابر واسلاف کے احوال واقوال کے موضوع پر انسائیکلو پیڈیا کہنا بجا ہے۔

اردو میں ایسی جامع ومعتبر حوالجات سے مستحکم کتاب احقر کی نظر سے نہیں گزری، عہد حاضر میں یہ کتاب ایک مشعل راہ ہے، جس نے ”اخلاف“ کا ”اسلاف“ سے ربط پیدا کروانے، چھوٹوں سے بڑوں کو جوڑنے، پچھلوں کو اگلوں سے ملانے اور ان کے تجدیدی کارناموں سے واقف کرانے میں بڑا رول ادا کیا

ہے،جن اکابر نے کتاب پر کلمات تحسین و تشجیع تحریر فرمائے ہیں، ان میں ایک نام نامی سیدی مرشدی فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا ہے، حضرت کے تاثرات کا ایک جامع اقتباس نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ کیجئے:

''بعض جگہ پڑھنے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دکھتی رگ پر آپریشن ہے، جس چیز کو لوگ کینسر سمجھ کر لا علاج قرار دیتے ہیں یہاں اس کا بھی علاج موجود ہے''۔(اقوال سلف ۱۹/۴) مذکورہ اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کتاب نے عہد حاضر کی ایک خاص ضرورت پوری کی ہے۔تادم تحریر اقوال سلف نامی یہ کتاب نو جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں آٹھ سو انہتر سے زائد شخصیتوں کے سنہرے اقوال ومختصر احوال مذکور ہیں۔

بعض شخصیتوں کے احوال مکرر ہیں مگر یہ تکرار اتفاقی نہیں بلکہ قصدی ہے۔ پہلی مرتبہ میں جن اقوال واحوال کا تذکرہ ہے اس سے زیادہ نفیس اقوال واحوال دوسری جگہ مذکور ہیں، گویا یہ تکرار بھی اس شعر کا مصداق ہے:

أعد ذكر نعمان لنا أن ذكره　　　هوالمسك ما كررته يتضوع

ہمارے سامنے نعمان کا بکثرت ذکر کر، بلاشبہ ان کا ذکر جتنی دفع کرے گا کستوری کی طرح مہکے گا۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو　　　گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

مؤلف دامت برکاتہم کو اللہ رب العزت نے اس آخری دور میں اپنے شیخ (حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ وحضرت مولانا محمد احمد

صاحب پرتاب گڈھیؒ) کے علوم و فیوض کی نشر واشاعت کے لیے گویا چن لیا ہے۔ زبانی وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ حضرت موصوف کے یہاں تصنیف کا مستقل سلسلہ جاری ہے جو اپنے اسلوب کے لحاظ سے عام فہم اور طالبان حق کے لیے مشعل راہ ہے۔ اہل گجرات بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کے ورودِ مسعود کی خبرسن کر پروانہ وار جمع ہوجاتے ہیں، یہاں کے کئی اہل علم آپ کے دامن سے وابستہ ہیں، بہت سے مدارس میں آپ کے تربیت یافتہ حضرات مصروف عمل ہیں۔ پچھلے کئی سال سے حضرت والا پر ضعف ونقاہت طاری رہتی ہے، مگر اس کے باوجود ماہ مبارک میں دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ کے قیام واعتکاف کا روحانی سلسلہ جاری ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

دارالعلوم کنتھاریہ میں مشائخ کے زیرنگرانی ماہ مبارک میں اعتکاف کا سلسلہ عرصۂ دراز سے جاری ہے، یہ مبارک سلسلہ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی (مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ) سے شروع ہوا، ان کے بعد حضرت مولانا معین الدین مرادآبادی (مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ) نے فیض یاب فرمایا، ۱۴۰۸ھ کے رمضان میں مولانا موصوف کوافریقہ کا سفر پیش آیا جس کی وجہ سے کنتھاریہ کا قیام نہ ہوسکا اس لیے کسی اور شیخ کی تلاش وجستجو ہوئی، دارالعلوم کنتھاریہ کے مہتمم صاحب مولانا اسماعیل منوبریؒ کی نظر انتخاب احقر پر پڑی، انہوں نے ایک وفد اسی غرض سے احقر کے پاس بھیجا، چونکہ احقر کوفقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں اعتکاف کا مکلف کر رکھا تھا؛ اس

لئے بصد احترام معذرت پیش کردی ،مگر اہل کنتھاریہ پیہم اصرار کرتے رہے، احقر نے عرض کیا حضرت فقیہ الامت اجازت مرحمت فرمادیں تو میں تیار ہوں؛ اس لیے اہل کنتھاریہ نے حضرت فقیہ الامت سے رابطہ قائم فرمایا مگر حضرت نے بھی معذرت تحریر فرمادی۔

حضرت کے گرامی نامے کے الفاظ یہ ہیں:

''کنتھاریہ سے یہاں بھی رمضان المبارک کے لیے خط آیا تھا، اس میں اپنی اور آپ کی طرف سے معذرت لکھ دی تھی کہ دونوں خالی نہیں''۔

چونکہ کنتھاریہ میں کسی شیخ کا قیام بھی واقعی ایک ضرورت تھی اس لیے احقر نے ان کو مشورہ دیا کہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم کی خدمت بابرکت میں دعوت پیش کی جائے، ان حضرات نے منظور فرمالیا اور حضرت مولانا موصوف کی خدمت میں ایک وفد پہنچا جس میں احقر بھی تھا، حضرت والا کو اللہ تعالیٰ خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے، حضرت نے ہماری دعوت کو شرف قبولیت سے نوازا، اس وقت سے (تقریباً تیس سال سے زائد عرصہ سے) فیض یابی کا یہ روحانی سلسلہ جاری وساری ہے۔ اہل گجرات پر اس احسان عظیم کی روداد اس لیے ذکر کردی؛ تاکہ اس کی تاریخ معلوم ہو اور قدردانی میں اضافہ ہو۔ حاشا وکلا اپنی خودستائی مقصود نہیں۔

زیر نظر ''اقوال سلف'' جلد نہم احقر کو تاثرات تحریر کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ ماشاء اللہ یہ جلد سابقہ تمام جلدوں سے فائق ہے، اس میں چوراسی (۸۴) اہل علم کے ولولہ انگیز حالات وسنہرے اقوال مذکور ہیں۔

یہ کتاب اصلاحی ہونے کے ساتھ تاریخی بھی ہے۔ اس لیے اس میں ذکر کردہ شخصیات کے سن وفات وولادت بھی مذکور ہیں۔

زیر نظر اقوال سلف کی جلد نہم خاص طور پر اہمیت کی حامل ہے، ہمارے زمانے کے اہل علم اور اہل سلوک کے لیے اس میں جو ہدایات ہیں وہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہیں؛ اس لیے کہ اس میں ماضی قریب کے رجال کے احوال ہیں مجموعی طور پر ''اقوال سلف'' کی ساری جلدیں اس لائق ہیں کہ اسے حرز جان بنایا جائے۔

دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس سلسلۃ الذہب کو آگے بڑھائے اور اس کے فیض کو عام وتام فرمائے اور حضرت مصنف دامت برکاتہم وعنایاتہم کے سایہ عاطفت کو دیر تادیر بعافیت وسلامتی ہمارے سروں پر دائم وقائم رکھے اور ان کے فیوض وبرکات سے ہمیں مستفید ومستیض فرمائے۔ آمین

املاہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

۷ر جمادی الاولی ۱۴۴۲ھ

۲۱ر جنوری ۲۰۲۱ء

بقلم: عبد القیوم راجکوٹی

نوٹ: حضرت مفتی صاحب نے تاریخ وفات میں بعض مقام پر نشاندہی کی ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

آئندہ ایڈیشن میں اس کا خیال رکھا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قمر الزمان الہ آبادی

تاثر

از: عزیزم مولانا مفتی محمود سلمہ بارڈولی زید لطفہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي نور قلوب العارفين بنور معرفته ومحبته والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي دعا في دعائه الماثورة: اللهم إني أسئلك حبك وحب من يحبك والعمل الذي يبلغني حبك وعلى اله وصحبه الذين فازوا بحب الله ورسوله، أما بعد!

مشفقنا ومحسننا شیخ طریقت، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ کے رشحات قلم اور آپ کی فکر وتوجہات، محنتوں اور کاوشوں سے امت کو ''اقوال سلف'' کے عنوان سے ایک بیش بہا علم ومعرفت اور انوار وبرکات کا خزانہ مل رہا ہے، واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اسلاف میں سے کسی سلف صالح کے اقوال واحوال اس کتاب میں پڑھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ:

''اس سلف صالح کی مجلس میں ہم موجود ہیں اور وہ براہ راست ہم سے خطاب فرمارہے ہیں اور ہم ان کی نورانیت سے محظوظ ہورہے ہیں''۔

چونکہ صاحب نسبت، اللہ کی محبت سے سرشار، اللہ کے ساتھ روحانی تعلق سے بھرے ہوئے اللہ کے نیک بندوں کے اقوال، احوال اور ملفوظات اللہ کے ایک ولی کامل اور صاحب دل اور صاحب روحانیت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ کے قلم اور روحانیت سے امت کے سامنے

آرہے ہیں، لہٰذا دوطرح کی روحانیت اس میں جمع ہوگئیں۔اللہ تعالی ہم سب کو اس کی برکت سے اپنی محبت ومعرفت اور عشق کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

بندے نے اپنے مصر کے سفر سے واپسی کے بعد ملاقات کے موقع پر حضرت والا سے عرض کیا تھا کہ:

جب قاہرہ میں علامہ شعرانی کے مزار پر مغرب کے وقت حاضری ہوئی، ایصال ثواب کیا تو بے اختیار آپ (حضرت اقدس مولانا قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم العالیہ) مجھے یاد آگئے، ذہن اور دل ودماغ میں آپ موجود تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس مزار پر آپ کی معیت میں حاضر ہوں اور حضرت کے ساتھ علامہ شعرانی کی روحانیت سے محظوظ ہورہا ہوں، یہ حضرت اقدس کی روحانیت کی ایک بڑی دلیل ہے۔

الہ آباد حاضری کے موقع پر حضرت والا نے ''اقوال سلف'' کی جونویں جلد عطا فرمائی دورانِ سفر ٹرین میں اس کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس سے پہلے والی جلدیں بھی دیکھی ہیں، حضرت نے حکم فرمایا تھا کہ اس کے بارے میں اپنے تاثرات لکھئے اور حضرت شیخ مفتی احمد صاحب سے بھی لکھوائیں تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب سے بھی درخواست کی، انھوں نے بہت ہی مفصل تأثرات مع ضروری تاریخ تحریر فرما کر عنایت فرمایا ہے وہ بھی ارسال خدمت ہے۔

بندہ: محمود بن مولانا سلیمان حافظی بارڈولی

۱۴ / جمادی الاخری ۱۴۴۲ھ

۲۸ / جنوری ۲۰۲۱ء

تأثر

از: حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب دامت برکاتہم

مہتمم مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور سہارنپور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

ارباب علم و دانش کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جب کسی بندہ پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں اور اس کا فضل شامل حال ہوتا ہے تو ان کے ملفوظات، مواعظ اور تصنیف و تالیف سے ایک خلق کثیر کو نفع پہنچتا ہے۔ ان روحانی شخصیات میں سے ایک شخصیت حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب الہ آبادی کی ذات اقدس ہے کہ جن کے ملفوظات و مواعظ اور تصنیف و تالیف سے فیض رسانی کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ حضرت مولانا موصوف مدظلہ کی تین کتابیں بذریعہ حکیم محمد ارشاد صاحب گلاؤٹھی اور مولانا محمد رضوان صاحب سلمہ مدرس مدرسہ ہذا بندہ کو موصول ہوئیں۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء

اپنی معذوری کی وجہ سے بالاستیعاب تو مطالعہ نہ کرسکا۔ چیدہ چیدہ مقامات کو غور سے پڑھا۔ ماشاءاللہ سبھی کتابیں اپنے مضمون کے اعتبار سے مفید تر ہیں۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور امت کے لئے نافع بنائے، اور باری تعالیٰ مولانا موصوف مدظلہ کی عمر میں صحت و عافیت کے ساتھ برکت عطا فرمائے۔ اور ان کے فیوض و برکات کو تادیر جاری و ساری رکھے۔ آمین یارب العالمین   والسلام

مکرم حسین غفرلہ

۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

تأثر

از: برادر مکرم انیس احمد صاحب پرخاصوی (الہ آبادی)

پہنچاتے ہیں بھٹکے ہوئے رہ رَو کو بمنزل — گرداب بلا کو بھی بنا دیتے ہیں ساحل
بیدار انھیں کر دیتے ہیں رہتے ہیں جو غافل — کرتے ہیں عطا فہم جو ہے علم کا حاصل
وہ کیا ہیں جو مومن کو بنا دیتے ہیں کامل — اقوال سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

منزل کی طرف چلنے سے گھبرائے مسافر — یا تھک کے کہیں راہ میں گر جائے مسافر
اٹھ کر جو نہ چلنے کی سکت پائے مسافر — حیران ہے جائے تو کہاں جائے مسافر
ایسے میں جہاں رشد وہدایات ہیں وافر — اقوال سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

کینہ ہے تکبر ہے حسد اور ریا ہے — ناسور کی مانند یہ سینوں میں چھپا ہے
مہلک ہے مرض پھیلی ہوئی عام وبا ہے — انگشت بدنداں ہیں اطباء کہ یہ کیا ہے
ان سب کو بتا دیجئے کیا اس کی دوا ہے — اقوال سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

کچھ بھی ہے اگر عقل بزرگوں کا کہا مان — ہیں اس میں بھلائی کے تیرے واسطے سامان
سن ان کو جو فرما کے گئے صاحب عرفان — اس میں کوئی ذلت ہے نہ توہین نہ حرمان
وہ جن کی تتبع سے قوی ہوتا ہے ایمان — اقوال سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

کیا خوب ہے ''اقوال سلف'' اس کی صداقت — نادر ہے کتاب اس کی تھی مدت سے ضرورت
ہر لفظ میں ہر جملہ میں ہے کیف وحلاوت — ظاہر ہے انیسؔ اس سے مؤلف کی لیاقت

کس شے نے عطا کی ہے انہیں فہم وفراست
اقوال سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

تأثر

از: عزیزم مولانا مقصود احمد سلمہ

استاذ حدیث مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد

اللھم لک الحمد شکراً ولک المن فضلاً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ دائماً ابداً۔

(۱۳۲۵ / سلف صالحین (رجال وخواتین) کے حالات وتعلیمات کا مجموعۂ نافعہ)

ابتداء آفرینش سے انسان کی ہدایت واصلاح کیلئے دو سلسلے جاری ہیں۔ ایک کتاب اللہ، دوسرے رجال اللہ، انھیں دونوں ذرائع سے فلاح وبہبود کا حصول آسان ہورہا ہے جیسا کہ مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی معرکۃ الآراء تفسیر معارف القرآن جلد اول میں رقم طراز ہیں:

اللہ جل شانہ نے ابتداء آفرینش سے انسانوں کی ہدایت واصلاح کیلئے ہمیشہ ہر زمانے میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک دو سلسلے جاری رکھے ہیں، ایک آسمانی کتابوں کا، دوسرے اس کی تعلیم دینے والے رسولوں کا، جس طرح محض کتاب نازل فرمادینے کو کافی نہیں سمجھا، اسی طرح محض رسولوں کے بھیجنے پر بھی اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ دونوں سلسلے برابر جاری رکھے، اللہ جل شانہ کی اس عادت اور قرآن کریم کی شہادت نے قوموں کی صلاح وفلاح کیلئے ان دونوں سلسلوں کو یکساں طور پر جاری فرما کر ایک بڑے علم کا دروازہ کھول دیا کہ انسان کی صحیح تعلیم وتربیت کیلئے نہ صرف کتاب کافی ہے، نہ کوئی مربی انسان، بلکہ ایک

طرف ہدایات اورالٰہی قانون کی ضرورت ہےجس کا نام کتاب یا قرآن ہے، تو دوسری طرف ایک معلم اور مربی انسان کی بھی ضرورت ہے جو اپنی تعلیم وتربیت سے عام انسان کوآسمانی ہدایات سے رُوشناس کرکےان کوخوگر بنائے، کیونکہ انسان کا اصلی معلم انسان ہی ہوسکتا ہے، کتاب معلم یا مربی نہیں ہوسکتی، ہاں تعلیم وتربیت میں معین ومددگار رہے۔ (معارف القرآن جلداول صفحہ:۲۷۸)

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ ایک علمی دستور حیات ہےاور رجال اللہ عملی وتربیتی نمونہ ہیں۔

زیر نظرعلمی وعملی سرمایہ حیات اقوال سلف یازدہم انھیں رجال اللہ کے تذکرےاورمحاسن کی آخری کڑی ہے۔

یقیناً یہ مجموعہ سید نا حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر موجودہ ہجری یعنی ۱۴۴۱ھ تک آنے والے ۱۲/انبیاءکرام،۱۰/ازواج وامہاتِ انبیاء،۶۹/صحابہ عظامؓ، ۳۸/صحابیات، ۹۱/تابعین ، ۱۲/تابعات، ۵۱/تبع تابعین، ۹۱۵/ اولیاء ومشائخ، ۱۰۲/عارفات وولیات اور ۲۵/نیک سیرت سلاطین کی سوانح حیات ہی نہیں بلکہ دینی،علمی،فکری،اصلاحی،احسانی،عرفانی،تعلیمی اورتجدیدی کارناموں کا انسائیکلوپیڈیا ہے جومطالعہ کرنے والوں کیلئے مشعل راہ ہےجس کے نتیجہ میں ظاہری وباطنی حالات اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔ان کے محاسن پڑھ کرعبرت ونصیحت حاصل ہوتی ہے۔جیسا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ ایک موقعہ پرتحریرفرماتے ہیں:

ماہرین نفسیات، علماء اخلاقیات اورتعلیمی وتربیتی اور اصلاحی کام کرنے

والوں کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ کتاب وسنت اور اہل اللہ کی براہ راست صحبت کے بعد، شخصیت کی تعمیر وترقی ،اصلاح واحتساب نفس اور کردار سازی میں سب سے بڑی موثر اور انقلاب انگیز چیز نائبین رسول، علماء ربانیین ،اولیاء کاملین ، مصلحین ومجددین اور داعیان برحق کی سیرت وسوانح اور حالات وواقعات کا مشاہدہ اور اگر وہ میسر نہ ہوں تو ان کی سیر وسوانح کا مطالعہ ہے۔

مجموعۂ اقوال سلف میں اہل علم واہل دل بھی ہیں، شاعر وادیب بھی، اہل قلم اور اہل زباں بھی ،فقیر ودرویش بھی، اہل ثروت واہل سلطنت بھی، ملی وسیاسی خدمت کے میدان کے شہسوار بھی ، نامور اور گمنام بھی، عرب وعجم کے اہل دعوت واہل خدمت بھی، گوشہ نشین اور مسند درس وتدریس اور زمام حکومت سنبھالنے والی خواتین بھی۔

یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمام عمر ریاضات ومجاہدات، تہذیب اخلاق وتزکیۂ نفوس، تطہیر باطن ،اکتساب فضائل وکمالات روحانیہ، عبادت الٰہیہ، اوامر ونواہی کی تعمیل میں صرف کردی۔

اقوال سلف میں ان شخصیتوں کے صرف علمی کمالات ،تحقیقات اور تصنیفات کے اقتباسات اور روحانی وعرفانی مقالات وخطبات پر اکتفانہیں کیا گیا بلکہ ان کی زندگی کے باطنی پہلو، تعلق مع اللہ، عبادت وانابت الی اللہ، خدمت خلق اور اخلاقی خصوصیات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ان کمالات وخصوصیات کے انتخاب کرنے میں امام تصوف، ترجمان اسلاف شیخ طریقت مرشدی وسندی حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم کا خاص ذوق ورجحان

کارفرما ہے جو اخلاص ومحبت کا ابر بن کر ہر ایک پر بلا امتیاز برستا ہے جس کا احساس ہر باذوق قاری کو ہوگا نیز آپ نے جابجا جوفوائدارقام فرمائے ہیں وہ یقیناً چشم کشا ہیں۔اس سے صحیح رہنمائی ملتی ہے۔یہ ذوق ورجحان ان کی ۹۰/سالہ عرفانی واحسانی،علمی وتربیتی زندگی کا ماحصل ہے۔

جس کوآپ نے مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ اور شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پڑتا پگڈھیؒ کے ساتھ ساتھ متعدد مشائخ اوراولیاءکرام کی صحبت اور خدمت سے حاصل کیا ہے۔لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ درحقیقت آپ حضرت مصلح الامتؒ کے جملہ علوم ظاہری وباطنی کے حقیقی امین ہیں اورحضرت پڑتا پگڈھیؒ کے قلبی واردات کے صحیح وارث ہیں اوردونوں بزرگوں کے جلال وجمال کے حسین سنگم ہیں۔

یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ناقابل انکارحقیقت ہے کہ اقوال سلف اوراس کے مشفقی المکرم مؤلف،مربیٔ جلیل وداعیٔ کبیرحضرت مولانا دامت برکاتہم کی عنداللہ اورعندالناس مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ پچاس سے زائدارباب علم وفضل،اصحاب فہم وفراست،اساطین زہدوتقویٰ نے کتاب کی نافعیت وافادیت کے سلسلہ میں اپنے تبصرے،تقریظات،تأثرات اورمکتوبات مکرر،سہ کرر لکھ کر اقوال سلف کی نافعیت کی تصدیق کردی۔اور حضرت کو بصدفرح وسرورمبارکباد پیش کیا اورآپ کی مساعیٔ جمیلہ کو دادتحسین سے نوازا۔جس کو بجاطور پر شھداء اللہ فی الارض کہا جاسکتا ہے۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

بڑی ناسپاسی اور ناشکری ہوگی اگر میں مرشدی ومولائی شیخ طریقت دامت برکاتہم کے ان الطاف وعنایات، علمی وفکری رہنمائیوں، اصول تصنیف وتالیف کی نشاندہی اور ہر موقع پر ہمت افزائی اور خوردنوازی کا تذکرہ نہ کروں جس سے اس خاکسار کی گردن زیر بار ہے ان کی مربیانہ ومشفقانہ توجہات میرے لئے منارۂ نور ہیں میرے لئے بڑی سعادت ہے کہ حضرت دامت برکاتہم نے اقوال سلف کی کچھ خدمت مجھ بے بضاعت اور تہی دامن سے لے لیا، جس کی وجہ سے انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کا موقع مل گیا۔

الحمدللہ اس بناء پر موضوع سے متعلق بہت سی کتابوں کے مطالعہ کرنے کا حسین موقع ملا نیز اہل طریقت واہل دعوت کے حالات وکمالات اور علمی نکات کو عبرت ونصیحت کی نظر سے دیکھنے اور قبول کرنے کا بہترین وقت ہاتھ آیا۔ اپنے نقائص اور کوتاہیوں پہ بھرپور نظر پڑی، جس کی وجہ سے ندامت وشرمساری ہے۔ اس احسان عظیم پر یہ ناچیز دل سے شکر گذار ہے۔ اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے آپ کی عمر صحت وعافیت کے ساتھ دراز فرمائے تاکہ آپ کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو قبول فرمائے اور اہل اللہ حضرات کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

احب الصالحین ولست منہم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

ادنیٰ خادم

مقصود احمد قاسمی

۴ / ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ [1] المتوفی ۱۴۰۳ھ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

ولادت وتعلیم : حضرت حکیم الاسلام کی ولادت باسعادت محرم الحرام ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء بروز اتوار بمقام قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

۱۳۲۲ھ میں آپ کو تعلیم کیلئے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں دے دیا گیا، وقت کے بزرگ اور شیوخ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی تقریب عمل میں آئی، دوسال کی قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کرلیا، اور اس کے ساتھ تجوید میں مہارت تامّہ حاصل کی، اس کے بعد درجہ فارسی میں داخل کئے گئے، اس سے فراغت کے بعد اعلیٰ تعلیم کیلئے شعبۂ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم کی تمام نصابی تعلیم سے فراغت پاکر سند فضیلت حاصل کی، حدیث میں آپ کو خصوصی تلمذ امام العصر محدثِ اعظم حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے حاصل رہا۔

اس کے علاوہ حدیث کی خصوصی سند وقت کے مشاہیر علماء واساتذہ سے حاصل ہوئی، چنانچہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بطور خود آپ کو سہارنپور طلب فرما کر اور اوائل حدیث تلاوت کرا کر اپنی خصوصی سند خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی۔

---

[1] ''ذکر طیب'' مؤلفہ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سے مختصر حالات درج کئے جارہے ہیں۔ (مرتب)

اساتذہ: آپ کے مشہور اساتذہ میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ، مولانا اعزاز علی صاحب امروہیؒ، مولانا عبدالسمیع صاحبؒ اور علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ وغیرہم ہیں۔

درس وتدریس: حضرت حکیم الاسلامؒ نے ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم سے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے مایۂ ناز اساتذہ ہی کے زیر سایہ حسبۃً للہ درس وتدریس کا آغاز کیا، اور درس نظامی کے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، اور اہتمام دارالعلوم کی اہم ذمہ داری کے باوجود درس وتدریس کا مشغلہ آپ نے کبھی ترک نہ فرمایا، حدیث وتفسیر اور فن حقائق واسرار کی کتابیں جیسے ’’حجۃ اللہ البالغہ‘‘ وغیرہ اکثر زیر تدریس رہتی تھیں۔

آپ سے علمی استفادہ کرنے والے برصغیر کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں ممتاز علماء وفضلاء شامل ہیں جو آج بھی دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

اہتمام: حضرت حکیم الاسلامؒ کو ۱۳۴۱ھ میں نائب مہتمم بنایا گیا، اس لئے آپ اپنے والد ماجدؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی زیر نگرانی اہتمام کے انتظامی معاملات میں حصہ لیتے رہے، اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی وفات پر ۱۳۴۸ھ میں باقاعدہ طور پر دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا، آپ کا دور اہتمام ساٹھ (۶۰) سال تک جاری رہا، اس دور میں دارالعلوم نے نہایت شاندار ترقی کے مدارج طے کئے اور دارالعلوم کی شہرت وعظمت میں غایت درجہ اضافہ ہوا،

دارالعلوم کے مہتمم ہونے کی حیثیت سے عالم اسلام خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں میں علم دین کی جوشمع روشن رکھی اور ہندوستانی مسلمانوں کے بزرگ قائد کی حیثیت سے جوخدمات انجام دیں؛ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

بالآخر حضرت قاری صاحبؒ کے آخری دوراہتمام میں دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس واقع ۳، ۴، ۵، جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳، مارچ ۱۹۸۰ء میں ان ترقیات اورشاندارخدمات کے اجتماعی طور پراظہار کا وقت موعود آ گیا اور نہ صرف ہند بلکہ دنیائے اسلام کے اساطین واراکین سلطنت نے دارالعلوم کے جلال ووقار، اس کی عظمت وسطوت اورعروج وکمال کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلیا، تو پھراس باغ وبہار میں خزاں کے آثارشروع ہوئے اوراختلافات وتنازعات کا سلسلہ دراز ہوا، جس کے نتیجہ میں حضرت حکیم الاسلام کو دارالعلوم سے ظاہری مفارقت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ وکان اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۞ للّٰہِ الْاَمْرُ مِن قبلُ و من بعدُ۔

مگر خاندان قاسمی کی سوسالہ خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کے ذریعہ دارالعلوم کو جوشاندارعروج اورغیرمعمولی ترقی حاصل ہوئی وہ تاریخ کا ایک سُنہرا باب اوراس کے مظاہروآثارتاریخ کا درخشندہ حصہ بن چکا ہے۔ ع

ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما۔ (ذکرطیبؒ:ص/۲۳۹)

روحانی تربیت کے متعلق حضرت مولانا سیدمحمد انظر شاہ مسعودیؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند) یوں تحریرفرماتے ہیں:

روحانی تربیت: روحانی تربیت کیلئے حضرت قاری صاحبؒ کا مفتی اعظم

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کی رفاقت میں سفر شروع ہوا، اولاً حضرت شیخ الہندؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اُن کی وفات کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر نظر جاٹکی، سادگی یہ برتی کہ مولانا حبیب الرحمن عثمانی مدیر اہتمام سے سفارشی خط لکھوایا۔

تھانہ بھون کا یہ فقیر غیور بڑے ضابطہ کا انسان تھا، جواب آیا کہ اس خاندان کی خدمت میرے لئے سعادت ہے، لیکن استفادہ کے لئے مستفید کا عریضہ مطلوب ہے نہ کہ کسی مخدوم کی سفارش''۔

حضرت مہتمم قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: پہلا سفر مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ رمضان المبارک میں ہوا، خیال یہ تھا کہ صاحبزادہ نوازی کا مظاہرہ ہوگا، لیکن خانقاہ تھانہ بھون میں چند ساعتی سکون کے بعد اپنے وقت کے حکیم حاذق کا پیغام پہنچا، چونکہ آپ استفادہ کے لئے آئے ہیں اس لئے کھانے کا نظم خود فرمایئے، تبرعاً یہ بھی بتاتا ہوں کہ یہاں خانقاہ میں چھ پیسے کے عوض صبح وشام کا کھانا میسر ہے، جس کی تفصیل کھانے کے علاوہ ایک چراغ، سرسوں کا تیل اوراس میں فتیلہ بھی ہے''۔

اس کے بعد آپ برابر حضرت والا کی خدمت میں اصلاح وتربیت کے لئے تشریف لاتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی صلاح وصلاحیت اورعلو استعداد کو ملاحظہ فرما کر ۱۳۵۰ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

آپ کی سعادت: آپ کوایک بہت بڑی سعادت یہ حاصل ہوئی کہ آپ

کے مرشد حکیم الامت ؒ نے مرض وفات پر ایک مرتبہ حاضری کے موقع پر آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بوسہ دیا اور اپنے قلب مبارک پر رکھ کر فرمایا:

''اس ہاتھ سے ایک عجیب وغریب سکون وسکینت اپنے قلب میں محسوس کرتا ہوں''۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامت ؒ نے آپ کے علمی وروحانی فیضان اور عمر وصحت وسلامتی میں برکت کیلئے مستجاب دعائیں دے کر رُخصت فرمایا، جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس راہ میں بھی اپنی خاص رحمت وفضل سے نوازا، آپ کے ذریعہ بے شمار لوگوں کی اصلاح ہوئی اور ان کی ایمانی واحسانی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا، اور ہزاروں کی بگڑی ہوئی زندگی سنور گئی، کتنے لوگ آپ کے دست حق پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، آپ کا حلقۂ بیعت وارشاد ہندوستان سے نکل کر دوسرے بلاد وممالک تک پہنچا، اور بہت سے لوگوں کو آپ نے تعلیم وتلقین اذکار کی اجازت اور سلاسل اربعہ میں بیعت کرنے کی اجازت وخلافت سے نوازا۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔

خلفاء: آپ کے خلفاء ومجازین سینکڑوں کی تعداد میں ہیں، جن میں خاص طور سے بڑے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھولیوی ؒ (مجاز صحبت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب ؒ) سابق شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر (سورت) حضرت الحاج مکرم صوفی عبدالرحمن صاحب کڑی، شمالی گجرات (جن کا قیام عبدالرحمن اسٹریٹ ممبئی میں رہتا تھا) اور مولانا حکیم محمد اسلام صاحب مہتمم جامعہ نور الاسلام میرٹھ ہیں۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کے چند ارشادات حکیمانہ

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دو قرآن اتارے:

قرآن پاک علوم کا جامع ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات اعمال کی جامع ہے، جو قرآن کہتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر کے دکھلاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کر کے دکھلاتے ہیں وہ قرآن کہتا ہے، اگر ہم یوں کہہ دیں کہ اللہ نے دنیا میں دو قرآن اتارے تو بیجا نہ ہوگا، ایک علمی قرآن جو کاغذوں میں محفوظ ہے، اور ایک عملی قرآن جو ذات بابرکات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ وہ قرآن علم کا مجموعہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات عمل کا، اخلاق کا اور کمالات کا مجموعہ ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام: ج/۱، ص/۱۳۲)

ف: سبحان اللہ! کتنی حکمت ومعرفت کی بات ارشاد فرمائی جو آپ ہی کی شانِ علم وحکمت کے لائق ہے۔ (مرتب)

اخلاص فی الدین: دین ودنیا کی کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر اخلاص کامل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کامل پیدا کرے، دونوں چیزیں کلید نجات ہیں اور کامیابی کی ضمانت ہیں، جو بھی کامیاب ہوا اسی طریق پر چل کر ہوا، اور جو راستہ سے ہٹ گیا وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ سکا، اور زندگی کا مایہ یونہی گم کر بیٹھا۔ (خطبات حکیم الاسلام: ج/۱، ص/۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے حقیقی بندے: حقیقی بندہ وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو، ایسے ہی بندوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: فادْخُلِي فِي عبادِي وادْخُلِي جَنَّتِي۔ (یعنی اے نفس مطمئنہ میرے

خاص بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔) اور اسی خصوصیت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے وادْخُلِی جَنَّتی پر فادْخُلِی فِی عبادِی کو مقدم فرمایا، اور جنہوں نے بندگی کا انکار کردیا، جنہوں نے میرا دین نہیں مانا، تو میں بھی انہیں اپنا بندہ نہیں کہتا، یعنی جب وہ میرا خاص بندہ بننا نہیں چاہتا تو میں بھی اُسے اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا۔ (خطبات حکیم الاسلام: ج/ ۲، ص/ ۱۳۵)

ف: درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس کا بیان "اللّٰہ الصمد" (اللہ بے نیاز ہے) میں عیاں ہے۔ (مرتب)

مسلمانہ زندگی کے تین بنیادی شعبے: ایک مسلمان کی دینی زندگی کے تین شعبے ہیں۔ علم، اخلاق اور عمل۔ علم نہ ہو تو راستہ ہی نہیں مل سکتا کہ راہ روی ممکن ہو۔ اخلاق نہ ہو تو عمل کی قوت میسر نہیں آسکتی کہ آدمی راہ مستقیم پر رواں دواں ہو۔ اور عمل نہ ہو تو معطل قوم کا کوئی مستقبل نہیں ہوسکتا کہ وہ عزت سے دنیا میں باقی رہے۔

قوم کی بربادی کے تین اسباب: اس سے طبعی طور پر کسی قوم کی تباہی و بربادی کے بھی تین ہی بنیادی اصول نکل آتے ہیں، جن سے ایک قوم قعر مذلت میں گر کر دم توڑ دیتی ہے۔

ایک جہالت، کہ راستہ ہی دکھائی نہ دے، ایک بدخُلقی، کہ تہذیب وشائستگی کا سرا ہاتھ سے چھوٹ جائے، اور انسان کے بجائے حیوان بن جائے، اور ایک بے عملی، کہ سُست اقوام کا نتیجہ ہمیشہ ذلت وخواری اور پستی وغلامی نکلا ہے، دنیا کی جو قوم بھی ہلاک ہوئی ہے وہ ان ہی تین بنیادی بیماریوں سے ہلاک ہوئی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام: ص/ ۴۲۵، ج/ ۳)

دورحاضر اور ملت اسلامیہ: آج علاقے کے علاقے اور بستیاں کی بستیاں ہیں جن میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی آبادی ہے۔لیکن عالمِ دین کا سایہ تک نظر نہیں آتا۔اسی لئے جگہ جگہ وہ بدعات وخرافات اور رسوم ورواج کے بندھنوں میں بندھے نظر آتے ہیں، اور اپنی جہالت سے انہی رسوم ورواج کو دین باور کر کے اپنی دنیا وآخرت خراب کر رہے ہیں، نہ ان میں قابل ذکر طریقہ پر دینی شعور ہے، نہ دنیوی احساس ،تمدنی لائنوں میں ، صنعتی ،تجارتی ،سیاسی اور اقتصادی شعور سے بھی عامۃً بے بہرہ ہیں، کیونکہ بنیادیں علم سے قائم ہوتی ہیں، جب علم ہی صفر کے درجہ میں ہو تو یہ بنیادیں کہاں قائم ہوسکتی ہیں، اور جب بنیادیں نہ ہوں تو تعمیر اُٹھنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔(خطبات حکیم الاسلام: ج/۳،ص:۴۲۵)

صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اچھے انسان پیدا کرتی ہے:

سائنس نے آنکھوں کو چکا چوند کر رکھا ہے،بجلیوں سے شہر روشن ،فضائیں ہوائی جہازوں سے بھری ہوئی ہیں، دریا بڑے بڑے بحری جہازوں سے آباد ہیں، گویا برّاور بحر کے اندر چاندنا ہو رہا ہے،مگر یاد رکھئے ! سائنس اچھے اچھے سامان پیدا کرسکتی ہے، اچھے انسان نہیں پیدا کرسکتی، اچھے انسان صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پیدا کرے گی جس سے کریکٹر اور اخلاق درست ہوں۔

میں سائنس کا مخالف نہیں ہوں،ضرور جہاز بنائیں،مگر اپنے کو درست بھی کیجئے،اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

تم شوق سے کالج میں پڑھو، پارک میں کھیلو
جائز ہے غباروں میں اُڑو، چرخ پہ جھولو

ہزاروں فٹ کی بلندی پر پہنچ جاؤ، چاند پر پہنچ جاؤ، مجھے کوئی اعتراض نہیں، جائز ہے۔

بس ایک سخن بندۂ عاجز کی رہے یاد   اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اکبر الہ آبادی نے دو چیزیں پیش فرمائیں، اللہ کی عظمت اور نفس کی حقارت کہ ہم ایک گندہ قطرہ ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں، اپنی حقیقت کو فراموش مت کرو اور اللہ کی عظمت و بزرگی کو دل سے مت کھوؤ، جب یہ دو چیزیں یاد ہو جائیں گی تو سائنس، فلسفہ، سامان سب چیزیں اچھی بن جائیں گی، تمہارا دل اگر مسلم بن جائے تو ہوائی جہاز، بحری جہاز بھی مسلمان ہوگا، یہ سب چیزیں مسلمان ہوں گی اور اگر تمہارا دل کافر ہے تو یہ ساری چیزیں کفار ہیں اور مضرت رساں ہیں، تو درست کرنا اپنے آپ کو ہے، سامان تو پہلے ہی سے درست ہیں، ان کا کیا درست کرنا۔ (خطبات حکیم الاسلام: ج/۴، ص/۱۸۷)

زندگی ذکر اللہ سے قائم ہے: زندگی درحقیقت ذکر اللہ کا نام ہے، جب کائنات، نباتات اور جمادات کی زندگی اس سے ہے تو انسان کی زندگی اس سے کیوں نہیں ہوگی، اس لئے انسان کو سب سے زیادہ ذاکر ہونا چاہئے، تب ہی وہ زندہ ہوگا، بلکہ زندۂ جاوید بن جائے گا۔ (خطبات حکیم الاسلام: ج ۴، ص: ۸۵)

کلماتِ طیبات حکیم الاسلام

(از مولانا محمد سالم صاحب فرزند حکیم الاسلامؒ)

والد ماجد حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہ العزیز (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی ذات گرامی حجۃ الاسلام حضرت الامام

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز کے اس بین الاقوامی اسلامی فکر کے امین تھے جو کہ عصر رواں میں عالمگیر مسائل کو اسلامی بنیادوں پر عالمی نقطۂ فکر کے حل کرنے کے متفرد امتیاز کا حامل ہے، اس لئے آپ کی تقریر وخطاب اورتحریر وکتاب کا بنیادی امتیاز ارباب علم وفضل نے یہ ہی قرار دیا کہ آپ نئی نسل کے سامنے دین کے مسائل قدیم کو دلائل جدید سے اس انداز سے مبرہن فرما کر پیش فرماتے کہ نافرمان ذہن مطیع بن جائے اور مطیع ذہن ناقابل شکست استقامت پر آجائے۔

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ العزیز نے وفات سے ایک روز قبل حکیم الاسلامؒ کا ہاتھ آخری ملاقات میں اپنے ہاتھ میں لیکر چوما اور پھر آنکھوں سے لگایا اور دل پر رکھ کر ارشاد فرمایا کہ ''میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ اس ذات میں اللہ رب العزت نے اپنی جماعت کے تمام بزرگوں کی روحانی نسبتوں اور تمام علمی سندوں کو یکجا فرما دیا ہے۔''اس لئے اس کی مختصر تعبیر یہ ہی ہوسکتی ہے کہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کی ذات بابرکات میں جماعت اہل حق کی جامعیت وجمعیت اس طرح جمع تھی کہ کہیں اور اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، یہ ہی جامعیت وجمعیت جب آپ کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہے تو اس سے دلوں اور دماغوں کی حیرت ناک تسخیر رونما ہوتی تھی، اگر چہ اس جامعیت وجمعیت کی ترجمانی چند جملوں یا فقروں میں نہیں ہوسکتی ،لیکن حضرت مولانا قمر الزمان صاحب زیدمجدہ کے امر گرامی کی تعمیل میں مختصراً چند کلمات طیبات پیش کر رہا ہوں۔

ارشاد فرمایا: انسان کی وہ امتیازی خصوصیت کہ جو اس کو دوسرے ابنائے جنس سے ممتاز کرتی ہے، وہ صرف فکر وتفکر ہے، بقیہ تمام معنوی قوتیں یعنی حواس

خمسہ، عقل ودانش، ذوق ووجدان، بصیرت وتفقہ، حدس وتجربہ اور قیاس وقیافہ اسی فکر وتفکر کے تابع اور اس کی قیادت وتحریک کے دست نگر ہیں، اس لحاظ سے الگ اس فکری قوت کو انسان کی ماہیت کا حقیقی معرّف قرار دیا جائے تو بیجا نہیں ہوگا، کیونکہ ان تمام معنوی قوتوں میں سب سے ممتاز قوت عقل وقیاس ہے، جو کسی نہ کسی حد تک حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے، ایک کُتّا اگر ایک جگہ آج گوشت کا ٹکڑا پالیتا ہے تو دوسرے دن اس جگہ پھر آموجود ہوتا ہے، گویا وہ قیاس کرتا ہے کہ جب آج اس جگہ پر گوشت کا ٹکڑا ملا تو کل بھی مل سکتا ہے، اور جب مل سکتا ہے تو پھر اس جگہ پہنچ جانا چاہئے، یہ عقلی ترتیب مقدمات نہیں تو اور کیا ہے، اگرچہ وہ لفظی اور تعبیری نہیں ہے لیکن ایک حقیقت تو ہے، پھر حیوانات میں اگر عقل وشعور کی جنس ہی نہ ہوتی تو ان میں نوعی تفاوت کی تقسیم بھی صحیح نہ ہوتی، کہ بعض جانوروں کو چالاک اور ہوشیار کہا جاتا ہے جیسے بندر اور لومڑی اور بعض کو احمق اور بے وقوف کہا جاتا ہے، جیسے گدھا اور بھینس، اس لئے دریافت معقولات علی الاطلاق انسان کی خصوصیت قرار دیکر اس کی حد تام حیوان ناطق بتلانا کوئی جامع مانع تعارف انسان نہیں ہوسکتا، البتہ فکر وتدبر کی راہ سے حقائق کا تجزیہ کرکے ان میں امتیاز قائم کرنا، نئے نئے اکتشافات سے جزئیات پیدا کرلینا، جزئیات کو جمع کرکے کلیات بنانا، کلیات سے جزئیات کا نکالنا اور جزئیات کے عواقب اور انجام دنیا وآخرت کو پیش نظر رکھنا، نوعی خیر سگالی اور اس کی منظم تدبیریں اور اصلاح معاشرہ کے لئے سوچ بچار وغیرہ بلاشبہ انسانی نوع ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ سب اسی فکر وتفکر کے کرشمے ہیں، اس لئے انسان

کی حقیقت کی جامع تعریف حیوان ناطق نہیں بلکہ حیوان متفکر ہی ہوسکتی ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے بین الاقوامی فکر کی اسلامی بنیادوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک موقع پر حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

اسلام عالمی دین ہے، اس نے اپنے پیغام کو جس کا نام قرآن کریم ہے **ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِين** فرمایا یعنی وہ سارے جہانوں کیلئے نصیحت ہے۔

اپنے کعبہ کو **هُدًى لِّلْعَالَمِين** فرمایا کہ جہانوں کیلئے ہدایت ہے۔

اپنے رسول کو **رَحْمَةً لِّلْعَالَمِين** فرمایا کہ جہانوں کیلئے رحمت ہے۔

اپنے پروردگار کو **رَبُّ الْعَالَمِين** فرمایا کہ وہ جہانوں کا پالنہار ہے۔

اپنے دین کو دین فطرت کہا کہ جو ساری اولاد آدم پر یکساں چھائی ہوئی ہے، فرمایا: **فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عليها** اللہ کی فطرت ہے جس پر انسانوں کو اس نے بنایا۔

اپنے پیروؤں کو **يَآ أَيُّهَا النَّاسُ** سے خطاب فرمایا، جس کے معنی سارے انسانوں کے ہیں، کسی ایک قوم کے نہیں، اپنی جائے نماز پوری زمین کو بتایا جس میں کسی وطن کی قید نہیں، ارشاد ہے: **جُعِلت لِي الأرْضُ مَسجدًا وَطَهُورًا** (بخاری شریف، حدیث: ۳۳۵) میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے۔

اپنا خزانہ زمین کے سارے دفینوں کو کہا: فرمایا: **أُوتِيتُ مفَاتِيحَ خزَائِنِ الْأَرْضِ** (بخاری شریف، حدیث: ۱۳۴۴) مجھے زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں دیدی گئی ہیں۔

اپنا قلمرو پوری زمین کو بتایا، فرمایا: ان اللہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا مازوی لی منھا۔ (مسلم شریف، حدیث:۲۸۸۹) مجھے اللہ نے زمین کے مشارق ومغارب سب دکھلا دیئے، اور میری امت کا ملک وہیں تک پہنچے گا جہاں تک میری نگاہ پہنچی ہے۔

چنانچہ زمین کے کلیدی مقامات اوراس کے اکثر حصہ پرمسلمانوں کوقبضہ دلاکراس پیشگوئی کو پورا کر کے دکھلا دیا ہےاورآخر میں پوری زمین پرمکمل قبضہ کی پیشگوئی کی، جوواقعہ بننے والی ہے۔

اس لئے اسلام ہی کوحق ہے کہ وہ اپنے کوعالمی رحمت، عالمگیر مذہب اور بین الاقوامی دین کے لقب سے یاد کرے، اوران دعووں کا سب سے بڑا ثبوت جسے ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے یہ ہے کہ اسلام اصول پسندی کا نام ہے،قوم پرستی کا نہیں، اصول میں عمومیت اورکلیت ہوتی ہے جو اپنے وسیع دائرہ میں سارے انسانوں کوجمع کرسکتا ہے،لیکن قومیت میں جزئیت اورحد بندی ہوتی ہے کہ وہ صرف اسی قوم کواپنے دائرے میں رکھ سکتی ہےجس کی وہ قومیت ہے، دوسری قومیں اس قومیت کے دائرے میں کبھی نہیں گھس سکتیں۔ حاصل یہ ہے کہ اصول میں جامع ہونے کی شان ہے کہ وہ متفرق اقوام کوایک دائرہ میں جمع کرسکتا ہے،اورقومیت میں تفریق کی شان ہے جوجمع شدہ اقوام کوبھی منتشراور پراگندہ کردیتی ہے، اورمختلف قسم کی حدبندیوں اورگروہی دائروں میں بانٹ کران کےٹکڑے کرڈالتی ہے۔

علم اوراخلاق کی باہم آمیزی ہی درحقیقت اسلام کا وہ طرۂ امتیاز ہے کہ جس کی وجہ سے وہ صرف پچاس سال کی مختصرترین مدت میں آدھی سے زیادہ دنیا میں پھیل گیا،

اس حقیقت کے بارے میں حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داہنے ہاتھ میں آفتاب سے زیادہ چمکنے والا اور کبھی غروب نہ ہونے والا سورج اللہ کی کتاب قرآن کریم تھا، اور بائیں ہاتھ میں چاند سے زیادہ چمکنے والا قلب محمدی تھا، جس میں اخلاق محمدی کی روشنی بھری ہوئی تھی، کلام خداوندی جلالِ الوہیت سے بھرا ہوا تھا، یہ جلال روشنی جب قلب محمدی سے ہوکر گزری اور اس میں اخلاق وعبدیت کی ٹھنڈک شامل ہوئی تو یہ روشنی ٹھنڈی اور معتدل ہوکر دنیا کے سامنے آئی، اگر قلب محمدی سے گزرے بغیر یہ جلالی روشنی دنیا کو دی جاتی تو اس کا یہ جلال وعظمت دنیا کو پھونک کر رکھ دیتا اور کوئی تحمل نہ کرسکتا، لیکن قلب محمدی کی اخلاقی مسکنت وعبدیت نے اسے مخلوق کیلئے قابل تحمل بنادیا، اور وہ ٹھنڈی روشنی کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔

قلّتِ فرصت اور غالبًا کتاب کے قلّت صفحات کوملحوظ رکھتے ہوئے احقر نے حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے عالمگیر اسلامی ذوق اور فکری رفعتوں کی مختصر ترین ترجمانی تین نکات کی صورت میں پیش کر کے امتثال امر گرامی کیا ہے، خدا کرے کہ لائق اعتناء ہو، والسلام۔

ف: ماشاءاللہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے اسلامی ذوق وفکری رفعتوں کی خوب ہی جامع تشریح فرمائی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ (مرتب)

حضرت حکیم الاسلامؒ کا محققانہ بیان بمقام لکھنؤ

مولانا عبدالحق صاحب پیشکار دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہندوستان کے آزاد ہوجانے کے بعد ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء میں لکھنؤ میں مولانا

ابوالکلام آزاد مرحوم کی صدارت میں ایک تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں ہر طبقہ کے ماہرین تعلیم، مدیر وفضلاء کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کے چوٹی کے لیڈر موجود تھے، متعدد مقررین نے کھلے الفاظ میں اعلان کیا کہ ہمیں زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنا چاہئے، سائنسی ایجادات وانکشافات اور مشاہدات پر مبنی نئے نظریات کی موجودگی میں ہم کب تک پرانی دقیانوسی قدروں کے لاشہ کو کندھوں پر لئے ہوئے پھریں گے، مسلمانوں کو چاہئے کہ آزاد ہندوستان کی نئی فضا میں نیا نظام تعلیم مرتب کریں، جب تک نیا نظام تعلیم نہیں جاری کیا جائے گا مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشی مشکلات پر قابو نہیں پایا جاسکتا، آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد نے تقریر کی، آپ غور کریں کہ مولانا آزاد جیسا شعلہ بیان مقرر اور مانے ہوئے خطیب نے اپنی شعلہ بیانی اور دلنشین بیان سے لوگوں کو مسحور کردیا، مولانا نے بھی اشارہ کنایہ اور دبے الفاظ میں نئے نظام کی تدوین اور ترتیب پر زور دیا، جمعیۃ علماء کے لیڈروں نے بھی اسے پسند نہیں کیا اور چاہا کہ اشارہ کنایہ سے مولانا نے پچھلے مقررین کی جو تائید کی ہے اسی اشارہ کنایہ اور بلیغ انداز میں اُس کا جواب دیا جانا چاہئے، مولانا آزاد کی تقریر کا اور نقطہ نظر کا جواب دینا آسان نہیں تھا، حالانکہ ان لیڈروں میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمنؒ جیسے مقرر اور خطیب بھی موجود تھے، مولانا آزاد کی تقریر کے جواب کے لئے سب کی نظریں حضرت حکیم الاسلامؒ پر پڑیں اور سب نے یک زبان ہوکر اصرار کیا کہ اس وقت آپ کے سوا کوئی دوسرا جواب نہیں دے سکتا، حضرت اُٹھے اور خطبۂ ماثورہ کے بعد تقریر شروع فرمائی اور کھلے الفاظ میں فرمایا کہ یقیناً ہمیں نئے انکشافات اور سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھانا چاہئے، ہم قطعاً اس کے حق میں نہیں کہ سائنسی

ایجادات کو اچھوت سمجھ کر اسے ہاتھ نہ لگائیں اور اسے نظر انداز کریں، لیکن اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کے بنیادی اصول اور عقائد و اعمال انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں؛ بلکہ اُس خالقِ کائنات کے بنائے ہوئے ہیں جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، وہ آج کے نظریات اور ایجادات سے آج سے پہلے بھی واقف تھا، اُس وقت سے واقف ہے جب کہ یہ دنیا آباد بھی نہیں ہوئی تھی، نئے انکشافات اور نئی ایجادات سے فائدہ ضرور اٹھائیں گے، اسلام ترقی پسند مذہب ہے، اس میں جمود اور تعطل نہیں ہے، اور نہ لکیر کا فقیر ہے، اس کے نظریات اور اصول میں لچک ہے، ہر نئی چیز کو اپنے اصول پر جانچ کر اس سے فائدہ اٹھانے کی اس میں صلاحیت ہے؛ مگر اسلام کے بنیادی اصول اور عقائد و اعمال میں ترمیم نہیں کریں گے اور نہ ترمیم کا ہمیں حق حاصل ہے۔

حضرت ؒ نے اخیر میں فرمایا کہ میں نے جو کچھ عرض کیا، دو لفظوں میں اس کا حاصل یہ ہے کہ مسائل پُرانے ہوں اور دلائل نئے ہوں، حضرت کی تقریر اور قرآن وحدیث سے دلائل اور شواہد کے دوران حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ خوش ہورہے تھے، اُن کی خوشی اور مسرت کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے، جس وقت حضرت ؒ نے دو لفظوں میں خلاصہ بیان فرمایا مجمع جھوم اٹھا، چاروں طرف سے نعرۂ تکبیر اور دارالعلوم زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اٹھی، مولانا آزاد نے بھی تحسین وآفریں کے الفاظ فرمائے اور جلسہ برخاست ہوگیا۔

ف: اس تقریر کا ذکر حضرت مصلح الامت ؒ بھی فرماتے تھے اور تعریف فرماتے تھے، اور اس زمانہ میں تو خاص طور سے ہم سب کو یہ بات پیش نظر رکھنا چاہئے، تاکہ کتاب وسنت کے علم کی بے توقیری قلب و دماغ میں نہ آئے، جس کی وجہ سے اُس کی طرف سے بے

اعتنائی ہونے لگے، جیسا کہ بعض جدت پسند اہل علم سے بھی اس کا صدور ہو رہا ہے، فَیَا حَسْرتاہ! اللہ تعالیٰ ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرمائے، آمین (مرتب)

حضرتؒ کی خدمت میں میں نے کم وبیش بچاس سال گذارے ہیں، حضرتؒ کی حکمت ریز تحریروں اور تقریروں کے بہت سے واقعات میرے ذہن میں ہیں، بطور مثال اور نمونہ کے یہ چند واقعات عرض کر دیئے ہیں، انہی ان گنت اور بے شمار حکمت ریز تحریروں اور تقریروں کی وجہ سے قوم کی جانب سے حضرت کو حکیم الاسلام کا خطاب دیا گیا۔ طَاب اللّٰہُ ثَراہ وجعل الجنۃ مَثْواہ۔

مقامات مقدسہ کے متعلق

یہ حضرت قاری صاحبؒ کی آخری تصنیف ہے جس سے کچھ اقتباسات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جو حضرت قاری صاحبؒ کی حیات مبارکہ میں طبع نہ ہو سکی تھی، حالانکہ حضرت قاری صاحبؒ کو اپنی زندگی میں اس کی طباعت کی بہت خواہش تھی، جیسا کہ حضرت قاری صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد اسلم صاحب یوں ارقام فرما رہے ہیں:

''اس کتاب کا پس منظر اور تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہ کتاب حضرت کی آخری تصنیف ہے جسے آپ نے عرب ممالک کے آخری سفروں کے دوران شروع فرمایا اور مسلسل چھ سال کی محنت کے بعد مکمل فرمایا، نیز یہ حضرتؒ کی سب سے ضخیم ومفصل تصنیف ہے، وفات سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے حضرتؒ نے اس کتاب کا مسودہ ایک روز احقر کو دیا اور فرمایا کہ یہ چھ سال کی عرق ریزی کا نتیجہ ہے اور شاید میری سب سے زیادہ مفصل تصنیف ہے، یہ ان اہم زیارت گاہوں کے متعلق ہے

جو عرب مما لک میں ہمیشہ سے اہل اسلام کی عقیدت ومحبت کا مرکز رہی ہیں، اب عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور سفر آخرت کیلئے پا بہ رکاب ہوں، میری خواہش ہے کہ اسے جلد از جلد چھپوالیا جائے، کاش میں اس مسودہ کو مطبوعہ شکل میں دیکھ سکوں۔

راقم نے عرض کیا کہ میں یہ مسودہ آج ہی کاتب کو دے دیتا ہوں اور جلد از جلد اس کی طباعت کے مراحل پورے کرنے کی کوشش کروں گا، مگر اپنی بات پوری کرتے کرتے میں نے حضرت کے چہرے پر حسرت وامید کی ایک ملی جلی کیفیت محسوس کی، کچھ دیر افسردہ وخاموش رہ کر فرمایا کہ یہ میری آخری کتاب ہے، میں نے اس پر شب وروز بہت محنت کی ہے، اب قویٰ جواب دے چکے ہیں، اُمنگ اور قوت کا وہ زمانہ اب لوٹ کر نہ آئے گا، اس لئے اس کتاب کے بعد شاید قلم ہمیشہ کے لئے رکھ چکا ہوں، البتہ اس محنت کو ظاہر کے لحاظ سے بھی ایک خوشنما قالب میں دیکھنا چاہتا ہوں، یہ آرزو ہے کہ یہ کتاب آفسٹ پر چھپے بالکل تاریخ دارالعلوم کے طرز پر، کہ وہی سائز ہو، ویسی ہی معیاری آفسٹ کی کتابت ہو، ویسا ہی عمدہ کاغذ ہو اور ویسی ہی ڈائی کی جلد ہو۔

آپ کی غیرت واستغناء: حضرتؒ کی یہ آرزو جذبے کے لحاظ سے تو میرے سر آنکھوں پر تھی، مگر اپنے مختصر وسائل کے اعتبار سے میری دسترس سے باہر، میں نے دبے لفظوں میں اپنی معذرت کے ساتھ استدعا کی کہ آپ اس بارے میں اگر کسی کو اشارہ فرمادیں گے تو یہ کام ہوسکتا ہے؛ مگر فوراً ہی فرمایا: نہیں! یہ میری عادت اور غیرت کے خلاف ہے، تم اس مسودہ کو رکھ لو، جب کبھی حق تعالیٰ سہولت دیں گے تب اسی پیمانے پر میری آرزو کے مطابق چھپوانا، میں

نہ دیکھ سکوں گا، اگرچہ میری تمنا تھی کہ یہ کتاب میری زندگی میں چھپ جاتی، مگر قدرت کو شاید منظور نہیں۔ (مقامات مقدسہ: ص/۳۵)

حضرت مولانا محمد سالم صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ''مقامات مقدسہ'' کا خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''سورۂ والتّین'' میں ذکر فرمودہ ''تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین'' (یعنی انجیر، زیتون، جبل طور اور مکہ مکرمہ) کہ عبارۃ النص کے متبادر معنی سے عمومی طور پر ان مقامات اور پیدا واروں کی تقدیس کی جانب اذہان منتقل ہو جاتے ہیں، لیکن تقدیس کے ساتھ تجلیاتِ ربانی کی روشنی میں ان کی وجوہ تقدیس اور ان وجوہ میں باہمی لطیف فروق کی مدلل توضیح اور ان فروق لطیفہ ہی کو بناء قرار دے کر بیت اللہ کی وجہ سے ملک حجاز کی مرکزیت، طاعت وعبادت، مسجد اقصی کی وجہ سے ملک شام کی مرکزیت سیاست، اور کوہِ طور کی وجہ سے ملک مصر کی عسکری مرکزیت پر مشتمل اصولی نظام کا استنباط مصنف علامؒ کی اس فراست ایمانی کی وسیع معنویت پر شاہد عدل ہے کہ جو قطعاً اکتسابی نہیں، بلکہ یہ وہ الہامی علوم ہیں جن کو ''علم لدنی'' کے سوا کسی دوسرے عنوان سے اس لئے یاد کیا ہی نہیں جا سکتا کہ علم لدنی کا مورد و محل صرف ایمانی فراست ہی ہو سکتی ہے۔

کتاب ''مقامات مقدسہ'' حضرت مصنف علیہ الرحمہ کی جس الہامی فراست ایمانی کے نور سے مستنیر ہے اس کی روشنی میں مستقبل کا مؤرخ حضرت مصنفؒ کو ولی اللّٰہی اور قاسمی علمی وراثت کا منفرد و یکتا وارث اور امین ومحافظ قرار دیئے بغیر خراج تحسین پیش کرنے کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکے گا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کی یہ آخری تصنیف اہل علم کے لئے عموماً اور مدارس سے فارغ ہونے والی علماء کی نئی نسل کے لئے خصوصاً فکری تربیت کا ایک ایسا نایاب سرمایہ عظیم ہے جس کا تعمق نظر سے مسلسل مطالعہ عصررواں کے پُرپیچ ملّی مسائل کے حل میں یقین ہے کہ زبردست فکرآفریں ثابت ہوگا۔

حق تعالیٰ اس حکمت آفریں علمی وراثتِ حکیم الاسلام سے اہل علم کو زیادہ سے زیادہ توفیق استفادہ سے نوازے اور محسنِ ملت حضرت مصنفؒ کے لئے وسیلۂ ترقئ درجات فرمائے۔ آمین! برحمتک یاارحم الراحمین۔

حضرت قاری صاحبؒ کا اس کتاب کے متعلق ارشاد: حضرت قاری صاحبؒ نے اس کتاب کے مقدمہ میں جونہایت اہم مضمون لکھا ہے اس کا ایک اقتباس جونہایت جامع ہے اور گویا کہ پوری کتاب کا نچوڑ ہے۔نقل کرتا ہوں، وہ یہ ہے:

''یوں تو اسلامی نقطۂ نظر سے جو مقام بھی کسی دینی علم وعمل یا اسلامی اخلاق وکمالات کا مرکز اور قرارگاہ بن جائے مقام مقدس کہلانے کا مستحق ہے، ہر مسجد، ہر مدرسہ، ہر خانقاہ، ہر زیارت گاہ اور ہر وہ جگہ جہاں کوئی بھی دینی شعبہ علم وعمل کی راہ سے بروئے کار آرہا ہو، بلاشبہ مقام مقدس ہے اور کوئی بھی اسلامی منطقہ اس قسم کے مقامات مقدسہ سے خالی نہیں ،لیکن اس وقت اس عنوان کے تحت عام زیارت گاہوں یا تمام تقدس نشان مقامات کا تعارف کرانا مقصود نہیں؛ بلکہ صرف اُن مقدس اور متبرک مقاموں کو سامنے لانا ہے جو اپنی ذاتی خصوصیات اور بابرکت نوعیت کے لحاظ سے بذات خود ہی مقدس نہیں بلکہ مقدس ساز بھی ہیں، کہ دوسرے تمام مقدس مقامات انہی کی بدولت اور انہی کی تاثیر سے مقدس بنے ہیں، اس لئے وہ بقیہ تمام

مقامات مقدسہ کے تقدس کی اصل اور بجہات مختلفہ اساس و بنیاد ہیں، بالکل اسی طرح جیسے دنیا کی ساری مسجدیں بلاشبہ مقامات مقدسہ ہیں لیکن ان کا تقدس قبلہ رُخ ہونے کی وجہ سے قائم ہے، اگران کا رخ بیت اللہ سے ہٹ جائے تو ان کی تقدیس بھی اسی آن ختم ہوجائے گی، لیکن خود بیت اللہ کی تقدیس کسی رُخ کی پابند نہیں، کہ وہ خود اپنی ذات سے مقام مقدس ہے، کسی کی نسبت یا کسی کی طرف رخ ہونے کی وجہ سے مقدس نہیں بنا، اس لئے کہا جائے گا کہ اصل مقام مقدس بیت اللہ ہے، جس کا تقدس خود اُس کا اپنا ہے، کسی اور مقام کا بخشا ہوا نہیں اور بقیہ تمام مسجدوں کا تقدس اُس کی فرع اور اس کا عطیہ ہے، خود اس کا اپنا نہیں، اس لئے حقیقی اور اصل معنی میں مقام مقدس کہلانے کا مستحق بیت اللہ ہوگا، یا جیسے تمام دینی کتابیں بلاشبہ مقدس ہیں خواہ حدیث وتفسیر کی ہوں یا فقہ وکلام اور اخلاق وتصوف وغیرہ کی، لیکن ان کا تقدس درحقیقت قرآن حکیم سے آیا ہوا ہے، کہ وہ اس کے علوم، اس کے مقاصد اور اس کے مضامین کی ترجمانی پر مشتمل اور اُن سے وابستہ ہیں۔ (مقامات مقدسہ: ص/۵۰)

اجلاس صد سالہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء کے بعد

یعنی اخیر کے حالات ناسازگار

اجلاس صد سالہ کے چند ماہ بعد سے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی صحت گرتی چلی گئی، اور تقریباً ایک سال سے زائد تو بالکل صاحبِ فراش رہے، اسی دوران دارالعلوم کی یہ اختلافی صورت پیدا ہوئی اور حضرت کے لئے اپنی پیرانہ سالی اور ضعف وانحطاط کی وجہ سے اس کا سلجھانا ممکن نہ رہا، آخر عمر کے ایک ڈیڑھ سال دارالعلوم کے اہتمام نظم ونسق سے گو آپ لاتعلق رہے، مگر آپ کا روحانی

وقلبی تعلق دارالعلوم سے بدستور قائم رہا، اور ہمیشہ دارالعلوم کیلئے خیر طلب اور دعا گو رہے، دارالعلوم سے قلبی تعلق کا اندازہ اس مکتوب گرامی سے لگایئے جو آپ نے علالت کے دوران ہی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کیلئے لکھا تھا، حضرتؒ کا یہ مکتوب گرامی یہاں مِن وعَن پیش کیا جاتا ہے جس سے حضرتؒ کے درد وکرب کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

محترم المقام مولانا محمد منظور نعمانی زید مجدکم۔

السلام علیکم!

گرامی نامہ مؤرخہ ۲۸/اپریل ۱۹۸۳ء باعث شرف اور موجب تسلی ہوا۔ یہ میرے لئے روح کی غذا اور صحت مندی کی علامت ہے، آج کا دور کرب کا دور ہے، اخلاقی انتشار عالمی پیمانہ پر بڑھ رہا ہے، ننانوے فیصد غلط فہمیاں چھائی ہوئی ہیں اور ایک فیصد حقیقت پر حاوی ہیں، دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، آج کے لادینی دور میں دین کے ہر شعبہ میں امت کی راہ نمائی اور عوام امت کی خدمت اس کا نصب العین رہا ہے، آج اس کا کیا حال ہے؟ اور ہم اللہ تعالی کے سامنے مسئول ہیں، یہ ہے وہ سوز جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے، میں دہلی میں پنتھ اسپتال رہا، اب دیوبند میں ہوں، میرا کھانا پینا صرف دوا ہے، ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی مرض نہیں، اور حال یہ ہے کہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہوں، نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا، بلکہ غم دارالعلوم کا ہے، جو جماعت ۱۱۶ برس تک اوروں کیلئے ہدایت، تقویٰ اور توحید کی علامت تھی بکھر کر رہ گئی، یہی میری بیماری ہے، ویسے یہ عمر کا تقاضا ہے، اس عالم بیچارگی میں آپ کا مکتوب گرامی ملا جسے میں اپنے لئے اور دارالعلوم کیلئے روحانی

صحت مندی کی علامت سمجھتا ہوں،آں محترم نے معافی کے الفاظ لکھے ہیں۔

آں محترم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ میں نے اپنے چھوٹوں کو بھی خطاوار نہیں سمجھا کہ ان کی زبان پر معافی کی بات آئے،معاملہ ہم میں سے کسی کی ذات کا نہیں،نہ معافی کا، بلکہ ہمارے اسلاف کی یادگار دارالعلوم کا ہے، ہم سب اپنی خطاؤں کی معافی اللہ تعالی سے مانگیں اور کچھ مانگیں تو دعا مانگیں۔ہم سب کو توفیق نصیب ہو اور آخرت کی جواب دہی سے نجات ملے۔؎

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم بندۂ بارگاہِ سلطانیم

اس دن سے جس نے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو یہ دن دکھائے میں نے تین الفاظ اختیار کرلئے ہیں،''السکوت والصبر والغنی''انہی تینوں پر اب بھی قائم ہوں۔زندگی کی آخری آرزو اور آخری دعا یہ ہے کہ دارالعلوم کا پہلا رنگ جس میں روحانیت تھی،خلوص تھا اور سب ایک تھے اور فیصلے ایک رائے سے ہوتے تھے پھر بحال ہوجائے،آں محترم سے دعا کی درخواست ہے۔**والامر بیداللہ الکریم۔**

والسلام

محمد طیب غفرلہ، ۷/ ۵/ ۱۹۸۳ء

ف: یہ آپ کی اخیر عمر کا مکتوب گرامی ہے،جس سے آپ کی اصابت رائے، کمال عقل وفراست اور دارالعلوم سے قوی تعلق ونسبت،نیز آپ کے حُسن خُلق کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔**طَیّبَ اللہُ ثَرَاہُ و جعلَ الجنّۃَ مَثْواہُ۔**(مرتب)

علالت ورحلت: اس مکتوب گرامی کے بعد ہی سے حضرت قاری صاحب کی طبیعت زیادہ ناساز اور موجب تشویش ہوگئی اور دہلی کے ایک اسپتال میں داخل کئے

گئے، مگر حالت سنبھلنے کے بجائے اور بگڑتی چلی گئی، یہاں تک کہ ۶/شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷/جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار اٹھاسی سال کی عمر میں حضرت عالمِ فنا سے عالم بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

وصیت کے مطابق حضرت کی نماز جنازہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں ادا کی گئی اور دارالعلوم کے اکابر ومشائخ کے قبرستان قاسمی ہی میں اپنے جدامجد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔

آل انڈیا ریڈیو کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی، اور نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی۔ رحلت کے وقت حضرت کے تین صاحب زادے اور تین صاحبزادیاں موجود تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں، مولانا محمد سالم قاسمی [۱]، مولانا محمد اسلم قاسمی اور مکرم محمد اعظم صاحب۔

آپ کی وفات سے عالمِ اسلام میں رنج والم کی لہر دوڑ گئی اور علم وعمل کا ایک درخشاں باب بند ہو گیا، اللہ تعالیٰ آپ کے علمی وعملی کارناموں کو شرف قبولیت بخشے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علّیین میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش قدم

---

[۱] حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء اور حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمیؒ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۷ء کو واصل بحق ہو گئے۔ دونوں حضرات بالترتیب دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم اور صدر المدرسین تھے، پوری زندگی اپنے جدامجد حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کی نشر اشاعت میں صرف کردی، دونوں حضرات کی نماز جنازہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ مولسری میں ادا کی گئی اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہما۔

پر چلائے۔آمین ثم آمین! (ماخوذ از ذکر طیب:ص ر ۱۹۲)

حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات حسرت آیات پر

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا تأثر

دارالعلوم دیوبند کا منصبِ اہتمام کوئی معمولی چیز نہ تھی، حضرت حکیم الاسلامؒ نے پچاس ساٹھ سال اس منصب کی ذمہ داریوں کو خوش اُسلوبی سے نبھایا، اس دوران دارالعلوم پر نہ جانے کتنے کٹھن اور نازک دور آئے؛ لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے ان تمام جھمیلوں کو نمٹایا اور اپنی ساری زندگی دارالعلوم کی خدمت کیلئے وقف کردی، سخت سے سخت مرحلوں پر بھی انہیں پُرسکون ہی دیکھا۔

اجلاس صد سالہ کا ہنگامہ دارالعلوم کے منتظمین کے لئے ایک کڑی آزمائش کی حیثیت رکھتا تھا، اور دیوبند جیسی مختصر جگہ میں لاکھوں افراد کے اجتماع کا انتظام انتہائی مشکل کام تھا، کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر اس سراسیمگی سے نجات حاصل نہ کرسکتا، لیکن ٹھیک اجلاس کے افتتاح کے روز حضرت قاری صاحبؒ کے پاس حاضری ہوئی تو حسب معمول انہیں متبسم اور پُرسکون دیکھا، چہرے پر تھکن ضرور تھی لیکن گھبراہٹ اور پریشانی نام کو نہ تھی، مگر افسوس یہ ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں باہمی اختلافات نے جن طوفانی ہنگاموں کی شکل اختیار کی، انہوں نے ماضی کے تمام ہنگاموں کو مات کردیا، دور ہونے کی وجہ سے ہمیں یہ تمام حالات وواقعات سے واقفیت تو نہ تھی لیکن اس بات سے دل بے چین تھا کہ اس آخری عمر میں حضرت قاری صاحبؒ پر ان ہنگاموں کی وجہ سے کیا بیت رہی ہوگی۔

اس زمانہ کے حالات اس قدر پیچیدہ اور ان کے بارے میں ملنے والی

اطلاعات اتنی متضاد ہیں کہ اب حق و ناحق کا فیصلہ تو آخرت ہی میں ہو سکے گا، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے چھوٹوں نے ان کی نصف صدی سے زائد خدمات کا جو صلہ اس آخری عمر میں ان کو دیا ہے وہ انتہائی تکلیف دہ ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی تک ایک خفیف سی امید باقی تھی کہ شاید اس بحران کا کوئی مناسب حل نکل آئے، لیکن اب ان کی وفات نے اس امید کو بھی خاکستر کر دیا، حضرت قاری صاحبؒ کے دم سے دارالعلوم میں بزرگوں کی روایات زندہ تھیں اور اس کے مخصوص مزاج و مذاق کی جھلک باقی تھی، اب دارالعلوم میں ان روایات کا اللہ ہی حافظ ہے۔ (ذکر طیب منقول از ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی)

ف: ماشاءاللہ! خوب لکھا ہے جو عین حق وصواب ہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء (مرتب)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ المتوفی ۱۴۰۲ھ

خاندان: آپ کا خاندان دوآبہ کا مشہور ومحترم صدیقی شیوخ کا خاندان ہے، جس میں ہر دور میں صاحب علم وفضل، اہل ارشاد اور اصحاب وجاہت پیدا ہوتے رہے، آپ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے خلف الصدق اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے مایۂ ناز بھتیجے ہیں، جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

ولادت: حضرت شیخ الحدیث ۱۳۱۵ھ میں رمضان المبارک کی گیارہویں شب میں ۱۱/ بجے رات کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے، بچہ کے دادا حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نظام الدین دہلی میں تھے، پوتے کی پیدائش کی خبر سنی تو برجستہ زبان سے نکلا کہ ''ہمارا ابدال آگیا'' اور اسی سال شوال میں دنیا سے رحلت فرمائی، رحمہ اللہ۔

اس وقت حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا قیام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں رہا کرتا تھا، اس لئے آپ کی عمر ڈھائی سال کی تھی کہ آپ اپنی والدہ کے ساتھ گنگوہ چلے گئے، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے ساتھ جو حضرت گنگوہیؒ کا مربّیانہ بلکہ پدرانہ تعلق تھا اس کی بناء پر اس خوش نصیب اور اقبال مند بچے کو آپ کی خصوصی شفقتوں، محبت کی نگاہوں اور مقبول دُعاؤں

---

[1] آپ کی سوانح حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے بنام ''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ'' لکھی ہے، اس سے کچھ حالات لکھے جا رہے ہیں۔ (مرتب)

کا جو حصہ ملا ہو، وہ ہر طرح قرین قیاس ہے۔

اس وقت گنگوہ صلحاء وعلماء کا مرکز بنا ہوا تھا، حضرت گنگوہیؒ کی تربیت باطنی اور شہرۂ آفاق درس حدیث نے طالبین صادقین اور علمائے کاملین کو دور دور سے کھینچ کر اس قصبہ میں جمع کر رکھا تھا، پس اس روحانی اور علمی فضاء میں بارہ سال کی عمر تک قیام پذیر رہے، جب کبھی آپ کی والدہ محترمہ کا کسی عارضی ضرورت کے ماتحت کاندھلہ جانا ہوتا تو آپ بھی ماں کے ساتھ جاتے، پھر گنگوہ واپسی ہوجاتی، شیخ آٹھ سال کے تھے کہ ۲۳/جمادی الاولی ۱۳۲۲ھ کو حضرت مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی۔

ابتدائی تعلیم: چونکہ ۱۳۲۸ھ تک یعنی ۱۲، ۱۳، سال کی عمر تک آپ کا قیام گنگوہ رہا، اس عرصہ میں اردو کے دینی رسائل، بہشتی زیور وغیرہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں گنگوہ میں رہ کر پڑھیں جو زیادہ تر شفیق وبزرگ چچا مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے پڑھائیں، اس کے بعد ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں آکر باقاعدہ عربی تعلیم کا سلسلہ شرع ہوا۔ (ص:۵۵)

درسیات کی تکمیل: شیخ نے نصاب کی منتہیانہ کتابیں خود مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے پڑھیں، دورۂ حدیث ۱۳۳۳ھ و ۱۳۳۴ھ میں نہایت محنت وجانفشانی کے ساتھ کیا، پھر ترمذی و بخاری دوبارہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے پڑھی۔

تدریس: یکم محرم ۱۳۳۵ھ کو حضرت شیخ کا بحیثیت مدرس مدرسہ مظاہر علوم میں تقرر ہوا، اور ۱۵/روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی، ابتداءً اصول الشاشی وعلم الصیغہ وغیرہ کتابیں دی گئیں، اگلے سال پہلے سال سے زیادہ اونچی کتابیں دی گئیں،

اس طرح ترقی کرتے کرتے ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین پارے بھی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے حکم واصرار سے منتقل ہوکر آئے اور ان کے پڑھانے میں بھی شیخ سے غیر معمولی اہلیت، قوتِ مطالعہ اور فنی مناسبت کا اظہار رہوا۔ (ص:۷۲)

حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت واجازت: شوال المکرم ۱۳۴۳ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوریؒ حجاز میں طویل قیام کے ارادہ سے جارہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہورہے تھے تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت ہونے کا ارادہ کرلیا اور اپنے مربی وآقا سے درخواست کی، اس پر حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہوجاؤں تو آجانا، مولانا عبداللہ گنگوہی نے بھی جو خلافت واجازت سے مشرف ہوچکے تھے، تجدید بیعت کی درخواست کی تھی، دونوں حضرات وقت مقررہ پر حاضر ہوکر حضرت اقدس سہارنپوریؒ سے بیعت ہوگئے، حضرت مولانا محمد یحییٰ اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے بھی بیعت کے اس منظر کو دیکھا، اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ بھی اس موقع پر حاضر تھے۔

۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نوّر اللہ مرقدہ مستقل قیام کے ارادے سے حجاز تشریف لے گئے، شیخ بھی آپ کے ہمراہ تھے، حضرت سہارنپوریؒ کا ہر مرتبہ کا سفر اس امید کے ساتھ ہوا کرتا تھا کہ شاید اس بار جنت البقیع کی مٹی نصیب ہو، چنانچہ ۱۳۴۴ھ کا یہ سفر حج آپ کا آخری سفر ثابت ہوا، اور آپ ۱۳۴۶ھ میں جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے، حضرت شیخ کی

ہندوستان کوواپسی حضرت اقدسؒ کی حیات میں ہوچکی تھی، وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں حضرت اقدس سہارنپوریؒ نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی آپ کو اجازت مرحمت فرمائی، اور اپنے سر سے عمامہ اُتار کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نوّر اللہ مرقدہ کے برادر اکبر حضرت مولانا سید احمد فیض آبادی ثم مدنی کو دیا؛ تاکہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں، جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ سے چیخیں نکل گئیں، حضرت پیرومرشد سہارنپوری بھی آبدیدہ ہوگئے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اس موقع پر بھی موجود تھے، اوران کو اس پورے واقعہ کی اطلاع تھی، ہندوستان میں تشہیر ہوجانے کے خوف سے حضرت شیخؒ نے حضرت رائے پوری کے پاؤں پکڑے اوران سے اس بات کا عہد لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس اجازت کی اطلاع نہ کریں، مگر حضرت رائے پوریؒ اس حقیقت کے اخفاء پر تیار نہ ہوسکے، اورآپ کے ذریعہ اس کی تشہیر ہوگئی۔ پھر بھی حضرت شیخؒ نے عرصہ تک بیعت لینے سے پہلوتہی کی اور جوکوئی اس نیت سے آتا اس کو دوسرے مشائخ سے بیعت کراتے، بالآخر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم فرمانے سے یہ سلسلہ جاری ہوا اوراُنہی کے حکم سے سب سے پہلے آپ نے کاندھلہ میں اپنے خاندان کی مستورات کو بیعت کیا۔

(الفرقان، خصوصی اشاعت: ص: ۳۰۰، بیادگار شیخ الحدیثؒ)

بذل المجہود کی تالیف میں اعانت: حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے کئی مرتبہ بذل المجہود شرح ابوداود لکھنا شروع کیا؛ مگر مشغولی کی بناء پر لکھنے کا

سلسلہ منقطع ہوجاتا تھا، مگر جب حضرت شیخ سے فرمایا کہ اگر تم میری مدد کروتو میں شاید لکھ سکوں، شیخ نے بے ساختہ جواب دیا کہ ''حضرت شروع کریں''، اس جواب سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ بہت خوش ہوئے، اور حضرت نے اسی وقت شروح حدیث کی ایک لمبی فہرست بتادی اور کتب خانہ سے لینے کا حکم فرمایا، یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کا ہے۔(ص:۶۵،سوانح شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ)

اب جی چاہتا ہے کہ مکرم محترم مولانا تقی الدین صاحب استاذ حدیث جامعۃ العین ابوظبی ،خلیفۂ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھیؒ کی کتاب مسمّٰی بہ ''صحبتے با اولیاء'' سے حضرت شیخ الحدیثؒ کے چند ملفوظات نقل کروں، جن کو ناظرین کرام ان شاءاللہ مفید وبصیرت افروز پائیں گے۔

ملفوظات

(۱) ارشاد فرمایا: رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لُدھیانویؒ ایک مرتبہ دس بجے صبح کو جبکہ میں اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ آئے ہیں، رائے پور جارہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے، میں نے کہا: جلدی بُلا دے، مرحوم اوپر چڑھے اور زینہ پر کھڑے کھڑے ہی سلام کے بعد مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا کر کہا: رائے پور جارہا ہوں، اور ایک سوال آپ سے کرکے جارہا ہوں اور پرسوں صبح واپسی ہے، اس کا جواب آپ سوچ رکھیں، واپسی میں جواب لوں گا، ''یہ تصوف کیا بلا ہے؟'' اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا ''صرف تصحیح نیت'' اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتداء ''إِنَّما الْاَعْمالُ بِالنِّيّاتِ'' سے

ہوتی ہے اور انتہا ''اَنْ تَعبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّک تَرَاہُ''[1] پر ہے، میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: دہلی سے یہ سوچتا آرہا ہوں کہ تو یہ جواب دے گا، تو یہ اعتراض کروں گا اور اگر تو یہ جواب دے گا تو یہ اعتراض کروں گا، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں، رئیس الاحرار سے کچھ گفتگو کے بعد پھر فرمایا: ''إنّما الْاَعْمال بِالنِّیّاتِ'' سارے تصوف کی ابتداء ہے اور ''اَنْ تَعبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّک تَرَاہُ'' سارے تصوف کا منتہاء ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

میں نے کہا: مولوی صاحب! سارے پاپڑ اسی لئے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ ومراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے، اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف وکرم سے کسی بھی طریقہ سے یہ دولت عطا کردے، اس کو کہیں بھی آنے جانے کی ضرورت نہیں۔ (اس لئے کہ مقصود حاصل ہے)

صحابۂ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے، اور ان کو کسی بھی چیز کی ضرورت نہ تھی، اس کے بعد اکابر اور حکمائے امت نے قلبی امراض کی کثرت کی بناء پر مختلف علاج جیسا کہ اطباء بدنی امراض کیلئے تجویز کرتے ہیں، روحانی اطباء روحانی امراض کیلئے ہر زمانہ کے

---

[1] یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے، جبکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسلام وایمان کے بعد احسان کے متعلق سوال فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ ایمان واحسان کے بعد اس نسبت احسان کے حاصل کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے، جس کا صوفیاء اہتمام فرماتے ہیں اور اس کی اپنے لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں، مگر اب عام طور پر اس کی تحصیل کیلئے اہل علم کو بھی فکر نہیں، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

مناسب اپنے تجربات سے؛ جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط ہیں؛ نسخے تجویز فرماتے ہیں، جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔

(صحبتے با اولیاء: ص ر ۶۴-۶۵)

ف: حضرت شیخ الحدیثؒ کا یہ جواب نہایت جامع ہے، اور یہ جواب وہی دے سکتا ہے جو طریق کو خوب سمجھے ہو اور پوری بصیرت رکھتا ہو، فجزاہم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

(۲) سالک اسے کہتے ہیں جو چلتا رہے، اس لئے آخر زندگی تک آدمی کو کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست ہرچہ بروے میرسی بردے مایست

(ترجمہ) اے بھائی اس دربار کی کوئی انتہا نہیں، اس لئے جس مقام پر بھی پہنچے اس پر ٹھہرنا نہ چاہئے، بلکہ سلوک کو جاری رکھنا چاہئے، یہاں تک کہ مقصود تک پہنچ جائے، اور اس کا علم مرنے کے بعد ہی ہوگا۔ (مرتب)

(۳) ارشاد فرمایا: میں ذکر و شغل کا آدمی نہیں تھا، مجھے کیا خبر تھی کہ سب بڑے چل دیں گے اور تم لوگوں کے لئے (ذکر و شغل کی تعلیم کرنے والا) میں ہی رہ جاؤں گا۔

(۴) فرمایا: اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت ملے اس کی قدر پہچاننی چاہئے۔

مشاجرات صحابہؓ: ارشاد فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملی تعلیم کیلئے مبعوث ہوئے تھے، اور یہی ضرورت نبی کی ہوتی ہے، کہ امت کیلئے جو احکام نازل ہوں وہ ان کو عملی جامہ پہنا کر جاری کر جائیں؛ تاکہ بعد والوں کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے

کہ ان پر عمل کیسے ہوسکتا ہے۔

ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں؛ ایک وہ جو کہ شان نبوت کے منافی نہیں، ان کا صدور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اطہر سے ہوا، یہی وجہ ہے کہ لیلۃ التعریس میں صبح کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھل سکی، یہ واقعہ ایک مرتبہ تو یقینا پیش آیا، اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ دو تین مرتبہ پیش آیا، چونکہ یہ فعل شانِ نبوت کے منافی نہ تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے صادر ہوا۔

اسی طرح نماز میں سہو ہو جانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد بار پیش آیا، جس کے بارے میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إنّی لا اَنْسیٰ و لٰکِن اُنسیٰ الخ۔۔ (مؤطا امام مالکؒ)

میں بھولتا نہیں ہوں؛ بلکہ بھولایا جاتا ہوں، (تا کہ سنت کا طریقہ جاری کر جاؤں)۔

اس طرح کے افعال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان جواز کیلئے تعلیماً صادر ہوئے، اس پر عمل کرنے سے آپ کو پورا ثواب ملتا تھا۔

اسی طرح جو افعال شان نبوت کے منافی تھے؛ وہ صحابۂ کرامؓ سے کرائے گئے، انہوں نے خود اس کیلئے اپنے کو پیش کیا کہ ہمارے ذریعہ اپنے دین کی تکمیل کرلیں، ہم سنگسار ہونے کیلئے تیار ہیں، ہاتھ کٹوانے کیلئے تیار ہیں، ان افعال کی قباحت میں کمی نہیں، حضرت ماعزؓ وحضرت غامدیہؓ کو سنگسار کیا گیا اور ان لوگوں کے ذریعہ دین کی تکمیل کی گئی۔

اسی طرح صحابۂ کرامؓ کے مشاجرات جنگ جمل اور صفین وغیرہ سب تکوینی طور سے پیش آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حکومت پر لڑائی کرنا کفر تھا، کیونکہ جس جانب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ ہوتا وہ قطعی تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں اس کا موقع دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے صدمہ کا صحابہ کرامؓ سے تحمل ہوجائے، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فقہی لحاظ سے دین کی تکمیل کی گئی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اختلافات شروع ہوئے، حضرت علیؓ کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں؛ تاکہ دونوں طرف کے اصول وضوابط معرض وجود میں آجائیں اوراس طرح دین کی تکمیل ہوسکے، ہم نے صحابہ کرامؓ کو نہیں سمجھا، ہم کو حکومت کے اصول وغیرہ ہر چیز کر کے دکھلا گئے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو"الاعتدال":ص۲۲۹۔صحبتے با اولیاء:ص؍۱۷۰)

ف: سبحان اللہ! مشاجرات صحابہؓ کی کیسی عمدہ توجیہ فرمائی جو نقشِ قلوب کئے جانے کے لائق ہے، اور یہ وہی بیان کرسکتا ہے جو احکامِ شریعت کے مصالح وحکم کی معرفت اوران سے مناسبت رکھتا ہو، لہذا عوام کے لئے اسلم طریقہ یہ ہے کہ اس معاملہ کو اللہ تعالی کے علم وحکمت کے حوالہ کردیں، جیسا کہ تقدیر کے مسئلہ میں حکم ہے، اسی میں سلامتی ہے، اس لئے کہ آدمی زیادہ غور وخوض سے عموماً اشکال بلکہ اعتراض کا شکار ہوجاتا ہے اور بحث ومباحثہ سے افراط وتفریط میں مبتلا ہوجاتا ہے، جو منشأ شارع علیہ السلام کے خلاف ہے، اس لئے کہ قرآن وحدیث کی رو سے جملہ صحابۂ کرامؓ راشد وعادل ہیں، لہذا سب کا ادب ولحاظ فرض ہے اوران میں سے کسی کو نشانۂ طعن وتشنیع بنانا حرام ہے۔

خوب سمجھ لیں اور دل میں بیٹھا لیں، اس لئے کہ یہی ہمارے اکابر کا مسلک ہے، واللہ یھدی إلی سواء السبیل۔ (مرتب)

ارشاد فرمایا: مخالفت تو ہر ایک کی ہوتی ہے،کوئی ایسا آدمی نہیں کہ سب اس کی تعریف کریں، یا اس کی مذمت کریں، دنیا جو چاہے سمجھے مگر اللہ تعالی سے معاملہ صاف رکھو،لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں یہ نہ دیکھو؛ بلکہ اللہ تعالی سے مانگو اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار وتمکین　　　　وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

(صحبتے با اولیاء: ص/۱۷۶، مرتبہ مولانا تقی الدین صاحب)

ف: اس وقت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد یاد آیا جس کو ''اقوال سلف'' حصہ دوم میں نقل کر چکا ہوں ،مگر یہاں اس کا نقل کر دینا فائدہ سے خالی نہیں۔ وہو ہذا:

حضرت امام مالکؒ نے حضرت مطرفؒ سے دریافت کیا کہ میرے متعلق لوگوں کا کیا خیال ہے؟ تو کہا: دوست تو آپ کی تعریف کرتے ہیں اور دشمن آپ کی مذمت وبُرائی کرتے ہیں،فرمایا: ہمیشہ لوگ اسی حال پر رہے ہیں کہ کچھ ان کے دوست ہوتے ہیں اور کچھ لوگ دشمن، اور ہم تو اللہ تعالی کی پناہ مانگتے ہیں کہ تمام زبانیں ایک بات پر متفق ہو جائیں (یعنی سب کے سب تعریف کرنے لگ جائے، یا سبھی مذمت کرنے لگیں، یہ البتہ خطرناک امر ہے۔)

(اقوال سلفؒ: ص: ۲۰۸، ج، ۲، از طبقات کبریٰ للعلامہ شعرانیؒ)

فقہ کی مشہور کتاب ''الدر المختار'' میں بڑی عمدہ بات اس مضمون کے

مناسب لکھی ہے وہ یہ ہے:

لایسود سید بدون ودود یمدح وحسود یقدح۔

(در مختار: ج:۱، ص:۱۷)

یعنی کوئی شخص سرداری کو نہیں پہنچتا بغیر محبت کرنے والے کے جو مدح کرے اور حسد کرنے والے کے جو عیب بیان کرے۔

ف: اس لئے کہ محبت کرنے والوں سے تو دل کو تسلی قوت اور ڈھارس حاصل ہوتی ہے اور حاسدین کی عداوت ومخالفت سے آدمی کا دماغ صحیح رہتا ہے، یعنی عُجب وخود بینی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ (مرتب)

دعوت الی اللہ کے مختلف طریقے: اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ۝ (حٰم السجدہ:۳۳)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اس آیت کے تحت ''فضائل اعمال'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی طرف کسی کو بلائے وہ اس بشارت اور تعریف کا مستحق ہے، خواہ کسی طریق سے بلائے، مثلاً انبیاء علیہم السلام معجزہ وغیرہ سے بلاتے ہیں، اور علماء دلائل سے، مجاہدین تلوار سے اور مؤذنین اذان سے، غرض جو بھی کسی شخص کو دعوت الی الخیر کرے وہ اس میں داخل ہے، خواہ

اعمال ظاہرہ کی طرف بلائے یا اعمال باطنہ کی طرف، جیسا کہ مشائخ صوفیاء اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف بلاتے ہیں۔(خازن)

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ساتھ تفاخر بھی ہو، اس کو اپنے لئے باعث عزت بھی سمجھتا ہو، اس اسلامی امتیاز کو تفاخر کے ساتھ ذکر بھی کرے، بعض مفسرین نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اس وعظ، نصیحت، تبلیغ سے اپنے کو بہت بڑی ہستی نہ کہنے لگے، بلکہ یہ کہے کہ عام مسلمین میں سے ایک مسلمان میں بھی ہوں۔

ف: مفسرین کے ان ارشادات سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ دعوت الی اللہ کے طریقے مختلف ہیں، ان میں سے کوئی طریقہ جو شخص بھی اختیار کرے گا وہ اللہ کے نزدیک دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز سمجھا جائے گا۔اور اس کو داعی الی اللہ ہی کہیں گے۔

لہذا کسی فرد یا جماعت کیلئے یہ جائز نہیں کہ دعوت الی اللہ کے ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو اختیار کر کے دوسرے طریقوں کی نفی کرے، اور اپنے ہی اختیار کردہ طریقہ کو بلاشرکت غیرے دعوت الی اللہ کے ساتھ مخصوص سمجھے اس لئے کہ بلاشبہ یہ کتاب وسنت کے خلاف ہے، اللہ تعالی ہم سب لوگوں کو اس بلا عظیم سے پناہ میں رکھے۔آمین!

اسی طرح جو حضرات نسبت الی اللہ کی تحصیل کی طرف دعوت دیتے ہیں جیسے مشائخ، تو وہ بھی داعی الی اللہ کہلانے کے عین مستحق ہیں۔(مرتب)

ذکر وخانقاہ کی ضرورت واہمیت: مکرم صوفی محمد اقبال صاحب مدنی نے اپنی تالیف ''مجالس ذکر'' میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا مکتوب جو مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نام ہے نقل فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

''میرا یقین ہے کہ فتن کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اسی جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں پھر رہا ہوں کہ خانقاہیں دنیا سے ختم ہوگئی ہیں'' فقط۔ ۵ رمئی ۱۹۸۱ء

حضرت شیخ الحدیثؒ کی حضرت مصلح الامتؒ سے ملاقات: الحمدللہ علی احسانہ، حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کا خاص تعلق تھا، اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ بھی حضرت مصلح الامتؒ سے خاص تعلق رکھتے تھے، جب بمبئی گئے تو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے، جبکہ حضرت مصلح الامتؒ کا قیام اس وقت کافی دور تھا، باہم ملاقات سے دونوں ہی حضرات کو بہت خوشی ہوئی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ سے پہلی ملاقات: جب میں حضرت مولانا تقی الدین صاحب کی صاحبزادی کے نکاح کے سلسلہ میں مظاہر علوم سہارنپور گیا تو پہلی مرتبہ حضرت شیخ الحدیثؒ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد جب یہ حقیر ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں حج کے لئے گیا تو حج کے معًا بعد الحمدللہ مدینہ منورہ حاضری ہوگئی۔ تو چونکہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ اس وقت مدینہ منورہ میں قیام فرما تھے اس لئے مجھ سے فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد حضرت الشیخ کی مجلس میں شریک ہوجایا کرو۔ چنانچہ اس کا معمول رہا۔ فللہ الحمد والمنہ

چنانچہ تقریبًا دومہینہ وہاں قیام کا موقع میسر آیا، تو روزانہ بعد نماز عصر

مدرسہ شرعیہ میں آپ کی خصوصی مجلس میں شرکت کی توفیق ہوتی رہی، اس اثناء میں اس حقیر پر حضرت کی خاص توجہ رہی، بلکہ ایک مرتبہ فرمایا کہ عشاء بعد آپ میرے ساتھ کھانا کھایئے، چنانچہ جب حاضر ہوا تو یہ کہہ کر یاد فرمایا کہ مولانا کے داماد کو بلاؤ، مکرر سہ کرر اس طرح فرمایا، دوسرے مخصوص حضرات نے دوسرے کمرے میں اپنے دسترخوان پر کھانے کیلئے بٹھایا تھا، لیکن اصرار کے ساتھ حضرت شیخ نے اپنے دسترخوان پر بلاکر بیٹھایا اور اپنے ساتھ کھانے کی سعادت بخشی۔ یقینا حضرت کی خاص عنایت وکرم فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔آمین

علم وذکر کے اہتمام کی ضرورت: سنئے! حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنے کام کی بنیاد چھ چیزوں پر رکھی ہے، جن میں سے ذکر وعلم بھی ہے، خود مولاناؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ:

''ذکر وعلم کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا ہے، اس کی مجھے بڑی فکر ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں، اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں''۔انتہیٰ (اقوال سلفؒ: ج/۸، ص: ۲۱۲، تذکرہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ)

پس جب حضرت مولانا ذکر وعلم میں اپنی حیات ہی میں کمی محسوس کرتے تھے تو اتنا زمانہ گزرنے کے بعد اب جو حال ہے وہ بالکل عیاں ہے، یعنی عام طور پر اس میں کوتاہی اور اس کی طرف سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے، العیاذ باللہ حضرت شیخ الحدیثؒ کا ارشاد ہے کہ جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہاں تو

اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے،تو اگر مدارس میں ذکر کا اہتمام ہوتو کیا اللہ کی رحمت نازل نہ ہوگی؟

حاصل یہ کہ علم وذکر دونوں ہی ضروری ہیں،جن کی طرف ہم سب کوخود توجہ کرنا اور دوسروں کوتوجہ دلانا ضروری ہے۔

وفات: یکم شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴؍مئی ۱۹۸۲ء کو پیر کے دن شام کے پانچ بج کر چالیس منٹ پر مدینہ منورہ میں حضرت اقدس کا وصال ہوا،اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ

بقول جگر مرادآبادی ؎

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر   عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

(الفرقان خصوصی اشاعت: ذیقعدہ تا صفر ۳۔۱۴۰۲ھ)

حضرت داعیؔ معلم شیخ عبداللہ نوری کویتی المتوفی ۱۴۰۱ھ

نام ونسب: نام شیخ عبداللہ نوری، والد کا نام محمد بن نوری ہے۔

ولادت: ہمارے بزرگ شیخ عبداللہ بن محمد بن نوری ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں الزبیر شہر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شمالی عراق کے شہر موصل کے رہنے والے دیندار آدمی تھے۔

تعلیم: وہ الزبیر آئے اور یہیں شادی کر کے مقیم ہو گئے۔ ۱۹۲۱ء میں بیوی بچوں کے ساتھ کویت ہجرت کر گئے، شیخ عبداللہ نے الزبیر میں اپنے والد سے علم حاصل کیا پھر مدارس الترکیہ والاھلیہ میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد بغداد کے دار المصنفین میں زیر تعلیم رہے۔ کویت میں انھوں نے دو بزرگ استاذ عبداللہ خلف وحیان اور جمعہ بن جودر سے تعلیم حاصل کی، ان کے ساتھیوں میں شیخ عبدالعزیز حمادہ تھے، جن کے ساتھ فرائض کا علم حاصل کیا اور شیخ عبدالوہاب فارس تھے، جن کے ساتھ فقہ کی تعلیم پائی۔

شیخ نوری والدین کے فرمانبردار اور فقرا ومساکین سے محبت کرنے والے تھے۔ ظلم اور ظالم سے نفرت کرتے تھے، حق کا ساتھ دیتے تھے، مظلوم کی مدد کرتے تھے، ضرورت مندوں کا تعاون کرتے تھے اور حاجتمندوں کی حسب استطاعت مدد کرتے تھے۔ (عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ: ۴۶۲)

ف: ماشاء اللہ متعدد عرب علماء کے تذکرے پڑھے جن سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات انتہائی بااخلاق بلکہ خوش اخلاق تھے جو ہر عالم میں خواہ عربی ہو یا عجمی

ان کے اندر خوش اخلاقی ہونا چاہیے۔واللہ موفق۔(مرتب)

تصانیف : شیخ نوری نے کتابوں کا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، جو خطبات، مواعظ، سیرت، اسفار، اشعار، تاریخ، قصہ گوئی، اصلاح معاشرہ اور دعوت اسلامی کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ان میں مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔**من غریب ماسالونی** (لوگوں کے بعض انوکھے سوالات)، **سالونی عن المرأة** (عورت کے متعلق لوگوں کے سوالات)، **سألونی عن التفسیر** (تفسیر کے متعلق لوگوں کے سوالات)، **أحادیث العروة الوثقی** (مضبوط حلقہ)، **شھر فی الحجاز** (حجاز میں ایک ماہ) اور ایک شعری دیوان وغیرہ۔

شیخ نوری کے اوصاف جمیلہ : شیخ نوریؔ بہت سی خوبیوں سے متصف تھے، جن کی وجہ سے وہ عوام کے چہیتے اور ان کے دلوں کے قریب تھے۔وہ خاموش مزاج، کشادہ ظرف، ظریف الطبع، غصہ نہ کرنے والے، ہشاش بشاش اور خوش اخلاق وخوش گفتار شخص تھے۔ہنسی مذاق کو پسند کرتے تھے۔خصوصاً خاص مجالس میں اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے تھے، مجلس میں ہنسی مذاق اور خوشی کا دریا بہا دیتے، معمول سے نہ ہٹتے، تمام معاملات میں انتہائی بااصول تھے۔خواہ وعدہ کے اوقات ہوں یا ملاقاتیں ہوں، مخصوص کاغذات ہو یا سرکاری مراسلت ہو، حساب کتاب اور بچوں کے معاملات ہوں یا مقدمات کی تنظیم وتربیت، وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کو قید تحریر میں لے آتے اور جو بھی ذمے داری انہیں دی جاتی اس کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔

وفات : ۱۷/جنوری ۱۹۸۱ء مطابق ۱۴۰۱ھ کو شیخ عبد اللہ نوری کی وفات ہوئی۔انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ (عالم اسلام کی عالمی شخصیات ص ۴۶۹)

حضرت علامہ عبداللہ بن محمد بن حمید سعودی متوفی ۱۴۰۲ھ

نام وولادت: قاضی عبداللہ بن محمد بن محمد بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن حسین بن حمیدی، ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بمطابق ۱۹۱۱ء میں شہر ریاض میں پیدا ہوئے، وہ بچپن ہی سے نابینا تھے، لیکن یہ چیز ان کے حصول علم میں مانع نہ ہوئی، قرآن مجید حفظ کیا اور کم عمری ہی میں علوم شرعیہ کا بنیادی علم حاصل کرلیا۔ (عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ ۶۳۲)

فضل وکمال: ابن حمید غیر معمولی ذہین، باوزن عقل، دوررس نگاہ اور گہرا فہم رکھتے تھے۔ جوانی ہی کی عمر میں ذکر خیر اور اچھی شہرت حاصل کر لی تھی ۔ بانی مملکت شاہ عبدالعزیز آل سعود سے روایت ہے کہ انھوں نے شیخ ابن حمید کے حق میں فرمایا تھا: ''اگر میں قضاء اور امارت سب ایک ہی شخص کے ہاتھ میں دیتا تو وہ شیخ عبداللہ بن حمید ہوتے۔''

۱۳۵۷ھ بمطابق ۱۹۳۸ء میں اٹھائیس (۲۸) برس کی عمر میں عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے، پھر سدیر کے صوبے میں منتقل کردیے گئے۔ اور وہاں قاضی رہے۔ پھر القسیم کے علاقہ میں گئے اور وہاں قضاء کی ذمہ داریاں انجام دیں اور شہر بریدہ میں قیام کیا۔ قضاء کے ساتھ ساتھ افتاء، تدریس، امامت اور خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، اس کے بعد شاہ عبدالعزیز نے انہیں مکہ مکرمہ، طائف، جدہ اور مدینہ منورہ کی عدالتوں میں متعین کیا ۔ ۱۳۷۷ھ بمطابق ۱۹۵۷ء میں قضاء سے معذرت کی درخواست کی تاکہ تدریس اور افتاء کے لئے

یکسو ہو جائیں چنانچہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔

عالمی شخصیت: بلاشبہ ہمارے شیخ عبداللہ بن حمید عالمی شخصیت تھے۔مسلمانوں کی مشکلات کے ساتھ رہتے اور ان کے مسائل کا انہیں احساس رہتا، ان پر ہونے والے ظلم کی شدت کو کم کرنے میں حصہ لیتے، موسم حج یا عمرہ کے دوران عالم اسلام سے آنے والے لوگوں کے ساتھ ان کی نشستیں ہوتی تھیں یا مکہ میں اسلامی کانفرنسیں ہوتی تھیں جن میں ہر طرح کی مشکلات پر بحث ہوتی تھی اور ہر ایک کا مناسب حل پیش کیا جاتا تھا، شیخ ابن حمید خود بھی ارباب حکومت کے سامنے مسئلہ کو پیش کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ معاملات کی نگہبانی کے مسائل کی خدمت اور انہیں تعاون پیش کرنے کے سلسلہ میں ان پر اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری ڈالی ہے اس میں وہ سب اپنا تعاون پیش کریں۔

بلاشبہ یہ عظیم کردار جو انہوں نے ادا کیا اس کا عالم اسلام کے مسلمانوں کے دلوں میں بڑا گہرا اثر تھا، جو مخلص علماء اور بلند ہمت شخصیات کو ڈھونڈھتے رہتے ہیں، یہ شخصیات انہیں غیرت وسربراہی کے مقامات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، پرچم اسلام کو بلند کرتی ہیں، علم اور علماء کے مقام کو سربلندی عطا کرتی ہیں، حکام کو وہ نصیحتیں کرتی ہیں جن سے ان کی دنیا اور دین سنور جائے۔ شیخ ابن حمید ان علماء میں سے ایک تھے جنہوں نے ذمہ داری کا حق ادا کرنے پر توجہ دی اور کتاب وسنت کی راہ پر دعوت حق کی ذمہ داریوں کو سنبھالا، حکام کو نصیحت کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ اسلامی معاشرہ کے خلا کو پر کیا اور کجی کو درست کیا، اسلام اور احکام اسلام کے مفہوم کی تصحیح کی اور درست عقیدہ کو دلوں میں راسخ کیا۔ شیخ ابن

حمید، ان کے ساتھی اور عالم عرب و عالم اسلام کے عزیز علماء اس عظیم اسلام کے سچے نمونہ تھے، انھوں نے دین اسلام کے مقام کو بلند کیا، علماء و داعیوں کی قدر کو بڑھایا، مسلم قوموں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوئے، ان کے مسائل کو اپنے ہاتھوں میں لیا، عام لوگوں کو احکام دین سے آگاہ کیا، انہیں عقیدہ، شریعت، فرد و خاندان اور سماج اور حکومت کے نظام کے طور پر اسلام کو اختیار کرنے کی ہدایت کی۔

آج عالم اسلام ان بے مثال نمونوں کے وجود کا محتاج ہے، جو لوگوں کے مال و متاع پر اللہ جل جلالہ کے انعام کو ترجیح دیتے ہیں، اللہ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتے ہیں، اس کے لیے اپنی نیت کو خالص کرتے ہیں اور اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ان تھک کوششیں کرتے ہیں۔ سب کے ساتھ تواضع، ابن حمید کا امتیازی وصف تھا، وہ لوگوں کی مشکلات کو خوبصورتی سے سنتے اور بغیر کسی تنگی اور پریشانی کے ان کی مشکلات و مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں حتی المقدور کوشش کر کے سنجیدہ کارروائی کرتے تھے۔

شیخ ابن حمید کا مقدمہ: 'مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ' نامی کتاب (جس کی جمع و ترتیب کا کام عبدالرحمن بن محمد قاسم نے کیا تھا اور جو شاہ خالد بن عبدالعزیز آل سعود کے خرچ پر شائع ہوئی تھی،) کے مقدمہ میں شیخ ابن حمید لکھتے ہیں:

''اللہ کا بندوں پر احسان ہے کہ اس نے علماء کو انبیاء کا وارث بنایا، وہ لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتے ہیں، شاہراہ حق اور ہدایت کے راستوں میں انہیں روشنی دکھاتے ہیں، انہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے انہیں روکتے ہیں۔ ان کے سامنے حلال و حرام، حق و باطل، اور سنت و بدعت کی وضاحت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اللہ ان پر رحم فرمائے اور علیین میں ان کے درجات کو بلند فرمائے ان علماء میں سے ایک تھے جنھوں نے کتاب اللہ کو غلو کرنے والوں کی تحریف ، باطل پرستوں کی پیوند کاری اور جاہلوں کی تاویل سے پاک کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں برکت عطا کی ، انھوں نے اپنے علوم کے ذریعہ اپنی زندگی میں اور موت کے بعد بھی فائدہ پہنچایا، اپنے پیچھے عظیم کتابیں اور کثیر علوم چھوڑ گئے جن سے لوگوں نے استفادہ کیا اور لوگوں نے انھیں پسند کیا ، یہ شیریں اور صاف چشمے علماء و محققین کے لیے قابل اعتماد مرجع بن گئے۔

وفات: اللہ کی مصلحت کہ اس نے ان کو ایک سنگین مرض میں مبتلا کر دیا جس نے انھیں زیادہ موقع نہ دیا۔ اس میں وہ صبر کرتے رہے اور اجر وثواب کی امید کرتے ہوئے اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر پر راضی رہے اور ان اسباب کو اپناتے رہے جن کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کا فیصلہ نافذ ہو کے رہنے والا ہے۔ ۲۰/ ۱۲/ ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۹۸۲ء کو بروز بدھ طائف کے مستشفیٰ الھدیٰ میں ان کا انتقال ہوا۔ نماز عصر کے بعد مسجد حرام میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور مکہ مکرمہ کے قبرستان العدل میں تدفین ہوئی۔ نور اللہ مرقدہ جنازے میں طلبہ ءکرام، شیخ کے عاشقوں اور ان کے فضل کے معترف لوگوں کا ایک بڑا ہجوم شریک تھا، ان میں علماء اور امراء وغیرہ پیش پیش تھے۔

آپ کی وفات پر بہت سے علما نے تعزیتی قصیدہ پیش کیا ہے بغرض اختصار ہم صرف ایک قصیدہ پیش کرتے ہیں چنانچہ کویت کے شیخ احمد غنام نے ایک قصیدہ میں کہا ہے:

عِزاءُ بَنِی الِاُسلاِم قَدْ عَظُمَ الاُمُر ｜ وَ لَیُسَ لَنا اِلّا التَّجلُّدُ وَ الصَّبر

اہل اسلام کو تسلی ہو، معاملہ بڑا سنگین ہے ہمارے لیے صبر وتحمل کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

فَشَیخُ الْمَعالِی غابَ عَنّا مُسافِرا ｜ اِلٰی ربّه قَدْ ضَمَّهُ اللَّحدُ و القَبر

بلندیوں والا شخص ہم سے رخصت ہوگیا، اپنے رب کی طرف سفر کر گیا اور قبر نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

لَقَدْ ثُلِمَتْ فِی الدّینِ یا صا حِ ثَلْمَةٌ ｜ بِمَوْتِ حَمِیدِ السّعْیِ وَ انُقَصَمَ الظّهُر

اے دوست عمدہ کام کرنے والے کی موت سے دین میں ایک شگاف پیدا ہوگیا ہے اور حمید کی موت سے کمر ٹوٹ گئی ہے۔

فَتاو اہ فِی البیت اُلحَر امِ حُجّة ｜ بِفَتْواہ کُلّ یَهْتَدِی الُبَدُوُ وَ الُحَضَر

مسجد حرام میں ان کے دیے گئے فتوے حجت ہیں، ان کے فتوؤں سے شہری اور دیہاتی سبھی ہدایت پاتے ہیں۔

فَاِنْ غِبُتَ عَنّا اَنُتَ فِی الُقلبِ حاضِر

مَآثِرُ کَ الُجَلیُّ هِیَ الطّیبُ وَالذّکر

اگر چہ تو ہم سے رخصت ہوگیا ہے مگر تیرے عظیم کارنامے کی خوشبو اور ذکر خیر ہمارے دلوں میں موجود ہے۔

اللہ تعالی شیخ عبداللہ بن حمید کو غریق رحمت کرے، ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے، انھیں جنت میں جگہ دے اور انبیاء، صدیقین، شہداء وصالحین کی معیت میں رکھے۔ آمین یارب العالمین (عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ ۲۶۳)

حضرت مولانا غلام غوث صاحب [1] ہزارویؒ المتوفی ۱۴۰۲ھ

نام ونسب: نام غلام غوث، والد کا نام حکیم مولانا سید گل ہے، آپ کے والد اور دادا بہت ہی دیندار، متواضع اور خلیق انسان تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں پاکستان ضلع مانسہرہ کے سچی کوٹ نامی ایک گاؤں میں ہوئی۔

دینی تعلیم: جب آپ نے مڈل کے امتحان میں نمایاں پوزیشن حاصل کی تو مرزا علی محمد خان نے آپ کے والد محترم سے فرمایا۔ تمہارا بچہ ذہین ہے اسکو اسکول کی اعلیٰ تعلیم دلواؤ۔ انھوں نے فرمایا، ان شاء اللہ پڑھاؤں گا۔ انسپکٹر نے کہا انشاء اللہ ونشاء اللہ چھوڑو اسکو پڑھاؤ۔ آپ نے پھر وہی مبارک کلمات کہے۔ جس کے جواب میں مذکورہ افسر نے وہی گستاخانہ کلمات کہے۔ انسپکٹر تعلیم کے باربار گستاخانہ کلمات کو سننے کے بعد آپ کے والد ماجد مولانا سید گلؒ نے فرمایا:

''اب انگریزی تعلیم قطعاً نہیں پڑھاؤں گا، بلکہ وہ تعلیم دلاؤں گا جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو۔ انگریزی تعلیم میرے کس کام کی جب میرا بیٹا میری قبر پر پتلون پہن کر کھڑا ہو اور فاتحہ بھی نہ پڑھ سکے''۔

---

[1] آپ کے حالات وخدمات کو حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب ناظم جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ پاکستان نے تفصیل سے نقل کیا ہے اسی سے یہ اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ (مرتب)

ف: بہت ایمانی جواب دیا جو عین حقیقت ہے، جسے ہر مومن کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔(مرتب)

آپ کے والد ماجد فرماتے ''اگر درانتی تیز ہے تو میں گھاس کاٹنے کے بجائے اس سے گنا کیوں نہ کاٹوں''۔ چنانچہ والد مرحوم نے آپ کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیج دیا۔ حضرت ہزارویؒ دوسال تک سہارنپور میں بھی رہے۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے درس علم وعرفاں سے بھی فیضیاب ہوئے، دوسال سہارنپور میں گذارنے کے بعد حضرت ہزارویؒ دیوبند چلے گئے اور دینی علوم کی تکمیل کی۔

تذکرۃ الاساتذہ: آپ کے اساتذہ میں چند حضرات کے نام یہ ہیں۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ وغیرہما

نمونۂ اسلاف: مجاہد ملت حضرت مولانا ہزارویؒ کی ذات گرامی علم وعرفان اور تقویٰ وطہارت سے عبارت تھی۔ آپ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ آپ صحیح معنوں میں سلف صالحین کے علوم وفیوضات کے امین ووارث، داعی کبیر قائد العلماء اور مبلغ اسلام تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس: مولانا ہزارویؒ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ جیسے حضرات ان کے ہم سبق تھے۔ مولانا ہزارویؒ نے دورۂ حدیث کے امتحان میں پورے دارالعلوم دیوبند میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند

کے نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے حضرت ہزارویؒ کو دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی پیش کش کی۔ آپ نے مزید علم حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کرنا چاہی لیکن وہ نہ مانے اور فرمایا کہ بس اب یہیں پڑھو اور یہیں پڑھاؤ۔ چنانچہ آپ نے دارالعلوم میں بحیثیت نائب مدرس پڑھانا شروع کیا۔

عظیم محدث ومفسر: حضرت ہزارویؒ کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے کئی بار فرمایا کہ اگر مولانا ہزارویؒ درس وتدریس ہی میں لگے رہتے تو وہ ایک انقلابی سیاستدان کے بجائے ایک عظیم محدث ومفسر ہوتے۔ لیکن آپ نے سیاست کی طرف رخ کرلیا اور ایسا کام انجام دیا کہ مجاہد ملت کے لقب سے ملقب ہوئے۔

محاسن اخلاق: کتاب اللہ میں واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ اخلاق کے محاسن کیا ہیں اور اخلاقی برائیاں کیا ہیں۔ وہ اخلاق جن سے قوموں میں زندگی اور روح پیدا ہوتی ہے اور انہیں سربلندی وسرفرازی نصیب ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ زہد وقناعت، جرأت وبہادری، جہد ومشقت، بذل وسخاوت، حق گوئی وبے باکی، کرم وعفو، فنائیت وبے نفسی اور صبر واستقامت۔

اللہ تعالیٰ نے مجاہد ملت حضرت مولانا ہزارویؒ کو بچپن ہی سے تمام اخلاق حسنہ ودیعت فرما دیئے تھے۔ آپ ابتداء ہی سے خدا ترس، عابد، خوش خلق، صابر وشاکر، سنجیدہ ومتین، غیور وباحیا، حلیم وکریم، رحیم وبردبار اور زاہد وقانع تھے۔

عسرت وفقر: مجاہد ملت مولانا ہزارویؒ کی زندگی بڑی عسرت کے ساتھ بسر ہوئی۔ وفات کے وقت ان کے کفن کے لئے بھی گھر سے بمشکل رقم پوری ہوئی۔ ایک کچا مکان ہی ان کی ملکیت تھی۔ مرحوم حکیم بھی تھے اور اپنی گذر اوقات کے

لئے حکمت ہی سے کام چلاتے تھے۔(غلام غوث ہزارویؒ:۳۷)

فراست ایمانی: ۱۹۵۴ء کے آخر کی بات ہے گورنر جنرل غلام محمد اور وزیر داخلہ سکندر مرزا دیوا شریف جانے کے لئے لکھنؤ کے ہوائی اڈا پر اترے۔ مرزا سکندر اس وقت پاکستان کے مردِ آہن کہلاتے تھے اور ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ کا مطالبہ زور وشور سے جاری تھا۔ اخباری نمائندوں نے اسلامی نظام کے بارے میں سوال کیا تو سکندر مرزا نے کہا کہ یہ ہندوستان سے گئے ہوئے مولویوں کی اودھم ہے میں ان کو چاندی کی کشتی میں بٹھا کر یہیں بھیج دوں گا۔ یہ بیان اکثر اخبارات میں شائع ہوا۔ اتفاق سے مولانا ہزارویؒ سکھر میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں جا رہے تھے۔ رات کو سکھر میں ایک بہت بڑی کانفرس میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے سکندر مرزا کو للکارا اور فرمایا کہ ”سکندر مرزا! تم کہتے ہو کہ علماء کو چاندی کی کشتی میں سوار کر کے سمندر پار بھیج دوں گا۔ یاد رکھو! تم علماء کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ تمہارے لئے جہاز تیار ہو چکا ہے۔ تمہیں اس ملک میں دو گز کا ٹکڑا بھی میسر نہ آئے گا۔ بلکہ وقت آئے گا کہ تمہاری لاش کو زمین سے نکال کر پھینک دیا جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”مَنْ عَادَی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ“ (بخاری شریف۔ حدیث:۶۵۰۲) جو میرے دوست سے دشمنی رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے“۔

اب قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ سکندر مرزا کو ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب نے اسی آن بان سے لندن بھیج دیا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ سکندر مرزا صاحب لندن میں ایک ہوٹل کے منیجر رہے اور مرنے کے بعد ان کی لاش ایران میں لا کر شاہ رضا کی پہلو میں دفن کرائی۔ جب خمینی برسر اقتدار آیا تو ایرانی رضا کاروں نے

سکندر مرزا کی لاش نکلوا کر جلا دی۔ اور اس کی راکھ سمندر میں بہادی۔ یہ مولانا کی فراست ایمانی تھی، جو پیشگوئی کی تھی وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

صوفی باصفا: حضرت ہزارویؒ نے کندیاں شریف کے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ اور قطب زماں حضرت امام احمد علی لاہوریؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر میں ضرور شریک ہوتے۔ مجلس ذکر کے علاوہ حضرت لاہوریؒ سے وظائف اور اسباق کی باتیں کرتے۔ مختلف چیزیں پڑھنے کی خاطر حضرتؒ سے رابطہ کرتے۔ سفر وحضر میں ذکر وشغل میں مصروف رہا کرتے تھے۔ آپ کی صوفیانہ گفتگو سے عجب روحانی سرور نصیب ہوتا تھا۔ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے اکثر لوگ آپ کو صرف سیاسی لیڈر ہی سمجھتے رہے۔ تصوف حقیقی کا مزہ چکھنے والا یا تصوف کی کتابوں کو عمیق نظر سے پڑھنے والا جس نے تھوڑے وقت کے لئے ہی حضرت ہزارویؒ کی مجلس دیکھی ہو وہ اس بات کا اعتراف کرے گا کہ آپ ایک عظیم صوفی تھے۔ باجماعت نماز کا اہتمام، نوافل اور ذکر سے شغف، ساتھیوں سے شفقت ومحبت اور متعلقین کی تربیت کی تڑپ سے ان کی زندگی عبارت تھی۔

شانِ قلندرانہ: مولانا ہزارویؒ کا ایک خصوصی وصف ان کی بلند نظری، زہد واستغناء اور ان کی قلندرانہ شان تھی، اس طویل عمر میں انہیں طوفان وحوادث کے بے شمار مدوجزر دیکھنے پڑے۔ زمانے کے نشیب وفراز کے نامعلوم کتنے تجربات ان کو ہوئے، عسر ویسر کی خدا معلوم کیسی کیسی حالتیں ان پر گذریں اور نعرہائے زندہ باد ومردہ باد کے کیسے کیسے تماشے دیکھنے کا انہیں اتفاق ہوا لیکن ان کی وضع وروش میں کبھی تغیر نہیں آیا اور وہ ہر حالت میں اپنی وضع پر قائم رہے۔ وہ مخلوق کی

دادو تحسین یا مذمت ونکوہش دونوں سے بالاتر تھے۔ عام لوگ انہیں ایک عالم، ایک خطیب، ایک مجاہد اور ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے جانتے پہچانتے تھے مگر ان کے باطن کا سوز وگداز، تعلق مع اللہ اور غیر اللہ سے استغناء ہمیشہ ان کے سینے کا راز رہا۔ بہت کم لوگوں کو محسوس ہوسکا کہ وہ محض سیاسی لیڈر نہیں، عابدِ شب زندہ دار بھی ہیں۔ اس قلندرانہ شان کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ حضرت ہزارویؒ کو مخدومیت سے چِڑھ تھی۔ وہ ہمیشہ خادم کی حیثیت سے رہنا پسند فرماتے تھے، کبھی مخدوم بننا گوارا نہ فرماتے تھے۔ حضرت ہزارویؒ کے زہد وتقویٰ، خشیت وانابت، اورعبدیت وتعلق مع اللہ وغیرہ اوصاف وکمالات جن تک ہم ایسے کوتاہ بینوں کی نظر پہنچ سکتی ہے وہ بھی اس قدر ہیں کہ ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئے اور بہت سے کمالات تو ہم ایسوں کی فکری پرواز سے بھی بالاتر ہیں ۔

بسیار شیوہ ہست بتاں راکہ نام نیست　　　خوبی ہمیں کرشمہ و ناز وخرام نیست

ترجمہ: یہ کرشمہ، یہ ناز وانداز، یہ نزاکت ہی ان کی خوبی نہیں ہے بلکہ حسینوں کے بہت سے طورطریقے اور شیوہ ایسے ہیں کہ جن کا کوئی نام نہیں ہے۔

فرق باطلہ کا جرأت مندانہ تعاقب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے بعد کئی گروہ فرقے اور جماعتیں پیدا ہوجائیں گی۔ بعض روایات میں تہتر کا عدد بھی مذکور ہے، لیکن ان میں ناجی فرقہ اور طائفہ منصورہ صرف ایک ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا اس فرقہ یا گروہ کی علامت کیا ہوگی؟ فرمایا: ”**ماانا علیہ و اصحابی**“ جس راستے پر میں اور میرے صحابہ ہیں اسی راستے پر چلنے والا گروہ ناجی اور کامیاب ہوگا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی فرقوں

کی نشاندہی فرمادی تھی مثلاً جبریہ اور قدریہ وغیرہ۔

فرقوں کی ابتداء باضابطہ طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقدس دور میں اس وقت شروع ہوئی جب منافقین کی ریشہ دوانیاں اپنی حد سے بڑھ گئیں حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دوگروہ بن گئے۔ ایک رافضی اور دوسرا خارجی۔ جوں جوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ گزرتا گیا فتنے بھی زیادہ ہوتے گئے۔ ہر دور میں علماء حق نے ان کا مقابلہ کیا۔ علماء حق کبھی امام ابوحنیفہؒ کی قیادت میں صف آرا تھے تو کبھی امام شافعیؒ کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر باطل سے برسر پیکار تھے۔ کبھی امام احمد بن حنبلؒ کی صورت میں کوڑے کھا کر باطل کا راستہ روکتے رہے تو کبھی امام مالکؒ کی شکل میں گدھے پر سوار ہو کر بھی اپنے موقف کا اعلان برسر بازار کرتے رہے۔ کبھی حق شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی شکل میں تو کبھی مجدد الف ثانیؒ کے روپ میں ظاہر ہوتے رہے۔ کبھی علماء حق کا یہ کارواں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قیادت میں چلتا رہا تو کبھی اس کی زمام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھوں میں رہی۔ اس قافلۂ حق کے مجاہدین میں حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت امام لاہوریؒ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، قائد ملت مفتی محمودؒ اور مجاہد ملت حضرت ہزارویؒ کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۹۸۱ء مطابق ۱۴۰۲ھ میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اپنے آبائی گاؤں ضلع مانسہرہ پاکستان میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(سوانح مجاہد ملت غلام غوث ہزارویؒ: ۱۴۱)

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رائے بریلویؒ المتوفی ۱۴۰۲ھ

نسب وولادت: مولانا سید محمد ثانیؒ خانوادۂ علم اللہی میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں ۱۳۴۳ھ (دسمبر ۱۹۲۵ء) میں پیدا ہوئے، والد کا نام سید رشید احمد تھا، جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نام پر رکھا گیا تھا، ان کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ تک آٹھ واسطوں سے پہنچتا ہے۔ والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ (م: ۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ) گزشتہ صدی کے عظیم مورخ اور علوم دینیہ کے بڑے فاضل ومصنف حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔

تعلیم وتربیت: اپنے عظیم ماموؤں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی زیر سرپرستی تعلیم وتربیت حاصل کی، نانی صاحبہ مخدومہ خیرالنساء بہتر صاحبہ کی بھی رہنمائی ملی۔

سلوک واحسان: مولانا موصوفؒ جب حدیث شریف کی تعلیم کے لئے سہارنپور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں گئے، تو شیخ کی خدمت میں تربیت وارشاد کی بابت بھی عرض کردیا گیا تھا۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندویؒ اپنے مکتوب (بنام حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ) میں لکھتے ہیں:

”محمد ثانی آپ کی شفقتوں کا بہت محتاج ہے، ہم نے اپنے مرحوم خاندان کی طرف سے آپ کو اس کی نذر کردیا ہے۔“

(مکتوبات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: ج: ۲، ص: ۱۴ مرتبہ مولانا محمد حمزہ حسنی)

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی دام مجدہ لکھتے ہیں:

''(انہوں نے) حضرت شیخ سے بیعت کی درخواست کی، استاذ عالی مقام ہونہار شاگرد کی فطری سعادت مندی اور وہبی صلاحیتوں کا اندازہ کر چکے تھے، اس لئے خلاف معمول فوراً یہ درخواست قبول فرمالی۔''

آگے وہ لکھتے ہیں:

''مولانا ثانیؒ ذکروشغل اور سیروسلوک میں مصروف ومشغول ہوگئے، ان پر سلف کا رنگ گہرا ہوتا گیا، اور تواضع ومسکنت، دین ودیانت اور اطاعت وانقیاد کے جذبات جو آبائی ورثہ تھے وہ طبیعت میں ودیعت تھے، ظاہر و بیدار ہونا شروع ہوئے، اور اسی رفتار سے حضرت کے شفقت والتفات میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔''

یہاں تک کہ حضرت شیخ کی طرف سے سند خلافت واجازت بیعت سے مشرف وسرفراز کردیئے گئے۔ فللہ الحمد والمنۃ

علماء کے تأثرات: ''مولانا طلحہ صاحب (ٹونکی) محمد ثانی مرحوم کی نیک مزاجی اور سلیم الطبعی سے خاص طور پر متأثر تھے، بعد میں بڑے معنی خیز انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ علی نے تو کتابوں کے مطالعہ، قصد وارادہ اور غور وفکر سے اپنی اصلاح کی اور اپنے اندر صلاح پیدا کرنے کی کوشش کی؛ لیکن محمد ثانی کو پیدائشی طور پر بلا ارادہ اور محنت یہ بات حاصل ہے۔''

مولانا محمد ثانی کے مزاج اور سلوک کے بارے میں ان کے ایک رفیق درس عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی شہادت ہی کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

’’(وہ) میرے مخلص رفیق بھی تھے اور مشفق رہنما بھی، زندگی میں بہت سی ایسی گھاٹیاں آئیں جن میں ان کی رہنمائی حاصل رہی، مولانا کی موروثی صفات زہد وقناعت، صبر وتحمل، ایثار وقربانی، خلوص وللّٰہیت، شیریں کلامی، سخاوت اور مہمان نوازی ہم سب کے لئے دعوت عمل ہیں، یہ حسرت تازندگی رہے گی کہ دنیا ان سے جو کچھ حاصل کرسکتی تھی نہ کرسکی۔‘‘

ان کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رفیق درس مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ کی شہادت پچھلی شہادت کی تصدیق کرتی ہے، وہ یہ کہ:

’’مولانا ثانی حسنی اس طرح کے چند انسانوں میں شمار ہوتے تھے، جن کو دیکھ کر دل بے ساختہ شہادت دیتا ہے کہ یہ اللہ کا بندہ آخرت کی مخلوق ہے، جس کو نمونہ کی تلاش ہو وہ ان کو دیکھ لے، یہ سچ ہے کہ ہیرے کو پہچاننا ہر ایک کا کام نہیں، اس کے لئے جوہری کی نگاہ بادشاہ کا تجربہ چاہئے؛ مگر کنکر پتھر کے ڈھیر میں کوئی چمکدار شیشہ نظر آجائے تو ایک فقیر رہ گزر بھی کہہ اٹھے گا کہ یہ شیشہ ان کنکروں اور پتھروں کے ٹکڑوں سے ممتاز ہے، قیمت تو جوہری لگائیں گے مگر اس کے عام ریٹ سے الگ ہونے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کے ڈھیر میں نمایاں ہونے کی شہادت تو ہر عامی دے سکتا ہے‘‘۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (مصنف معارف الحدیث وبانی ’’الفرقان‘‘) جنھوں نے اپنے ایک سفر حج میں انہیں ساتھ لیا تھا، بیان کرتے ہیں:

’’مولانا ثانی حسنی کا خاص قابل رشک کمال ان کی بے نفسی اور نیک نفسی

تھی، وہ معصوم تو یقیناً نہیں تھے؛ لیکن یہ کہنا ان شاء اللہ مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ معصوم صفت تھے۔ (ماہنامہ رضوان لکھنؤ ''مولانا محمد ثانی نمبر)

حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی ایک اہم وصف کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''کسی کی سخت سے سخت بات سے بھی ناگواری ہونے پر ناگواری کا اظہار ترش لہجہ میں نہ کرتے؛ بلکہ حتی الوسع ناگواری کا اظہار نہ کرتے، محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جو رحم لی اور ہمدردی کے رنگ میں ظاہر ہوتا تھا، بڑوں کی عزت محبت کے ساتھ اور چھوٹوں سے شفقت ہمدردی کے ساتھ کرتے، دعوت واصلاح کے کام میں بھی پوری توجہ اور دلچسپی لیتے تھے، دلچسپی ان کی لکھنؤ اور رائے بریلی دونوں جگہ رہی، جس سے بڑا فائدہ ظاہر ہوا۔ تعلیمی اور انتظامی دلچسپیوں کا مرکز مدرسہ فلاح المسلمین اور گھر کے قریب کا مدرسہ ضیاء العلوم تھا، ایک کے وہ ناظم تھے، دوسرے کے معتمد تعلیم، انہوں نے اپنی صفات اور خصوصیات سے لوگوں میں یہ مقام بنالیا تھا کہ وہ اپنے عظیم المرتبت ماموں مولانا علی میاں صاحب کے جانشین کی حیثیت میں دیکھے جانے لگے تھے۔''

اولاد: حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنی صاحب کی تیسری صاحبزادی سیدہ خدیجہ حسنی (وفات: ۳/اگست ۱۹۹۹ء) سے نکاح ہوا، ایک صاحبزادی سیدہ امامہ حسنی (مرحومہ) اور ایک صاحبزادے مولانا سید محمد حمزہ حسنی (ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ و مدیر ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ) ہوئے۔

وفات: ایک حادثہ کے نتیجہ میں مولانا نے منگل ۲۱/ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۶/فروری ۱۹۸۲ء کو لکھنؤ میں انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مکرم صوفی عبدالقیوم خان صاحبؒ گھوسی مئویؒ المتوفی ۱۴۰۳ھ

مرید خاص حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری، الہ آبادیؒ

ولادت اورنسب : آپ کی ولادت موضع بیسواڑہ قصبہ گھوسی ضلع مئو میں ۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۸ھ میں ہوئی، آپ نسبًا ویش برادری سے تعلق رکھتے تھے، اسی وجہ سے آپ کا محلہ بیسواڑہ کے نام سے (جو غالبا ویش واڑہ رہا ہوگا) موسوم ہے۔

آپ کے والد محترم کا نام مکرم عبدالغنی صاحب تھا، انہوں نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اپنے یہاں دعوت دی اور اُن سے بیعت ہوئے، ان کے دو صاحبزادے تھے، بڑے بیٹے کا نام عبدالحی خاں اور چھوٹے بیٹے کا نام عبدالقیوم خاں تھا، بڑے بھائی مسلکاً متشدد بریلوی تھے، برخلاف اُن کے چھوٹے بیٹے دیوبندی مسلک کے ماننے والے اور اس پر کاربند تھے۔

آپ کے والد عبدالغنی خاں ہمارے دادا محمد نذیر خاں کے سگے ماموں تھے اور دادا مرحوم کی پرورش گھوسی ننہال میں ہی ہوئی تھی۔

آپ کے تقویٰ وطہارت کا حال : یہ تو نہیں معلوم ہوسکا کہ آپ کی تعلیم کیا تھی، اور کہاں تک تھی؟ مگر علم کا حاصل جو خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی ہے وہ آپ کے اندر بدرجہ کمال موجود تھا، اس لئے آپ کے صاحبزادے عبدالحکیم (عرف مکھن) صاحب لکھتے ہیں:

’’والد مرحوم کی پوری زندگی عبادت وریاضت ، تلاوتِ قرآن اور انسانوں کے علاوہ جانوروں سے بھی شفقت ومحبت کا مرقع تھی ، ویسے تو دیوبند اور دوسرے علماء حق سے ان کو زبردست لگاؤ وعقیدت تھی ، مگر حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے ان کا خصوصی روحانی تعلق تھا ، حضرت مصلح الامتؒ بھی ان کی تعریف فرماتے تھے ، چنانچہ برادرمکرم محی الدین خان بیسواڑہ نے یہ بیان کیا کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے چند مخصوص لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ برادری کے لوگوں میں عبدالقیوم بے نفس آدمی ہیں‘‘ ۔

آپ کا عبادت میں شغف: آپ عشاء کی نماز کے بعد کافی دیر تک اوراد ووظائف میں مشغول رہتے ، پھر اس کے بعد کچھ دیر کے لئے سوجاتے ، اس کے بعد ڈھائی بجے بیدار ہوجاتے اور تہجد اور ذکر وتلاوت میں مشغول ہوجاتے ، اور فجر کی اذان کے وقت مسجد تشریف لے جاتے ، کبھی کبھی خود ہی اذان دیتے اور بعد نماز فجر اپنے کمرے میں آکر اشراق ودیگر عبادات اور تلاوت کلام اللہ میں مصروف ہوجاتے ۔

آپ کی سادگی: کھانے میں کسی قسم کا اہتمام نہیں کرتے تھے ، سادہ کھانا رغبت کے ساتھ کھاتے تھے ، خود بھی اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے اور اہل خانہ کو بھی اس کی تاکید کرتے ، اور موٹا کپڑا پہنتے تھے ، ماشاء اللہ اتباع سنت کا اس قدر خیال تھا کہ کُرتا ، پائجامہ پھٹ جاتا ، تو بہوؤں سے کہتے کہ اس میں پیوند لگادو ، بہوئیں کہتیں کہ ابا ! پیوند لگا کپڑا اچھا نہیں لگتا ، تو فرماتے کہ بیٹی ! حضرت عمر فاروقؓ

امیر المؤمنین تھے، پھر بھی آپ کو پیوند لگے کپڑے بیحد پسند تھے، پھر میری کیا وقعت ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرماتے تھے کہ اے عائشہ! جب تک کپڑے میں پیوند نہ لگالو، نہ اُتارا کرو۔

اسی طرح اتباع سنت کی وجہ سے بکری کا دودھ اور لوکی کی سبزی بے حد مرغوب تھی اور گھر والوں کو اس کی طرف رغبت دلانے کے لئے فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ غذا پسند تھی۔

نماز کے قضا ہو جانے پر انتہائی افسوس: ایک مرتبہ ایک خاص بیماری کی وجہ سے بنارس کے ڈاکٹر کو دکھلایا گیا، اس کی دوا کے استعمال کے دوران ایک روز فجر کی نماز قضا ہوگئی، تو اس کی وجہ سے اللہ تعالی کے حضور انتہائی گریہ وزاری کررہے تھے، ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ابا! آپ اتنا پریشان کیوں ہیں؟ اُنہوں نے آنسوؤں سے تربتر اپنے چہرے کو میری طرف گھمایا، ان کے چہرے پر بے پناہ عاجزی تھی، اور رقت بھری آواز میں کہنے لگے: میاں آج میری فجر کی نماز قضا ہوگئی ہے، میں نے عرض کیا کہ اس میں اس قدر رونے کی کیا بات ہے؟ نیند اختیاری چیز نہیں ہے، آپ نے قضا پڑھ لیا؛ بس ٹھیک ہے، وہ کہنے لگے کہ میاں ،جس کی پوری زندگی میں تہجد کی نماز اور فجر باجماعت میں کبھی غفلت نہ ہوئی ہو، اس کو صرف قضا پڑھ لینے سے کیسے تسلی ہوسکتی ہے، میں اس لئے روتا ہوں کہ اللہ تعالی نے ان معمولات کے لئے ہمیشہ مجھ کو وقت سے جگایا، آج کیوں نہیں جگایا؟ مجھ کو خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ میری کسی خطا پر اللہ تعالی ناراض تو نہیں ہوگئے ہیں، آج انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھا خوف الٰہی، ایسا شخص بھلا معصیت کے قریب جا سکتا ہے۔(مرتب)

حالات قبل وفات: وفات سے چند یوم قبل جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لے گئے تھے، واپسی میں قلب کی حالت بگڑ گئی، کسی طرح گھر پہنچے، ڈاکٹر بلائے گئے، مگر علاج اور پرہیز کی طرف خاص توجہ نہیں فرمائی اور اہل خانہ کو بُرائی سے بچنے اور نیک کام کرتے رہنے کی تاکید فرماتے رہے اور اہل خاندان اور رشتہ داروں سے فرماتے کہ تم میں سے کسی کا حق میرے ذمہ ہو تو لے لو اور کوئی خطا ہوئی ہو تو معاف کردو، یہ میری عمر کی آخری گھڑی چل رہی ہے، جب اللہ کا حکم ہوگا چلا جاؤں گا، پاکی ناپاکی کا آخری وقت تک احساس رہا۔ ۲۰/مارچ دوشنبہ کی رات میں حالت بگڑی، اہل خاندان اور محلے کے لوگ آ گئے، پوری رات عجیب وغریب کیفیت سے گزری، جس کا ذکر ان کے صاحبزادے نے تفصیل سے کیا ہے، ہم بغرض اختصار اس میں سے تھوڑا سا حصہ شامل کرتے ہیں۔

وفات سے پہلے میرے بھائی افسر الدین خان نے ''ابا'' کہہ کر آواز دی تو آنکھیں کھول دیں اور یہ پوچھے جانے پر کہ آپ کو کوئی تکلیف ہے؟ کہنے لگے: مجھے اس وقت جس قدر سکون اور خوشی محسوس ہو رہی ہے اتنی پوری زندگی میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔

ف: اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ان حالات اور کیفیات سے شادکام فرمائے، آمین!(مرتب)

وفات: آخر ۲۰/مارچ ۱۹۸۲ء مطابق ۱۴۰۳ھ بروز منگل قبل ظہر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب عُرف حلُّو میاں گنج مرادآبادیؒ المتوفی سنہ ۱۴۰۳ھ

تعارف: آپ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کی نواسی کے لڑکے ہیں، ظاہری و باطنی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا عبدالکریم صاحبؒ خلیفہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ سے حاصل کیا۔

آپ پچاس سال تک مسجد میں قیام پذیر رہے، مسجد میں جھاڑو از خود لگا کر استعمال کے قابل بنالیا کرتے، ضعیف العمری میں بھی کسی سے خدمت لینا پسند نہ فرماتے، آپ پر کبھی کبھی جذب کا عالم طاری رہتا، اس کیفیت میں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، غریب ہو یا امیر، سب کو ڈانٹ پھٹکار کرتے، جب یہ کیفیت نہ رہتی تو نہایت نرم لہجہ میں گفتگو فرماتے، کبھی کبھی ملکی اور غیر ملکی حالت پر بھی کلام فرماتے، اکثر پیوند لگا ہوا لباس زیب تن فرماتے، استعمال شدہ کپڑے کا ٹکڑا بطور رومال اور تولیہ استعمال فرماتے، مسجد کے فرش پر استراحت فرماتے، وضو کرتے وقت جب پیر دھوتے تو **اَللّٰھُمّ ثَبِّتْ قَدَمِی علی صِرَاطِکَ المُستَقِیم** (یعنی اے اللہ! ہمارے قدم کو صراط مستقیم پر قائم رکھئے) بلند آواز سے بار بار پڑھتے۔

ملفوظات: فرمایا کہ اکابر نے تعلیم دی ہے کہ قبرستان جایا کرو، تاکہ موت یاد رہے اور مریض کی عیادت کیا کرو، تاکہ صحت پر شکر کی توفیق ہو، مگر دیکھتا ہوں کہ

مرتب: برادر مکرم جناب الحاج انیس احمد صاحب پُرخاصوی

لوگ قبرستان تو جاتے ہیں مگر مریض کی عیادت کم لوگ کرتے ہیں۔

ف: حالانکہ عیادت مسلمانوں کے حقوق میں سے ایک حق ہے، جس کی ادائیگی کی فکر رہنی چاہیئے، اسی طرح تعزیت بھی، اللہ تعالیٰ ہمیں خلوص کے ساتھ ان حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین! (مرتب)

فرمایا: مرنے کے بعد ہمارا چہرہ کوئی سیدھا کرے یا نہ کرے اس کی فکر نہیں ہے، فکر تو یہ ہے کہ ہمارا دل آخری سانس تک سیدھا رہے۔

ف: سبحان اللہ! خاتمہ بالخیر کی کس قدر فکر تھی اور دل کی درستگی کا کتنا خیال تھا، ظاہر ہے کہ یہ غایت تقویٰ کی بات ہے۔ (مرتب)

فرمایا: خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں اندھا ہوگیا ہوں، جس کی وجہ سے ظالموں کا چہرہ دیکھنے سے بچ گیا، اور دراصل ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرے۔

فرمایا کہ میرے پاس تم لوگ کیوں آتے ہو؟ مجھے خود خبر نہیں کہ ایمان کی حالت میں مروں گا یا کتّوں کی موت مروں گا۔

ف: اس سے بھی کس قدر خوف وخشیت کا حال معلوم ہوتا ہے، مومن کی یہی شان ہوتی ہے۔ اللھُمّ ارْزُقْناہُ۔ (مرتب)

فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد تیجا چالیسواں ہرگز نہ کیا جائے۔

ف: یہ بھی اتباعِ سنت کی علامت ہے، ایسے ہی ہر بزرگ کو ایسی نصیحت ووصیت اپنے لوگوں کو کرکے بلکہ لکھ کر دنیا سے کوچ کرنا چاہیئے، تاکہ متبعین کچھ تو پاس ولحاظ رکھیں۔ (مرتب)

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لوگ جھاڑ پھونک کیلئے نہیں جاتے تھے؛ بلکہ ہدایت کیلئے جاتے تھے، اس کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ جس کو تعویذ گنڈہ لینا ہوتو کہیں اور جائے، جہاں اس کی دوکان ہے۔

ف: اس ارشاد میں بزرگوں کی خدمت میں جانے کی اصل غرض اور مقصد سے آگاہ فرمایا کہ ان کی خدمت میں صرف تعویذ گنڈے کیلئے نہیں؛ بلکہ رشد وہدایت اور اصلاح وتربیت کیلئے جانا چاہئے۔(مرتب)

فرمایا: تم لوگ ہمیشہ کھانے پینے کے چکر میں رہتے ہو، یادرکھو اگر ایک سالن کے بجائے دو سالن کھایا جائے تو جسم تو موٹا ہوجائے گا؛ لیکن روح کمزور ہوجائے گی۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی عمدہ نصیحت ہے، اللہ تعالی ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔(آمین)(مرتب)

ایک شخص کو دیکھا کہ سجدہ میں انگلیاں پھیلا کر رکھے ہوئے ہے، تو نماز سے فراغت کے بعد سخت تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اتنے دنوں سے آتے جاتے ہو، نماز پڑھنا نہیں آتا، سجدہ کی حالت میں انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہئے۔

ف: ہمارے مشائخ جس طرح خود اتباع سنت کا اہتمام فرماتے تھے ویسے ہی اپنے متعلقین کو بھی اس کی تعلیم فرماتے تھے۔(مرتب)

وفات: ۱۹/ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ کو وفات ہوئی اور گنج مرادآباد ہی میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ۔

محدث جلیل حضرت مولانا محمد ایوب [(۱)] صاحب اعظمیؒ المتوفی ۱۴۰۹ھ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات

ولادت: آپ کی ولادت غالباً ۱۸۹۹ء مطابق ۱۳۱۷ھ میں ضلع مئو میں ہوئی۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا صوفی محمد صابر صاحبؒ شیخ الدلائل والخیرات مولانا عبدالحق الہ آبادیؒ کے مجاز صحبت تھے اور مولانا صوفی ولی محمد صاحبؒ گھوسی ضلع مئو سے مجاز بیعت تھے اور نقشبندی طریقے میں اجازت دیتے تھے۔ ان کے مریدین یوپی، بہار، گجرات، سندھ، برما اور رنگون وغیرہ میں بڑی تعداد میں تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے یہاں بھی سندھ سے واپسی میں حاضر ہوئے تھے اور حضرت تھانویؒ سے بڑی عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے تھے۔

تعلیم وتربیت: آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر ہوئی، پھر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالغفار صاحب عراقی مئویؒ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اس کے بعد مولانا امان اللہ صاحبؒ سے جامعہ مظہر العلوم بنارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد

---

(۱) حضرت مولانا محمد ایوب صاحبؒ کے حالات سے متعلق مولانا ابصار الحق قاسمی مئوی نے مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ سے دریافت کر کے ماشاء اللہ اچھا خاصا مواد جمع کر دیا ہے۔ اس میں سے کسی قدر حذف واضافہ کے ساتھ یہ تذکرۂ ایوبی پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ آمین! (مرتب)

دیوبند چلے گئے۔ وہاں پر موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کر کے منطق وفلسفہ کی تعلیم کے لئے علیگڈھ مینڈھو گئے، وہاں چار سال تک مولانا ماجد علی جونپوریؒ اور مولانا لطف اللہؒ علیگڈھ سے معقولات کا درس لیا۔ پھر دیوبند جا کر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے بخاری شریف وترمذی شریف پڑھی، اور دیگر کتب دورہ دوسرے علماء سے پڑھیں، ان میں سے حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے بطور خاص قریب رہے اور غالباً ۱۳۳۷ھ میں دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات: دیوبند سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ کی ایک شاخ میں صدر مدرس ہو گئے، ابھی دو سال ہی گزرے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ''ترک موالات'' پر انگریزی گورنمنٹ کی سروس چھوڑ دی۔ چند مہینے بعد انجمن اسلامیہ دیوریا کے صدر مدرس وشیخ الحدیث ہو گئے اور تین سال کے عرصہ میں ایک بڑی جماعت کو بخاری شریف کا درس دیا۔ وہاں کے تلامذہ میں مولانا ہدایت اللہ معروفیؒ اور حکیم محمد مصطفےٰ غازی پوریؒ قابل ذکر ہیں۔

پھر محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور مولانا عبداللطیف نعمانیؒ کے اصرار پر انجمن اسلامیہ سے مستعفی ہو کر جامعہ مفتاح العلوم مئو کے ناظم ہو گئے، آپ کی نظامت کے زمانہ میں جامعہ مفتاح العلوم نے غیر معمولی ترقی کی، جس میں مولاناؒ کی حسن نیت اور مساعیٔ جمیلہ کا بڑا دخل تھا۔

آپ کی نظامت کے زمانہ میں ہی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ایم، ایل، اے ہوئے اور ان کے بعد مولانا عبداللطیف نعمانی ایم، ایل، اے ہوئے۔ اس دوران تعلیمی خلاء کو مولاناؒ ہی پُر کرتے رہے، چنانچہ عرصۂ دراز تک نظامت کے

دوران سات سال تک مولاناؒ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس دیا۔

کچھ مخصوص حالات کے پیش آنے کے بعد مولاناؒ نے مفتاح العلوم سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر دو سال تک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث رہے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا پہلی بار حج ادا کرنے گئے، مکہ مکرمہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم سے ملاقات ہوئی، حضرت قاری صاحبؒ نے مولاناؒ سے فرمایا کہ تعلیم الدین ڈابھیل ہمارا ہی مدرسہ ہے، آپ وہاں جائیں اور وہاں کی صدارت کو قبول کریں تو مجھے خوشی ہوگی، مولاناؒ نے مکہ مکرمہ ہی میں اسے منظور کر لیا اور حج سے واپسی کے بعد مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل چلے گئے، اور تاحیات وہاں کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ فللہ الحمد و المنۃ.

بیعت: جامعہ مفتاح العلوم کی نظامت کے زمانہ میں مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ایک مرتبہ مئو تشریف لائے تو مولانا ان سے چشتی طریقہ میں بیعت ہوگئے، حضرت شاہ صاحبؒ نے مولاناؒ کو مجاز صحبت قرار دیا، جبکہ آپ کو اپنے خاندانی سلسلہ نقشبندیہ سے بیعت کی اجازت تھی۔

تصنیف و تالیف: حضرت مولاناؒ نے علامہ منذریؒ کی ایک کتاب ''مختصر الحدیث'' کا ترجمہ کیا تھا، مجلہ ''العدل، گوجرانوالہ'' میں رمضان المبارک پر ایک طویل مضمون متعدد قسطوں میں شائع ہوا۔ بریلی مسلک کے خلاف بھی ایک رسالہ تصنیف کیا تھا، بے شمار اصلاحی وتربیتی مضامین ومقالات مختلف جرائد ومجلّات میں شائع ہوئے۔

حضرت مولاناؒ کا معمول تھا کہ ڈابھیل جاتے وقت اپنے سارے مکتوبات ومسودات اپنے ساتھ لے جاتے اور لے آتے، اتفاق سے ایک مرتبہ سفر میں

ڈابھیل جاتے وقت وہ بکس غائب ہوگیا جس میں یہ مکتوبات ومسودات تھے، اس طرح سارے مسودات ضائع ہوگئے، جس کا مولاناؒ کو بہت افسوس رہا۔

قوت حافظہ: ایک بار حضرت مولاناؒ رمضان کے مہینہ میں کلکتہ سے مئوتشریف لائے، محلہ کی مسجد میں تراویح پڑھانے والا کوئی حافظ نہ تھا، چنانچہ مولاناؒ نے پندرہ روز میں پندرہ پارے حفظ کرکے تراویح میں سنائے، اور آپ کے ماموں زاد بھائی حافظ محمد حسن نے پندرہ دن میں ابتدائی پندرہ پارے یاد کرکے تراویح میں سنائے، اس کے بعد مولانا نے قرآن کریم مکمل حفظ کرلیا، اور تقریباً تینتیس (۳۳) سال تک تراویح میں مکمل قرآن پاک سناتے رہے، مولاناؒ اتنے خوش آواز تھے کہ لوگ آپ سے تلاوت قرآن کی فرمائش کرتے تھے، اور آپ کی خوش آوازی اور حسن تلاوت اخیر عمر تک قائم رہی۔

وعظ ونصیحت: حضرت مولاناؒ انتہائی خوش بیان واعظ تھے، آپ کے وعظ ونصیحت کو لوگ بہت دلچسپی سے سنتے تھے، ان کے بارے میں کسی نے کہا تھا کہ ؎

ہر طرف آپ کی تقریر سے دل والوں نے اتباع شہِ لولاک کی راہیں پائیں

آپ کی محبت: حضرت مصلح الامتؒ سے اصلاحی تعلق کی بناء پر الہ آباد آمد ورفت رہتی تھی تو ملاقات ہوا کرتی تھی؛ بلکہ حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد جب بھی مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل تشریف لے جانا ہوتا تو مجھ کو مطلع فرماتے کہ فلاں تاریخ کو کاشی ایکسپریس میں ریزرویشن کرادو، تو میں یہ خدمت انجام دیا کرتا تھا، ایک مرتبہ فرمایا کہ دیکھو، کاشی ایکسپریس تو بنارس سے چلتی ہے اور بنارس مئو سے قریب ہے، مگر میں وہاں سے ریزرویشن نہیں کراتا؛ بلکہ الہ آباد سے اس لئے کراتا ہوں

تا کہ تم لوگوں سے ملاقات ہو جائے، ظاہر ہے کہ یہ اپنے شیخ کی اولاد و احباب سے خاص محبت و رعایت کی بات ہے، جو غایت اخلاص کی علامت ہے۔

آپ کا مفید مضمون: حضرت مولاناؒ کے ملفوظات تو کہیں دستیاب نہ ہو سکے۔ ہاں! آپ کے صاحبزادے مکرم مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی زید مجدہم نے ایک مضمون ارسال فرمایا ہے جو پہلے کبھی ''تعمیر حیات'' میں شائع ہو چکا ہے، چونکہ یہ حدیث اور اس کی شرح نہایت مفید و بصیرت افروز ہے، اس لئے اسی کو یہاں بعینہ نقل کرتا ہوں۔

کلام خیر الانام

عَنْ اَبِي اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :مَنْ يُبَايِعُ؟ فَقَالَ ثَوْبَانُ مَوْلَىٰ رَسُوْلُ اللِه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :بَايِعْنَا يَا رَسولَ اللهِ. قال: عَلٰى أنْ لَا تَسْئَلُوا أحَدًا شَيْئًا، قال ثَوْبَانُ: فَمَالَهُ يَا رَسولَ اللهِ؟ قَالَ ''اَلْجَنَّةُ'' قَالَ: فَبَايَعَهُ ثَوْبَانُ الخ.

رواه الطبراني، وأخرجه أحمد و أبو داود و النسائي. (مجمع الزوائد: ج/۳ حديث: ۴۵۰۵)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کون بیعت کر رہا ہے؟ حضرت ثوبانؓ مولائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ مجھے بیعت فرما لیجئے یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بات پر بیعت کرو کہ کسی سے کوئی سوال نہ کرو گے، حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا: تو اس کو کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جنت! چنانچہ حضرت ثوبانؓ نے بیعت کر لی۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ میں نے ثوبانؓ کو مکہ کی بھیڑ میں سواری کی حالت میں دیکھا کہ ان کا کوڑا اگر جاتا اور کبھی تو وہ کسی آدمی کے کندھے پر گرتا اور وہ ان کو دینے لگتا، مگر وہ نہ لیتے تا آنکہ وہ خود سواری سے اتر کر اٹھاتے۔

مسند احمد، ابوداوداور نسائی میں حضرت ثوبانؓ کی زبانی منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ کسی سے کوئی سوال نہیں کرے گا، تو میں اس کے لئے جنت کا ذمہ دار ہوں، حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا کہ حضور! میں اس کے لئے تیار ہوں، اس کے بعد سے حضرت ثوبانؓ کا یہ معمول ہو گیا کہ انہوں نے کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر سواری پر ہوتے اور کوڑا اگر جاتا تو کسی سے یہ بھی نہ کہتے کہ ذرا اٹھا دینا؛ بلکہ اتر کر اٹھا لیتے۔

اس روایت میں سوال نہ کرنے والے کے خاتمہ بالخیر کی بشارت کی طرف اشارہ ہے، اور یہ مقصود ہے کہ ایسے شخص کا داخلہ جنت میں بغیر کسی عذاب کے اولین و فائزین کے ساتھ ہوگا؛ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر سوال نہ کرنے کی صورت میں جان جانے کا اندیشہ ہو تو سوال کرنا ضروری ہے، ایسی صورت میں اگر وہ بغیر سوال کے مر گیا تو گنہگار ہوگا۔ **الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں ممنوعات کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔) کا مسئلہ سب کے نزدیک مسلم ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بالکل صاف معلوم ہوتی ہے کہ جاں نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کے لئے کس طرح تیار و مستعد رہا کرتے تھے، اگر کسی موقع پر ان کو ارشاد نبویؐ کی کسی ادنیٰ مخالفت کا شبہ اور وہم بھی ہو جاتا تو وہ اس سے اجتناب و پرہیز ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ثوبانؓ کا سواری سے گرے ہوئے کوڑے کا نہ مانگنا صرف اس بناء پر تھا کہ اس میں ارشاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا وہم ہوتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ یہ بات اس سوال کے تحت نہیں جس پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

شریعت اسلامیہ نے اس بات کی انتہائی کوشش کی ہے کہ بلاضرورت کوئی کسی سے سوال نہ کرے۔علماء نے لکھا ہے کہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہواور ستر پوشی کے لئے کپڑا ہو،تو اس کے لئے سوال کرنا حرام ہے،حتی کہ اگر بالکل ہی نادار ہے؛لیکن تندرست وتوانا ہے اورکسب وکمائی پر قادر ہے تو صحیح مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی سوال کرنا حرام ہے،البتہ زکوٰۃ کا پیسہ ان لوگوں کے لئے جائز و حلال ہے۔مگرسوال کرنا پھربھی جائز نہیں،یعنی مصرف زکوٰۃ ہونااور چیز ہےاورسوال کرنااور چیز،اس لئے کہ ایک شخص مصرفِ زکوٰۃ ہوتے ہوئے بھی سوال نہیں کرسکتا۔

سوال کرنے کے باب میں نہایت شدید وعیدیں احادیث میں وارد ہیں،ایک حدیث میں آتا ہے کہ جوشخص بغیر فاقہ کے سوال کا دروازہ کھولے گا اللہ تعالیٰ اس پرطرح طرح کی حاجتوں کا دروازہ کھول دیں گے،یعنی اس کی حاجت کبھی پوری نہ ہوگی،اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ سوال کرنے میں کتنی ذلت وخرابی ہےتو کبھی کوئی کسی کے پاس سائل بن کر نہ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پرعمل کرنے والے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں سوال کی لعنت سے محفوظ رہے،انہوں نے علم کے ساتھ عمل کا جونمونہ پیش کیا اس کے لئے تنہا حضرت ثوبانؓ کا واقعہ کافی ہے۔

اب ایک دوسری حدیث ملاحظہ کریں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن عمر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيني العطاء، فأقول: أعطه من هو أفقر إليه مني، قال، فقال: خذه إذا جاءك من هذا المال شيء وأنت غير مشرف ولا مائل، فخذه وتموله، وإن شئت فكله، وإن شئت

تصدق به و ما لا فلاتتبعه نفسك الخ. (بخاری، حدیث:۱۴۷۳، مسلم، حدیث:۱۰۴۵)

ترجمہ: حضرت عبدللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کچھ عطا فرمارہے تھے، یعنی میرے عمل کی اجرت مجھے دے رہے تھے، میں نے عرض کیا: حضور! مجھ سے زیادہ کسی ضرورتمند کو دے دیجئے، آپ نے فرمایا: لے لو، جب تم کو یہ مال بغیر کسی حرص وطمع اور بلا کسی سوال کے ملے تو اسے لے کر تمول حاصل کرو، اس کے بعد اگر جی چاہے تو خود کھاؤ یا خیرات کردو، البتہ جو مال اس طرح نہ ملے تو اس کے پیچھے نہ پڑو۔

سالم فرماتے ہیں: ابن عمرؓ کا دستور یہ تھا کہ کسی سے کچھ مانگتے نہیں تھے اور بغیر مانگے ہوئے کوئی کچھ دے دیتا تو واپس بھی نہیں کرتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر طمع وسوال کے اگر کچھ ملے تو اس کو لے لینا چاہئے؛ لیکن اگر اس طرح نہ ملے تو اس کے پیچھے نہ پڑے، یعنی اس کی طلب میں محنت ومشقت نہ اٹھائے، بعض روایتوں میں ہے کہ بلا طلب وسوال اگر ملے تو لے لینا چاہئے، اس لئے کہ اس کا واپس کرنا انعام وعطاء کی ناقدری ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک روز بازار میں کچھ سامان خریدا اور مزدور سے اس کو گھر لائے، اس وقت گھر میں کچھ روٹیاں رکھی ہوئی مزدور نے دیکھ لیں، امام احمد نے اپنے لڑکے سے کہا کہ ایک روٹی مزدور کو دے دو، لڑکا دینے لگا تو اس نے لینے سے انکار کردیا، جب مزدور جانے لگا تو امام احمد نے پھر کہا کہ اب لے جا کر دے دو۔ لڑکے نے لے جا کر دیا تو اس نے قبول کرلیا، لڑکے کو اس بات پر تعجب ہوا تو اس نے امام موصوفؒ سے اس کا سبب

دریافت کیا، امام احمدؒ نے فرمایا کہ مزدور جب سامان لے کر آیا تھا اور گھر میں روٹیوں پر اس کی نظر پڑی تو اس کے دل میں طمع اور لالچ پیدا ہوگئی تھی، اس لئے اس وقت لینے سے انکار کردیا؛ لیکن جب وہ واپس ہوا تو مایوس ہوچکا تھا اور اس کا اشراف نفس ختم ہوچکا تھا، اس لئے اس وقت ملنے پر اس نے قبول کرلیا۔

ف: غور کرنے کا محل ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا جبکہ مزدور جیسے عوام الناس کا یہ حال تھا۔ افسوس کہ اب یہ حال تو اخص الخواص کا بھی نہ رہا، اور اب ہم سوال اور اشراف نفس کو ذرا بھی عیب کی بات نہیں تصور کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کی ممانعت سے جہاں اور بہت سے مقاصد تھے، وہیں ایک ایسے پاک وخالص اسلامی معاشرہ کو وجود میں لانا تھا جو سوال جیسی گھناونی چیز سے بالکل پاک ہو، اس لئے کہ اس کی وجہ سے بہت سے نفسیاتی امراض معاشرہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً: احساس کمتری، اونچ نیچ کی تفریق، حرکت وعمل کا فقدان وغیرہ۔

ماشاء اللہ کیا ہی خوب شرح ہے، اور جو فائدہ تحریر فرمایا وہ تو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ (مرتب)

وفات: مولانا سخت علیل اور صاحب فراش تھے کہ اچانک ایک دن صبح صادق کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، اور تقریباً چھیاسی (۸۶) برس کی عمر میں ۶/ جولائی ۱۹۸۴ء، مطابق ۶/شوال ۱۴۰۴ھ کو دار فانی سے دار البقاء کی طرف کوچ فرماگئے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون.** آپ کی نماز جنازہ میں شہر اور قرب وجوار سے آئے ہوئے جم غفیر نے شرکت کی اور آبائی قبرستان (جھاؤ کی گڈھی، مرزا ہادی پورہ، مئو سے جنوب) میں تدفین عمل میں آئی۔ **غفر اللہ لہ واسکنہ فسیح جناتہ.**

حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ مالیگانویؒ متوفی ۱۴۰۴ھ

(بانی مدرسہ جامعۃ الصالحات مالیگاؤں ضلع ناسک)

نام ونسب وولادت: مولانا کے آباء واجداد کا تعلق یوپی ضلع بارہ بنکی میں موضع سعادت گنج سے تھا، ان کے والد کا نام عبداللہ تھا، مولانا محمد عثمان صاحبؒ کی ولادت ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۳ھ میں شہر مالیگاؤں کے محلہ نیاپورہ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ بیت العلم مالیگاؤں میں حاصل کی، اور مدنی مسجد میں شبینہ مدرسہ میں حافظ عبدالشکور صاحب سے صرف سوا سال میں حفظ قرآن مکمل کیا، نصاب کے علاوہ کچھ کتابیں علیحدہ سے مولانا عبدالحمید نعمانیؒ سے پڑھیں، تجوید وقرأت کا فن قاری محمد حسین صاحبؒ سے حاصل کیا۔

ربیع الاول ۱۳۴۶ھ م ۱۹۲۸ء میں مدرسہ بیت العلوم سے فارغین کا جلسہ دستار بندی وتقسیم اسناد منعقد ہوا، مسند صدارت پر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ رونق افروز تھے، موصوف کے ہاتھوں دس طلبہ کو درس نظامی کی سند دی گئی، نیز ۱۱؍طلبہ کو تجوید وقرأت کی سند دی گئی، قرأت کی سند حضرت مولانا قاری محب الدین صاحب الہ آبادیؒ کے ہاتھوں دی گئی، اسناد حاصل کرنے والے طلبہ میں مولانا محمد عثمان صاحبؒ بھی تھے، جن کو عالمیت اور قرأت دونوں کی سند دی گئی۔

دارالعلوم دیوبند میں قیام: آپ تحصیل علم کی غرض سے دارالعلوم دیوبند

گئے اور ایک ہی سال میں آپ نے وہاں امتیازی مقام پیدا کرلیا، اپنے ہم سبق طلبہ میں ممتاز رہے، اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، اگلے سال آپ نے مالیگاؤں کے اور بھی طلبہ نیز اپنے ساتھیوں کو تحصیل علم کے لئے دیوبند جانے کی ترغیب دی، چنانچہ آپ کے شوق دلانے سے اور طلبہ بھی آئندہ سالوں میں دیوبند پہونچے، آپ نے دیوبند میں رہتے ہوئے تحریر وتقریر میں دسترس حاصل کرلی تھی، دیوبند میں آپ کا قیام ۴؍سال رہا، آپ مالیگاؤں کے علاقہ میں دارالعلوم دیوبند کے اولین فارغ التحصیل عالم تھے، اور اس علاقہ میں جو کچھ علم کا شعور اور دین کی بیداری لوگوں میں پیدا ہوئی، اس کا بڑا حصہ مولانا محمد عثمان صاحبؒ کی جد وجہد، کاوش وکوشش کا مرہون منت ہے۔

دارالتبلیغ کا قیام: مولانا محمد عثمان صاحبؒ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۳۲ء میں تعلیم مکمل کرکے مالیگاؤں آئے، ان کی خواہش تھی کہ تعلیم وتدریس میں اپنا وقت صرف کریں مگر مدرسہ بیت العلوم میں اس کا موقع نہ مل سکا، تو آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ دارالتبلیغ کی بنیاد رکھی، آپ کو وعظ وتقریر کا شوق وجذبہ بچپن ہی سے تھا، چنانچہ آپ باقاعدہ جماعتیں بنا کر قرب وجوار کے علاقہ میں تبلیغ واصلاح کیلئے تشریف لے جاتے، لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کرتے، مقامی طور پر بھی وعظ کہتے، کہیں کوئی مسجد ویران ہوتی تو اس کی صفائی ستھرائی کرکے مقامی لوگوں کو نماز باجماعت کی ترغیب دیتے، بدعات کا رواج اور دین سے دوری اس قدر عام تھی کہ آپ نے ایک جگہ دیکھا کہ مسجد صرف ویران ہی نہیں ہے بلکہ اس میں جانور بندھے ہوئے ہیں، آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملکر مسجد کی صفائی

اپنے ہاتھوں سے کی اور لوگوں کو نماز و فرائض کے ادائیگی کی تلقین کی۔

ریاست حیدرآباد میں قیام: ۱۹۳۴ء میں آپ ریاست حیدرآباد تشریف لے گئے، اور امور شرعیہ میں بحیثیت مبلغ آپ کا تقرر رہوا، آپ گاؤں گاؤں جاکر دین کی تبلیغ کرتے، مسلمانوں میں دینی اصلاح و بیداری پیدا ہوئی اور مسلموں کے دل میں اسلام کی عظمت اتر گئی، جس کے نتیجہ میں سیکڑوں غیر مسلم اجتماعی طور پر مشرف باسلام ہوئے، ایک دفعہ کم وبیش چھ سو غیر مسلم افراد اجتماعی طور پر مولانا کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

ف: ماشاءاللہ، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (مرتب)

دو سال بعد ۱۹۳۶ء میں شہر نظام آباد میں مولانا کا تقرر بحیثیت منتظم انجمن اسلام اور امام و خطیب جامع مسجد و عیدگاہ ہوئے، یہ عہدہ عزت وتکریم کا پروقار منصب تھا، آپ نے اس منصب سے خدمت دین اور اصلاح عوام کا بڑا کام انجام دیا، تقریباً ۱۰/سال قیام فرماکر ۱۹۴۴ء میں آپ وہاں سے مستعفی ہوکر مالیگاؤں تشریف لے آئے۔

مدرسہ تقویۃ الاسلام: حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد آپ مالیگاؤں کے مسلمانوں کی ملی و دینی خدمات میں مصروف رہے، کچھ نوجوان آپ کی مساعی جمیلہ اور تبلیغی جماعت کی ابتدائی کوششوں سے دین کی طرف متوجہ ہوئے، ان کو عربی زبان سیکھنے کا شوق ہوا تاکہ قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ کا ترجمہ سمجھ سکیں، مولانا نے ان نوجوانوں کی ہمت افزائی فرمائی اور ۱۴/مارچ ۱۹۴۹ء کو آپ نے مدرسہ تقویۃ الاسلام کی بنیاد نیاپورہ مدنی مسجد (جس میں مولانا نے بچپن میں

حفظ قرآن کیا تھا) میں رکھی اور تقریباً ۳۳/نوجوانوں نے آپ کے پاس عربی سیکھنے کا آغاز کیا۔

۱۹۵۲ء میں جب مولانا نے انگنوسیٹھ کی مسجد میں امامت کی ذمہ داری قبول فرمائی (جہاں آپ نے ۳۰/سال تک امامت کے فرائض انجام دیئے) تو یہ مدرسہ وہاں منتقل ہوگیا، ناظرہ وحفظ کیلئے بعض دوسرے اساتذہ رکھے گئے، مگر درس نظامی کی تعلیم آپ اکیلے دیتے تھے، طلبہ کی گھریلو اور کاروباری مشغولیت کی بناء پر تعداد کم ہوتی گئی، لیکن آپ نے جدوجہد ومحنت میں کوئی کمی نہ کی، بالآخر یہ محنت وجانفشانی رنگ لائی اور ۱۹۵۷ء میں تقسیم اسناد کے پہلے جلسہ میں دو فارغ التحصیل طلبہ کو سند فراغت دی گئی۔

معہد ملت کا قیام: ۱۹۵۳ء میں مولانا عبدالحمید نعمانی کی زیر قیادت مولانا محمد عثمان صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے معہد ملت کی بنیاد رکھی، مولانا محمد عثمان صاحب تقریباً تیرہ سال بلا معاوضہ اس مدرسہ میں تعلیم وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، آپ کی تدریس کے نقوش یہاں بھی نہایت زریں وتابناک ہیں۔

ادارہ احیاء المعارف: ۱۹۵۸ء میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمیؒ کے زیر سرپرستی ادارہ احیاء المعارف کا قیام عمل میں آیا، اور مولانا محمد عثمان صاحبؒ اس کے ناظم مقرر ہوئے، اس ادارہ کا بنیادی مقصد تصنیف وتالیف اور نایاب کتابوں کی اشاعت تھا، چنانچہ حدیث پاک کی دو ایسی نایاب کتابیں طبع ہوئیں جو تقریبا مفقود ہو چکی تھیں، پہلی کتاب انتقاء الترغیب والترھیب حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی، جس کا قلمی نسخہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ سے حاصل کیا

گیا، جسے مولانا عبدالحمید نعمانیؒ اور مولانا محمد عثمان صاحبؒ نے نقل کر کے ادارہ کیلئے ایک نسخہ تیار کیا اور علامہ منذری کی اصل کتاب الترغیب والترہیب سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح دقت نظری اور دیدہ ریزی سے انجام دیا، جیسا کہ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کتاب الانتقاء کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''مخطوطات بہت کم کتابت کی غلطی یا نقل کرنے والوں کے سہو سے خالی ہوا کرتے ہیں، کچھ نہ کچھ سہو و اغلاط پایا ہی جاتا ہے، چنانچہ ادارہ کے اس نسخہ کا منذری کی کتاب (الترغیب والترہیب) سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کا کام مولانا عبدالحمید نعمانی اور مولانا محمد عثمان صاحب مالیگانویؒ نے انجام دیا، شروع کے کچھ حصہ اور اخیر کے تقریباً پچہتر صفحات کی تصحیح میں میں بھی ان کا شریک رہا''۔ (ترجمہ مقدمہ انتقاء الترغیب والترہیب)

مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ نے اس پر تحقیق وتعلیق کا بیش قیمت کام انجام دیا، اور مولانا محمد عثمان صاحبؒ کے زیر نگرانی کتاب طبع ہو کر عرب ممالک میں پہنچی تو وہاں اس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اور اہل علم نے اس خدمت کو بہت سراہا، شیخ محمد ناصر الدین البانی نے اس کتاب کی تعریف کی اور اس کے دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ کیا، جس میں صحیح وضعیف حدیثوں کو ممتاز کر دیا، اس کے مقدمہ میں آپ نے ان علماء کبار کا ذکر کرتے ہوئے ان کی کوششوں کا ذکر کیا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''صحیح وضعیف حدیثوں کو ممتاز کر کے اس کتاب کے دوبارہ شائع کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے انتقاء الترغیب والترہیب علامہ ابن حجر

عسقلانی کی مطبوعہ کتاب کو دیکھا، جس کے اصول کی تحقیق کرکے اس کی تعلیق کا کام جلیل القدر عالم شیخ حبیب الرحمن الاعظمیؒ اور فاضل عبدالحمید نعمانی وفاضل محمد عثمان مالیگانویؒ نے انجام دیا ہے۔''

(ترجمہ مقدمہ صحیح الترغیب والترہیب للالبانی)

دوسری کتاب ''کتاب الزہد والرقائق'' دوسری صدی کے مشہور تابعی محدث عبداللہ بن مبارک کی مایہ ناز تصنیف ہے، مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نے ترکی، دمشق، اسکندریہ سے اس کے قلمی نسخوں سے ایڈٹ کرکے تیار کرایا اور اس پر تحقیق وتعلیق کا کام انجام دیا اور مولانا محمد عثمان صاحب کے زیر نگرانی ادارہ احیاء المعارف سے طبع ہوکر عرب دنیا میں پہنچی تو پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور اس پر خراج تحسین پیش کیا گیا۔

جامعۃ الصالحات: لڑکیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے، نیز ان کو آنے والی نسلوں کو جدید مغرب زدہ تعلیم کی زہرناکیوں سے بچانے کیلئے ۱۹۶۸ء میں مولانا محمد عثمان صاحبؒ نے مولانا عبدالحق صاحبؒ، مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور مولانا محمد ایوب صاحبؒ کی رفاقت، نیز حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ کی سرپرستی میں جامعۃ الصالحات کی بنیاد ڈالی، اور یہ مدرسہ انگنو سیٹھ کی مسجد (نیاپورہ) کے تقویۃ الاسلام میں جاری ہوا، ۸۵/طالبات نے داخلہ لیا، لڑکیوں کے ماحول اور ضروریات کا خیال کرتے ہوئے مولانا نے مدارس میں رائج الوقت نصاب کو پانچ سال میں مکمل کرنے کا عزم کیا، اور مولانا کی پوری توجہ اس کی تعمیر وترقی کی طرف مبذول ہوگئی، چنانچہ لوگوں کی دلچسپی بڑھی، اہل

خیر حضرات نے تعاون کیا اور مدرسہ کی علیحدہ عمارت کی بنیاد ڈال دی گئی، تعمیر پوری ہوجانے پر یہ مدرسہ نئی عمارت میں منتقل ہوگیا۔

جامعۃ الصالحات کا ننھا سا پودا دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا ہوا آج ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں اپنا نام وشہرت پیدا کر چکا ہے، امریکہ، کنیڈا، افریقہ، انگلینڈ تک کی لڑکیاں یہاں زیر تعلیم ہیں، دوسری جگہوں میں بھی اسی کے نقش قدم پر لڑکیوں کیلئے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، لیکن تقدم اور پیش روی نیز دوسروں کیلئے نمونہ واسوہ پیش کرنے کا شرف جامعۃ الصالحات مالیگاؤں کو حاصل ہے۔ والفضل للمتقدم۔

بیعت واجازت: مولانا محمد عثمان صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے، ان میں وہ سارے اوصاف وخصائص پائے جاتے تھے جو اس زمانہ کے فضلائے دارالعلوم دیوبند کا طرہ امتیاز تھا، استعداد نہایت پختہ، علم نہایت ٹھوس، تقوی وطہارت میں ممتاز ونمایاں، اخلاق وکردار میں بلند۔

آپ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے، اور آپ کو خلافت حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ سے حاصل تھی۔

(حیات ابوالمآثر: ص: ۵۲۰)

ملفوظات

(۱) مولانا کا قول تھا کہ ملت کے مفاد پر انفرادی اور گروہی مفادات کو ترجیح نہ دینا چاہئے۔

ف: بالکل حق ہے۔ (مرتب)

(۲)مولانا کہتے تھے کہ ایسے پرفتن اور پرآشوب دور میں جو شخص دین کا کام جس درجہ میں کررہاہے غنیمت ہے۔

وفات: مارچ ۱۹۸۳ء کورات میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا، آپ کچھ روز بیمار رہے، بالآخر ۲۸/ربیع الآخر ۱۴۰۴ھ یکم فروری ۱۹۸۴ء بروز بدھ صبح ۵/بجے آپ کو ہچکی آنا شروع ہوئی، تھوڑی ہی دیر میں روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون۔**

وفات کے وقت اہلیہ محترمہ، چھ صاحب زادے اور تین صاحبزادیاں چھوڑیں، ابھی حال ہی میں اہلیہ محترمہ کی وفات ہوئی ہے رحمہا اللہ تعالی۔

سعادت: ان صاحبزادوں میں سے مکرم جناب افضال احمد صاحب ناظم جامعۃ الصالحات اور مولانا ہلال احمد صاحب سے خاص تعلق ہے، اسی بناء پر عزیزم مولوی محمد عبداللہ سلمہ جو مولانا ہلال احمد صاحب کے صاحبزادہ ہیں ہمارے مدرسہ عربیہ بیت المعارف میں زیر تعلیم رہ چکے ہیں اور مکرم جناب افضال احمد صاحب نے کئی سال ختم بخاری کے موقع پر اس حقیر کو بلایا اور نہایت اکرام واعزاز کا معاملہ فرمایا، اور اس سے پہلے مکرم آفتاب احمد صاحبؒ نے اپنے مدرسہ کے جلسہ میں بلایا تھا، اس طرح بار بار آمدورفت کی وجہ سے پورے اصحاب مالیگاؤں سے خصوصی وقوی ربط وتعلق ہوگیا جس کو میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔**

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب صدیقی مئویؒ المتوفی ۱۴۰۵ھ

نام ونسب وولادت: مولانا شبیر احمد ولد لیاقت حسین ولد فضل محمد ولد شیخ علی بخش صدیقی گھوسی ضلع مئو کے محلہ ملک پورہ میں ۱۳۳۴ھ پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتداء پرائمری اسکول سے کی اور وہیں حضرت صوفی سلطان احمد صاحبؒ والد محترم شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی متعہ اللہ تعالیٰ بطول حیاتہ کے رفیق درس رہے۔ گاہے گاہے صوفی صاحب سے ملاقات کی غرض سے کاریساتھ جایا بھی کرتے۔ بعدہ مدرسہ ناصر العلوم میں داخلہ لیا، مولانا بحر العلوم کوئریا پاری سے فارسی اوران کے برادر اکبر مولانا علی احمد کوئریا پاری سے قدوری تک پڑھ کر مدرسہ مفتاح العلوم شاہی کٹرہ مئوتشریف لے گئے اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ اور حضرت مولانا محمد ایوب صاحب سے متوسطات تک تعلیم حاصل کر کے ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔اس کے بعد کی کتابیں وہاں کے علمائے کبار سے پڑھ کر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۷ء کوسند فراغت حاصل کیا۔شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے بخاری شریف وترمذی شریف پڑھنے کا شرف حاصل کیا، فالحمدللہ رب العالمین۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری: دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ میں ایک جمعرات ناغہ سے ہر دوسری جمعرات نماز ظہر پڑھ کر حضرت تھانویؒ

کی خدمت میں جانے کا معمول تھا اور جمعہ پڑھ کر وہاں سے واپسی ہوتی تھی۔

اصلاحی تعلق: آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ سے تھا، گاہے گاہے خانقاہ فتحپور تال نرجا اور اس کے بعد گورکھپور والہ آباد بھی جایا کرتے۔ آپ کے بائیں کندھے میں شدید درد رہا کرتا تھا، مقامی وغیر مقامی ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا مگر وقتی فائدہ رہتا پھر وہی کیفیت کہ تھوڑی سی حرکت ناگوار خاطر ہوتی۔ ایک دن سویرے اٹھے بہت ہی ہشاش بشاش درد کا نام ونشان نہ تھا۔ فرمانے لگے میں نے رات خواب دیکھا حضرت مصلح الامتؒ فرمارہے ہیں مولوی شبیر احمد دونوں کہنیوں کو تیزی کے ساتھ حرکت دیتے ہوئے دوڑو۔ میں نے دوڑ لگائی۔ صبح اٹھا تو درد بالکل غائب۔ حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ "یہ صحیح ہے بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی صالح اور مخلص بندے کو خواب میں دکھا کر مستقبل کی کوئی بات بتلا دیتے ہیں۔ بسا اوقات خواب میں جس کو دکھایا جاتا ہے اسے بھی خبر نہیں ہوتی یہ رویائے صالحہ کی ایک شکل ہے"۔

دارالعلوم دیوبند سے تخریج کے بعد تدریس کا سلسلہ میرواں ضلع سیوان سے شروع کیا۔ اس وقت کے ایک رئیس خدا بخش جنھیں لوگ کھدی میاں سے پکارتے تھے، اس مدرسہ کے سرپرست تھے۔ معلوم نہیں وہاں آپ نے کتنے سال گذارے۔ اس کے بعد آپ مدرسہ قاسم العلوم قاضی پورہ گھوسی آ گئے جسے ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا عبدالمجید صاحب کوٹھیاویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے اشتراک سے قائم کیا گیا تھا۔ یہاں پر ۱۴؍سال تک صدر المدرسین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ قاسم العلوم کے لئے وہ زمانہ خیر القرون کا تھا۔

اخلاق وعادات: آپ سادگی وخوش خلقی کے پیکر تھے،تواضع وفروتنی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی،سلام میں پہل کرتے ، ہر چھوٹے اور بڑے سے مسکرا کر خندہ جبینی سے ملتے۔خود پسندی وعجب نام کو نہ تھا،اگر کسی کے متعلق کوئی دکھ کی بات معلوم ہوتی تو رنجیدہ ہوتے اوراس کے لئے دعائیں کرتے۔لوگوں کی خوشی پر خوش ہوتے۔ ماشاءاللہ الحمدللہ کہتے۔آپ کی ساری زندگی اس شعر کے مترادف تھی ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است

با دوستاں تلطف و با دشمناں مدارا

مولانا موصوف سے اگر کوئی مشورہ لیتا تو "المستشار مؤتمن" کی پوری رعایت کرتے یہی وجہ تھی اپنے مسلک کے علاوہ اہل بدع بھی خانگی امور میں مشورہ لیتے۔

قرآن خوانی کے لئے لڑکوں کو گھر بھیجنے کے قائل نہ تھے، مدرسہ میں پڑھوا کر ایصال ثواب کرا دیتے اور سختی سے منع کر دیتے کہ شیرینی وغیرہ نہ لائیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر قاعدہ قاعدے سے پڑھا دیا جائے تو بچہ ازخود قرآن پڑھ لے گا۔ درجہ حفظ کے طلبہ کے لئے لازم تھا کہ روزانہ سبق کا پارہ سنائیں اور ہفتہ میں از اول تا سبق آموختہ ہوجایا کرے۔اگر ایک جگہ بھی سبق سنانے میں غلطی ہوجاتی تو آگے سبق نہ دیتے۔ حافظ قرآن نہ تھے لیکن جسے پڑھا دیا وہ بہت اچھا اور پختہ حافظ ہوا۔

قاسم العلوم قاضی پورہ کے بعد آپ مدرسہ ناصر العلوم آ گئے اور کئی سال تک یہاں تعلیم دی۔ فالحمدللہ رب العالمین

آپ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے درج ذیل اشعار پڑھا کرتے تھے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب مستی کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے۔

وفات: انتقال سے کچھ دیر قبل حافظ شفیق الرحمٰن صاحب ولد ڈاکٹر محمد ادریس صاحبؒ آئے تو فرمایا حافظ شفیق! میں ساتوں کلمہ مع ترجمہ پڑھتا ہوں غور سے سنو۔ ساتوں کلمے ترجمے کے ساتھ پڑھے، پھر ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ سر کے نیچے سے تکیہ ہٹا دیا جائے۔ تکیہ ہٹانے کے بعد شاید دو تین منٹ کے بعد روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ظہر بعد جنازہ ہوا اور اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ **رحمہ اللہ تعالیٰ و نور اللہ مرقدہ**

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اپنی سعادت: ماشاء اللہ حضرت مولانا اس حقیر سے بہت محبت فرماتے تھے، الحمد للہ ہماری تقریر بہت دلچسپی سے سنتے اور تعریف فرماتے، اہلیہ والدہ مقبول احمد کی وفات کے بعد بسلسلہ تعزیت الہ آباد آئے تو ہمارا حال زار دیکھ کر فرمایا کہ ایسی مصیبت تو نہ دیکھا اور نہ ہی سنا تھا۔ یہ ان کے الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا اجر و ثواب سے نوازے۔ آمین

حضرت الحاج ڈاکٹر عبدالحی صاحب ؒ کراچی المتوفی ۱۴۰۶ھ

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت باسعادت ریاست کدورہ میں ۸؍محرم الحرام ۱۳۱۶ھ مطابق جون ۱۸۹۸ء میں ہوئی، ۱۹۰۴ء میں کلام پاک کے علاوہ عربی، فارسی کی تعلیم شروع کرادی گئی، ۱۹۰۸ء میں انگریزی اسکول میں درجہ سوم میں داخل کئے گئے، کانپور اور علی گڈھ میں بھی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۶ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی، کچھ دنوں سہارنپور میں پیشۂ وکالت کیا، پھر ۱۹۲۷ء میں ہردوئی آئے اور مستقل وکالت کا پیشہ اختیار کیا، ۱۹۳۳ء میں جونپور آئے اور وکالت کرنے لگے، مگر اس پیشہ سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے ترک فرمادیا، اور ۱۹۳۶ء سے ہومیوپیتھک ڈاکٹری کو ذریعہ معاش بنایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس سلسلہ میں خوب شہرت عطا فرمائی اور یہاں ہی مستقل سکونت کیلئے مکان کی تعمیر کا ارادہ ہوا، مگر ایسے حالات پیش آئے کہ جونپور کی اقامت کو ترک کر کے ۱۹۵۰ء میں مع اہل وعیال کے کراچی تشریف لے گئے، وہاں بھی علاج ومعالجہ کا سلسلہ جاری رکھا، ساتھ ہی ساتھ اصلاحی مجلس بھی فرماتے تھے، اور یہ دونوں سلسلے تاوفات قائم رہے، اوران دونوں ہی طریق سے خلق کثیر کو جسمانی وروحانی نفع پہنچایا۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ مَن یَّشاء۔**

ماہ نامہ رسالہ البلاغ کراچی ماہ صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ کے اشاعت خصوصی سے آپ کے مختصر حالات اور چند ارشادات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین!

بیعت : حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ۱۹۲۷ء میں بیعت ہوئے ،خود حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ بیعت کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: کوئی حالت پیش آئے تو مجھ کو مطلع کرنا اور کسی سے کچھ ذکر نہ کرنا، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر ہفتہ اپنے حالات کا خط لکھتے رہنا، میں نے عرض کیا: اگر کوئی حال نہ ہو تو اس حالت میں کیا کیا جائے ،فرمایا: یہی لکھ دینا کہ کوئی حال نہیں ہے۔

ف : مگر افسوس کہ اب اطلاع احوال کی ذرا بھی فکر نہیں، اس لئے شیخ مرید کا تعلق محض رسمی رہ گیا ہے۔(مرتب)

چنانچہ اصلاح وتربیت کا سلسلہ حضرت اقدس تھانویؒ کی خدمت میں آمد ورفت اور خط وکتابت کے ذریعہ جاری رکھا، آخر مرید صادق کی استعداد وصلاحیت کو دیکھتے ہوئے مرشد کامل نے جنوری ۱۹۳۶ء میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، جس کی برکت سے عوام وخواص سبھی آپ سے مستفیض ہوئے، بلکہ یہ بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ذات بابرکات پاکستان میں مرجع خلائق بن گئی تھی، جنرل ضیاءالحق مرحوم بھی آپ سے خاص عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے تھے، اپنی صاحبزادی کا نکاح آپ ہی سے پڑھوایا، جوان کیلئے سعادت کی بات تھی، اللہ تعالیٰ اس کا ثمرہ آخرت میں عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

تصانیف : ماشاءاللہ ،آپ نے متعدد مفید کتابیں بھی لکھیں، مثلاً ''اُسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، بصائر حکیم الامتؒ، مآثر حکیم الامتؒ، احکام میت''، اسوۂ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو متعدد بار طبع ہو چکی ہے، یقیناً یہ کتاب اس لائق ہے کہ بار بار چھپے اور اس قابل ہے کہ ہر گھر میں رہے اور پڑھی جائے۔ وباللہ التوفیق۔

ارشادات

شیطان اور اس کا تریاق: فرمایا کہ انسان خطاؤں کا پتلا ہے، بشر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس میں نیکی کے ساتھ ساتھ غلطیوں، خطاؤں اور گناہوں کی صلاحیت بھی ودیعت کی گئی ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے قاعدے میں بنایا اور اس کے دل میں گناہ اور تقویٰ دونوں کی باتیں ڈالیں) اس سے معلوم ہوا کہ بشر کو قاعدے کے مطابق ٹھیک ٹھیک بنانے ہی کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس میں گناہ اور تقویٰ دونوں کی صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں، اگر اس میں صرف نیکی کی صلاحیت رکھی جاتی تو وہ بشر نہ ہوتا، فرشتہ بن جاتا۔

دوسری طرف ان دونوں قسم کی صلاحیتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ محرکات بھی پیدا فرمائے، نیکی کے محرکات انسان کو عبادت وطاعت، فرماں برداری اور خیر کے کاموں پر ابھارتے ہیں اور بدی کے محرکات بدی اور گناہوں کی طرف مائل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہیں، اور ان کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، لہٰذا جس طرح نیکی کی صلاحیتوں، اور ان کے پیدا کرنے میں حکمت ہے، اسی طرح گناہ کی صلاحیتوں اور ان کے محرکات کی تخلیق بھی عین حکمت پر مبنی ہے، دونوں میں سے کوئی حکمت سے خالی نہیں۔

بدی کی صلاحیتوں اور ان کے محرکات کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ان کے

بغیر انسان کو تقوی کا مقام بلند حاصل نہیں ہوسکتا، جس شخص میں گناہ کی صلاحیت ہی نہ ہو اگر وہ گناہ نہ کرے تو اس میں کیا کمال ہے؛ جو شخص بھوک پیاس کی ضروریات سے مبرّا ہو، اس کا روزہ بے معنی ہے، جس شخص میں جنسی خواہش کی صلاحیت ہی نہ ہو اس کے لئے عفت وعصمت نہ کوئی کمال ہے نہ وہ اس کے فضائل کا مستحق ہوسکتا ہے، بدی کے ان محرکات کا فائدہ یہ ہے کہ جب انسان ہمت سے کام لے کر ان محرکات پر قابو پاتا ہے اور نیکی کے محرکات کو ان پر غالب کرتا ہے تو اس کی زندگی میں تقوی کی شمع روشن ہوتی ہے، اسے تقوی کے فضائل اور اس کے انوار وبرکات حاصل ہوتے ہیں، اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است　　　که از وحمّامِ تقوی روشن است

(ترجمہ) شہوت دنیا کی مثال انگیٹھی جیسی ہے کہ اسی سے تقوی کا حمّام روشن اور گرم ہے۔

پھر بدی کے محرّکات کی تخلیق کی حکمت یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ اس سے بھی آگے ان کی ایک اور حکمت ہے جس کی طرف ذہن کم جاتا ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات آدمی کوشش کے باوجود بدی اور گناہ کے محرکات کو مغلوب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا، اور اس سے بشری تقاضے کی بناء پر کسی غلطی یا گناہ کا صدور ہوجاتا ہے، تو اگر دل میں ایمان ہے اور گناہ کو گناہ سمجھتا ہے تو اسے ندامتِ قلب، شکستگی اور عاجزی کے ساتھ توبہ واستغفار کی توفیق ہوتی ہے، جس کے نتیجہ میں اس کے مقام عبدیت میں ترقی ہوتی ہے اور انجام کار وہ بندگی کا ایک اور زینہ چڑھ جاتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ گناہ کے ساتھ سرکشی اور سینہ زوری نہ ہو،

بلکہ گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ہو اور اس پر ندامت موجود ہو۔

نتیجہ یہ ہے کہ ایسے بندے کو اگر گناہ سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے تو اسے تقویٰ کا مقام حاصل ہوتا ہے اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اگر بشری تقاضے سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو چونکہ ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کے ذریعہ اس کی عبدیت کے مقام میں ترقی ہوتی ہے، لہذا دونوں صورتوں میں اس کا فائدہ ہے، اور گناہوں کی صلاحیت اور ان کے محرکات کی تخلیق اس کے لئے دونوں صورتوں میں بڑی حکمت پر مبنی ہے۔

بہر کیف اللہ تعالی نے انسان کے اندر ''فجور اور تقویٰ'' دونوں کی صلاحیتیں عین حکمت سے پیدا فرمائی ہیں، فجور کے محرکات میں سب سے بڑا محرک شیطان ہے، جس کی تخلیق آدم علیہ السلام سے بھی پہلے ہوگئی تھی۔ یہ زہر اس لئے پیدا کیا گیا تھا کہ انسان اس سے بچنے کا اہتمام کر کے تقوی کا مقام حاصل کرے، لیکن اللہ تعالی کی رحمت کاملہ سے یہ بعید تھا کہ وہ زہر تو پیدا فرمائیں اور اس کا تریاق نہ بتائیں اور اس تریاق کا عملی تجربہ نہ کرائیں۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیج کر انہیں خلافت ارضی کا منصب عطا کرنے سے پہلے جنت ہی میں اس زہر اور اس کے تریاق کا عملی تجربہ بھی کرایا گیا، شیطان نے آپ کو بہکایا، اس سے آپ نادم اور پریشان ہوئے، تو آپ کو استغفار کے وہ کلمات سکھائے گئے جو اس زہر کا تریاق تھے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ (پس آدم علیہ السلام نے

اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے، پس اللہ تعالی نے انہیں معاف کردیا۔) یہ کلمات کیا تھے؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ بتائے گئے ہیں:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (ان دونوں (آدم وحوا علیہما السلام) نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم خسارہ پانے والوں میں ہوجائیں گے) یہ تھا اس زہر کا تریاق، اللہ تعالی نے اپنی حکمت بالغہ اور رحمتِ کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نظری اور عملی دونوں طرح یہ بتادیا کہ تمہارے ساتھ یہ زہر بھی دنیا میں بھیجا جارہا ہے، یہ تمہیں قدم قدم پر ڈسنے کی کوشش کرے گا، اول تو رجوع الی اللہ اور ہماری عطا کی ہوئی ہمت سے اس سے بچنے کی کوشش کرو، لیکن اگر کبھی یہ شیطان تم کو ڈس ہی لے تو فوراً استغفار اور توبہ کا تریاق استعمال کرو، اس سے نہ صرف یہ کہ زہر کے اثرات فوراً زائل ہوجائیں گے؛ بلکہ تمہاری عبدیت میں ترقی ہوگی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تو شروع ہی سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافتِ ارضی کے لئے پیدا فرمایا تھا اور تخلیق سے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً"، لیکن تخلیق کے فوراً بعد انہیں زمین پر نہیں بھیجا، گویا خلافت فی الارض کا منصب اس وقت تک عطا نہیں فرمایا جب تک انہیں لغزش کے نتیجہ میں استغفار کی تلقین نہیں فرمادی، جب لغزش اور توبہ کے مراحل انہوں نے طے کرلئے تب خلافت فی الارض کی خلعت پہنا کر دنیا میں بھیجا گیا۔

لہذا توبہ اور استغفار درحقیقت انسان کو عبدیت کے مقام تک پہنچاتے

ہیں، اس سے نہ صرف گناہ معاف ہوتے ہیں؛ بلکہ درجات بھی بڑھتے ہیں، اس لئے جب کبھی عملی زندگی میں کوئی لغزش، کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہوجائے تو صاحب ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ فوراً توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہو، اور اس طرح اس زہر کا تریاق استعمال کرے، یہ شر کے محرکات سے بچنے اور اس کے اثرات سے محفوظ رہنے کا انتہائی آسان نسخہ ہے، بس عادت ڈالنے کی ضرورت ہے، خاص طور پر ہر مسلمان کو چاہئے کہ ہر روز رات کو سونے سے پہلے چند منٹ خاموشی سے بیٹھ کر اپنے دن بھر کے اعمال کا جائزہ لے، اس میں جہاں جہاں غلطی اور لغزش ہو، اس پر توبہ واستغفار کرے پھر دیکھے کیا سے کیا ہوتا ہے، اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق کامل مرحمت فرمائیں، آمین ثم آمین!

ف: سبحان اللہ! بدی کے پیدا کرنے کی کیا ہی خوب حکمت بیان فرمائی جو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے علم وحکمت سے مشرف ہونے کی دلیل ہے اور یہ ہر مسلمان کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ (مرتب)

شیطان کے حدود واختیارات: فرمایا کہ اللہ تعالی نے شیطان کو عین حکمت سے انسان کی آزمائش کیلئے پیدا فرمایا ہے؛ لیکن لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ اسے اتنی زیادہ طاقت دی گئی ہے کہ جس کا مقابلہ انسان کی طاقت سے باہر ہے، حالانکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ صاحب ایمان کی قوتِ ایمانی شیطان کی طاقت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"اِنَّ كَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ كَانَ ضَعِیۡفًا ۝" (یعنی بلا شبہ شیطان کا مکر کمزور ہے،) لہذا اس کمزور مکر سے ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہاں اس سے بچنے

کیلئے صحیح تدبیر کی ضرورت ہے، اور یہ تدبیر بھی قرآن وسنت ہی نے بتادی ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ شیطان کو شیطان بنانے والی چیز اس کا تکبر، اس کی رعونت، اس کی سرکشی ہے، لہذا اس کا مقابلہ اللہ کے حضور عاجزی، شکستگی، فروماندگی اور خودسپردگی ہی سے کیا جاسکتا ہے، جس کا دوسرا نام عبدیت ہے، اگر کوئی شخص اللہ تعالی کی بندگی اور عبدیت اختیار کرے گا، جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی انانیت کو مٹا کر ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھے گا اور اپنی ہر مشکل میں اُنہی کو پکارے گا، اس پر شیطان کا کوئی جادو نہیں چل سکتا، خود اللہ تعالی نے شیطان سے فرمادیا تھا: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۝ (بلاشبہ میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں) لہذا جو شخص واقعی اللہ تعالی کا بندہ بن جائے گا وہ شیطان کے حدودِ اختیار سے باہر ہے، شیطان خود بھی اس حقیقت کو جانتا ہے، چنانچہ اپنے بہکانے پھسلانے کی طاقت کے حوالے سے اس نے بڑی ڈینگیں ماریں اور کہا کہ میں ان سب کو بہکا کر گمراہ کروں گا؛ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ مگر ان میں سے جو تیرے خالص کئے ہوئے بندے ہیں (انہیں نہ بہکا سکوں گا)۔

معلوم ہوا کہ شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان مقام عبدیت کو اختیار کرے، اللہ کے حضور اپنا سرنیاز خم کرکے اس کے ساتھ عبدیت کے رشتہ کو مضبوط بنائے، اسی کی طرف رجوع اور انابت کی عادت ڈالے تو شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

مرنا اور جینا اللہ کے لئے : فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "قُلْ إِنَّ

صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ“ (یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔)

اللہ تعالی نے یہ بات کہنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا ہے اور آپ کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو، ظاہر ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ فضول اور بے فائدہ نہیں ہوسکتا، یقیناً اللہ تعالی کو یہ منظور معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ یہ بات کہے گا اللہ تعالی کی طرف سے اس کی مدد کی جائے گی۔

لہذا یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہر روز صبح کو بیدار ہونے کے بعد انسان سچے دل سے یہ کہہ لے کہ ”اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ“ اور دل میں یہ پختہ عزم کرے کہ دن میں جو کوئی کام کروں گا اللہ کے لئے کروں گا، اور اس کا مقصد اللہ تعالی کے احکام کی تعمیل اور اس کی خوشنودی کا حصول ہوگا، اور عزم کرلینا اس لئے مشکل نہیں کہ اس سے زندگی کے کسی ضروری کام میں رُکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، جن کاموں کو دنیا کے کام کہا جاتا ہے، مثلاً کھانا پینا، روزی کمانا، بیوی بچوں سے ہنسنا بولنا، رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کرنا، یہ سارے کام اللہ کے لئے ہوسکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ یہ کام غفلت کی حالت میں محض نفسانی خواہش کی تکمیل کیلئے انجام نہ دیئے جائیں؛ بلکہ انہیں انجام دیتے وقت نیت یہ ہو کہ یہ تمام حقوق ہیں جو اللہ تعالی نے ہی ہمارے ذمہ عائد فرمائے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر عمل کرکے دکھایا ہے، لہذا ہم یہ کام اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع میں انجام

دے رہے ہیں، بس یہ نیت کر لی تو یہ سارے کام اللہ کیلئے ہو گئے۔

(البلاغ، صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ، انتخاب از ''افادات عارفی'' مرتبہ مفتی محمد تقی عثمانی: ۴۹۲)

وفات: آپ کی وفات ۱۵/رجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں ہوئی، جنازہ کورنگی دارالعلوم کراچی لایا گیا، اور حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور دارالعلوم ہی کے احاطہ کے قبرستان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی قبر کے قریب مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالی ونور اللہ مرقدہ۔

خلفاء: ماشاء اللہ تعالی، آپ نے متعدد خلفاء چھوڑے، جن میں مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی، اور مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم، میرے علم میں زیادہ معروف ومشہور ہیں، اللہ تعالی سب کو دین وطریق کی خدمت کی توفیق دے، آمین۔

عظیم داعی ومربی حضرت عمر تلمسانی مصریؒ متوفی ۱۴۰۶ھ

نام ونسب: نام عمر عبد الفتاح، والد کا نام عبد القادر مصطفی تلمسانی ہے ان کے دادا اور والد ابتداء میں کپڑے اور قیمتی پتھروں کے تاجر تھے، آپ کے دادا نے شیخ محمد بن عبد الوھاب نجدی کی متعدد کتابیں شائع کرائیں اسلئے آپ کی پرورش بدعت وخرافات سے پاک ماحول میں ہوئی۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں شہر قاھرہ کے شارع حوش قدم غوریہ میں ہوئی۔ آپ کے آباء واجداد کا تعلق الجزائر میں تلمسان کے علاقہ سے تھا اسی لئے تلمسانی کہلاتے ہیں۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم جمعیۃ الخیریہ کے مدارس میں ہوئی، اس کے بعد ثانوی تعلیم کے لیے مدرسہ الہامیہ میں داخل ہوئے، پھر کلیۃ الحقوق میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۳ء میں یہاں سے فراغت کے بعد شبین القناطر کے علاقے میں وکالت کے لیے اپنا آفس کھولا، اور تحریک اخوان المسلمین میں شمولیت اختیار کرلی۔ تحریک میں شامل ہونے والے وہ سب سے پہلے وکیل تھے۔ انھوں نے اخوان کے دفاع کے لیے اپنی جدوجہد وقف کردی۔ وہ امام شہید حسن البناؒ کے مقربین میں تھے، اندرون مصر ان کے اسفار اور دوروں میں ان کے ساتھ رہتے تھے اور بہت سے معاملات میں ان کے معاون تھے۔

(عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ ۲۸)

اپنی ذات سے عہد: عمر تلمسانی کی صاف دلی، نیک طینتی، خوش گفتاری، شیریں بیانی اور جدال حسن نے ان کے ہر ملاقاتی اور شناسا کو متاثر کیا اور اچھے اثرات ڈالے۔ اس سلسلے میں انہوں نے خود فرمایا کہ ''میں نے کبھی درشتی (سختی) کو اپنے اخلاق میں در آنے کا موقع نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میرا کوئی حریف نہیں۔ البتہ دفاع حق یا کتاب اللہ پر عمل کی جانب دعوت کے سلسلے میں اختلاف اور جھگڑا لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ میری طرف سے۔

ف: ماشاء اللہ کیا ہی خوب حقیقت آشکارا فرمائی۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

میں نے اپنی ذات سے عہد کر رکھا ہے کہ میں کسی کو سخت کلامی کے ذریعے تکلیف نہیں دوں گا۔

ف: سبحان اللہ کیا ہی خوب عہد ہے جو اس زمانہ میں ناپید ہے۔ (مرتب)

یہی وجہ ہے کہ میرے اور کسی کے درمیان کسی ذاتی مسئلے کو لے کر کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔'' چنانچہ ہم نے دیکھا ہے کہ تلمسانی کی مجلس سے، جو بھی اٹھا وہ اپنے دل میں اس عظیم داعی کی تعظیم اور محبت کے ساتھ اٹھا۔

اخلاق و کردار: شیخ عمر تلمسانی انتہائی باحیا تھے۔ اس کا مشاہدہ ہر اس شخص نے کیا ہے، جس نے انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے ہم نشینوں اور ان سے ہم کلام لوگوں کو اچھی طرح احساس ہو جاتا تھا کہ سخت اور طویل آزمائشوں نے، ان کے نفس کو خالص کر دیا ہے۔ انہوں نے جیل میں سترہ سال سے زائد کا طویل عرصہ گزارا تھا۔ وہ متعدد بار جیل گئے۔ سب سے پہلے سنہ ۱۳۶۸ھ (سنہ ۱۹۴۸ء) میں جیل گئے۔ اس کے بعد سنہ ۱۳۷۴ھ (سنہ ۱۹۵۴ء) میں پھر سنہ ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۱ء)

میں۔سعودی مجلہ 'الیمامہ' ۱۴ /جنوری ۱۹۸۶ء کے ساتھ گفتگو میں انہوں نے کہا تھا ''میں فطرۃً سختی پسند نہیں ہوں۔اسے محض سیاسی نقطۂ نظر نہ سمجھا جائے بلکہ یہ میرا شخصی موقف ہے، جو میری تکوینی سرشت میں رچا بسا ہوا ہے۔میں ظلم کے بدلے بھی تشدد کا قائل نہیں ہوں۔

آپ کی جرأت: صدر جمہوریہ مصر کے نام ایک خط میں انہوں نے کہا:

''جناب صدر صاحب! ہم مسلمان ہیں، مصری ہیں۔ ہمارا پہلا ہدف یہ ہے کہ ہماری قوم شریعت ربانی کے زیر سایہ امن وسلامتی اور سکون کے ساتھ رہے۔اس امت کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس میں اللہ کی شریعت نافذ کی جائے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مصر میں اللہ کی شریعت کا نفاذ عنقریب پورے خطے کے لیے خیر وبرکت کے دروازے کھول دے گا۔پھر حاکم ومحکوم دونوں سعادت سے ہمکنار ہوں گے۔حاکم کو اطمینان نصیب ہوگا اور پوری قوم چین کا سانس لے گی''

ف: سبحان اللہ کیا منصفانہ خط ہے جس پر ہر حکمراں کو عمل کرنا چاہیئے۔(مرتب)

ثابت قدمی اور استقلال: استاذ تلمسانی جیل میں اور جیل سے باہر بھی استقلال و پامردی میں مشہور تھے۔وہ کبھی کسی دہشت گردی یا دھمکی کے آگے نہ جھکے۔اپنے زہد، پاک دامنی،تقوی اور حصول رضائے الٰہی کے شوق کے لیے معروف تھے وہ کہتے ہیں:

''میں اپنی زندگی میں اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرا، اور اس کلمۂ حق کے اعلان سے مجھے کوئی چیز نہ روک سکی،جس پر میں ایمان رکھتا ہوں،خواہ اس کا اعلان دوسروں کے لیے ناگوار ہی کیوں نہ ہو اور خواہ مجھے اس کی راہ میں کتنی ہی

دشواریوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں اسے سکون واطمینان کے ساتھ بڑی شائستگی سے کہہ دیتا ہوں، کانوں کو ناگوار ہوسکتی ہے۔ پھر مجھے اس اسلوب میں وہ قلبی سکون ملتا ہے، جو کسی اور میں نہیں ملتا اگر چہ اس انداز گفتگو سے میرے دوستوں میں اضافہ نہیں ہوتا، تاہم اس کے ذریعے سے بہت سے دشمنوں کے شر سے محفوظ ہوجاتا ہوں۔''

سچا موقف واضح اور دوٹوک بات چیت، سنجیدہ کوشش، جرأت واستدلال کے ساتھ مشکلات سے نبرد آزما ہونا، ہر قسم کے داخلی وخارجی دشمنوں کی طرف سے چیلنج کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا استاذ تلمسانی کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ شہر اسماعیلیہ میں انور سادات کے ساتھ ہونے والی گفتگو جس میں استاذ تلمسانی شریک تھے، آپ کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا اور جو براہ راست ریڈیو اور ٹیلی ویزن پر نشر ہوئی تھی، اس میں سادات نے اخوان کی جماعت پر گروہی فتنہ پر دازی اور دوسرے کئی بے بنیاد الزامات لگائے تھے، جس پر استاذ تلمسانی نے سادات کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''کسی بھی جانب سے مجھ پر ہونے والے ظلم کے تعلق سے فطری بات ہے کہ میں اللہ کے بعد آپ کو اعلیٰ فریادرس سمجھتے ہوئے ظالم کی شکایت آپ سے کروں مگر اس وقت تو معاملہ یہ ہے کہ میں آپ ہی کے ظلم کا شکار ہوں لہذا اللہ سے آپ کی شکایت کرنے کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ نہیں۔ تلمسانی کی بات سن کر سادات دم بخود رہ گیا۔ اس نے تلمسانی سے گزارش کی کہ اپنی شکایت واپس لے لیں تو تلمسانی نے بڑے زور دار انداز میں اور بڑے سلیقے سے

جواب دیا ''میں نے آپ کی شکایت کسی ظالم سے نہیں کی ہے۔ میں نے تو آپ کی شکایت محض اس رب سے کی ہے، جو عدل کرنے والا ہے۔

ف: سبحان اللہ کیا خوب حق وصواب کو آشکارا فرمایا جو یقیناً '' **كلمة حق عند سلطان جائر** '' (ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا) کا مصداق ہے۔ (مرتب)

زہد وتواضع: عظیم داعی، بہترین مربی اور قائد استاذ تلمسانی نے اللہ کے ساتھ اخلاص کی زندگی گزاری۔ اسلام کی خاطر جد و جہد اور دعوت وتبلیغ سے زندگی بھر جڑے رہے۔ انہوں نے انتہائی صبر وثبات کے ساتھ با سلیقہ اور منظم ڈھنگ سے اپنی زندگی گزاری، اللہ کی مضبوط رسی سے چمٹ کر مخلص مجاہدین کے ساتھ سرگرمیاں انجام دیتے ہوئے مجاہدہ کرتے رہے، میدان جنگ کا موقع ہو یا سیادت وقیادت کا اور خواہ جیل میں ہوں خواہ باہر ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور نہ انہوں نے کوئی اور رنگ اختیار کیا اور نہ کبھی اپنے مقصد سے سر مو منحرف ہوئے۔ دنیا کی زیب وزینت اور مناصب کا حسن بھی انہیں اپنے دام فریب میں نہ پھنسا سکا دنیا کی رنگینیوں سے بے نیاز ہوکر اور اللہ کی طرف یکسو ہوکر زندگی بسر کی۔ وہ انتہائی سادہ اور معمولی مکان میں رہتے تھے۔

دوسروں کی نظر میں: استاذ محمد سعید عبدالرحیم اپنی کتاب '**عمر التلمسانی المرشد الثالث للاخوان المسلمین** (اخوان المسلمین کے تیسرے مرشد تلمسانی) میں رقمطراز ہیں:

''ظالم کا خاتمہ ہوا پھر وہ تمام قیدی جو طویل عرصے سے جیلوں میں قید وبند کی زندگی بسر کر رہے تھے وہ سب باہر آ گئے۔ وہ زنداں کی آزمائشوں سے

اورزیادہ نکھر گئے تھے۔ان کے دلوں کوتقویت ملی تھی اوران کے عزائم پختہ تر ہو چکے تھے۔اگرچہ ان کے جسم نحیف ولاغر ہو گئے تھے۔لیکن اللہ کے یہاں ملنے والے انعام پران کا یقین اور پختہ ہو گیا تھا اور دنیا کی فانی دولت کومزید حقارت سے دیکھنے لگے تھے۔ان کے دلوں سے خوف رخصت ہو چکا تھا۔

تعذیب وتشدد کے باعث وہ پہاڑوں جیسی بلندی اور ثابت قدمی کے ساتھ باہر نکلے۔قید خانوں میں قرآن کریم حفظ کرلیا اورعلم کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے۔جیلوں میں رہ کرشہوات نفس پر قابو پالیا،احاطۂ قید و بند میں انہوں نے مردم شناسی سیکھی اورلوگوں کی حقیقت سے واقف ہوئے۔گویا قید خانہ ان کے لیے بہترین مدرسہ ثابت ہوا جہاں انہوں نے کھویا کم اور پایا زیادہ۔ انھیں قدآورشخصیات میں عمرتلمسانی بھی تھے۔واقعی اللہ تعالی نے اخوانی قیادت کے لیے انہیں تیار کیا تھا۔چنانچہ اس لائق وفائق رہنما نے طوفان میں گھری کشتی کی حکمت وصبر،نرمی وبردباری،غیر متزلزل ایمان اورعزم محکم کے ساتھ ناخدائی کی۔آپ کے زمانۂ قیادت میں دعوت اتنی پھیلی،جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔نوجوان نسل اسلام کی طرف متوجہ ہوگئی حتی کہ یونیورسٹی اورغیرعلمی حلقوں میں بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پورے مصر میں اسلام کی لہر دوڑ گئی۔اس لیے کہ ان کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ وہ تجربہ کار ناخدا کے علم اور باصلاحیت کپتان کی مہارت کے ساتھ طوفان سے گھری کشتی کو چلا سکیں اورخطرات اورنازک مراحل سے نکال کر اسے پرامن ساحل تک پہنچادیں۔چنانچہ انہوں نے بڑی پرمشقت زندگی بسر کی،مصر کے جیلوں میں تقریباً بیس سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت

کیں۔ وہ جیل میں جلادوں کی ایذارسانی پر سب سے زیادہ تحمل وبرباری کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔ سخت اذیت اور بدسلوکی کے باوجود ان کی زبان ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوتی تھی اور نہ اپنے قیدی ساتھیوں کو صبر واستقامت کی تلقین سے وہ کبھی چوکتے تھے۔ اسی طرح وہ پاکیزہ زبان بھی تھے جلادوں اور ظلم کا پہاڑ توڑنے والوں کے حق میں بھی ان کی زبان سے نازیبا کلمات نہیں سننے میں آئے۔ وہ ان کے معاملے کو فقط اللہ کے حوالے کرتے، جو ان کے لیے کافی تھا اور جو بہترین کارساز ہے۔

ف: یقیناً یہ وہ صفات حسنہ ہیں جن سے حضرت عمر تلمسانی اور ان کے رفقا متصف تھے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان خصال حسنہ سے متصف فرمائے۔ (آمین)

(مرتب)

وفات: شیخ عمر تلمسانی اسپتال میں بیماری کی حالت میں بیاسی (۸۲) برس سے زائد کی عمر میں ۱۳/رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ بروز بدھ بمطابق ۲۲/ مئی ۱۹۸۶ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ 'مسجد عمر مکرم' قاہرہ میں ان کی نماز پڑھی گئی۔ ایک پرشکوہ جلوس ان کے جنازے میں شریک تھا' جس میں ڈھائی لاکھ، ایک قول کے مطابق پانچ لاکھ سے زائد افراد شریک ہوئے۔ اس میں غیر ملکی وفود بھی شامل ہیں۔ الحمد للہ اپنے بعض عرب ممالک کے ساتھیوں کے ساتھ مجھے (عبداللہ العقیل) بھی تدفین میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ **رحمهم اللہ تعالیٰ۔**

(عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ ۳۷ ترجمہ من اعلام الحرکۃ الاسلامیہ)

حضرت مولانا منور حسین صاحبؒ[1] کشن گنج بہار المتوفی ۱۴۰۶ھ

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی منور حسین اور والد کا نام شیخ منیر الدین تھا۔ صوبہ بہار ضلع کشن گنج مقام التاباڑی آپ کا جائے قیام تھا، لیکن وہاں جگہ کی تنگی تھی ادھر کچھ منامات اور غیبی اشارات سے رہنمائی ملی تو زندگی کے اخیر دور میں اولاد واحفاد سمیت انتقال مکانی فرمالیا جو قدیم رہائش گاہ سے قدرے فاصلہ پر واقع ہے اور اسے اپنا مسکن بنا کر رشید پور التاباڑی نام تجویز فرمایا۔

تاریخ ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ضلع کشن گنج میں ۲۷؍مئی ۱۹۰۸ء چہار شنبہ صبح ایسے وقت میں ہوئی جب سورج نکلنے والا تھا اور چاند غروب ہورہا تھا۔ عربی سال ۱۳۲۶ھ پر تاریخی نام مغفور رکھا گیا ہے۔

تعلیم وتربیت: جب مکتب میں بٹھائے جانے کی عمر کو پہنچے تو ہندی پڑھنا شروع کیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد جب آپ چودہ پندرہ سال کے ہوئے تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا تو ضلع پورنیہ کا قدیم واحد ادارہ جو مدرسہ محمدیہ سے مشہور ہے، اس میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ ضلع پورنیہ، کٹیہار، کشن گنج، ارریہ کا پہلا عربی مدرسہ ہے۔ اس مدرسہ کی خوبی یہ ہے کہ اس کو ملک کے بعض نامور عالم دین ومشائخ کی خدمت جلیلہ حاصل رہی ہے۔

---

[1] آپ کے حالات وکمالات وغیرہ مولانا محمد انوار صاحب نے تحریر کر کے ارسال کیا، اسی کو سامنے رکھ کر یہ مضمون مرتب کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

مظاہر علوم میں داخلہ کا امتحان حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوری رحمہ اللہ سابق ناظم اعلیٰ مظاہر علوم نے لیا، اس کے بعد چھ سال تک مظاہر علوم میں زیر تعلیم رہے اور ۱۳۵۰ھ میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت پائی۔ سہ ماہی امتحان کے موقع پر ابوداؤد شریف میں آپ نے اول نمبر حاصل کیا۔ سالانہ امتحان میں بھی آپ نے جماعت میں جو چالیس طلبہ پر مشتمل تھی اول مقام حاصل کیا۔

تدریس کی ابتداء: اسی سال ۱۳۵۱ھ کے شوال المکرم میں مظاہر علوم سہارنپور سے آپ کو مدرسہ خلیلیہ شاخ مظاہر علوم کا معین مدرس مقرر کیا گیا۔ صبح کے تین گھنٹوں میں درس دیا کرتے تھے اور ابوداؤد کے گھنٹہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے درس میں سماعت بھی فرماتے رہے۔

سہارنپور ہی کے قیام کے دوران آپ نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو مربی اور اپنا مرکز نگاہ بنا لیا تھا اور حضرت شیخ رحمہ اللہ بھی آپ سے بہت محبت فرمانے لگے تھے، اور آپ پر اعتماد کرنے لگے تھے۔ دورۂ حدیث ہی کے سال سے حضرت شیخ سے محبت عشق دل میں پیدا ہو گیا تھا جو بتدریج بڑھتا ہی گیا۔

مدرسہ کا قیام: ۱۳۵۶ھ کے رمضان میں جب سہارنپور سے وطن آنا ہوا تو یہاں علاقہ کے احباب اور اہل علم کا اصرار ہوا کہ حضور والا ایک عربی مدرسہ قائم فرما کر وہاں کی مدرسی کے ساتھ ساتھ اس کی سرپرستی بھی قبول فرمالیں کیونکہ علاقہ آپ کا محتاج ہے۔ چنانچہ آپ نے دینی مصلحت اور اس کے تقاضہ کے پیش نظر مظاہر علوم کی مدرسی ترک کر کے علاقہ میں رہنے کو ترجیح دی۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے بیعت: حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کے انتقال

کے بعد مولانا نے موقع پا کر حضرت شیخ الحدیثؒ سے بیعت کی درخواست کی، چنانچہ کچھ گفت وشنید کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ نے بیعت فرمالیا۔ اورمراجعت کے سال ہی قیام رمضان ۱۳۷۸ھ میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے مولانا کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ حضرت مولانا وطن تشریف لے گئے اورعلمی ودینی بلکہ سلوک وطریق کا خوب ہی خوب کام کیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

اب آپ کے چندارشادات عالیہ ملاحظہ فرمائیں۔

معمولات پر جمنا ترقی کا زینہ ہے:

ابتدائی معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا کامیاب ذریعہ ہے۔

خودستائی شان عبدیت کے خلاف ہے:

جناب ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب نے کچھ سلوک کی باتیں اس ناکارہ سے دریافت کی تھیں، اس بندہ نے حضرت شیخؒ ہی کے حکم سے ان کا جواب لکھ کر بھیج دیا تھا، اس میں رابطہ ونسبت کے متعلق کچھ تحقیقات لکھنے کے بعد یہ لکھ دیا تھا ''**من ذاق دریٰ ومن لم یذق لم یدر**'' (جس نے چکھا اس نے جان لیا اور جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا) اس پر حضرتؒ نے جرح فرمائی تھی کہ اس کا مطلب یہ کہ اس جملہ میں درپردہ دعویٰ ادراک ہے، بندہ کی شان عاجزی وتواضع کی ہونی چاہئے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب نصیحت فرمائی۔ مشائخ کی یہی شان ہونی چاہئے۔ (مرتب)

دین ودنیا کی کامرانی کے چار سنہرے اصول:

آپ فرماتے کہ دین کی کامیابی کے لئے چار لائنوں پر قائم رہ کر زندگی

گذارنا چاہئے۔ (۱) ایمان، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا یقین دل پر جمتا چلا جائے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کا پختہ ایمان اور ختم نبوت پر ایمان کامل ہو۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دین متین لے کر آئے اور اپنی امت پر پیش کئے اسی میں دونوں جہان کی کامیابیوں کا یقین کرنا اور حتی المقدور آپ کی سنتوں پر عمل کرتے رہنا اور عمل کا جذبہ دل میں رکھنا۔ (۲) یعنی اعمال صالحہ کی محنت کرتے رہنا۔ (۳) حق پر جمنا اور اس کی فہمائش کرتے رہنا، بھلے کاموں کی آپس میں تاکید کرنا۔ (۴) صبر حق کے معاملہ میں شخصی وقومی اصلاح کے لئے سختیاں اور خلاف طبع امور کو برداشت کرنا اور استقامت کے ساتھ زندگی گذارنا۔

اسی طرح دنیا کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے چار اصولوں پر محنت کرنا۔ (۱) کھانے پینے اور لباس میں کم سے کم خرچ کرنا۔ (۲) مکان پر ضرورت کے مطابق خرچ کرنا۔ (۳) شادی بیاہ میں فضول خرچی نہ کرنا۔ (۴) مقدمہ بازی بالکل نہ کرنا، بلکہ صلح صفائی سے کام لینا۔ مقدمہ کر کے جو جیتتا ہے وہ ہارتا ہے اور جو ہارتا ہے وہ تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔

اوراد ووظائف توشۂ آخرت ہیں:

راہ سلوک میں شیخ جو اوراد ووظائف، اذکار واشغال، نوافل وغیرہ بتاتے ہیں وہ دراصل آخرت کی تیاری کے لئے ہے۔ مرید سلسلۂ طریقت میں داخل ہوکر شیخ کے حسب ارشاد جو کچھ عبادت وریاضت، اوراد ووظائف کرتا ہے وہ گویا ڈھیرے ڈھیرے آخرت کے لئے ذخیرہ کرتا ہے۔ معمولات کی پابندی ترقی کا

زینہ ہے، تادمِ آخر اس کی پابندی کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر یقین جتنا قوی ہوگا اتنا ہی تمہارے اعمال قوی اور قابل قبول ہوں گے۔

وفات: ۲؍رجب المرجب ۱۴۰۶ھ جمعہ کی صبح سے حضرت کی حالت بدلنی شروع ہوگئی اور تین بج کر پچیس منٹ پر آپ کا وصال ہوگیا۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔ نعش مبارک کو لے کر وطن مالوف رشید پور آگئے، دوسرے دن ۳؍رجب ۱۴۰۶ھ شنبہ کو بہت بڑی جماعت کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی گئی اور سپرد خاک کردیئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ونور اللہ مرقدہ۔

حضرت شیخ عبدالبدیع صقر مصریؒ متوفی ۱۴۰۶ھ

نام ونسب وولادت: شیخ عبدالبدیع صقر اصلاً مصری تھے صقر گاؤں میں ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے، اورکلیۃ الآداب قاہرہ سے سند حاصل کی، وہ ایک فصیح البیان خطیب، پرجوش داعی، ممتاز مفکر اور کثیر التصانیف عالم ومصنف تھے، اسلامی اخلاق وصفات کے حامل اور امت کیلئے درد وسوز رکھنے والے تھے۔

آپ کے کارنامے: شیخ عبدالبدیع امام حسن البنا شہید کے تربیت یافتہ اور ان کی دعوتی سرگرمیوں میں حصہ لینے والوں میں صف اول کی شخصیات میں تھے، اور پوری دنیا میں اسلامی بیداری لانے کا ان میں وہ درد وفکر پایا جاتا تھا جو کمیاب ہے، اسلامی فکر کے حامل لوگوں سے ان کو قربت رہی، اور اسی وجہ سے امام حسن البنا کی صحبت ورفاقت بھی انہوں نے اختیار کی تھی اور ان کی شخصیت اور ذاتی زندگی پر امام حسن البنا کی گہری چھاپ تھی، اور وہ ایک نہایت مخلص اور دردمند داعی اور ربانی عالم کے طور پر دیکھے جاتے تھے، حکومت قطر نے ان کی قدر کی اور شیخ احمد علی الثانی حاکم قطر ان کو دل سے چاہتے اور ان پر پورا اعتماد کرتے تھے، دار الکتب القطریہ کا ان کو ذمہ دار (مدیر) بنادیا تھا جس کے ذریعہ وہ اسلامی ودینی، علمی میراث کی تقسیم وتوزیع اور نشر واشاعت کا کام حکومت کے حساب میں کرتے تھے، اور اس کے ذریعہ سے انہوں نے کافی کتابیں اسلامی موضوعات پر طبع کرائی، اور دنیا بھر میں اس کو پھیلانے کا کام کیا، بعد میں بعض

سیاسی حالات و مجبوریوں کی بنا پر سمو الشیخ احمد علی آل ثانی حاکم قطر کو قطر سے دبئ منتقل ہونا پڑا تو شیخ نے بھی قطر کو الوداع کہا۔

تعلیمی ادارہ: پھر دبئ کو انہوں نے اپنی دینی و علمی نشاطات و سرگرمیوں کا مرکز بنایا، اور ایک تعلیمی ادارہ بھی مدرسۃ الایمان کے نام سے قائم کیا، اس سے عرب امارات میں اسلامی تعلیمی و تربیت کو بڑا فروغ ملا جس کی کمی بہت محسوس کی جارہی تھی، اور نئی نسل کی تربیت و اصلاح کیلئے ایک مرکزی حیثیت اس کو حاصل ہوئی، ان کو اللہ نے اچھی اولاد دی اور خوب نعمتوں سے نوازا وہ اس پر اللہ کا بڑا شکر ادا کرتے اور دین کی خدمت کیلئے انہیں جو مواقع ملے اس پر بھی اللہ کے بڑے شکر گزار ہوتے تھے، اور دینی فکر کی ترویج کا کوئی موقع ان کو میسر ہوتا تو اس کو ضرور استعمال کر کے اسلامی فکر کو پہونچانے کا کام کرتے۔

تصانیف: دعوت کے موضوع پر اہم کتاب ''کیف ندعوا الناس'' ہے جو علماء، دعاۃ اور طلبہ و اساتذہ سبھی کیلئے رہنما کتاب ہے، حدیث کے موضوع پر ''مختار الحسن والصحیح من الحدیث الشریف'' ہے، نقد و ادب پر ''نقد لقصیدۃ البردۃ للبوصیری'' ہے اور حجاج کی رہنمائی کیلئے ''مرحلۃ الحج و مایلزمها''، قرآن مجید کے موضوع پر ''التجوید و علوم القرآن'' ان کی تصنیفات ہیں۔

وفات: شیخ کی وفات ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں مصر میں سڑک حادثے میں ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

(یادوں کے چراغ، مؤلفہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب: ج ۲ ص: ۴۴)

حضرت شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ سعودی المتوفی ۱۴۰۸ھ

نام ونسب وولادت: وزیر التعلیم العالی برائے سعودی عرب معالی الشیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ رئیس اعلیٰ جامعات مملکت کی ولادت ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ءکو ہوئی۔

معالی الشیخ حسن بن عبداللہ نے اپنی ۵۵ رسال کی عمر دینی، علمی خدمت میں گزاری اور جلیل القدر کام انجام دئے، وہ شیخ عبد اللہ بن الحسن آل الشیخ کے چھوٹے صاحبزادے جو مملکت کے چیف جسٹس اور دوسرے الفاظ میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے ان عظیم المرتبت والد کے زیر سایہ تعلیم وتربیت حاصل کی، اور خاندان کے دوسرے علماء کے اشراف میں علم وثقافت حاصل کیا، یہ خاندان عظیم اسلامی مصلح امام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے انتساب رکھتا تھا اس لئے اس کے افراد آل الشیخ کے لقب سے معروف ہیں۔

خاندان: شیخ حسن کا خاندان اپنے علمی ودینی مقام میں عالمی شہرت کا حامل اور مملکت کا رہنما خاندان ہے، شیخ حسن کے بھائی شیخ عبد العزیز اور والد شیخ عبداللہ بن حسن مملکت کی بڑی محترم شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں اور شیخ حمیدالدین الحسن قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب پر جو مملکت میں شیخ الاسلام کے منصب کی حیثیت رکھتا ہے فائز رہے تھے، اس بڑی علمی، دینی

وجاہت کے ساتھ ذاتی صفات وخصوصیات ،اخلاص وللّٰہیت ، ذوق عبادت، شوق خدمت خلق وغیرہ میں خاندان کے یہ سب افراد ممتاز رہے ہیں، شیخ حسن کے عم نامدار شیخ عمر بن الحسن بھی مملکت کے علمائے کبار اور ممتاز داعیوں اور مفکرین میں تھے، اور ھیئۃ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر اور اس کے متعلق منطقہ میں ذمہ دار (رئیس) تھے۔

عملی میدان: شیخ حسن بن عبداللہ تعلیمی مراحل پورے کرنے کے بعد جب عملی میدان میں آئے تو وزیر المعارف کے منصب پر فائز ہوئے، پھر وزیر التعلیم العالی کے عہدہ پر ترقی کی، پہلے یہ دونوں وزارتیں ایک تھیں، بعد میں کام کی وسعت کو دیکھتے ہوئے دو وزارتیں کر دی گئیں، تعلیم کو ترقی دینے، جامعات کو فروغ دینے اور ابتدائی وثانوی تعلیم کے نظام کو زیادہ بہتر بنانے اور باہر کے علماء ودانشوران کو دعوت دے کر ان کے مشوروں اور آراء سے مستفید ہونے کے مواقع زیادہ سے زیادہ فراہم کئے، اور مملکت میں تعلیم کا جو رجان بڑھا، اور نوجوانوں نے اس میں ترقی کی اس میں شیخ حسن بن عبداللہ کا نا قابل فراموش کردار ہے، وہ بڑے مخلص اور پابند عہد شخص تھے، اور معاملات میں فہم وبصیرت رکھنے کے ساتھ بڑے خوش مزاج اور اعلیٰ اخلاق کے حامل شخص تھے، اور علم وثقافت وادب میں بھی اعلیٰ مقام کے حامل تھے، اور اپنے اعلیٰ علمی وادبی ذوق سے لوگوں کو مستفید بھی کرتے اور رسائل وجرائد اور اخبارات میں ان کے آرٹیکل شائع ہوتے۔

وہ خطیب عرفات اور امام حرم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ کے

چھوٹے بھائی تھے اور اپنی ان خالص دینی ذمہ داریوں سے پہلے مملکت کے وزیر المعارف بھی رہ چکے تھے شیخ حسن بن عبداللہ اپنے بھائی شیخ عبدالعزیز کی وزارت چھوڑنے کے بعد وزیر المعارف ہوئے۔

ان کے بھائی شیخ عبدالعزیز آل الشیخ بھی ہم لوگوں سے تعلق رکھتے تھے اور انھوں نے جب برصغیر کا دورہ کیا تو حضرت مولانا کی دعوت پر ندوۃ العلماء بھی تشریف لائے چونکہ وہ امام حرم بھی تھے اس لئے اس نسبت سے جمعہ کی نماز ان کے پیچھے ادا کرنے کے لئے اتنا بڑا مجمع ندوہ میں اکٹھا ہو گیا تھا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

وفات: شیخ کی وفات ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں ہوئی۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خلا کو پر فرما دے جو ان کے وفات سے پیش آیا ہے اور شیخ کو درجات عالیہ اور مغفرت ورضوان سے نوازے، آمین۔

(یادوں کے چراغ ج۲ص۲۷)

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروفیؒ المتوفی ۱۴۰۹ھ

ولادت وتعلیم: مولانا عبدالجبار ابن الحاج عبدالرشید صاحب، پورہ معروف ضلع مئو میں ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ معروفیہ، پورہ معروف میں پائی، یہاں مولانا عبدالحی صاحب مئوی متوفی ۱۳۶۳ھ سے شرح وقایہ تک پڑھ کر پندرہ ماہ احیاء العلوم مبارکپور میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ متوفی ۱۳۸۷ھ اور مولانا محمد صدیق صاحب برئی پوری متوفی ۱۳۵۲ھ سے تحصیل علم کیا، مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوری متوفی ۱۳۶۱ھ سے میبذی پڑھی، پھر دارالعلوم مئو میں مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی متوفی ۱۳۹۳ھ سے میرزاہد اور مولانا محمد صابر صاحب مئوی متوفی ۱۳۶۹ھ سے مشکوۃ پڑھی، اس کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں چار برس پڑھ کر وہاں سے ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریسی خدمت: فراغت کے بعد ایک برس مظاہر علوم میں معین مدرس رہے، مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ اور مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ آپ کے تلامذہ میں ہیں، مظاہر علوم میں کسی نے آپ کو زہر دے دیا، پھر اس کے بعد متعدد مدارس میں تدریسی کام کیا۔ مگر جب ۱۲؍جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کا انتقال ہو گیا

مُرتّبہ: حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی

اور ان کی جگہ مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ مستقل شیخ الحدیث بنادیئے گئے، تو جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں شیخ الحدیث کی جگہ خالی ہوگئی، تو حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مہتمم قاری محمد طیب صاحبؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ کی سعی اور حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ کے حکم سے شوال ۱۳۷۷ھ میں جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں شیخ الحدیث کے منصب پر آ گئے اور مستقل بخاری شریف اور دوسری کتابوں کا درس دینے لگے، اور لوجہ اللہ ایک گھنٹہ شاہی مسجد میں قرآن کی تفسیر بیان کرنے لگے۔ ۱۳۴۸ھ سے ۱۴۰۹ھ تک اکسٹھ برس نہایت کامیاب تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کے درس سے بڑا فیض پہنچا، آخر کے دس سالوں میں بلا تنخواہ تعلیم دی، فجزاہم اللہ تعالی۔

وعظ وتذکیر: آپ ایک جلیل القدر واعظ بھی تھے، آپ کے وعظ سے بہتوں کو ہدایت ہوئی، بہتوں کو نفع پہنچا، ایک بار آپ کے وعظ میں داڑھی منڈوں کی کثرت تھی، آپ نے داڑھی منڈانے کی مذمت پر ہی وعظ کہہ دیا، جس سے سبھی لوگوں نے داڑھیاں بڑھالیں۔

تصوف وسلوک: آپ اصلاحِ باطن کے لئے کئی بار فتحپور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے پاس اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے پاس ٹانڈہ ضلع فیض آباد گئے اور بیعت حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے دست حق پرست پر مقدر تھی، پھر شیخ زکریاؒ سے آپ کو اجازت وخلافت بھی ملی، آپ کے مریدین ومتوسلین کی بھی خاصی تعداد ہے۔

تصانیف: آپ کی شاہکار تصنیف نہایت مفصل ''امداد الباری شرح بخاری''

ہے جس کی پانچ جلدیں اب تک طبع ہوچکی ہیں، دوسرا ایک رسالہ ''تحفۂ مودودیہ'' جو ردمودودیت پر نہایت مدلل اور معلوماتی رسالہ ہے، اسی طرح رد قادیانیت پر بھی ایک مفید رسالہ تصنیف فرمایا۔

اقوال زرّیں: (۱) کسی نے آپ سے پوچھا کہ پورہ معروف میں کتنے شیخ الحدیث ہیں؟ فرمایا: ایسا سوال نہ کروجس سے عُجب ظاہر ہو۔

(۲) فرماتے کہ ہر کام اللہ کیلئے کرو، اس میں نمائش نہ ہو۔

(۳) فرماتے: دنیا میں جس چیز سے زیادہ محبت ہوتی ہے؛ مرنے کے وقت وہی غالب ہوجاتی ہے، اس لئے خدا کا دھیان ہر دم رکھو۔

(۴) فرماتے: دنیا چھوڑ کر جانا ہے اس لئے بقدرضرورت دنیا سے تعلق رکھو، جیسے بقدرضرورت بیت الخلاء میں وقت گزارتے ہو۔

(۵) فرماتے کہ میرے نزدیک بغیر مطالعہ کے درس دینا درست نہیں۔

ف: ماشاءاللہ، نہایت مفید اقوال ہیں جو ہم سب کیلئے لائق عمل ہیں، واللہ الموفق۔

وفات: بعمر چوراسیؔ برس شب جمعہ یکم شعبان ۱۴۰۹ھ ۱۰/مارچ ۱۹۸۹ء کو کلمہ طیبہ کی ضرب لگاتے ہوئے مرادآباد میں داعی اجل کو لبیک کہا'' جو ہر ذاتی'' سے ولادت ''محب دل'' سے مدت عمر اور ''چراغ رہ'' سے سال وفات برآمد کرلیجئے۔ نوراللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ المتوفی ۱۴۰۹ھ

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۲۶/محرم الحرام ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔

وطن: آپ کا آبائی وطن شیخ پور ضلع بلیا ہے۔ مگر والد محترم جناب عبد القدیر صاحب نے شہر گورکھپور کو وطن ثانی بنالیا تھا۔

تعلیم: ابتداءً اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ جونپور گئے اور وہیں خانقاہ رشیدیہ میں قرآن کریم ناظرہ ختم کیا۔ پھر قصبہ سکندر پور ضلع بلیا مدرسہ علیمیہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر مختلف مقامات پر تعلیم حاصل کرتے ہوئے انجمن اسلامیہ گورکھپور میں داخلہ لیا اور چار سال تعلیم حاصل کی۔ پھر اس کے بعد ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور کافیہ، ہدایۃ النحو سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔

اخلاق وعادات: ماشاءاللہ تعالیٰ آپ زہد وقناعت اور صبر وشکر، تواضع وتوکل کی صفات سے متصف تھے، جو آپ کی سیرت سے ہویدا ہے۔

تبلیغی کام سے تعلق: آپ دار الطلبہ قدیم کے بڑے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے، دیکھا کہ ایک جماعت میوات کی گذر رہی ہے، لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سی جماعت ہے؟ طلبہ نے کہا یہی جماعت تو ہے مولانا الیاس صاحبؒ کی۔ مولانا اس جماعت کے پیچھے ہولئے تاکہ ان کی باتوں کو سنیں کہ یہ کیا کہتے

ہیں۔ سر پر عمامہ ہاتھ میں عصا اور اپنا بستر اپنے کندھے پر۔ یہ انداز بہت اچھا لگا۔ چنانچہ جماعت کی خوب ہی خوب باتیں سنیں، جس سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ اور اسی وقت سے جماعت کے کام سے منسلک ہو گئے۔ یہاں تک کہ شہر سہارنپور اور مدرسہ مظاہر علوم میں تبلیغ کے ذمہ دار بنا دیئے گئے۔

بیعت: دعوت وتبلیغ کے کام سے مناسبت اور لگاؤ کی بناء پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے آپ بیعت ہو گئے۔ پھر ایک سال کی طلبہ کی جماعت لے کر نظام الدین دہلی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے۔ اس کے بعد گھر جا کر انجمن اسلامیہ گورکھپور میں ایک سال مدرسی کی۔ پھر دہلی دوبارہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تین ماہ کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا انتقال ہو گیا، اور مولانا کا قیام حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے پاس مدرسہ کاشف العلوم بنگلہ والی مسجد میں تعلیم وتبلیغ کے لئے تجویز ہوا۔ اس اثناء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی طرف رجوع فرمایا، چنانچہ ۲۷ رسال کی عمر میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے آپ کو اجازت بیعت وخلافت مرحمت فرمائی۔

آپ کا محبوب مشغلہ دعوت وتبلیغ تھا: حجاز مقدس میں سب سے پہلے کام کو جمانے کے لئے ۱۹۴۶ء میں آپ کو بھیجا گیا۔ اس کے ایک سال بعد حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب کو بھیجا گیا۔ ۱۹۶۹ء یا ۱۹۷۰ء میں حجاز سے واپسی ہوئی، اس کے علاوہ دعوت وتبلیغ کے لئے آپ نے اندرون مملک و بیرون ملک کے بہت سے سفر کئے۔ جس میں سعودیہ، افغانستان، پاکستان، سوڈان اور

بحرین وغیرہ شامل ہیں۔

حج وعمرہ: ماشاءاللہ آپ نے ۲۹ ؍حج اور بکثرت عمرہ کئے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔**

وفات: آپ کی وفات مرکز دعوت وتبلیغ نظام الدین دہلی میں ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء کو ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی سعادت: آپ سے پہلی ملاقات تو غالباً ۱۹۵۳ء میں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خانقاہ فتح پور تال نرجا میں ہوئی۔ پھر حضرت مصلح الامتؒ کا قیام گورکھپور ہوا تو وہاں آپ تشریف لائے اور ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد الہ آباد میں بھی متعدد بار ملاقات ہوئی۔ بلکہ ہمارے مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد میں آپ کا بیان بھی ہوا، اور جب کبھی دہلی جانا ہوتا تو آپ ہی کے حجرے میں قیام کی سعادت حاصل ہوتی۔ یہ مولاناؒ کی شفقت ومحبت اور حسن سلوک تھا۔ فجز اہم اللہ تعالیٰ۔ اور اب بھی ماشاءاللہ آپ کے سعادت مند صاحبزادگان مولانا عبدالرشید صاحب سلمہ اور مولانا عبدالرحیم صاحب سلمہ دونوں ہی نہایت محبت وادب کا معاملہ کرتے ہیں۔ سچ ہے "**الولد سر لابیہ**"۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ**

اس حقیر نے جب اپنی تالیف ''فیضان محبت'' حضرت مولاناؒ کی خدمت میں ارسال کیا تو جواباً جو تحریر ارقام فرمائی وہ محبت وقدر کا آئینہ ہے۔

مکرمی سلام مسنون

امید کہ مزاج عالی بخیر وعافیت ہوں گے۔ جناب سید خلیل صاحب کی

معرفت ''فیضان محبت'' کتاب وصول ہوئی، آپ کی تالیف اور مولانا دام مجدہم کی ''عرفان محبت'' کی شرح لطیف و وجیز ہونے سے بہت زیادہ محبت کی پیداوار کی امید ہوگئی ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جان جاں ہمراز کردی

حضرت کی خدمت میں سلام اور دعا کی درخواست ہے۔

عبیداللہ عفی عنہ

حضرت مولانا پیر غلام حبیب صاحب نقشبندیؒ المتوفی ۱۴۱۰ھ

اسم گرامی: آپ کا اسم گرامی غلام حبیب ہے، والدہ محترمہ نے ''حبیب اللہ'' نام تجویز کیا تھا، مگر والد محترم نے ''غلام حبیب'' نام پسند کیا اور یہی نام زبان زد عوام وخواص ہوا۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۲۳؍رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ بروز جمعہ مطابق ۲؍دسمبر ۱۹۰۴ء کرڑھی (وادئ سون سکیر ضلع خوشاب) میں ہوئی۔

سلسلۂ نسب: والد محترم کا اسم گرامی محی الدین ہے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت محمد ابن حنفیہؒ کے واسطہ سے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ سے ملتا ہے، ان حضرات کی نسل ''اعوان'' کے نام سے معروف ہے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت: آپ کی والدہ محترمہ نہایت صالحہ خاتون تھیں، جنہیں اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رہتا تھا، والدہ محترمہ نے آپ کو حفظ قرآن کیلئے، مشہور استاذ جناب قاری قمر دین صاحب کے سپرد کیا اور خود بھی نگرانی رکھی، جب کبھی انہیں احساس ہوتا کہ آپ اپنی تعلیم میں کچھ سستی کر رہے ہیں تو سخت دارو گیر کرتیں، خود مولانا غلام حبیب صاحبؒ نے مجلس میں ارشاد فرمایا کہ:

آپ کی سوانح حیات مولانا نعیم اللہ صاحب فاروقی نقشبندی نے لکھی جو صاحب سوانح کے خلیفہ بھی ہیں اور اس حقیر سے ۱۴۱۷ھ جامعۃ الکوثر کے افتتاحی جلسہ کے موقع پر ملاقات بھی ہوئی تھی، اسی سوانح کو سامنے رکھ کر آپ کے مختصر حالات وارشادات نقل کرتا ہوں، اللہ تعالی قبول فرمائے۔ (آمین)

مجھے تہجد کی نماز والدہ کی طرف سے ملی ہے، میرے والد محترم تو وفات پاچکے تھے، جب کہ میں بچہ تھا، مگر اپنی والدہ کو دیکھا ہے، انہوں نے لمبی عمر پائی تھی، وہ پابندی سے تہجد کی نماز پڑھا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: میں جب قرآن بیان کرتا ہوں تو میرے سامنے قرآن کی آیات مستحضر ہوجاتی ہیں، گویا ایک تارسی بندھ جاتی ہے، یہ سب میری والدہ کی کوششوں کا ثمرہ ہے، حفظ قرآن کے دوران جب کبھی بچپن کی وجہ سے میں سبق کے معاملہ میں سستی کرتا تھا تو میری والدہ میرا کھانا بند کردیتی تھیں، اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا تھا کہ والدہ مجھے ستون سے باندھ دیتی تھیں کہ جب سبق پُختہ ہوجائے گا تب چھوڑوں گی، آج کبرسنی کے باوجود اللہ تعالی کے فضل سے کسی بھی مقام سے قرآن پڑھا جائے تو میں اس سے آگے پڑھ دیتا ہوں۔

ف: سبحان اللہ! والدہ صالحہ کی تعلیم وتربیت کا کیسا نیک ثمرہ مرتب ہوا جو ظاہر ہے، کاش کہ بچوں کو ایسی مائیں ملا کرتیں، تو معلوم نہیں کیسے کیسے غلامان حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوتے جو امت کی اصلاح وتربیت میں مفید اور مؤثر ثابت ہوتے۔ (مرتب)

اساتذہ کرام: آپ کے اساتذہ میں جناب قاری قمردین صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید امیر صاحبؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی صاحبؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ قابل ذکر ہیں۔

بیعت وارادت: آپ اپنے چچازاد بھائی مولانا سید امیر صاحب کے ساتھ مولانا عبدالمالک صاحب صدیقی نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور آپ کے تلقین فرمودہ معمولات پر استقامت

فرمائی، ساتھ ہی رابطہ شیخ کا خوب اہتمام فرمایا، چنانچہ ایک طرف آپ کے مجاہدات اور دوسری طرف شیخ کامل کی خصوصی توجہات نے نورٌ علی نور کا مصداق کردیا، پس جب شیخ کامل نے مرید صادق میں رُشدوہدایت کے اوصاف دیکھ لئے تو تصدیق وتکمیل کیلئے آپ کو اپنے مرشد حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خدمت میں ''مسکین پور'' بھیجا، حضرت قریشیؒ کئی دن تک مراقبات میں توجہات دیتے رہے، بالآخر اشارہ غیبی پاکر ۲۹ رشعبان ۱۳۵۲ھ کو مریدین کے مجمع میں ان کو خلعتِ خلافت سے نوازا، اس اجازت وخلافت کے بعد آپ کو حضرت مولانا عبدالمالک صدیقیؒ نے بھی سند اجازت مرحمت فرمائی، یوں تو حضرت مولانا صدیقیؒ نے تمام سلسلوں میں بیعت لینے کی اجازت دی تھی، مگر شیخ کی اتباع میں آپ نے سلسلہ عُلیہ نقشبندیہ کی ترویج ہی کو اپنے لئے مختص فرمایا، چنانچہ آپ نے یورپ وافریقہ کے بہت سے ممالک میں شریعت وطریقت کی ترویج وتعلیم کی خوب ہی خوب خدمت انجام دی اور بہتوں کو مادیت سے روحانیت کی روشنی میں لائے، اور باطنی لذات سے آشنا کیا۔ فجزاھم اللّٰہ تعالی احسن الجزاء۔ (مرتب)

ارشادات: فرمایا: موت تو لازماً آئے گی اور روح کو جسم سے جُدا کردے گی، اس لئے مرنے سے پہلے مرنے کی تیاری کرلو۔

فرمایا: عمل کرنے کی جگہ یہی دنیا ہے، یہ دنیا دارالعمل ہے، یہ امتحان گاہ ہے، جس کو ہم نے سیر گاہ اور تماشا گاہ بنالیا ہے۔

فرمایا: جو شخص اپنی خواہشات کو اپنے مالک کی رضا پر قربان کرے گا وہی کامیاب ہو کر جائے گا۔

فرمایا: بدقسمت ہیں وہ لوگ جو قرآن نہیں پڑھتے، تھوڑا بہت تو پڑھو، قرآن بہترین غذا ہے، ہائے افسوس! آج اس کی قدر نہیں، اس کی قدر وہی کرے گا جو اس کو سمجھے گا، اور اس کو فرمان شاہی سمجھ کر معاملہ کرے گا۔

فرمایا: شخصیت، بناؤ سنگار، ٹیپ ٹاپ اور جُبّے قبّے سے نہیں بنتی، شخصیت تعلق باللہ اور ذکر ومجاہدہ سے بنتی ہے، آج ظاہری ٹیپ ٹاپ کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور باطن کو سنوارنے کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا، اگر باطنی زیبائش کی طرف توجہ ہوجائے تو مزہ آجائے۔

ف: سبحان اللہ! یہ ارشادات کتنے سادے مگر کتنے مفید بلکہ مؤثر ہیں، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

فرمایا: اگر مجھ سے کہا جائے کہ قرآن پاک کا خلاصہ بیان کرو، تو میں یہ بیان کروں کہ ''اللہ اللہ کر، کسی سے نہ ڈر۔''

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب خلاصہ ہے، اللہ عمل کی توفیق دے۔ (مرتب)

فرمایا: آج رسمیت وظاہریت رہ گئی ہے، اخلاص نکل گیا ہے، وعظ کھوکھلے ہوگئے ہیں، حال یہ ہوگیا ہے کہ ایک واعظ کیلئے دو گھنٹے تہجد کے فضائل پر تقریر کرنا آسان ہے مگر آدھی رات کو اٹھ کر دو رکعت تہجد پڑھنا مشکل ہے۔

ف: بالکل صحیح ہے، آج ہم سب کا یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مبارک عمل کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

فرمایا: بندگی ہو تو زندگی، زندگی ہے ورنہ شرمندگی ہے، نفسانی اور شیطانی زندگی کوئی زندگی نہیں۔

ف: بیشک بہت ہی خوب ارشاد ہے۔(مرتب)

فرمایا: انسان حاملِ قرآن ہو، ناشرِ قرآن ہو، داعیٔ قرآن ہو، اور پھر کسی غیر کا غلام ہو؟ غلامی خواہ نفس کی ہو یا شیطان کی، یہ ہو نہیں سکتا، کیونکہ قرآن اپنے غلبے کا کرتا ہے اعلان، کہ او میرے ماننے والے مسلمان! تو کیوں ہے ناکام؟ تو کیوں ہے پریشان؟ تو پڑھ قرآن، تاکہ تیرا رب کرے تیرا اکرام۔

فرمایا: جو شخص پچیس مرتبہ **اللھُمَّ بَارِک لِی فِی الموت وفِیما بعدَ الموتِ** پڑھے تو اسے شہادت کی موت نصیب ہوگی۔ان شاءاللہ

فرمایا: اللہ والے عبادت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں ہماری عبادت اللہ کو پسند آئی یا نہیں۔

ف: مخلصین کا یہی حال ہوتا ہے، **وَالْمُخلِصُوْنَ علٰی خَطَرٍ عَظِیمٍ** یعنی مخلص لوگ ڈرتے ہی رہتے ہیں۔(مرتب)

فرمایا: تعویذات و عملیات کے عامل نہ بنو، بلکہ اتباع شریعت و سنت کے عامل بنو، ہمیں بزرگان دین سے یہی تعلیم ملی ہے، یعنی اتباع سنت و شریعت اصل ہے، اس کا آدمی کو پابند ہونا چاہیے، یہی کمال ہے۔

فرمایا: شریعت کی طرف سے دی گئی رعایت (رخصت) کا حاصل کرنا اظہار عجز ہے، اور اللہ کو بندوں کی عاجزی بہت پسند ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب بات ارشاد فرمائی، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی جیسے عزیمت پر عمل کرنے کو پسند کرتے ہیں ویسے ہی رخصت پر عمل کرنے کو بھی۔ (جامع الصغیر: ج/۲،ص/۲۹۳ حدیث:۱۸۸۰)

فرمایا: ذکر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے قلب کا دھیان رکھے اور غفلت کو قریب نہ آنے دے، اسی کو وقوفِ قلبی کہتے ہیں، جو ہمارے سلسلۂ نقشبندیہ کا اہم سبق ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے نوازے۔ آمین (مرتب)

فرمایا: ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے، اپنے آپ کو بُرا اور قابلِ اصلاح سمجھنا چاہئے، اس سے ہدایت ملتی ہے۔

فرمایا: آدمی یا تو خود بینا (آنکھوں والا) ہو یا کسی آنکھوں والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دے، ورنہ کسی نہ کسی دن گڑھے میں گر جائے گا۔

ف: سبحان اللہ! مرشد کی ضرورت واہمیت کے بارے میں کیا ہی خوب مثال دی ہے جو مستحضر رکھنے بلکہ لائحہ عمل بنائے جانے کے لائق ہے، واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات کا سانحہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۲ر ستمبر ۱۹۸۹ء کو پیش آیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالرحمن صاحبؒ نے پڑھائی، حسب وصیت چکوال کی مسجد کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَنَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ۔

حضرت داعیِ عظیم سعید حوی شامیؒ متوفی ۱۴۱۰ھ

نسب وولادت: شیخ سعید بن محمد دیب حوی ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ھ میں شام کے شہر حماۃ میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں والدہ محترمہ کا جب انتقال ہو گیا تو اُس باپ کی نگہبانی میں پرورش پائی، جو فرانسیسیوں کے خلاف جہاد کرنے والے بہادر مجاہد تھے ۔ ان کی جوانی میں اشتراکیت ،قومیت اور البعث و اخوان المسلین جماعتوں کے افکار رائج تھے۔ اللہ تعالی نے ان کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمایا۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء میں وہ اخوان المسلمین سے منسلک ہو گئے۔ اس وقت وہ ثانویہ میں سال اول کے طالب علم تھے۔ انہوں نے شام کے بہت سے مشائخ سے تعلیم حاصل کی۔ ان میں سب سے اول حماۃ کے عالم شیخ محمد حامد ہیں۔

(عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ ۴۳۸)

فضل وکمال: بلا شبہ شیخ سعید حوی ان کامیاب داعیوں میں سے تھے، جن سے میں (عبداللہ عقیل) واقف ہوں یا جن کے بارے میں کچھ پڑھا ہے۔ جو بھی علم اور جانکاری ان کے پاس تھی اسے لوگوں کی بڑی تعداد تک پہنچانے میں کامیاب رہے۔ ترپین (۵۳) سال کی کم عمر میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ انہوں نے کتابوں کی بڑی تعداد چھوڑی ہے، جس کی وجہ سے ان کا شمار موجودہ زمانے کے کثیر التصانیف اصحابِ قلم میں ہوتا ہے۔

تواضع وسادگی: میں (عبداللہ العقیل) احساء (سعودی عرب) میں ملاقات

کرنے گیا، اس وقت وہ **المعهد العلمی** میں مدرس تھے، تو مجھے ان کے گھر میں ایک کفایت شعار شخص کی ضرورت کے بقدر معمولی فرنیچر نظر آیا۔ ان کے پاس ایسے کپڑے تھے، جو اس گرم ملک میں ان جیسے علماء کے لئے موزوں نہ تھے۔ ان کا جبہ گرم اور دبیز تھا۔ میں ان کے ساتھ برابر رہا حتی کہ وہ سفید کپڑوں اور اپنے جیسے لوگوں کے شایان شان عباء پہننے پر راضی ہو گئے۔ البتہ ان کی شرط یہ رہتی تھی کہ لباس ڈھیلا ڈھالا ہو۔ کھانے کا حال لباس اور بستر سے بہتر نہیں تھا۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اپنی کتابوں کو شائع کرنے والوں کے ساتھ خواہ انہوں نے ان کو اشاعت کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو ملاطفت سے کام لیتے تھے۔

اخلاق فاضلہ: وہ اخلاق فاضلہ، بے پناہ ادب، تواضع اور زہد، رہن سہن میں سادگی کو اختیار کرنے والے تھے، اطاعت، کثرت تلاوت وذکر کے پابند تھے۔ وہ پابندی سے مطالعہ کرتے، دعوتی، تحریکی، فقہی، روحانی موضوعات پر ہمیشہ لکھا کرتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کے مسائل میں پوری طرح مشغول رہتے تھے، زمین کے ان طاغوتوں سے جنگ کرتے، جنہوں نے ملکوں کو تباہ کیا ہے۔ بندوں کو ذلیل کیا ہے اور زمین میں فساد پھیلا رکھا ہے۔ وہ زبردست طاقت اور رواں دواں زندگی کے حامل تھے، نہ تھکتے تھے اور نہ ہی اکتاتے تھے، بڑے ماہر مؤلف تھے۔ مختصر مدت میں کتاب مکمل کر لیتے پھر وہ جلد ہی قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی تھی۔ وہ تصوف کی طرف مائل تھے، جو بسا اوقات ان پر غالب رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے، خوش طبعی اور اپنی حیائے ایمانی کی وجہ سے بعض

مواقع پر خاموشی کو ترجیح دیتے تھے۔

درس وتقریر: کئی بار کویت میں مجھے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور جمعہ کی شام ہمارے ہفتے واری پروگرام میں شریک ہوئے، اس میں بڑی دلچسپ گفتگو کی، جس نے دلوں کو موہ لیا۔ ہر انسان میں موجودہ صلاحیت سے فائدہ اٹھانے میں حسن البنا کے طریقۂ کار کے متعلق گفتگو کی اور یہ کہ داعیوں پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کے اندر خیر کو بڑھائیں، براہ راست ان کے دلوں کو خطاب کریں، جو ہدایت کی کنجی ہے۔ فرماتے تھے کہ نفوس کا تزکیہ ہی کردار سازی کی کلید ہے۔ (**وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰاهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا**) قسم ہے نفس انسانی کی اور اس ذات کی، جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری، اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ، جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔ (شمس:۷۔۱۰)

وفات: ۱۹۸۷ء میں شیخ سعید حوی پر جزئی فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے ان کو اسپتال میں داخل کیا گیا۔ ۱۴/ ۱۲/ ۱۹۸۸ء کو بیہوشی طاری ہوئی، جس سے افاقہ نہ ہوا حتی کہ ۹/ مارچ/ ۱۹۸۹ء کو بروز جمعرات مطابق ۱۴۱۰ھ اردن میں عمان کے "المستشفی الاسلامی" نامی اسپتال میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ شمیسانی میں مسجد فیحاء میں بعد نماز جمعہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنوبی عمان میں سحاب نامی قبرستان میں تدفین ہوئی اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور آپ کے قبر کو نور سے بھر دے۔ (آمین) **رحمہ اللہ تعالی۔**

(عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ ۴۴۵)

حضرت الحاج کمشنر سید حسین صاحب الہ آبادیؒ[1] المتوفی ۱۴۱۰ھ

نسب و تعلیم : آپ کا اصل وطن موضع دمگڈہ تحصیل ہنڈیہ، ضلع الہ آباد (یو پی) ہے، مگر آپ کے والد ماجد میر سید نوازش حسین صاحب شہر الہ آباد کے محلہ کٹرہ میں منتقل ہو گئے تھے اور یہیں توطن اختیار کر لیا تھا، آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا سید عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ سے اردو، فارسی کی تعلیم گورنمنٹ کالج الہ آباد میں حاصل کی تھی، چنانچہ سید صاحبؒ کا فارسی کا ذوق بہت پختہ اور عمدہ تھا، آپ مولانا کے بہت عزیز شاگرد تھے اور انہی سے بیعت بھی تھے۔

حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں : علامہ سید سلیمان ندویؒ کی منجھلی صاحبزادی کے ساتھ آپ کی شادی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس شادی میں بہت برکت عطا فرمائی، آپ کے سات صاحبزادے ہوئے، حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ کے انتقال کے بعد سید صاحبؒ نے حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادیؒ سے رجوع کیا، پھر حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ سے تعلق قائم کیا، اور حضرت مسیح الامتؒ نے تعلیم و تلقین و تذکیر اور بیعت کرنے کی اجازت و خلافت سے بھی مشرف فرمایا۔

---

(۱) ماشاء اللہ مولانا سید غیاث الدین صاحب مظاہری نے حضرت سید حسین صاحبؒ کے مختصر حالات اور کسی قدر ملفوظات درج کئے، فجزاہم اللہ احسن الجزاء اسی کو اس حقیر نے معمولی تغیر کے ساتھ نقل کر دیا، اور اپنی سعادت کا عنوان قائم کر کے اپنے تعلق خصوصی کا اظہار کیا، اللہ قبول فرمائے۔ (مرتب)

مختلف اضلاع میں ڈپٹی کلکٹر، کلکٹر اور کمشنر کے عہدہ پر فائز رہے، آخر میں اپنے وطن الہ آباد میں ریوینو بورڈ اتر پردیش کی ممبری کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے، ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد علیگڈھ میں اقامت اختیار فرمالی تھی، وہاں آپ کا دولتکدہ ''حنا منزل'' کے نام سے دودھ پور میں معروف ہے۔

زہد واستغناء: فکر آخرت اور اتباع سنت کا رنگ آپ پر ایسا غالب تھا کہ باوجود اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے صورت وسیرت میں بلا مبالغہ نمونۂ سلف ہوگئے تھے، خلق کثیر کو آپ کی ذات سے دینی فیض پہنچا اور کتنے ہی دین سے غافل لوگ آپ کے فیض صحبت سے متبع سنت ہوگئے۔

آپ کے ملفوظات کے کئی حصے آپ کی زندگی ہی میں شائع ہوگئے تھے، ذیل میں ہم چند ملفوظات نذر قارئین کرتے ہیں:

ملفوظات

فرمایا: ہر کام اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص نیت سے کرنا چاہئے، چوبیس گھنٹے کے جو معمولات بشری ہیں ان میں کھانا پینا، سونا جاگنا وغیرہ اہم کام ہیں کہ ہر روز انسان ان کو کرتا ہے، تو جملہ کاموں میں رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھے، اور ہر کام کو بسم اللہ کہہ کر شروع کرے اور اس کے اختتام پر الحمد للہ کہے، جب چند روز اسی طرح جملہ افعال کئے جائیں تو یہی عادت عبادت خالصہ کی صورت اختیار کرلے گی اور زندگی پُر اخلاص ہوجائے گی، جس کی برکات ان شاء اللہ محسوس ہوں گی۔

فرمایا: ہم یہ بھی بھول گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اولاد صالحہ منجملہ صدقات جاریہ کے ہے، اگر ہم اپنی اولاد کی دینی تعلیم کو تعلیم دنیا پر مقدم

رکھیں، تو ان کا دین تو درست ہوگا ہی، اس کی برکت سے ان کی دنیا بھی سنور جائے گی، دنیا تو آخرت کی لونڈی ہے اور آخرت اس کی مالکہ ہے، جب مالکہ ہی ہماری ہوگئی تو لونڈی تو خود ہی اس کے تحت ہم کو مل جائے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ **اتته الدنيا وهي راغمة** یعنی دنیا کو ٹھکراؤ تو وہ تم پر نثار ہوگی، مگر حالت یہ ہے کہ ہماری اولاد نہ دین کی رہی نہ دنیا کی، کاش اگر یہی اولاد راغب الی الآخرہ ہوتی تو وہ شریعت کا حق ادا کرتی، اور کبھی والدین کے لئے کچھ پڑھ کر دعائے مغفرت بھی کرتی۔

فرمایا: جدید تعلیم میں اور مضرتوں کے علاوہ سب سے زیادہ مضرت رساں یہ چیز مشاہد ہے کہ اس سے بے حیائی، بے ادبی، خودرائی، اور تکبر پیدا ہوتا ہے، جس قدر مسلمانوں کے اخلاق اور معاشرت کو تعلیم وتربیت جدید سے گزند پہنچا ہے وہ گزشتہ گیارہ بارہ صدیوں میں کسی اور چیز سے نہیں پہنچا؛ چونکہ فرنگیوں کی تعلیم وتربیت دونوں میں بے حیائی اور بے ادبی تمام تر مضمر ہے؛ لہٰذا جو ان کی کتابیں پڑھے گا یا ان کی صحبت اختیار کرے گا، لازم ہے کہ اس میں اخلاق کی گندگی، بے حیائی، خودغرضی اور عریانیت سرایت کرجائے، چنانچہ فرنگیوں کے دوران تسلط جس درجہ مسلمانوں کے دین و اخلاق کی تخریب ہوئی ہے، شاید پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی، بالخصوص ہمارا معاشرہ اور اخلاق سرتاپا چوپٹ اور ملیا میٹ ہوگیا کہ آپ پہچان بھی نہ سکیں گے کہ یہ مسلمان ہے یا اور کوئی؟ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے صحیح کہا ہے ؎

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود — ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں یہود — یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

فرمایا: ہمارے حضرت حکیم الامتؒ اب سے پچاس سال پہلے یہ فرما چکے ہیں کہ اب دین وایمان کے بقا کی واحد صورت یہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں (اعتقاد کے ساتھ بغرض اصلاح) روزانہ تھوڑی دیر بیٹھا جائے، اگر روزانہ نہ سہی تو ہفتہ میں ایک بار ضروران کی خدمت میں حاضری دی جائے اور اپنے بچوں کو تعطیلات کے دوران ان حضرات کی خدمت میں بھیجا جائے، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کہیں ایسے حضرات میسر نہ ہوں تو پھر ان کی تصانیف کا روزانہ (کم ازکم) پندرہ منٹ مطالعہ ہی کیا جائے یا کسی سے پڑھوا کر سنا جائے۔

ف: سبحان اللہ بہت عمدہ نصیحت ہے، اللہ تعالیٰ امت کو اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

فرمایا: اللہ پاک کی ذات بے نیاز ہے، چنانچہ ان کے سچے پرستار میں بجز ان کے سامنے سر نیاز جھکانے کے تمام مخلوق سے بے نیازی ہونی چاہئے؛ کیونکہ جب وہ بندہ ہی ذات بے نیاز کا ہے اس میں کچھ نہ کچھ بے نیازی کی شان تو ہونی ہی چاہئے، مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کی طرف احتیاج کی نظر تو کیا خیال بھی نہ ہونا چاہئے، اور یہی مقام توکل ہے، ورنہ پھر وہ حضرت بے نیاز کا بندہ ہی کیا؟ کسی نے خوب فرمایا ہے ؎

در کریم سے سائل کو کیا نہیں ملتا جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو

فرمایا: آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج کل غفلت کی زیادتی اور معصیت کی کثرت کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ہم لوگوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کا خوف رخصت ہو گیا ہے، اگر ہمارے دلوں میں ان کی محبت ہوتی تو ہم ضروران کا ذکر کرتے، ان کے احسانات کا شکر کرتے، اور ہم کو ان کے سامنے حاضری کا خوف ہوتا تو ہم نافرمانی اور گناہوں سے کنارہ کش رہتے، کہ ہم

کیا منہ لے کر ان کے روبرو حاضر ہوں گے۔ (ماخوذ از ملفوظات عصر حصہ دوم)

آپ کا حال رفیع: چنانچہ ایک مرتبہ بڑے وجد و حال میں ارشاد فرمایا: ”موت کے لئے تیار بیٹھا ہوں اور اس کا منتظر ہوں کہ جب اللہ کا فرستادہ آئے تو بطوع و رغبت جان کو اس کے خالق و مالک کے سپرد کر دوں۔“

ماشاء اللہ کیا خوب حال تھا، یقیناً موت سے پہلے موت کی تیاری از روئے حدیث ”الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت“ (الترمذی: حدیث/ ۲۴۵۹) آپ کی عقل و دانش پر بین ثبوت ہے، نیز اس سے سید صاحبؒ کا اللہ سے لقاء کا شوق مترشح ہوتا ہے، جس کی فضیلت حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی لقاء کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی لقاء کو پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو موت و ما بعد الموت زندگی کے لئے تیاری کی توفیق مرحمت فرمائے۔ واللّٰہ الموفق.

۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ ۳/ جولائی ۲۰۰۶ء

وفات: ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ مطابق ۴/ دسمبر ۱۹۸۹ء کو علیگڈھ میں وفات پائی اور دودھ پور کے قبرستان میں ایک مینارہ مسجد کے پاس مدفون ہوئے۔ رحمه اللّٰه رحمة واسعة ونور اللّٰه مرقده

اپنی سعادت: الحمد للہ اس حقیر کو آپ سے عقیدت و محبت کا خاص تعلق تھا۔ آپ بھی بیحد محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، ماشاء اللہ اقوال سلف کو پسند فرماتے تھے، اور اس پر اپنی تقریظ و تبصرہ بھی تحریر فرمایا ہے جو شروع میں درج کر چکا ہوں۔ ایک مرتبہ قطر جانا ہوا تو آپ کے صاحبزادے سے ملاقات کی انھوں نے بیان کی فرمائش کی تو مختصر بیان کر دیا جس کو ان حضرات نے پسند فرمایا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (محمد قمر الزمان الہ آبادی)

حضرت مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادیؒ[1] المتوفی ۱۴۰۱ھ

نام ونسب وولادت: میں الحمدللہ نسباً فاروقی ہوں۔ سلسلہ چشتیہ کے دو بزرگوں شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ اور حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی اولاد میں سے ہوں۔ میں غالباً ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۲۰ھ میں پیدا ہوا ہوں۔

تعلیم وتربیت: تھوڑے دن حضرت جدی مولانا شاہ محمد حسین صاحب کی گود میں رہا۔ اوران کے انتقال کے بعد اپنے والد حضرت مولانا شاہ ولایت حسینؒ اور حضرت جدی (دادا) کے بعض خاص مریدین کی تربیت اور تعلیم میں رہا۔ جس میں قابل ذکر مولانا رفیع الدین خاں صاحبؒ ہیں جو کہ میرے دادا کے مرید اور خادم خاص تھے اور بعد کو حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفہ ہوئے۔ استاد القراء قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ نے مجھے قرآن شریف حفظ کرایا، پھر مولانا رفیع الدین خاں صاحبؒ نے فارسی اور مختصر عربی کی ابتدائی کتابیں شروع کرائیں۔ بعد میں مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ چلا گیا اور وہیں تعلیم پوری کی۔ حضرت مولانا عبدالباریؒ سے کتب حدیث کی بھی تکمیل کی۔ اس کے بعد قاہرہ چلا گیا۔ جہاں جامعہ ازہر میں انتساب حاصل کیا اور جامعہ مصریہ سے بھی تعلق رہا، مگر بہت زیادہ نہیں رہ سکا۔

تدریسی خدمات: ہندوستان واپسی پر مدرسہ عالیہ نظامیہ میں تدریس کے

---

[1] یہ حضرت مولانا محمد میاں فاروقیؒ کی خودنوشت سوانح ہے، جس کو پروفیسر محمد اسعد صاحب نے ''بزم اشرف'' میں نقل کیا ہے۔ (مرتب)

فرائض انجام دیتا رہا۔ اور مولانا حکیم خواجہ شمس الدین شفاء الملک لکھنؤ کے یہاں طب کی کتابوں کی تکمیل کی اور مطب بھی کرتا رہا۔ ۱۹۲۴ء میں الہ آباد آیا اور والد صاحبؒ کے حکم سے مدرسہ محمدیہ امدادیہ قائم کیا جو ۲۴ ؍برس تک بڑے پیمانہ پر خدمت دین کرتا رہا۔ اور قابل استعداد علماء اس مدرسے سے فارغ ہوئے۔ میں نے حضرت حکیم الامتؒ سے مدرسہ کی سرپرستی کی درخواست کی تو آپ نے تحریر فرمایا کہ ’’میں سرپرستی کا عہدہ قبول کرنے سے معذور ہوں لیکن میں دل سے کامیابی کی دعا کرتا ہوں‘‘۔ الہ آباد میں علاوہ ان علمی مشاغل کے مطب کا بھی مشغلہ رہا اور بزرگوں کی دعا سے بہت زیادہ اژدہام رہنے لگا۔ جس کو مطب کی کامیابی کہتے ہیں۔

والد صاحب کے معمولات دینی میں شرکت کرتا رہا۔ وعظ بھی کہتا، ذکر کے حلقوں میں بھی شرکت کرتا اور آپ سے کچھ تعلیم بھی حاصل کرتا تھا۔ آپ نے سلسلہ میں بھی داخل فرمالیا۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد خاندانی رسم کے مطابق سجادگی کی خلعت بھی ملی۔ مگر میں نے اپنی غایت محبت میں اور اپنے کو ناکارہ سمجھ کر یہ خلعت اپنے بھائی مولانا احمد میاں صاحب کے حوالہ کردی۔

تدریس کے علاوہ خدمات: والد صاحب کے بعد ان کے تمام کاموں کی ذمہ داری مجھ پر آئی۔ بہت سی خدمتیں مسلمانوں کی کرتے رہتے تھے۔ سیاسی بھی اور مذہبی بھی۔ بہت سے ادارے قائم فرمائے۔ ان سب کے انتظامات میرے کاندھوں پر آگئے۔ یہی وہ زمانہ بھی تھا کہ جب کہ میں شدت سے سیاست میں دخیل تھا۔ مگر بزرگوں کی دعا سے دل میں اپنے ناکارگی کے ساتھ احساس نفس کی اصلاح کا ضرور خیال رہتا تھا۔ اور اعمال باطنی کو اہمیت دیتا تھا۔

نیز یہ بھی چاہتا تھا کہ والد صاحب کے بعد کوئی میری دینی سرپرستی کرے۔ یوں تو بچپن سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دیکھتا رہتا تھا، حضرت جب بھی الہ آباد تشریف لاتے تو ایک دو مرتبہ والد صاحب ضرور دعوت فرماتے تھے۔ نیز آپ کو میں قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ کے مدرسہ احیاء العلوم میں بھی دیکھتا تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں معمولی رسمی خط لکھتا رہا اور حضرت کی شفقت کی دعائیں آتی رہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں ابتدائی حاضری یوں ہوئی کہ میں نے لکھا کہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ بہت مشفقانہ اجازت ملی اور یہ شعر لکھا گیا ؎

کرم نما فرود آ کہ خانۂ تست

اس کے بعد حاضری ہوئی اور برابر ہوتی رہی۔ جب چاہتا تب حاضر ہوتا تھا۔ جب تک رہتا حضرت ہی کا مہمان رہتا تھا۔ واپسی میں کبھی کبھی کرایہ بھی دیا جاتا تھا۔ میں اپنے معمولات کی اطلاع دیتا تو وہاں سے ہدایتیں آتی تھیں ان پر عمل کے بعد پھر اپنے حالات لکھتا تھا۔ غرضیکہ کافی دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ میں اپنے حالات ویسے ہی لکھتا رہا جیسے ایک مرشد کو لکھتے ہیں۔ میں گویا کہ حضرت کی شفقتوں کی وجہ سے یہ بھول ہی گیا تھا کہ میں مرید نہیں ہوں۔ کئی سال اسی حالت میں گزر گئے۔ ایک دن حضرت والا کے ملفوظ دیکھ رہا تھا، اس میں یہ پڑھا کہ ہمارے حاجی صاحبؒ پر شفقت اور تواضع کا اتنا غلبہ تھا کہ جو شخص مرید ہونا چاہتا تھا اس کو مایوس نہیں فرماتے تھے۔ فوراً مرید کر لیتے تھے، مگر میرا طریقہ کچھ اس سے مختلف ہے۔ میں روک ٹوک بھی کرتا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ اس ملفوظ کا حوالہ دے کر میں نے حضرت کو لکھا

کہ میں باضابطہ غلامی میں داخل ہونے کے بارے میں اس کے بہت قبل عرض کیا تھا۔حیات کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے پھر عرض کرتا ہوں، جواب آیا:

’’آپ سے کیا عذر آپ کا کوئی تعلق نیا نہ ہوگا۔البتہ اتنا دیکھ لیجئے کہ میں بدنام بہت ہوں۔ مجھ سے تعلق رکھنے میں بدنام ہونا ہے۔ظاہری مسلک کے اعتبار سے بدنامی یہ ہے کہ بدعتی مجھے وہابی کہتے ہیں۔اور وہابی بدعتی۔اور باطنی مشرب کے اعتبار سے یہ بدنامی ہے کہ چونکہ چشتیہ عصر کے رسوم سے علیحدہ ہوں اس لئے چشتیہ مجھے نقشبندی کہتے ہیں۔اور چونکہ چشتیہ کی بیحد حمایت کرتا ہوں اس لئے نقشبندی مجھ کو چشتی کہتے ہیں۔اور دونوں طرف سے اعتراض والزام کا مورد بنایا جاتا ہوں۔اس کو دیکھ لیجئے۔

اس کے بعد بہت دنوں تک خط وکتابت ہوتی رہی،اور کافی دنوں کے بعد میری دوبارہ حاضری ہوئی۔کئی دن کی حاضری کے بعد ایک دن بعد مغرب میں خانقاہ کے اس کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا جس کو حضرت نے تفسیر کے زمانہ میں شاید تعمیر کرایا تھا۔ بڑا کمرہ مسجد کے پورب جانب جس میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ بیٹھے تھے۔اوراس کمرہ میں خواجہ صاحبؒ بھی موجود تھے۔اور کچھ حضرات اور بھی تھے جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے۔حضرت والا مغرب کے بعد گھر تشریف لے جا چکے تھے۔حضرت کے خادم میاں نیاز آئے اور انھوں نے فرمایا کہ حضرت نے طلب کیا ہے۔میں حاضر ہوا۔پلنگ کے اوپر تشریف فرما تھے۔میرے کسی گذشتہ خط کا تذکرہ نہیں فرمایا اور دست مبارک مجھ ناکارہ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔اور بیعت فرمائی۔اور تھوڑی دیر تک میں خاموش بیٹھا رہا۔اور حضرت بھی خاموش بیٹھے

رہے، میں اس وقت کے حالات کچھ بیان نہیں کرسکتا۔ کچھ دیر بعد خود فرمایا کہ اب جایئے آرام کیجئے۔ اور اپنے خادم میاں نیاز سے یہ فرمایا کہ جاکر خبردار ڈھینڈ ورانہ پیٹنا۔ جس سے اشارہ یہ تھا کہ میں کسی سے بیعت کا تذکرہ نہ کروں۔

پھر بدستور حاضری ہوتی رہی۔ اور شفقتوں میں مزید اضافہ ہوتا رہا۔ اور غالباً سال ڈیڑھ سال کے بعد ایک پوسٹ کارڈ حضرت کے دست مبارک کا لکھا ہوا آیا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت نے مجھے مجاز صحبت بنایا ہے۔ اور بھی بہت مشفقانہ دعا فرمائی تھی۔ میں اس کے بعد حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ حضرت میں اس سرفرازی کے قابل نہیں تھا۔ نہایت ناکارہ ہوں۔ تو فرمایا کہ آپ کی حالت سے واقف ہوں۔ اب آپ کو اس چیز کی شرم اور لاج رہے گی اور آپ اب زیادہ جدوجہد کریں گے۔ میں کانگریس میں بڑی ذمہ داری کے عہدوں پر تھا، میں نے لکھا کہ میں جانتا ہوں کہ حضرت ان سیاسی جماعتوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اگر ارشاد ہو تو کانگریس سے استعفیٰ دے دوں۔ ارشاد فرمایا ''استعفیٰ نہ دیجئے، استعفیٰ دینا ذلت ہے اور بزدلی کی علامت ہے جو کر رہے ہیں کرتے رہیں'' میں نے پھر ایک مرتبہ لکھا کہ کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر اپنے آپ کو جیل کے لئے پیش کر رہے ہیں جس کو انفرادی گرفتاری کہا جاتا ہے میں نے بھی اپنے نام دیا ہے۔ جواب میں صرف یہ لکھا کہ ''دعا کر رہا ہوں'' تھوڑے دن کے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ مجھے گرفتار نہیں کیا گیا۔ میں نے حضرت کو اس کی بھی اطلاع دے دی، اس کے جواب میں یہ لکھا کہ محبت کے گرفتار کو کون گرفتار کرسکتا ہے۔ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت کی علالت کی وجہ سے خواجہ عزیز الحسن صاحب خطوط کا جواب لکھ رہے تھے۔ حضرت والا نے اعظم گڈھ کے ایک

بزرگ کے بارے میں جو سیاسی تحریکوں میں شامل تھے لکھوایا کہ آپ سیاسی تحریکوں سے کنارہ کش ہوجائیں۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ محمد میاں کو آپ نے نہیں فرمایا۔ فرمایا کہ میں محمد میاں کو جانتا ہوں۔ ان کے بارے میں آپ کچھ نہیں کہیں گے۔ اور کچھ تھوڑی سی تلخی بھی لہجہ میں تھی۔ ہمارے خواجہ صاحب کو اس پر وجد آ گیا۔ اور ایک مصرعہ لکھ کر مجھ کو اطلاع دی۔ ع جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

ایک بات یہاں پر اور عرض کردوں کہ باوجود میرے ساتھ اتنی شفقت کہ کبھی معمولات باطنی میں کوئی رعایت نہیں فرمائی گئی۔ یوں تو حضرت کی تعلیمات سہولتوں کا مجموعہ تھی مگر کبھی اسم ذات کے ذکر میں اگر تعداد میں کمی ہوجاتی تھی تو معافی کے بعد آئندہ کے لئے تنبیہ کی جاتی تھی۔ کوئی تساہل ہوجاتا تھا تو کئی ہزار مرتبہ اسم ذات کی تعداد میں اضافہ کردیا جاتا تھا۔ حضرت کے انتقال تک یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ چاہوں گا وہ حاصل ہوجائے گا۔ حضرت سے دعائیں کراؤں گا، یکدم سے یہ دامن بھی چھوٹ گیا۔ اب یتیمی کے دور کی زندگی ہے۔ حضرت کے کچھ کلمات جو کاغذوں پر آ گئے ہیں مواعظ، ملفوظات، اور تصانیف وہی کچھ سہارا ہیں۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب بوئے گل را از کہ جویم جز گلاب

فقط والسلام محمد میاں فاروقی ۲۵/شعبان ۱۴۰۵ھ

(بزم اشرف کے چراغ: ۴۰۱)

اپنی اصلاح کی فکر: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے مجاز صحبت ہونے کے باوجود اپنی اصلاح سے غافل نہ رہے بلکہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ سے تعلق قائم کیا۔ جیسا کہ کسی

نے خوب کہا ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش　　تا دم آخر دم فارغ مباش

اپنی سعادت: میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد میاں فاروقیؒ سے خاص تعلق تھا، بہت ہی شفقت فرماتے تھے، حضرت مصلح الامتؒ کے رحلت فرمانے کے بعد ہم لوگوں کا بہت خیال رکھتے، برابر خیریت معلوم کرتے رہتے، اور بیماری آزاری میں ساتھ دیتے اور رنج وغم میں شریک رہتے تھے۔

اس حقیر کی مجلس میں برابر تشریف لاتے تھے، اور مضامین کو بیحد پسند فرماتے اور تعریف فرماتے تھے، ایک مرتبہ خاص حال میں میں فرمایا کہ ''مجھے تعجب ہے کہ علماء الہ آباد ایسی مجلس میں کیوں نہیں شریک ہوتے ہیں جس مجلس میں ایسے علوم ومعارف بیان کئے جاتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے حضرت مولاناؒ کے حسن ظن کے مطابق بنادے۔آمین

وفات: آپ کا انتقال ۱۴رفروری ۱۹۸۹ء مطابق ۱۴۱۰ھ کو ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ شاہ محمد عبید اللہ صاحب سجادہ نشین حضرت شاہ محب اللہؒ نے پڑھائی اور الہ آباد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی مونگیریؒ المتوفی ۱۴۱۱ھ

امیر شریعت رابع

ولادت: مولانا رحمانی ۹/ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں پیدا ہوئے، یگانۂ روزگار عالم دین حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری کے چھوٹے صاحب زادے ہیں، (جن کا ذکر اقوال سلف جلد ہشتم میں بالتفصیل آچکا ہے۔)

تعلیم: قرآن شریف اور فارسی کی ابتدائی تعلیم خانقاہ ہی میں حاصل کی، پھر گیارہ سال کی عمر میں حیدرآباد دکن چلے گئے، وہاں مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحبؒ سے ایک سال عربی صرف ونحو اور منطق کی کتابیں پڑھیں، پھر چار سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم رہے، ۱۳۴۹ھ میں تکمیل علوم کیلئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد خانقاہ رحمانی مونگیر میں کتابوں کے مطالعہ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور افتاءنویسی کے کاموں میں آپ مشغول ہوگئے، ذہانت خداداد تھی، علمی صلاحیت ٹھوس تھی، اور طبعی طور پر آپ کا مزاج بھی علمی اور تحقیقی تھا، اس لئے ماشاءاللہ تعالی آپ نے علمی وتحقیقی بہت سے کام کئے اور گوناگوں صلاحیت کی بناء پر امت مرحومہ کی دینی وملی اور سیاسی اہم ترین خدمات انجام دیں۔

چنانچہ آپ کے متعلق مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ "امیر شریعت رابع کی

حیات وخدمات'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا کا اصل کارنامہ: مولاناؒ کے دورِ امارت کا اصل کارنامہ اور تاریخی کردار'' آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کا قیام ہے، جس کی ۲۷، ۲۸، دسمبر ۱۹۷۲ء کو بمبئی میں تشکیل ہوئی اور جس کے صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے، جو اس اہم ملی منصب وقیادت کیلئے موزوں شخصیت تھے، اور جن کو زیادہ سے زیادہ اعتماد واحترام عام حاصل تھا، اور مسلمان فرقوں، جماعتوں اور تنظیموں کی اس میں ایسی نمائندگی ہوئی جو کم ہی کسی نمائندہ ادارہ اور جماعت میں ہوتی ہے۔

نیز حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''مولاناؒ کی شخصیت اپنی ریاست اور ملک ہندوستان ہی میں نہیں؛ بلکہ اس عہد کے عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیتوں میں تھی، اللہ تعالی نے علم واخلاص، عزم وقوتِ ارادی، اصابتِ رائے، توازن واجتماعیت کی ان کی ذات میں ایسی متعدد خصوصیت پیدا فرمادی تھیں؛ جن کا ایک شخصیت میں بہت مشکل سے اجتماع ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالی نے ان سے ایسے متعدد دینی، ملی وتاریخی کام لئے جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

بیعت: آپ اپنے والد محترم سے بیعت تھے، مولانا محمد عارف صاحبؒ کی خدمت میں بھی رہے اور مقامات سلوک طے فرمائے، اور ۱۹۴۲ء میں حضرت قطب عالم مولانا محمد علی مونگیریؒ کے جملہ خلفاء اور مریدوں نے خانقاہ رحمانی کا آپ کو سجادہ نشین بنایا، آپ نے خلق اللہ کی خدمت اور روحانی تربیت میں اپنی

پوری صلاحیت لگادی، چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے ہاتھوں پر ہزاروں ہزار کی تعداد میں لوگ بیعت ہوئے اور توبہ کی۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

ارشاد: مسلم پرسنل لاء کا جلسہ جو مجیدیہ اسلامیہ کالج الہ آباد میں ہوا تھا، اس میں آپ نے اثناء تقریر نہایت دردمندی سے یہ فرمایا کہ ہمارا خطاب ہمیشہ دو جانب رہا ہے، ایک تو حکومت سے، دوسرے مسلمانوں سے، اول میں تو کسی قدر کامیابی ہوئی بھی یعنی حکومت نے توجہ کی، مگر دوسری طرف مسلمانوں نے ہماری باتوں کی طرف توجہ نہ کی اور نہ کوئی اثر لیا۔

شرف زیارت: آپ کی زیارت متعدد بار حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں ہوئی، چنانچہ مجھے یاد ہے کہ حضرت مولاناؒ نے حضرت مولانا مصلح الامتؒ سے یہ استفسار بھی فرمایا تھا کہ اب کرامات کا صدور کیوں نہیں ہوتا؟ تو حضرت مصلح الامتؒ نے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کی کتاب ارشاد الطالبین سے بالتفصیل جواب دیا تھا، جس سے مولانا مطمئن ہوئے۔ (مرتب)

وفات حسرت آیات: خانقاہ رحمانی مونگیر میں ۳/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۰/مارچ ۱۹۹۱ء کی شب میں چار رکعت تراویح ادا کرنے کے بعد اچانک قلب کا دورہ پڑا اور اپنے رب کریم کو یاد کرتے ہوئے اس دنیائے فانی سے رحلت فرماگئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ آپ کی تدفین آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے والد ماجد مولانا محمد علی مونگیریؒ کی قبر کے قریب خانقاہ رحمانی مونگیر میں میں عمل میں آئی۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَّنَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ۔

حضرت مولانا محمد طیب [1] صاحبؒ کنہواں بہار المتوفی ۱۴۱۱ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء کو قصبہ کنہواں ، وایا پریہار، ضلع سیتامڑھی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عبداللہ تھا۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر ہدایہ تک کی کتابوں کی تعلیم متعدد مدارس میں حاصل کی ، پھر مدرسہ حنفیہ آرہ پہنچے اور بقیہ کتب درسیہ کی تکمیل کی ، آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد مسلم صاحب جونپوریؒ، حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ،مولانا محمد جان صاحب بچھارپوریؒ ، مولانا عبداللہ صاحب بہارشریفؒ جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد گھر تشریف لائے،حضرت مولانا صوفی رمضان علیؒ بانی وصدر مدرس مدرسہ اشرف العلوم کنہواں کی موجودگی میں آپ کو مدرسہ اشرف العلوم کنہواں کا متولی بنایا گیا، لیکن ۱۳۴۴ھ میں آپ نے تولیت مدرسہ سے استعفی دے دیا، شوال ۱۳۵۲ھ ،تا ۱۳۶۳ھ مدرسہ اشرف العلوم کنہواں میں تدریسی فرائض انجام دیئے، اس کے بعد انجمن رفاہ المسلمین، بیریا چمپارن چلے گئے، اور وہاں کامل نوبرس تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے، ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں جب آپ کے پیر ومرشد

---

[1] آپ کی مفصل سوانح ''حیات طیبہ'' کے نام سے مولانا اظہار الحق مظاہری نے لکھی ہے، اسی سے کچھ حالات وارشادات پیش خدمت ہیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز بسنتی سیتامڑھی متوفیٰ ۱۳۷۲ھ کا (جو مدرسہ اشرف العلوم کی سرپرستی کے عہدہ پر فائز تھے) وصال ہوگیا تو آپ کو ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۳؍مئی ۱۹۵۳ء کو مدرسہ اشرف العلوم کنہواں کا ناظم منتخب کیا گیا، اس کے بعد تاحیات منصب نظامت پر فائز رہے۔

راہِ سلوک: آپ نے منازل سلوک قطب الاقطاب حضرت مولانا عبدالعزیز بسنتیؒ کی خدمت میں رہ کر کیں اور انہیں سے اجازت وخلافت حاصل کی، آپ کو اجازت بیعت حضرت مولانا نورالحسن سنگاپوریؒ اور حضرت مولانا حکیم جمال اللہ ٹھنکولویؒ خادم خاص حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ وخلیفۂ حضرت مولانا عارف صاحب ہرسنگ پوری سے بھی حاصل تھی۔

آپ کا دینی واصلاحی کارنامہ: آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مدرسہ اشرف العلوم کنہواں کی تعمیری وتعلیمی ترقی پر کافی زور دیا اور اس کی فلاح وترقی کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے، آپ کے دور نظامت میں اشرف العلوم نے بہت زیادہ ترقی کی، آپ نے اپنے علاقہ میں پھیلی ہوئی بدعات وخرافات تِلک، جہیز اور سلامی وغیرہ جیسی چیزوں کی طرف بھی توجہ مبذول کی اور حتی المقدور ان کا قلع قمع کیا، آپ نے احیاء مکاتب کی طرف بھی پیش قدمی فرمائی، چنانچہ آپ کے اشاروں پر بہت سے دینی مدارس ومکاتب کا وجود عمل میں آیا، الغرض آپ کے یہ سب کارنامے ایسے ہیں جسے اس علاقہ کے افراد فراموش نہیں کرسکتے۔

سعادت: الحمدللہ، حضرت مولانا ہمارے مدرسہ بیت المعارف الہ آباد میں تشریف لاچکے ہیں، اور ایک دو دن قیام بھی فرمایا تھا، ماشاءاللہ تعالیٰ آپ نے اقوال سلفؒ کے مطالعہ کے

بعد اپنے تأثر کا اظہار فرمایا ہے۔ جسے یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

مکتوب گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم جناب مولانا محمد قمر الزمان صاحب زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت طرفین مطلوب

آپ کی مرسلہ کتاب ''اقوال سلف'' دوجلدیں معرفت عزیز مکرم جناب مولانا محمد نعیم الدین صاحب (سلمہ الباری) پاکر دلی مسرت ہوئی۔

پروردگار عالم آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے کہ آپ نے ''طبقات کبریٰ'' کی تلخیص فرمائی جو امت مسلمہ پر احسان عظیم ہے، جو نہ صرف نابغۂ روزگار شخصیتوں کا تذکرہ اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کا مجموعہ بلکہ اصول شریعت وطریقت کے عارفانہ رموز ونکات، روح پرور ملفوظات اور اسلامی تعلیمات کا حسین گلدستہ ہے، دنیا اور آخرت سنوارنے کے لئے مکمل لائحۂ عمل، اور امام الطائفہ عبدالوہاب شعرانیؒ کی ذات بابرکات کی کتاب کی مقبولیت کے لئے ضامن، آخر میں محترم مصنف موصوف کے لئے اس دعا میں کیا حرج ؎

یا رب بقائے عمر تو باشد ہزار سال ۔۔۔ لیکن بایں حساب بصد حشمت وجلال

سالے ہزار ماہ و ماہے ہزار یوم ۔۔۔ یومے ہزار ساعت وساعت ہزار سال

فقط دعا گو ودعا جو

محمد طیب (ناظم جامعہ اشرف العلوم کنھواں)

بقلم منظر عالم قاسمی۔ مورخہ ۲ ر شوال المکرم ۱۴۱۰ھ

ملفوظات : (۱) حضرت ناظم صاحبؒ اپنے پند ونصائح میں حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ذکر فرمایا کرتے ، وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کچھ لوگ حضرت بہلولؒ سے ملاقات کرنے آئے، جب ملاقات کرکے واپس ہونے لگے تو حضرت بہلول سے دریافت کیا کہ آئندہ اگر ہم لوگ آپ سے ملاقات کرنا چاہیں تو آپ سے کہاں ملاقات ہوگی؟ حضرت بہلولؒ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے ملنا ہو تو ''جھوٹوں کی بستی'' میں ڈھونڈ لینا ، میں مل جاؤں گا، چنانچہ بعد میں ان لوگوں کو ملاقات کی خواہش ہوئی تو حسب الحکم جھوٹوں کی بستی تلاش کرنے لگے، مگر جستجوئے بسیار کے بعد بھی اس نام کی کوئی بستی نہیں مل سکی، تھک ہار کے راستہ سے گزر رہے تھے کہ کنارہ میں واقع قبرستان کے اندر حضرت بہلول پر نظر پڑی، شرف ملاقات کرکے پوچھا کہ حضرت! ہم لوگ پریشان ہوگئے،آپ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے ملنا ہو تو جھوٹوں کی بستی میں ڈھونڈ لینا ،مگر آپ ملے نہیں، یہاں قبرستان کے اندر تشریف فرما ہیں، حضرت بہلولؒ نے فرمایا کہ بھائی ''جھوٹوں کی بستی'' یہی قبرستان ہے، کہ اس میں جو لوگ لیٹے ہوئے ہیں وہ کہا کرتے تھے: میرا مکان ، میری دوکان، میرا کھیت ، میرا مال، حالانکہ وہ سب چھوڑ کر اپنی اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہیں، اس لئے جھوٹے ہیں، اگر حقیقت میں یہ چیزیں ان کی تھیں تو ان سے کیوں چھوٹ گئیں۔ ؎

خدا جانے کہ یہ شہر خموشاں کیسی بستی ہے
ہزاروں آباد ہوتے ہیں ، پر ویرانی نہیں جاتی

(۲) متعدد بار حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا کہ جو ذکر و درود پڑھنے کو

بتلایا جاتا ہے اس پر ہمیشگی برتنی چاہئے، اگر چہ کم ہی ہو، مگر ناغہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس سے برکت ختم ہوجاتی ہے، گویا اس سے اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ خَيرُ الْعَمَلِ مَا دِيمَ عليهِ وَإن قَلَّ (یعنی بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اگرچہ تھوڑا ہو) چنانچہ خود حضرت کا عمل درآمد اسی نہج پر تھا کہ استقامت کی دولت اللہ پاک نے آپ کوعطا فرمائی تھی۔

(۳) ہمارے حضرت ناظم صاحب ایک مرتبہ نصیحت آمیز گفتگو فرما رہے تھے کہ انسان پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان سے گھبرانا نہیں چاہئے، بلکہ صبر کرنا چاہئے، دیکھئے کتنے پیغمبر گزرے ہیں، جن کوطرح طرح سے مصیبتوں میں ڈال کرآزمایا گیا، سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں زخم کے سبب کیڑے پڑ گئے تھے، خودآقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر کتنی مصیبتیں آئیں، امتحان وآزمائش ہرمومن کی ہوتی ہے اور یہ اس کے نوازے جانے کی علامت ہوتی ہے۔ ؎

آزمائش ہے نشانِ بندگان محترم
امتحان ہوتا ہے اُن کا جن پر ہوتا ہے کرم

(از حیات طیبہ مؤلفہ مولانا اظہار الحق مظاہری)

ف: اسی معنی میں حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کا یہ شعر ہے ؎

دوست کی جانب سے جو آئے بلا وہ بلا ہرگز نہیں؛ وہ ہے کرم

وفات: آپ کی وفات ۱۴؍جمادی الاخری ۱۴۱۱ھ مطابق ۲؍جنوری ۱۹۹۱ء کو ایک سودس برس کی عمر میں کنہواں میں ہوئی، آپ کا مزار طیبی قصبہ کنہواں نزد مدرسہ اشرف العلوم بجانب شمال لبِ سڑک واقع ہے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرقدہٗ۔

مرشدی حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ المتوفی ۱۴۱۲؁ھ

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت باسعادت موضع پھولپور ضلع پرتا پگڈھ میں غالباً ۱۳۱۷؁ھ مطابق ۱۸۹۹؁ء میں ہوئی، والد محترم کا اسم گرامی مکرم ''غلام محمدؒ'' صاحب تھا، جو ماشاء اللہ دیندار سمجھدار شخص تھے اور سرکاری ملازم تھے، حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے بیعت تھے، برابر حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، آپ کے یہاں چونکہ مسلسل لڑکیاں پیدا ہورہی تھیں، اس لئے آپ نے حضرت مولاناؒ سے اولاد نرینہ کیلئے دعا کی درخواست کی، چنانچہ آپ نے بشارت دی کہ اب کی بیٹا پیدا ہوگا، اس کا نام محمد احمد رکھنا، چنانچہ اس بشارت کے مطابق بیٹے کی ولادت ہوئی، اور حضرت مولاناؒ ہی کے ارشاد کے مطابق اس بیٹے کا نام محمد احمد رکھا گیا۔

بچپن کے حالات: ماشاءاللہ آپ کو بچپن ہی سے تدیّن وتقویٰ کا خیال تھا، نماز، روزے اور ذکر وتلاوت کے پابند تھے، بلکہ دوسروں کو بھی دیندار بنانے کا داعیہ اور جذبہ رکھتے تھے، چنانچہ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہونے کے بجائے ان کو جمع کرکے وعظ فرماتے اور دین کی طرف متوجہ فرماتے، غرض بچپن ہی سے طبیعت میں سلامتی اور دینداری تھی، جس کی وجہ سے مسلم تو مسلم غیر مسلم بھی آپ سے عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے تھے، بیماروں کے لئے دعا کراتے اور تعویذ لے جاتے تھے، بلکہ ایک کشمیری پنڈت (جو آپ کے والد ماجد کا دوست تھا، اس)

سے والدمحترم نے کہا کہ ان کو (یعنی مولانا کو) علیگڈھ یونیورسٹی پڑھنے کے لئے بھیجوں گا، تو اس نے کہا کہ یہ لڑکا اس کام کا نہیں ہے، یہ تو بہت بڑا فقیر ہوگا۔

تعلیم: قرآن پاک کا ناظرہ اور اردو دینیات کی تعلیم اپنے گاؤں پھول پور ہی میں حاصل کی، اس کے بعد قریب کے کسی گاؤں کے مڈل اسکول میں مڈل تک پڑھا، مگر اللہ کی طرف انابت وجذب کا کچھ ایسا غلبہ ہوا کہ طبیعت پڑھنے سے سرد اور اُچاٹ ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مڈل کا امتحان تک نہ دیا، بلکہ لکھنؤ ٹیلہ والی مسجد میں حضرت مولانا وارث حسن صاحبؒ کی خدمت میں چلے گئے، اور وہاں ان کی تعلیم کے مطابق ذکروشغل میں مشغول ہوگئے، اور عرصہ تک وہاں قیام پذیر رہے، اور شدید ترین ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے اور غالبًا اجازت وخلافت سے بھی مشرف ہوئے، غرض حضرت کی تعلیم کے سلسلہ میں اتنا ہی معتبر ذرائع سے معلوم ہوسکا، اب یہ کہ فارسی وعربی کی تعلیم کی تفصیل کیا ہے؟ قرآن کی تفسیر، حدیث پاک کا درس کہاں اور کس سے حاصل کیا؟ اس کے متعلق حتمی طور سے مجھے علم وآگاہی حاصل نہ ہوسکی، البتہ مدتوں حضرت والا کی خدمت میں رہنے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوا کہ حضرت والاؒ نے قرآن وحدیث کا بغور مطالعہ فرمایا تھا، اس لئے کہ قرآن کی آیات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو ایسا برمحل پیش فرماتے اور ایسے علوم ومعارف بیان فرماتے کہ علماء ششدر رہ جاتے اور مضامین کو پسند فرماتے اور متأثر ہوتے، وعظ میں قرآن پاک کی آیات موقع موقع سے بکثرت تلاوت فرماتے، چنانچہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ نے آپ کے مواعظ کے متعلق تحریر فرمایا:

''زیادہ تر کلام اللہ کی آیتوں سے استشہاد واستناد ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ باوزن اور مؤثر وعظ کیا ہوسکتا ہے''۔ (روح البیان حصہ اول)

رہی یہ بات کہ حضرتؒ کسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل نہ تھے، تو اس سے آپ کے علم وفضل میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ ابھی حال میں ایسے صاحب نسبت مشائخ گزرے ہیں جو اصطلاحی عالم نہ تھے، مگر ان کی طرف بڑے بڑے علماء نے اصلاح اخلاق وتزکیۂ نفوس کیلئے رجوع کیا اور ان سے اللہ کی محبت ونسبت کی دولت حاصل کی، جیسے حضرت سید احمد صاحب رائے بریلی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ وغیرہما۔

باطنی تربیت: باطنی تربیت کیلئے اولاً حضرت مولانا وارث حسن صاحب لکھنویؒ کی طرف رجوع فرمایا اور وہاں کافی دنوں تک قیام بھی فرمایا، ریاضات ومجاہدات بھی کئے ؛مگر ان کی حیات ہی میں حضرت مولانا شاہ بدرعلی صاحبؒ خلیفہ حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور عرصہ تک آمدورفت کا سلسلہ رکھا، حتی کہ آپ نے خلعتِ خلافت سے نوازا، حضرت مولانا بدرعلی صاحبؒ حضرت والاؒ کو مثل اپنی اولاد کے سمجھتے تھے، چنانچہ کوئی چیز ہدیۃً آتی تو اس میں سے حضرتؒ کیلئے کچھ بچا کر رکھ لیتے، پھر تنہائی میں حضرتؒ کو عنایت فرماتے اور کہتے کہ تمہارے لئے رکھ لیا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں سِدھونہ جارہے تھے کہ راستہ میں دو بڑے بڑے سانپ ملے، تو حضرتؒ راستہ کاٹ کر دوسری طرف سے نکل گئے، ادھر شاہ صاحبؒ پر یہ بات منکشف ہوگئی اور لکڑی لے کر اپنے

محبوب مرید کے انتظار میں دروازے پر کھڑے ہوگئے، حضرت جب وہاں پہنچے تو ملاقات ہوتے ہی فرمایا کہ راستہ میں ممکن ہے سانپ وغیرہ مل جائیں، اس لئے لکڑی لے کر چلا کرو، اور یہ لکڑی لو، چنانچہ وہ لکڑی (عصا) حضرت کے یہاں اب بھی موجود ہے۔

کبھی فرماتے کہ ہمارے چار لڑکے تو دنیا کے ہیں، مگر ایک لڑکا ہمارا محمد احمد ہے جو آخرت کا ہے، حاضرین کو خطاب کر کے کبھی فرماتے کہ آپ لوگوں نے ''محمد احمد'' جیسا اپنے کو مٹائے ہوئے کسی کو دیکھا ہے؟ اور کبھی حضرت مولانا کو خطاب کر کے فرماتے کہ ''محمد احمد! ہم سے اگر کوئی خلافِ سنت بات دیکھو تو بتلادیا کرو۔''

سبحان اللہ! ان باتوں سے حضرت مرشد کامل مولانا شاہ بدرعلی صاحبؒ کو اپنے مرید مخلص ومسترشد سے غایتِ محبت وتعلق اور آپ کے کمال علم وتقویٰ پر مکمل اعتماد کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

حضرتؒ کو اپنے شیخ سے عقیدت ومناسبت: اسی طرح حضرت والاؒ کو اپنے شیخ ومرشد کے ساتھ حد درجہ محبت وعقیدت اور باطنی مناسبت تھی، چنانچہ ایک مرتبہ تکیہ رائے بریلی سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی معیت میں حضرت والاؒ مع اپنے چند خدام کے جیپ سے مدرسہ فلاح المسلمین تندوا کیلئے روانہ ہوئے، یہ حقیر بھی ساتھ تھا، تو اثنائے سفر میں حضرت مولانا ندویؒ نے حضرت والاؒ سے استفسار فرمایا کہ حضرت! آپ کا شاعری میں استاد کون ہے؟ تو فرمایا کہ میں بہت دنوں تک اشعار نہیں کہتا تھا، بس اللہ نے یکایک مجھے اشعار

کہنے کی قدرت عطا فرمائی۔

پھر حضرت مولانا ندویؒ نے دوسرا سوال یہ فرمایا کہ آپ نے مولانا بدر علی صاحبؒ سے کیوں تعلق پیدا کیا؟ جبکہ آپ کے زمانہ میں بڑے بڑے اکابر علماء ومشائخ موجود تھے، اور مولانا شاہ بدر علی صاحبؒ تو اس وقت زیادہ مشہور بھی نہ تھے، تو فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ ان سے مجھے باطنی مناسبت تھی، اور وہ عجیب وغریب نسبت کے حامل تھے، اس لئے میں نے ان سے اصلاحی تعلق پیدا کیا۔

ف: سبحان اللہ! کس قدر حق اور جامع جواب عنایت فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کے لئے صرف عقیدت کافی نہیں، بلکہ باہم باطنی مناسبت بھی ضروری ہے، جب ہی درِفیض وا ہوتا ہے اور مرید صادق جلد از جلد ترقی کرتا ہے، چنانچہ سلوک میں حضرت والاؒ کو جو مقام حاصل ہوا، اس کے معترف اس زمانہ کے سبھی اہل حق علماء وصلحاء تھے اور ہیں۔

وعظ وتبلیغ: آپ مقامی طور سے اپنے گاؤں میں وعظ وتبلیغ فرماتے ہی رہتے تھے، مزید یہ کہ آپ قریب کے دیہاتوں میں بھی اصلاح ودعوت کے لئے سفر فرماتے، کچھ احباب کو بھی ہمراہ لے لیتے، ساتھ میں گڑ روٹی یا نمک روٹی رکھ لیتے اور گاؤں گاؤں جاکر وعظ فرماتے، لوگوں کو منکرات کے چھوڑنے کی دعوت دیتے، اعمال کے اصلاح کی طرف متوجہ کرتے، بالخصوص بدعات اور شادی بیاہ کی غلط رسموں کی بُرائی ذہن نشین کراتے اور سچا پکا مسلمان بننے کی تبلیغ کرتے، حضرت والاؒ اپنی اس عادت کو بڑے لطف ومزہ لے کر بیان فرماتے رہتے تھے اور سامعین بھی محظوظ ہوتے تھے۔

چونکہ دیہاتوں میں حضرت والاؒ کے ذریعہ دینی کام ہو ہی رہا تھا، لوگ نمازی و دیندار بنتے جارہے تھے، ادھر حضرتؒ کی دعاؤں کی قبولیت، تعویذات سے صحت اور آپ کے ہر خاص وعام سے محبت ومودت اور آپ کی مجلس خاص اور جلسۂ عام میں جذب واثر اور فیض صحبت، یہ ایسے اوصاف تھے کہ ان کا چرچا دیہات تو دیہات، شہر میں بھی ہونے لگا، چنانچہ الہ آباد سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، اور پھر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، چنانچہ اولاً الہ آباد بقول مکرم حاجی شرافت حسین صاحبؒ ۱۹۳۲ء میں محلہ دارا گنج تشریف لائے اور برابر آمد ورفت کا سلسلہ رہا، محلہ کٹرہ ودریا آباد بھی کچھ کچھ دنوں قیام رہا، اور اخیر میں صابری منزل میں بہت دنوں تک قیام فرمانے لگے، تو آپ کی خدمت میں شہر کے دوسرے محلوں سے بھی طالبین حاضر ہوتے اور مستفیض ہوتے۔

ف: ماشاء اللہ آپ حضرت مولاناؒ کے خاص محبین ومقربین میں سے تھے اور عموماً سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے، بلکہ بغیر آپ کے سفر نہ فرماتے تھے۔ (مرتب)

اپنی سعادت: چنانچہ یہ حقیر بھی حضرت والاؒ کی زیارت واستفاضہ کی غرض سے سالوں صابری منزل میں حاضر خدمت ہوتا رہا، پھر بفضلہٖ تعالیٰ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء سے مستقل چار سال تک ہمارے مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد کے شمالی حجرہ میں قیام فرمایا اور ہم لوگوں کو آپ کی صحبت وخدمت کی سعادت نصیب ہوئی، برآمدہ میں سالہا سال تک مجلس کا سلسلہ رہا، مزید مدرسہ بیت المعارف کو یہ شرف نصیب ہوا کہ حضرت والاؒ کی خدمت میں آنے والے علماء ومشائخ کا قیام اسی مدرسہ میں ہونے لگا۔

جس کی وجہ سے عمومی وخصوصی مجالس کا سلسلہ قائم رہا اور حضرت والا

اپنے ارشادات وتوجہات سے طالبین وسالکین کو اور طلبہ واساتذہ سب ہی کو مستفید فرمانے لگے، مگر چونکہ دیرینہ مرض بواسیر اور ریاحی بیماری نیز کبرسنی کی وجہ سے ضعف وکمزوری میں روز بروز ترقی ہوتی جارہی تھی، رات کو مرض میں کافی شدت آجاتی تھی، اس لئے حضرت والا بجائے مدرسہ کے اب اپنے معالج خاص ڈاکٹر ابرار احمد صاحب کے مکان پر قیام پذیر ہوگئے، تاکہ بوقت ضرورت دوا علاج میں سہولت ہو، تاہم حضرت والا قریب قریب روزانہ ہی مدرسہ بیت المعارف یا غریب خانہ پر تشریف لاتے اور دیر دیر تک قیام فرماتے اور غایت شفقت وعنایت کی باتیں فرماتے ،اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تشریف لاتے اور فرماتے کہ بس آپ کو دیکھنے آگیا تھا، اس لئے زیادہ دیر نہ بیٹھوں گا اور واپس تشریف لے جاتے ، الحمدللہ چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ فجزاھم اللہ تعالی احسن الجزاء۔ (مرتب)

طریق اصلاح: یوں آپ کا معمول اصلاح کے معاملہ میں رفق ونرمی ہی کا تھا، اس لئے کسی کو حتیٰ کہ مریدین کو بھی سخت بات نہ فرماتے ؛لیکن اگر ضرورت سمجھتے تو اصلاح کیلئے کبھی شدت بھی اختیار فرماتے ، بدعات سے بہت نفرت تھی، اور اس کے رد میں آپ بہت ہی سخت تھے، بلکہ بدعتی شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے بھی گریز فرماتے تھے، بیعت کے سلسلہ میں بھی بہت محتاط تھے، جلدی بیعت نہ فرماتے تھے، ہاں اگر کسی کے متعلق یہ حقیر سفارش کردیتا تو عموماً قبول فرمالیتے۔

شادیوں میں شرکت نہ فرماتے تھے، اگر کسی بناء پر شریک ہوتے اور

وہاں خلافِ سنت وشریعت کوئی بات سامنے آتی تو فوراً بلاخوف لومۃ لائم اس پر نکیر کر کے وہاں سے رخصت ہوجاتے۔

ذکر اللہ کا اہتمام: سنا ہے کہ شروع میں ستّر ہزار مرتبہ اسم ذات کا ورد فرماتے، مغرب بعد مکان سے متصل باغ میں جا کر ذکر فرماتے اور کس حال وکیف سے فرماتے اس کی ترجمانی خود اپنے اس شعر میں فرمادیا ہے ؎

گیا میں بھول گلستاں کے سارے افسانے
دیا پیام کچھ ایسا سکوتِ صحرا نے

مگر اخیر عمر میں زیادہ تر ذکر قلبی کا ہی معمول تھا، تاہم کبھی تسبیح لے کر بھی پڑھتے تھے اور کبھی ذکر بالجہر کر کے ہم لوگوں کو بغرض تعلیم سناتے تھے۔

توکل علی اللہ: ماشاءاللہ آپ کو توکل علی اللہ کی دولت حاصل تھی، روزی کے معاملہ میں بہت مطمئن نظر آتے تھے، بلکہ کبھی فرماتے کہ ہماری یہ جیب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زنبیل ہے، جتنی ضرورت ہوتی ہے اسی سے نکال نکال کر خرچ کرتا ہوں، مخلوق سے استغنا کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی کہتا کہ حضرت! کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمایئے گا، تو فرماتے کہ اب تک تو اپنی ضرورت کا اظہار کسی سے کیا نہیں، ہاں اگر کوئی خلوص سے کوئی چیز پیش کرتا ہے تو قبول کر لیتا ہوں، بلکہ اگر کسی کے خلوص میں ذرا شک ہوجاتا تو ہدیہ واپس فرمادیتے اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔

ضیافت وخدمت: آپ مہمانوں کا بہت اکرام فرماتے تھے، اور ان کی ضیافت کا خاص اہتمام فرماتے تھے، اگر کوئی حضرت والاؒ کے وطن خاص پھولپور

پہنچ جاتا تو بدستِ خود کھانا، چائے، وغیرہ کے لانے میں تکلف وتوقف نہ فرماتے، اور بوقت رخصت دور تک خصوصاً علماء کو پہنچانے کا اہتمام فرماتے؛ بلکہ کبھی یہ شعر پڑھتے ؎

ترا آنا میرے احساس میں جانِ مسرت ہے
مگر جانا ستم ہے، غم ہے، حسرت ہے، قیامت ہے

شاعری: آپ کو اللہ تعالی نے شاعری کا نہایت عمدہ ذوق عطا فرمایا تھا، جس میں آورد سے زیادہ منجانب اللہ آمد کی شان تھی، اس لئے آپ کے اشعار نہایت پاکیزہ اور پندونصائح اور معرفت پر مشتمل ہوتے تھے، چنانچہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ جوفن حدیث کے علاوہ تاریخ وادب کے رموز سے بھی واقفیت رکھتے تھے، وہ ''عرفانِ محبت'' کی تقریظ میں یوں رقمطراز ہیں:

''مولانا کا منظوم کلام عامیانہ شاعری کے طرز پرنہیں ہے؛ بلکہ وہ ایک عارفانہ منظوم کلام ہے، مولانا کی شاعری کا عنصر گل وبلبل کی داستان یا ساغراور قلقل ومینا کی حکایت نہیں ہے، ان کی شاعری کا عنصر درس توحید، توقیر رسالت، دردمحبت، نورمعرفت، تسلیک وتربیت ہے، ان کی شاعری میں غالب کی شاعری کا نہیں بلکہ مولانا روم کی شاعری کا رنگ جھلکتا ہے''۔ (عرفان محبت: ۱۴)

آپ اپنے اشعار کو گاہے گاہے نہایت وجد وکیف سے پڑھتے تھے کہ سامعین بلا متأثر ہوئے رہ نہیں سکتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری، اعظمگڈھی ؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت ؒ آپ سے محبت فرماتے تھے اور

حضرت والاؒ کے گاؤں پھولپور بھی تشریف لے گئے تھے، انہوں نے حضرت والاؒ کو خطاب کرکے فرمایا: ہندوستان، پاکستان میں بہتوں سے اشعار سنے؛ مگر آپ کے پڑھنے میں جو مزہ ولُطف محسوس ہوا وہ دوسرے کے پڑھنے میں نہیں ملا۔

آپ کے اشعار کا مجموعہ ''عرفان محبت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس حقیر نے حضرت والاؒ ہی کی دعا وتوجہ سے آپ کے کچھ منتخب اشعار کی شرح لکھی اور حضرت والاؒ کی مرضی ومنشاء کی ترجمانی کی سعی کی، جو کافی ضخیم ہونے کی وجہ سے مستقل تالیف ہوگئی اور چھپ بھی گئی، اس کا نام حضرت والاؒ نے ہی ''فیضان محبت'' رکھا اور اس کو بار بار سن کر فرمایا کہ یہ طریق کی مکمل کتاب ہوگئی ہے، نیز فرماتے کہ ''عرفان محبت'' کی طباعت سے مجھے اتنی خوشی نہیں جتنی کہ ''فیضان محبت'' کی طباعت سے ہے، اس لئے کہ اس میں تم نے ہمارے کلام کو کتاب وسنت اور بزرگوں کے کلام سے مدلل کر دیا ہے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کو اس محبت وعنایت کی جزا دے اور کتاب کو قبول فرمائے۔آمین!

ارشادات مفیدہ: فرماتے تھے: یہ وقت گریہ وزاری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع وانابت کا ہے، اگر مسلمان آج بھی بیدار ہوجائیں، متحد ہوجائیں تو کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا، مگر مسلمانوں کو دیکھ لیجئے، کہ بداخلاقی کے شکار ہیں، ان کا معاشرہ غیر اسلامی ہوتا جارہا ہے، محبت اُٹھتی چلی جارہی ہے، انسانیت کا نشان مٹتا چلا جارہا ہے، گھر گھر جنگ وجدال کا دور دَورہ ہے، جو تعلقات فطری تھے (یعنی ماں، باپ، اولاد کے رشتے وتعلقات وغیرہ) وہ بھی خلل پذیر ہورہے ہیں، یعنی

ان میں بھی خرابی وبگاڑ پیدا ہورہا ہے، غرض ہر طرف آگ ہی آگ نظر آرہی ہے، زمین وسعت کے باوجود تنگ ہوتی جارہی ہے، انہیں حالات کی ترجمانی ان اشعار میں مولاناؒ نے فرمائی ہے جو بالکل حق اور صواب ہے ؎

محبت، مروّت، اطاعت ہے غائب پدر دیکھ لیجئے، پسر دیکھ لیجئے
محبت سے خالی بشر دیکھ لیجئے زمانہ سراپا ہے شر دیکھ لیجئے
نہ دوزخ سے خائف نہ جنت کے شائق عیاں ہے ضرر ہی ضرر دیکھ لیجئے
قیامت کے آنے میں اب دیر کیا ہے ستمگر ہے اب چارہ گر دیکھ لیجئے
نہ پُرکیف دن ہیں، نہ پُرکیف راتیں گناہوں کا اپنے اثر دیکھ لیجئے
نہیں جن کے پرواز کی انتہا تھی وہی اب ہیں بے بال و پر دیکھ لیجئے

ف: سبحان اللہ! کیسا عمدہ علاج ہے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا علاج ہو ہی نہیں سکتا، یعنی یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ، ہم مسلمان اختیار کریں تو اس کی برکت سے حالات خود بخود سازگار بلکہ خوشگوار ہوں گے، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

تر ہوئی باران سے سوکھی زمیں یعنی آئے رحمۃٌ لِلعالمین

فرماتے تھے: اگر ہم اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کرلیں تو اغیار بھی ہم پر مہربان ہوجائیں، بلکہ عجب نہیں کہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوجائیں، جیسا کہ پہلے ہو چکا ہے، مگر افسوس کہ مسلمان غفلت کی نیند سو رہے ہیں، لہو ولعب میں مشغول ہیں، غور فرمایئے کہ قبلۂ اول بیت المقدس یہودیوں کے قبضہ میں ہے، اس کے علاوہ

معلوم نہیں ان کے اور بھی کیا کیا عزائم اور منصوبے ہیں، مگر اس سے ذرا بھی عبرت ونصیحت حاصل نہیں کرتے۔

کبھی فرماتے کہ اگر آج مسلمان ایمانی اوصاف ونبوی اخلاق اپنے اندر پیدا کرلیں تو آج انتم الاعلون کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلیں، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے شامل حال ہوجائے، یہ کمال ایمان کے ساتھ مشروط ہے، کیونکہ انتم الاعلون کے ساتھ ہی ساتھ ان کنتم مؤمنین کا بھی ذکر ہے یعنی تم لوگ اعلیٰ وبرتر ہو، مگر اس شرط پر کہ کمال ایمان سے متصف ہو۔

فرماتے تھے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کتاب اللہ سے اپنا رشتہ قوی کریں، اس کی تلاوت کریں، اس کے احکام پر عمل کریں، پھر ہمارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا، اس لئے کہ قرآن پاک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جیتا جاگتا معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ؀ (یعنی ہم نے ہی قرآن پاک نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس کتاب کی لفظی ومعنوی کیسی حفاظت ہورہی ہے کہ اعدائے اسلام انگشت بدنداں ہیں، ظاہر ہے کہ اس کی حفاظت مسلمانوں ہی کے ذریعہ ہورہی ہے جو ہم پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ دوسرے طریقہ سے بھی حفاظت کا انتظام فرماسکتے ہیں، پس جس طرح قرآن کی حفاظت کھلے عام ہورہی ہے ویسے ہی اس کے حُفاظ وقرّاء وعلماء بلکہ تمام مسلمانوں کی اسی قرآن پاک کے طفیل قیامت تک حفاظت ہوتی رہے گی، رہی یہ بات کہ آج

مسلمانوں پر آفات ومصائب کی جو بھرمار ہے تو اس کی وجہ احکام قرآن کی خلاف ورزی اور اللہ تعالیٰ کی عام نافرمانی ہے۔

فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں عصبیت عام ہے، بہت کم لوگ اس سے محفوظ ہیں، ایک مرتبہ بیت اللہ شریف میں ایک چشتی اور ایک قادری سے بحث ہوگئی، تو چشتی نے غصہ میں آکر کہا ''عبدالقادر جیلانی کافر تھے'' اس پر قادری نے کہا کہ ''معین الدین چشتی کافر تھے'' العیاذ باللہ، بات کہاں سے کہاں پہنچادی، توبہ توبہ ! یہ ہے عصبیت کا انجام کہ اپنے بزرگوں ہی کو کافر کہنے لگے، توبہ توبہ!

فرماتے تھے کہ اصلاح باطن کے ساتھ ظاہر کے اصلاح کی بھی ضرورت ہے، کمال تو یہی ہے کہ جیسے باطن ٹھیک ہو ویسے ہی ظاہر بھی درست ہو، اس لئے کہ ظاہر کا بھی ایک مقام ہے، اور وہ باطن کا محافظ ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ جیسے پھل کا ایک چھلکا ہوتا ہے اور ایک گودا، دونوں مل کر پھل کہلاتا ہے، اور چھلکا گودے کا محافظ ہوتا ہے، مثلاً کیلے کا چھلکا ہے اگر اس کو گودے سے الگ کردیجئے، تو اس کا گودا جلد خراب ہوجائے گا، اس لئے چھلکے کی بھی ضرورت ہے، اسی طرح اگر صرف چھلکا ہی چھلکا ہو، گودا نہ ہو، تو اس کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے، ایسا ہی باہمی ربط وتعلق شریعت کے ظاہر وباطن میں بھی ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کی حاجت ہے، پس کمال کی بات یہ ہے کہ ظاہر وباطن دونوں پر عمل کرے۔

ف: ماشاءاللہ کس قدر نافع ارشادات ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے اثر لینے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

مکتوبات عالیہ

بنام ایں حقیر محمد قمر الزمان عفی عنہ

عزیز قلبی وروحی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا لفافہ ملا، پڑھ کر دلی مسرت ہوئی، تہ دل سے برابر آپ کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں، حق تعالیٰ آپ کو مع متعلقین صحت وسلامتی سے رکھیں۔

اللہ پاک آپ کو اپنا قرب خاص نصیب فرمائیں، اور اپنی محبت اور معرفت کی دولت سے مالا مال فرمائیں، ذکر وفکر میں لگے رہیں، ان شاء اللہ آپ کو روحانی ترقی نصیب ہوگی، آپ کی محبت سے دل بہت خوش ہے۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

ایک ہفتہ سے میری طبیعت خراب ہے، ریاحی تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے، جس کی وجہ سے کمزوری زیادہ ہوگئی ہے، دعا فرمائیں اللہ پاک کامل صحت عطا فرمائیں، اپنے گھر میں اور سب بچوں سے دعا کہہ دیجئے۔ نور چشم مقبول احمد سلمہ کا نام یاد ہے وہ یاد آتے ہیں، سب بچوں کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔

فقط دعا گو

محمد احمد پھولپوری

محرم الحرام ۱۳۹۰ھ

عزیز محترم و مخلصم سلمہ اللہ   سلام مسنون ودعائیں!

کل عزیزی نہال میاں آئے، مسرت ہوئی، آپ کا محبت نامہ ملا، پڑھ کر دل بہت متأثر ہوا اور بہت خوشی ہوئی، آپ بہت یاد آتے ہیں، آپ کے لئے برابر دل سے دعا کرتا ہوں، اللہ پاک آپ کو صحت وقوت عطا فرمائیں اور آپ سے زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت لیں، میں جسم سے دور ہوں مگر دل سے آپ کے قریب ہوں، اللہ کا شکر ہے کہ گھر میں سب خیریت ہے، عبداللہ میاں کی والدہ صاحبہ سے سلام مسنون ودعا کہئے، ان کی صحت کے لئے برابر دعا کرتا ہوں، اللہ پاک ان کو کامل صحت اور قوت عطا فرمائیں، سعید میاں، عزیز میاں، محبوب میاں یاد آتے ہیں، ان سب کے لئے دعا کرتا ہوں، عائشہ، صدیقہ، آمنہ، عبداللہ میاں، عبیداللہ میاں، ان کی والدہ سب سے سلام مسنون ودعا کہئے، ! آمنہ! تم بہت یاد آتی ہو، خدا پھر ملاقات کرائے۔

اپنا حال کیا تحریر کروں، اب مرض کی تکلیف پہلے سے زیادہ ہے، کمزوری بہت ہے، علماء اور عوام برابر آتے رہتے ہیں، کمزوری بہت ہے، اللہ پاک مدد فرما رہے ہیں، رات کو عجیب حال رہتا ہے، بہت بے چینی رہتی ہے، دل پر ریاح کا بہت اثر رہتا ہے، اللہ اللہ کر کے صبح ہو جاتی ہے، دوا کس کی کروں اور کہاں کروں، آنکھ کی روشنی بھی کم ہوگئی ہے، وکیل صاحب کچھ بہتر ہیں مگر رات دن بستر پر پڑے رہتے ہیں، مجھ کو کسی طرح آنے نہیں دیتے، میری وجہ سے ان کو بہت تسلی ہے، آپ کا سلام کہہ دیا اور یہ بھی کہ آپ ان کے لئے دعا کرتے ہیں، بہت خوش ہوئے، آپ کو سلام مسنون کہتے ہیں۔ اپنا ایک پرانا شعر لکھ کر

عریضہ ختم کررہا ہوں۔

اب غم ہی غم ہے ہائے مسرت سے دور ہوں
محسوس ہو رہا ہے سراپا قصور ہوں

دعا گو محمد احمد ۲۰/جنوری ۱۹۸۰ء

۱۹/جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ

عزیز محترم و مخلصم سلمہٗ سلام مسنون ودعائیں!

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو اور گھر میں سب خیریت سے ہوں، دبیر میاں آئے مسرت ہوئی، ان سے آپ کی خیریت معلوم ہوکر دل مسرور ہوا، اس مرتبہ محبت نامہ نہیں ملا، شاید مشغولی زیادہ تھی، پھر بھی آپ کے محبت نامہ کا برابر انتظار رہتا ہے، دبیر میاں سے بات کیا، کتاب ''ازالۃ الخفاء'' کی دونوں جلدیں اس وقت نہیں ملیں، وہ کہہ رہے تھے کہ واپسی کے بعد ''ازالۃ الخفاء'' کی دونوں جلدیں کسی آنے والے سے جلد بھیج دوں گا، میرا خط ان کو مل گیا ہے، جس میں میں نے ''ازالۃ الخفاء'' دوعدد طلب کیا تھا، ان شاء اللہ ان کی واپسی کے بعد کتاب آجائے گی، میرا دل خود چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو آپ کے پاس عمدہ سے عمدہ کتابیں جمع ہوتی رہیں، مجھے دلی مسرت ہوگی، میری صحت روز بروز زیادہ خراب ہوتی جارہی ہے، وکیل صاحب کا بھی وہی حال ہے، عائشہ، صدیقہ، آمنہ، ان کی والدہ سے دعا کہئے، سب کیلئے دعا کرتا ہوں۔

دعاءگو محمد احمد

باسمہ تعالیٰ

از پرتاپگڈھ

عزیز محترم و مخلصم سلمہ اللہ   سلام مسنون ودعائیں!

کل آپ کا محبت سے بھرا ہوا خط ملا، پڑھ کر دل بہت متأثر ہوا، آپ کی محبت اور خلوص کا دل پر بہت اثر ہے، تہ دل سے دعا کرتا ہوں، اللہ پاک آپ کو جلد کامل صحت اور قوت عطا فرمائے، بلغم میں جو ذرا سا خون آ گیا اس سے ذرا بھی متفکر نہ ہوں، نزلہ میں ایسا ہو جاتا ہے، والدہ عبداللہ میاں بالکل پریشان نہ ہوں، میں دل وجان سے دعا کر رہا ہوں، ان شاءاللہ آپ کو جلد کامل صحت عطا ہوگی، اب آپ کسی دوسرے کا علاج کریں، کوئی آنے لگے تو خیریت سے مطلع فرمائیں دل لگا رہتا ہے، میں آپ کو مطمئن کرتا ہوں، ان شاءاللہ جلد صحت ہو جائے گی، دعا کرتا ہوں، مدرسہ کو ترقی نصیب ہو، اللہ خیر و برکت عطا فرمائے، اللہ پاک آپ کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائیں، الحمدللہ آپ کی کوشش سے مدرسہ نے کافی ترقی کی ہے، مدرسہ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں، میری طبیعت برابر خراب چل رہی ہے، رات کو تکلیف زیادہ بڑھ جاتی ہے، گزشتہ شب ا ربجے آنکھ کھل گئی پھر عجیب حالت ہوگئی، الجھن و بے چینی بڑھ گئی، نیند اُڑ گئی، دل پر بہت اثر رہا، ۲ رگھنٹہ کے بعد الحمدللہ سکون ہو گیا، مرض اور کمزوری دونوں بڑھتی جارہی ہے، اللہ پاک رحم فرمائیں، اللہ پاک سب بچوں کو خوش وخرم رکھیں، عبداللہ میاں، عبیداللہ میاں، عائشہ بی بی، آمنہ سلمہا اور بچوں اور بچیوں سے بہت بہت دعا کہئے۔ والسلام

محمد احمد

اس حقیر نے حضرت مرشدی کو ایک عریضہ میں اپنے وظائف لکھے تھے جس کو اولیٰ بالحذف کے اصول کے تحت حذف کرتا ہوں ۔ ہاں جو وظائف حضرت نے ارقام فرمایا ان کو درج کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ ان جملہ وظائف پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے اور قبول فرمائے ۔ آمین

عزیز محترم و مخلصم ! سلام مسنون و دعائیں ۔

آپ کی محبت اور اخلاص کا دل پر بہت اثر ہے، دل سے دعا کرتا ہوں، ان سب دعاؤں اور جملہ اذکار مسنونہ کی اجازت آپ کو دیتا ہوں، سورۂ اخلاص کی دو تسبیح ،کلمہ توحید کی ایک تسبیح ،لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کی ایک تسبیح بھی شامل فرمالیں ،اللہ پاک ظاہری و باطنی برکتیں عطا فرمائیں، میں دل وجان سے دعا کرتا ہوں، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ صَلٰوةً دَائِمَةً بِدَوَامِ مُلْكِ اللّٰهِ ۔ درود شریف کی ۳/تسبیح بھی پڑھ لیا کریں۔ والسلام : محمد احمد

وفات : حضرت مولاناؒ کو ریاح کی شدید تکلیف عنفوانِ شباب ہی سے تھی، جس کا اظہار بار بار فرماتے تھے، مگر اسی حالت میں سب سے ملتے جلتے تھے، ضرورت مندوں کو تعویذ بھی دیتے تھے، مغرب بعد طالبین جمع ہوجاتے تو کچھ بیان بھی فرماتے تھے، مگر وفات سے کچھ دنوں پہلے مرض میں شدت پیدا ہوئی، آخر ۳/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو یکشنبہ کی شب میں دارِ آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

منصور علی پارک میں نماز جنازہ مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا

اشتیاق احمد صاحبؒ نے پڑھائی، کثیر تعداد میں لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے، پھر نہایت اعزاز کے ساتھ ہزارہا ہزار عاشقوں وشیدائیوں نے بروز یکشنبہ دوش بدوش شہرالہ آباد میں آرام باغ اکیلا آم نامی قبرستان تک پہنچایا، اور وہیں مجمع کثیر کے ہاتھوں تدفین عمل میں آئی ۔رَحِمَهُ اللهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَنَوَّرَ اللهُ مَرقدہٗ۔

آپ کے لوح مزار پر آپ ہی کا ایک شعر لکھا ہے جو آپ کی پوری زندگی کی صحیح ترجمانی ہے ۔

آتشِ عشق نے جلا ڈالا　　زندگی ہم نے مرکے پائی ہے

پسماندگان: آپ نے پانچ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے چھوڑے، مگر اب صرف والدہ محمد حارث ومحمد سالم باحیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ تا دیر سلامت رکھے۔آمین

محدث العصر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب [1] الاعظمی ؒ المتوفی ۱۴۱۲ھ

ولادت: آپ کی ولادت قصبہ مؤ ناتھ بھنجن ضلع مئو ۱۳۱۹ھ میں ہوئی، ’’اختر حسن‘‘ تاریخی نام تھا۔

والد ماجد: آپ کے والد ماجد کا نام محمد صابر تھا، (حیات ابوالمآثر: ص؍ ۷۷)

آپ نے مولانا عبدالغفار صاحب عراقی مئوی اور ان کے بھائی مولانا ابوالبرکات صاحب اور مولانا ابوالحسن صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، درسیات کی بیشتر کتابیں اسی خانوادۂ علم وادب کے بزرگوں سے پڑھ کر علوم مروجہ کی تحصیل کی اور مولانا ابوالحسن صاحب ؒ کی خدمت میں صحاح ستہ پڑھ کر ۱۳۲۹ھ میں سند فراغ حاصل کی۔

مولاناؒ کی تعلیم: حضرت مولانا کی تعلیم اپنے وطن مئو میں شروع ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور زیادہ کتابیں عربی کی حضرت مولانا عبدالغفار صاحب عراقی ؒ سے پڑھیں جو براہ راست حضرت گنگوہی ؒ کے شاگرد تھے، دوسال دیوبند میں گزارا مگر اپنی صحت کی ناموافقت کی وجہ سے کسی سال چھ سات ماہ سے زیادہ نہیں رہ پائے، علم حدیث کا ذوق محدث العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری ؒ کے درس سے پیدا ہوا، مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ

[1] مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب نے رسالہ ترجمان الاسلام کی خاص اشاعت میں حضرت محدث کے حالات لکھے ہیں، اسی سے مختصراً نقل کر رہا ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا درس حدیث اپنی مثال آپ تھا، طالب علم ایک سال میں حدیث کی سینکڑوں کتابیں، ان کی فنی حیثیت اور اسماء الرجال سے واقف ہوجاتا تھا، طالب علم جتنا مطالعہ کرکے جاتا تھا حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں اس پر نیا اضافہ ہی ہوتا تھا، اور اس سے ذہن کھلتا تھا، اور دماغ متأثر ہوا کرتا تھا۔

دورۂ حدیث کی تکمیل: آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کیلئے مدرسہ دارالعلوم مئو میں داخلہ لیا، اس زمانہ میں اس مدرسہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ رشید مولانا کریم بخش سنبھلی تھے، ان کے یہاں صحاح ستہ پڑھ کر ۱۳۴۱ھ میں آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی، پھر مولانا سنبھلیؒ ہی سے آپ نے معقولات کی اونچی کتابیں پڑھیں۔

تدریسی خدمات: تکمیل درسیات کے بعد دارالعلوم مئو ہی میں آپ کو درجۂ علیا کا مدرس بنادیا گیا، جہاں رہ کر آپ نے دوسال تک اونچی کتابوں کا درس دیا، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ نے یہیں آپ سے بہت ساری کتابیں پڑھیں اور حضرت مولانا محمد حسین بہاری مرحوم نے بھی اور دوسرے مشہور علماء نے بھی۔

اس کے بعد ۱۳۴۳ھ میں بحیثیت صدر مدرس آپ مدرسہ مظہرالعلوم بنارس منتقل ہوگئے، وہاں چندسال یعنی ۱۳۴۳ھ سے لیکر ۱۳۴۷ھ تک تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

پھر شوال ۱۳۴۷ھ میں آپ مدرسہ مفتاح العلوم مئو شاہی جامع مسجد کٹرہ میں بحیثیت شیخ الحدیث، صدر مدرس تشریف لائے، اس وقت سے لے کر ۱۳۹۹ھ تک برابر مفتاح العلوم مئو کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس رہے۔

۱۳۹۹ھ میں حضرت الاستاذ نے بعض اسباب کی بناء پر مدرسہ مفتاح العلوم سے علیحدگی اختیار فرمالی، اور اپنے محلہ پٹھان ٹولہ میں ایک وسیع وعالیشان مسجد کی تعمیر کرائی اور ساتھ ہی ساتھ مدرسہ مرقاۃ العلوم کی بھی بنیاد رکھی، جس کو ماشاءاللہ آپ کے خلف الرشید مولانا رشید احمد صاحب بخوبی چلارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مزید ترقی دے، آمین!

مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی اہم تحریر: مکرم مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی مدیر ''معارف'' ترجمان الاسلام ہی میں حضرت محدثؒ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

مولاناؒ کا مہتم بالشان کارنامہ: مولاناؒ کا مہتم بالشان کارنامہ احادیث کی بہت سی ان نادر مخطوطہ کتابوں کی اشاعت ہے جن کو تعلیق اور مفید حواشی کے ساتھ شائع کرکے اصحاب علم وتحقیق پر بڑا احسان کیا ہے، انہوں نے جن کتابوں کو ایڈٹ کیا ان پر عالمانہ مقدمے بھی لکھے ہیں، جن میں مصنف کے حالات وکمالات کے علاوہ ان موضوعات پر پہلے اور بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کے تذکرہ کے زیر اشاعت کتاب کی اہمیت وعظمت دکھائی ہے، حواشی وتعلیقات میں مختلف نسخوں کے فرق واختلاف اور متن میں درج آیتوں اور حدیثوں کی تخریج، رجال واسناد کی تحقیق، مشکل وغریب الفاظ اور مشکلات حدیث کی تشریح کی گئی ہے، اور دوسری مشہور ومتداول کتابوں کی حدیثوں سے زیر نظر کتابوں کی مطابقت یا اختلاف کو ظاہر کرکے ان کی صحت وخطا کا فیصلہ کیا ہے، شروع میں مخطوط کے بعض صفحوں کا عکسی فوٹو اور متعدد فہرستیں دے کر استفادہ ومراجعت کو

آسان کردیا ہے، اس طرح جو کتابیں مرتب کی ہیں ان کے نام یہ ہیں:

مسند حمیدی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، کتاب السنن، (حافظ سعید ابن منصور) کتاب الزہد والرقائق (عبداللہ بن مبارک) مجمع بحارالانوار (ملا محمد بن طاہر پٹنی، گجرات) الحاوی علی رجال الطحاوی، وغیرہ۔

آخر الذکر رجال طحاوی پر خود مولاناؒ کی بلند پایہ علمی وتحقیقی تصنیف ہے، اردو میں مولاناؒ کی بعض مشہور تصانیف یہ ہیں: اعیان الحجاج: ۲رجلدیں، نصرۃ الحدیث، رکعاتِ تراویح۔

مولاناؒ متبحر عالم اور بلند پایہ محدث تھے، اور اس حیثیت سے ہندوستان ہی نہیں؛ بلکہ عرب ملکوں میں بھی وہ بے نظیر تھے، فقہ حنفی پر بھی ان کی وسیع نظر تھی، جس کی تائید وحمایت میں پیش پیش رہتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے رکن تھے، اور شروع ہی سے مولانا اعظمیؒ کا تعلق دارالمصنفین سے بھی تھا جو آخر تک رہا، حضرت سید صاحبؒ ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے، اور اپنی بعض تحریروں کو اشاعت سے پہلے ان کے پاس بھیجتے اور ان کے مشورہ کے مطابق ان میں ردّوبدل بھی فرماتے۔

مولاناؒ اس برصغیر ہی نہیں؛ پوری اسلامی دنیا میں اپنے علمی ودینی کارناموں کی وجہ سے مشہور ومقبول تھے، انہوں نے کئی مسلم ملکوں کا علمی سفر بھی کیا تھا، عرب ممالک کے ممتاز فضلاء سے ان کے روابط تھے، شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ ان کے بڑے مدّاح تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ سے شرف بیعت: آپ کو بیعت کا شرف

وسعادت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے حاصل تھی، جیسا کہ خود آپ نے ''تذکرۂ مصلح الامتؒ'' حصہ اول کے مقدمہ میں ارقام فرمایا ہے، جس کو بعینہٖ نقل کرتا ہوں، وہ یہ ہے:

مسعود ومبارک لمحات

''وہ میری زندگی کے نہایت مسعود ومبارک لمحات ہیں جو خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں گزرے، مجھے حاضری کی سعادت پہلی بار اس وقت حاصل ہوئی جب دارالعلوم دیوبند میں طالب علمانہ زندگی بسر کررہا تھا، ۱۳۴۷ھ میں غالباً ذی الحجہ کی تعطیل میں حضرت تھانوی قدس سرہ کی زیارت کے مقصد سے حاضری ہوئی تھی، مگر خوش بختی سے بیعت کا شرف بھی حاصل ہوگیا، پہلے سے جانے پہچانے متوسلین میں اس وقت حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ اور خواجہ صاحبؒ (مجذوب تخلص) خانقاہ میں موجود تھے، مولانا فتحپوریؒ حضرت اقدس کی نشستگاہ کے پیچھے ایک تنگ حجرہ میں سامنے ذرا داہنے کو ہٹ کر بیٹھنے پر مامور تھے، اور وہیں حضرت کے ملفوظات قلمبند کرتے تھے، مولانا فتحپوریؒ کو کئی دن تک دیکھنے اور وقتاً فوقتاً اپنی قیام گاہ پر آنے جانے، ملنے اور بات کرنے کا موقع ملا، عصر کے بعد خانقاہ کے دروازے پر ایک چائے خانہ میں چائے پینے اور گفتگو کی بھی نوبت آئی، جس شب میں بعد نماز مغرب میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوا تھا، اس کے بعد والے دن میں غالباً بعد عصر حضرت مولانا فتحپوریؒ نے خواجہ صاحبؒ سے فرمایا کہ خواجہ صاحب! مولوی حبیب الرحمن صاحب سے مٹھائی وصول کرنی چاہئے، ان کو حضرت نے زمانۂ طالب علمی میں بیعت کرلیا،

حالانکہ حضرت ایسانہیں کیا کرتے، یہ ان کی خصوصیت ہے۔

(مقدمہ تذکرہ مصلح الامتؒ، حصہ اول، مؤلفہ مرتب عفی عنہ)

حضرت مصلح الامتؒ سے خصوصی تعلق تھا ہی۔مزید حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ سے بھی خاص تعلق تھا۔آپ کی زیارت کے لئے الہ آباد تشریف لاتے اور مدرسہ بیت المعارف الہ آباد میں کئی کئی دن قیام فرماتے، جس سے ہم خدام کو خوب استفادہ کی سعادت نصیب ہوتی۔فالحمدللہ تعالیٰ

اپنی سعادت: اللہ تعالی کا شکر ہے کہ حضرت محدثؒ اس حقیر کے ساتھ انتہائی محبت وعنایت کا معاملہ فرماتے تھے اور دیر دیر تک خصوصی باتیں فرماتے تھے اور اتفاق ایسا کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں جب تشریف لاتے تو عموماً اس حقیر ہی کو خدمت کی سعادت نصیب ہوتی اور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی زیارت کیلئے آتے تو اس حقیر کو ہی خدمت کا موقع نصیب ہوتا، اور آپ کی بھی عنایت کا یہ حال تھا کہ ایک سال حج کے موقع پر فرمایا کہ اگر موقع ہو تو میرے ساتھ حج کے لئے چلو، اخراجات کی فکر نہ کرنا، نیز اللہ تعالی کا فضل اور آپ کی محبت تھی کہ آپ نے اس حقیر کو سند حدیث کی دولت سے مشرف فرمایا اور ''تذکرہ مصلح الامتؒ'' حصہ اول پر نہایت جامع مقدمہ تحریر فرمایا، جس کو علماء نے پسند کیا اور سراہا۔

یہ حقیر جب بھی اپنے وطن گھوسی ضلع مئو جاتا تو حضرت محدثؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ایک مرتبہ حاضر ہوا تو سر جھکائے اپنے تعلیق وتحقیق کے اہم کام میں مشغول ومنہمک تھے، میں بیٹھ گیا، کچھ وقفہ کے بعد سر اٹھایا، سلام ومصافحہ کے بعد فرمایا: دیکھو! ہمارا کام کس قدر محنت کا ہے، اب بھی اتنی محنت کرتا ہوں، مگر لوگ

اس کی قدر نہیں کرتے، کسی نے ایک کارڈ سے بھی اس کی تحسین نہ کی۔

جلسہ ''اصلاح المسلمین'' الہ آباد میں تین نصیحتیں: الہ آباد میں جلسہ ''اصلاح المسلمین'' بہادر گنج جو عرصۂ دراز سے قائم ہے اور اس میں اکابرین وقت علماء عظام تقریر وخطابت کے لئے تشریف لاتے رہتے ہیں، غالبًا ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ بھی اس جلسہ میں تشریف لائے اور جب بیان کے لئے درخواست کی گئی تو آپ نے مجمع کو خطاب کرکے فرمایا کہ مجھے طویل بیان نہیں کرنا ہے،صرف دوتین گزارش آپ حضرات سے کرنی ہے،آپ نے بالخصوص علماء کوخطاب کرکے فرمایا:

ایک بات تو یہ ہے کہ جوحضرات تقریر وبیان کرتے ہیں ان سے میری گزارش ہے کہ پورا خطبہ مسنونہ یعنی نحمدُہٗ ونستعِینُہٗ ونستغفرُہٗ امّابعدُ تک پڑھا کریں؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیان سے پہلے اسی خطبہ کو پڑھا کرتے تھے۔

دوسری بات یہ کہ وعظ وتقریر کے دوران جو حدیث بیان کی جائے، اس پرراوی صحابی کا نام ضرور ذکر کیا کریں،مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تیسری بات یہ کہ بعض لوگ دینی باتیں بیان کرتے ہیں اور تقریر کے آخر میں بطور معذرت کہتے ہیں کہ میں سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں، بھلا دین کی باتیں بھی سمع خراشی کا سبب ہوسکتی ہیں؟ یہ دینی باتوں اور وعظ وتقریر کے ساتھ بے ادبی ہے،اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

انہی مختصر نصیحتوں پر حضرتؒ نے اپنا بیان ختم فرما دیا۔

ف: ماشاءاللہ! یہ تین نصیحتیں طویل سے طویل بیانات سے زیادہ مفید ونافع ہیں، خاص طور سے ان لوگوں کے لئے جو بیان میں بلاتحقیق حدیثیں نقل کرتے ہیں، یا لوگوں کے سامنے بلاسوچے سمجھے ان کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ان کو ضرور بالضرور اس سے احتراز کرنا چاہئے۔(مرتب)

نعتِ پاک

آپ کے فرمائے ہوئے ایک نعت پاک کے چند اشعار پیش خدمت ہیں، ان کو صدق وخلوص سے ملاحظہ فرمائیں۔حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ تو یہ اشعار بہت ہی شوق سے سماعت فرماتے تھے۔

وہ جہاں کا رمز وجود ہے، وہ مدارِ کارِ نظام ہے
وہ خدا کی شانِ جمال کا، بخدا کہ مظہر تام ہے

کرو یاد معرکہ بدر کا، پڑھو فتح مکہ کا واقعہ
وہ خدا کا قہر وجلال تھا، یہ نبی ﷺ کی رحمتِ عام ہے

سبھی انبیائے کرام کا ہے، مقام سب سے بلند تر
وہ ہلال چرخ کمال تھے، مِرا شاہ بدر تمام ہے

جو غذائے روح وسکونِ دل ہے، اُنہی کی پاک حدیث ہے
جو مریض دل کے لئے شفا ہے، اُنہی کا پاک کلام ہے

جو مجھے ملا وہ ملا اُنہی کی نگاہِ لطف وکرم سے ہے
قلم وزبانِ حبیب کیا ہے، اُنہی کا فیض دوام ہے

ف: ماشاء اللہ کیا خوب نعت پاک ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

وفات: بیماری کا سلسلہ عرصہ سے چل رہا تھا، ۱۰؍رمضان المبارک سنہ ۱۴۱۲ھ کا دن گذار کر جب گیارہویں رمضان المبارک کی شب شروع ہوئی تو غروب آفتاب کے بعد ہی علم و فضل کا یہ آفتاب بھی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ریلوے اسٹیشن کے میدان میں تقریباً دو لاکھ آدمیوں نے نماز جنازہ ادا کی اور آپ کی تعمیر فرمودہ مسجد و مدرسہ کے قریبی احاطہ میں مدفون ہوئے۔

نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ[1] پشاوری المتوفی ۱۴۱۲ھ

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت آزاد قبائل سرحد کے علاقہ مہمند کے موضع قطئ میں غالباً ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں ہوئی، والد ماجد کا اسم گرامی جان محمد تھا۔

ابتدائی تعلیم: حضرت مولاناؒ کے عہد طفلی میں قبائلی علاقے تعلیم کی سہولتوں سے عاری تھے، شاذ و نادر ہی مساجد میں ابتدائی دینی تعلیم کا انتظام ہوتا تھا، موضع قطئ میں یہ بھی نہ تھا، اس لئے آپ کے والد ماجد دینی تعلیم کے لئے آپ کو موضع ابراہیم زئی لے گئے، جہاں ان کے بعض اقارب مقیم تھے، وہاں اپنے لختِ جگر کو ایک افغانی اُستاذ کے سپرد کر دیا، مولانا نے ان سے قرآن کریم اور چند ابتدائی کتابیں پڑھیں، نیز دوسرے افغانی استاذ سے قدوری و کنز وغیرہ کتابیں پڑھ لیں، تو آپ کو چھچھ ضلع اٹک بھیج دیا، وہاں بھی کچھ درسی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد والد صاحب کے حکم سے امرتسر تشریف لے گئے، وہاں حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری کے مدرسہ نعمانیہ میں داخلہ لیا اور وہیں تعلیم مکمل فرمائی اور وہیں سے درس نظامی کی سند حاصل کی۔

حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضری: آپ پہلی بار ۱۳۴۹ھ

---

[1] حضرت الحاج مکرم عشرت علی خاں قیصر خلیفۂ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے آپ کی سوانح ''فیض حسن واشرف'' مؤلفہ مولانا سید نجم الحسن تھانوی بھیجی اسی سے اخذ کر کے مولاناؒ کے مختصر حالات وارشادات نقل کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ دونوں ہی حضرات کو جزائے احسن واشرف عطا فرمائے۔ آمین!

میں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی معیت میں حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ آپ کی عمر سترہ (۱۷) سال کی تھی۔

چنانچہ اس پہلی ہی حاضری میں آپ پر ایسا گریہ کا حال طاری ہوا کہ آخر عمر تک نہ تھما، اس سفر سے جب امرتسر کے لئے واپسی ہوئی تو حضرت حکیم الامتؒ کی وجہ سے سارے راستے گریہ وزاری کا حال طاری رہا، اور امرتسر پہنچنے کے بعد بھی کئی دن تک یہی کیفیت غالب رہی، گو حضرت مفتی صاحب بہت تسلی دیتے رہتے تھے، لیکن آپ کا تو یہ حال تھا۔

ٹھہرے گا دل، تھمیں گے اشک، آہ مگر ابھی نہیں
غم ہے، یہ دل لگی نہیں، رونا ہے یہ، ہنسی نہیں

اس دل زار سے مفر، عشق میں جیتے جی نہیں
رونا ہے مجھ کو عمر بھر، غم مرا عارضی نہیں

الغرض یہ گریہ آپ کا حال بلکہ مقام بن گیا، بسا اوقات جب گریہ کا غلبہ ہوتا تو آپ عشاء سے صبح تک حضرت مفتی صاحب کے دولت کدہ کے دروازے کے متصل پڑے روتے رہتے تھے، جب مفتی صاحب باہر تشریف لاتے تو آپ کو تسلی دیتے اور اپنے ساتھ مدرسہ لے جاتے، تاکہ دل بہل جائے۔ (فیض حسن واشرف: ص/۴۶)

حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت واجازت: آپ جب تعلیم سے فارغ ہوگئے تو حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست پیش کی؛ چنانچہ آپ کے صدق طلب کو ملاحظہ فرما کر بیعت کی نعمت سے مشرف فرمایا اور خاص توجہ فرمائی، اس لئے آپ نے بہت جلد مقامات

سلوک طے کرلیا، اور حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے بیعت وتلقین کی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، اور خود حضرت اقدس حکیم الامتؒ نے آپ کے گریہ کی کثرت کی وجہ سے بَکّاء (بہت رونے والا) کا لقب دیا، اور اپنی مجلس کی رونق فرمایا کرتے تھے، نیز فرماتے تھے کہ فقیر محمد مذہباً حنفی اور مزاجاً چشتی ہیں۔

چونکہ مولاناؒ کو اپنے شیخ مولانا تھانویؒ سے بیحد محبت ومناسبت تھی، اس لئے موقع بموقع ان کے ملفوظات نقل فرمایا کرتے تھے، جن کو مؤلفؒ نے جمع فرمایا ہے چونکہ وہ نہایت مفید ہیں، اس لئے یہ حقیر بھی ان میں سے چند کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

ارشادات: (۱) امید ورجاء وہی ہے جو عمل صالح کے ساتھ ہو، ورنہ غرور (دھوکہ) ہے۔

(۲) مسلمان کو گناہ کرتے وقت اللہ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس فعل کی وجہ سے اللہ تعالی ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا، یہ خیال ساری لذتِ گناہ کو مکدّر کردیتا ہے، اس لئے گناہ میں پوری لذت نہیں مل سکتی۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب بات ارشاد فرمائی، اسی بنا پر ہمارے مرشد مولانا شاہ وصی اللہ صاحب بھی کبھی فرماتے کہ مسلمان کا نفس مطلقاً امّارہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ مسلمان گناہ کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ ضرور اپنے اوپر ملامت کرتا ہے، لہذا مومن کا نفس لوّامہ ہی ہوتا ہے، پورے طریقہ پر امّارہ نہیں۔ (مرتب)

(۳) مواقع تہمت سے بچنا ضروریات میں سے ہے۔

ف: خصوصاً علماء کو تو بہت بچنا چاہئے، اس لئے کہ اس کا ضرر لازمی ہی نہیں؛

بلکہ متعدی ہوتا ہے، یعنی دوسرے لوگ بھی ان سے بدگمان ہوکر اس سے دوری اختیار کر کے اپنا نقصان کرتے ہیں۔ (مرتب)

(۴) جو شخص فضولیات میں مبتلا ہوگا وہ کبھی ضروریات کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا، یہ تجربہ کی بات ہے۔

ف: ظاہر ہے کہ بیک وقت دو متضاد شے کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی۔ (مرتب)

(۵) جو شخص بیمار ہو اور دل کو پریشان پائے تو سمجھ لے کہ اس کے حق میں یہ بیماری مصیبت ہے، اور اگر بیماری کی حالت میں دل پریشان نہیں بلکہ صابر، شاکر و مطمئن ہے تو یہ بیماری اس کے لئے ہرگز مصیبت نہیں بلکہ رفع درجات کا سبب ہے، خوب سمجھ لو۔

ف: سبحان اللہ! کیسی واضح حقیقت بیان فرمائی کہ ہر شخص اپنی بیماری و پریشانی میں اس کسوٹی پر اپنے کو پرکھ سکتا ہے، کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا حال کیا ہے، بس دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کمزوروں کو پریشانیوں اور بیماریوں میں ثابت قدم رکھیں، اور صبر و شکر کی توفیق دے کر اس کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین! (مرتب)

(۶) عورت کے پردے کا منشا حیاء ہے، اور حیاء عورت کیلئے امر طبعی ہے، اور امر طبعی کے خلاف کسی کو مجبور کرنا باعث اذیت ہے، پس عورتوں کو پردے میں رکھنا ان پر ظلم نہیں؛ بلکہ حقیقت میں ان کی فطرت کے مطابق ہے۔ (فیض حسن واشرف: ص: ۸۲)

ف: ہاں اگر کوئی عورت اپنی فطرت ہی کو فاسد کردے تو اور بات ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں ہورہا ہے جس کا ہر شخص کو اس کا مشاہدہ ہورہا ہے۔ (مرتب)

(۷) فرمایا کہ اتحاد واتفاق کی جڑ تواضع ہے، اور تواضع کی اصل مجاہدۂ نفس ہے، کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیازمند، ذرۂ بے مقدار کہہ دیا، بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر تم کو ذرۂ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر کوئی برا بھلا کہے اور حقیر وذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو، اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہی ہے، پھر کیوں بُرا مانتا ہے، تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے، کہ مدح وذم برابر ہوجائے، مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہوجائے کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو ہی نہیں سکتی۔

ف: حضرت حکیم الامتؒ نے کیا ہی خوب حقیقت بیان فرمائی جس سے مسئلہ واضح ہوگیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

(۸) فرمایا: واللہ اقرارِ خطا سے عزت اور بڑھ جاتی ہے، کچھ نہ ہو تو یہ تو ضرور ہے کہ اقرار خطا میں رضاء الٰہی ضرور ہے؛ کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ تَرَكَ الْجِدَالَ وَالْمِرَاءَ بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (مشکوۃ شریف، حدیث/۴۷۳۱)

(یعنی جس نے لڑائی جھگڑا ترک کردیا اس کیلئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔)

(۹) فرمایا کہ تواضع کے یہ معنیٰ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی اپنے سے نفی کرے، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنا کمال نہ سمجھے، نہ اپنے کسب کا ثمرہ سمجھے، بلکہ محض فضل ورحمت حق سمجھے۔

(۱۰) فرمایا: اے طلبائے مدرسہ! تمہارا فخر یہ ہے کہ جس جماعت میں تمہارا شمار ہے تم اسی کی اصلاح اور وضع وطرز کو اختیار کرو، تمہاری عزت اسی میں ہے، اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ ہوئی تو کیا پرواہ ہے، خالق کے یہاں تو ضرور عزت ہوگی، تم کو تو ایسی تواضع اور پستی اختیار کرنی چاہئے کہ تمام دنیا پستی اور تواضع میں تمہاری

شاگرد ہوجائے، اورتم اس شعر کے مصداق ہوجاؤ، اور ببانگ دہل یوں کہو ؎

افروختن وسوختن وجامہ دریدن
پروانہ زمن، شمع زمن گل زمن آموخت

(یعنی پروانہ نے جلنا، شمع نے روشن ہونا، اور پھول نے گریبان چاک کرنا مجھ سے سیکھا ہے۔)

غرض تم ایسے متواضع ہوجاؤ کہ ہر چیز میں تمہاری تواضع کا اثر ظاہر ہو، تم کو ظاہری اسباب عزت کی ضرورت نہیں، انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو گو ظاہر میں فقیر ہو۔

(۱۱) تم کسی کی تحقیر کی پروانہ کرو، اگر کوئی لباس پر طعن کرے، کرنے دو، کوئی تمہارے طرز میں عیب نکالے، نکالنے دو، تمہارے لئے اللہ کی رضا کافی ہے، تم ان کو راضی کرنے کی فکر کرو، اور یاد رکھو کہ عاشق کی ملامت ہوا ہی کرتی ہے، تم اللہ تعالیٰ کے عاشق بننا چاہتے ہو تو ملامت سننے کے لئے تیار رہو، اپنے لئے کوئی خاص وضع نہ بناؤ، جو محبوب دے پہنو، شال دے شال اوڑھو، کمبل دے کمبل اوڑھو، اور ہر حال میں خوش رہو مگر حدود شرعیہ سے باہر نہ جاؤ۔

ف: سبحان اللہ! طلبہ کو کیسی عمدہ نصیحتیں فرمائیں جو صفحات قلوب پر لکھے جانے کے قابل ہیں، بلکہ لائحہ عمل بنانے کے لائق ہیں، اخیر میں تو غایت عبدیت کی بات ارشاد فرمائی کہ ہر حال میں خوش رہو اور کوئی خاص وضع اپنے لئے نہ بناؤ، یہی تو عبدیت و بندگی ہے۔ (مرتب)

(۱۲) فرمایا کہ تم اپنے آپ کو مٹادو، گمنام کردو، سب سے الگ ہوجاؤ، تو پھر

تمہاری محبوبیت کی یہ شان ہوگی کہ تم چُپ ہوگے اور تمام مخلوق میں تمہارا آوازہ ہوگا، جیسے عنقاء نے اپنے کو مٹایا تو اس کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ مخلوق کی زبان زدہے۔ (ص:۱۷۴)

ف: شیخ العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

میں تو نام و نشاں مٹا بیٹھا　　میرا شہرہ اُڑادیا کس نے

اسی کو حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ یوں فرمارہے ہیں: ؎

جس نے اپنا مٹایا نام ونشاں　　ہفت اقلیم کا بنا سُلطاں

اپنی خوش نصیبی: الحمد للہ یہ حقیر ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں حج کے لئے گیا تو مدینہ منورہ میں متعدد بار آپ کی زیارت کا شرف نصیب ہوا، ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ایک مقام پر تشریف فرما تھے، یہ حقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی تو بہت ہی انشراح اور یکسوئی کے ساتھ اس حقیر کیلئے طویل دعائیں فرمائیں، امید ہے کہ اس نیک بندے کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے ضرور قبول فرمایا ہوگا۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

نیز ہمارے لئے خوشی کی بات ہے کہ آپ کے خلیفہ حضرت الحاج نواب عشرت علی صاحب قیصر سے جب جب وہ حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں الہ آباد تشریف لائے تو ملاقات کا موقع نصیب ہوا، ان کی اہلیہ محترمہ سے ہماری اہلیہ سے بھی ملاقات ہوئی جو ہمارے لئے خوش نصیبی ہے۔ فللہِ الحمد والمنة۔

وفات: حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی وفات ۲۱ یا ۲۲/ربیع الاول ۱۴۱۲ھ مطابق ۱/۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو پشاور میں ہوئی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ

حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیو بندیؒ المتوفی ۱۴۱۲ھ

نائب مہتمم دارالعلوم دیو بند

حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیو بندیؒ دارالعلوم دیو بند کے نائب مہتمم، صدرالمدرسین اور مقبول ترین استاذ تھے۔ علمی وانتظامی صلاحیتوں میں بہت ممتاز تھے۔ آپ نے تقریباً چالیس سال تک دارالعلوم میں تدریسی وانتظامی خدمات انجام دیں۔

ابتدائی حالات: مولانا معراج الحق صاحب ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں مرکزعلم وفن دیو بند میں پیدا ہوئے اور یہاں کی علمی وروحانی فضا میں پرورش وپرداخت پائی، آپ کے والد منشی نورالحق صاحبؒ نہایت دیندار اور خداترس انسان تھے، انھوں نے ابتداء ہی سے آپ کی اچھی تربیت کی طرف مکمل توجہ دی، جس کے نتیجہ میں آپ نے ایک ممتاز طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیو بند میں رہ کر علوم ومعارف کے سمندر میں خوب غواصی کی اور اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیو بند سے فارغ ہوئے اور اساتذہ کرام کے مشورہ سے حیدرآباددکن کے گلبرگہ شہر میں واقع ایک مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دینا شروع کیا۔ آپ نے وہاں اپنی فطری ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے درس وتدریس میں خوب کمال حاصل کیا اور ایک کامیاب مدرس کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے۔

دارالعلوم دیوبند میں: دارالعلوم کے ارباب حل وعقد نے آپ کے اندر چھپے گوہر کو پہچان کر تدریسی خدمات کے لئے آپ کو دارالعلوم بلالیا۔ یکم محرم ۱۳۶۳ھ سے آپ نے دارالعلوم دیوبند کو علم وفن کی جولان گاہ بنایا اور بہت ہی کم عرصہ میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بنیاد پر طلبہ اور اساتذہ میں مقبولیت حاصل کرلی۔ فقہ میں خاص طور سے آپ کو مکمل درک حاصل تھا۔ ہدایہ آخرین کا سبق آپ کا بے حد مقبول ہوا کرتا تھا۔ زندگی کے آخری لمحات تک ہدایہ آپ سے متعلق رہی، پیچیدہ اور مشکل مسائل کو آسان طریقہ سے حل کرکے طلبہ کو مطمئن کردینا آپ کے درس کا خصوصی امتیاز ہوا کرتا تھا۔ تفسیر بیضاوی جیسی مشکل ترین کتاب کو بھی بہت آسان طریقہ سے حل کرکے طلبہ کے سامنے پیش فرمادیتے تھے۔

آپ کے اندر انتظامی صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ ایک طویل عرصہ تک آپ ناظم دارالاقامہ رہے اور طلبہ کے ضروری مسائل کا حل بحسن وخوبی نکالتے رہے، اگرچہ آپ کے چہرہ پر ہمہ وقت بشاشت ورعنائی رہا کرتی تھی لیکن پھر بھی طلبہ پر رعب واثر اس قدر تھا کہ آپ کی آواز سنتے ہی طلبہ پر سناٹا چھا جاتا تھا۔ علمی وفنی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے ۱۱ر شوال ۱۳۸۶ھ کو حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ کے انتقال کے بعد نیابت اہتمام کے باوقار عہدہ پر آپ کو مقرر کیا۔ آپ نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی نیابت کا بھرپور حق ادا کیا اور ہر موڑ پر حضرت قاری صاحبؒ کے بہترین معاون ثابت ہوئے۔ آپ کی حسن کارکردگی سے دارالعلوم کے ارباب شوریٰ بہت متأثر ہوئے اور ۱۴۰۱ھ میں (حضرت مولانا فخر الحسن

مرادآبادیؒ کے انتقال کے بعد) باضابطہ طور پر آپ کو صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز کردیا۔ آپ زندگی کے آخری لمحہ تک اس موقر عہدہ پر برقرار رہے اور اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

یہ آپ کے خلوص وللّٰہیت کی علامت تھی کہ آپ دارالعلوم میں درس وتدریس کے ساتھ مفوضہ انتظامی امور بھی ہمیشہ انجام دیتے رہے اور کبھی کسی عنوان سے آپ کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ آئے دن طلبہ، اساتذہ اور منتظمین میں آپ کی قدر ومنزلت بڑھتی ہی گئی۔ آپ ہمیشہ دوسروں کے کام آتے، خاص طور سے طلبہ کے مسائل کو حل کرنے میں آپ کو خاص دلچسپی تھی۔

وفات: زندگی کی ۸۳/ بہاریں دیکھنے کے بعد یہ آفتاب علم وفن ۷/ صفر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۸/ اگست ۱۹۹۱ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔ نور اللہ مرقدہ

(دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ، مرتبہ مولانا محمد اللہ صاحب قاسمی: ۵۴۳)

ف: حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے تھا جس کی وجہ سے خاص شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ ۱۹۷۸ء میں جب کہ یہ حقیر حج کے لئے گیا تھا تو دار مولوی امجد اللہ گورکھپوری میں ساتھ ہی مقیم تھے۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ بھی ساتھ تھے۔ اس سفر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی مجلس میں تقریباً دوماہ شرکت کا برابر موقع نصیب ہوتا رہا۔ فللہ الحمد والمنہ

حضرت داعی محمد محمود صواف عراقی متوفی ۱۴۱۳ھ

تعارف: استاذ صواف اسلام کی عظیم شخصیات میں سے تھے۔ وہ ایک داعی اور مجاہد تھے۔ صرف عالم عرب کے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے پیمانے پر مشہور تھے۔ مجھے ان کی شاگردی اور کسب فیض کا شرف حاصل ہے ان کے راستے اور طریقۂ کار کو اپنانے اور چالیس اور پچاس کی دہائی میں عرب ممالک کے بہت سے دوروں میں ان کے ساتھ رہنے کی سعادت بھی مجھے ملی ہے۔ (عقیل عبداللہ)

ولادت: استاذ محمد محمود صواف یکم شوال ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۵ء کو عراق کے شہر موصل میں پیدا ہوئے۔ مشہور قبیلہ ''شمر'' کی شاخ ''طی'' سے ان کا تعلق تھا۔

تعلیم وتربیت: اس گھر میں ان کی پرورش ہوئی، جو علم و جہاد کا مرکز تسلیم کیا جاتا تھا۔ انہوں نے فاضل شیخ عبداللہ نعمہ، شیخ صالح جوادی اور عراق کے منفرد عالم شیخ امجد زہاوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

مدرسہ فیصلیہ میں تعلیم حاصل کی پھر ۱۹۴۳ھ میں ازہر میں داخلہ لیا۔ دوران تعلیم تمام درجات میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ عربی صحافت میں ان کی فراغت پر ہنگامہ برپا تھا۔ ایسا اس وقت ہوا جب ازہر میں چھ سالوں میں ہی وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ کیونکہ انہوں نے عالمیت چار سال کے بجائے دو سالوں میں اور تخصص دو سالوں کے بجائے ایک ہی سال میں کرلیا تھا۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے شیخ الازہر مصطفیٰ مراغی نے کہا '' بیٹے! تو نے معجزہ جیسا کارنامہ انجام دیا ہے اور ازہر

میں تونے وہ سنت قائم کی ہے، جواب تک نہیں تھی۔'' (عالم اسلام کی عالمی شخصیات ۲۰۷)

علمی ودعوتی سرگرمیاں: قومی خدمت، مساجد اور جمعیتوں میں اسلام کی رہنمائی میں مشغول رہے۔موصل کی 'جمعیة الشبان المسلمین (جمعیت برائے نوجوانان اسلام)' سے منسلک ہوگئے اور یہاں 'جمعیة الامر بالمعروف والنھی عن المنکر' کو قائم کیا،اسی طرح علماء عراق کے شیخ امجد زہاوی کے ساتھ مل کر'جمعیة الاخوة الاسلامیه (جمعیت برائے اخوت اسلامی)' کی بنا رکھی،جس نے زندگی کے مختلف گوشوں میں دعوت الی اللہ کے سلسلے میں مرکزی کردار انجام دیا۔

بغداد میں اعظمیہ کے کلیة الشرعیہ میں مدرس کی حیثیت سے کام کیا۔ استعماری معاہدوں کے خلاف ہونے والے قومی مظاہروں کی قیادت کرتے تھے۔ اسی طرح مسئلہ فلسطین اور القدس کی مہم میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا۔کیونکہ انھوں نے شیخ زہاوی کے ساتھ'جمعیة انقاذ فلسطین (جمعیت برائے آزادی فلسطین)' کی بِنا ڈالی تھی،جس کے چند مجاہدین اوراس وقت کے اسلام کے سب سے اہم مسئلے کیلئے کوشاں افراد شامل تھے۔اس جمعیت نے مال جمع کیا،رضا کاروں کو تیار کیا اور وطن،عزت اور مقدسات کی حفاظت کیلئے اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش فرمانے والوں کو پیش کیا۔اسی جمعیت نے عالم اسلام کی کانفرنس کے ساتھ مل کر ۱۹۵۳ء میں''القدس کانفرنس'' کا انعقاد کیا۔ماشاءاللہ۔(عالم اسلام کی علمی شخصیات ۲۱۰)

سامراج اور صہیونیت سے جنگ: استاذ صواف علی الاعلان حق بات کہتے،مسلمانوں کو اپنے دین کی طرف پلٹنے پر اکساتے اور فلسطین کو نجات دلانے کی غرض سے حوصلوں اور جذبات کو بیدار کرتے تھے۔اس وقت جب کہ

۱۹۴۷ء میں ظالمانہ تقسیم کی رپورٹ شائع ہوئی اور جمیعۃ انقاذ فلسطین کی بنا ڈالی گئی تو جہاد کی طرف پیش قدمی کی، فوجوں کو تیار کرتے، مجاہدین کو تیار کر کے روانہ کرتے، ان کے تعاون کے لیے مال جمع کرتے، اسی طرح وہ اور ان کے ساتھیوں نے عراق میں معاہدہ جبر کو ختم کرانے میں حصہ لیا۔ یہی معاملہ اور یہی صورت حال ہر جگہ کے مجاہدین کے ساتھ رہی۔

آپ کی جرأت: استاذ صواف مردانگی اور بہادری کے کسی موقف میں پیچھے نہیں تھے۔ وہ نیک دل اور کشادہ دست تھے۔ جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا تھا اسے وہ اسلام اور مسلمانوں کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے۔ اس بات کی شہادت ہر وہ شخص دے سکتا ہے، جو ان کو قریب سے جانتا ہے، ان کے ساتھ رہا ہے، یا سفر اور دورے میں اس کو ان کی رفاقت نصیب ہوئی ہے:

عمر کے آخری دس سالوں میں افغانی جہاد کے لیے انہوں نے اپنی تمام تر کوششوں کو لگا دیا، جو ان پر ہر طرح سے حاوی ہو چکا تھا۔ یہ مسئلہ سب سے اہم اور سب سے بڑا مقصد بن گیا تھا، جس کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں وہ لگا رہے تھے اور پوری امت مسلمہ کو مجاہدین افغان کی مدد، ان کے تعاون اور اسلامی جہاد میں ان کا سہارا بننے کی دعوت دے رہے تھے۔ مجاہدین کی جماعتوں اور قائدین کے درمیان صلح و مصالحت کی کوششوں کا دشمنوں کے برپا کردہ فتنوں کو کچلنے میں بڑا اہم رول تھا۔ ان کی تقریریں، خطبات اور نصیحتیں حاضرین کو رلا دیتی تھیں اور دلوں سے کینے کو ختم کر دیتی تھیں۔ چنانچہ سب کے سب اخلاص اور روحانیت کی فضا میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور باہم تعاون کرنے والے بھائی بھائی بن جاتے تھے۔ کبر سنی، ضعف

جسم اور ہڈیوں کے گل جانے کے باوجود ان کی روح جوان تھی، ان کا ارادہ نرم نہ پڑتا نہ دشواریوں اور لالچ کے سامنے کمزور پڑتا۔ **ذلک فضل اللہ یو تیه من یشاء۔**

ف: سبحان اللہ کیا خوب جذبات صادقہ وکاملہ تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب میں عطا فرمائی تھی۔ کہ جس سے عملی میدان میں پیش پیش رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اسکی توفیق دے آمین۔ (مرتب)

دعا برائے استاذ: اللہ تعالیٰ ہمارے استاذ صواف پر رحم فرمائے۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین انعام سے نوازے، جس سے اپنے صالحین کو نوازتا ہے۔ علماء امت اور اس کے داعیوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور پیغام حق پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ راہ طویل اور سفر پُر مشقت ہے اور مخلصین کی تعداد بہت تھوڑی ہے لیکن اللہ پر بھروسہ، اس پر اعتماد، اس سے استعانت، اسباب کو اختیار کرنا اور راستے کی دشواریوں اور سختیوں پر باہم صبر کی تلقین کرنا اور اجر کی امید کرنا، یہ تمام ہی چیزیں اللہ کے حکم سے زمین پر اللہ کی دعوت کے لئے مدد، حق اور بھلائی کی طرف لوگوں کی رہنمائی اور انسانوں کے درمیان اللہ کا نظام قائم کرنے میں اللہ کی نصرت وتائید کے حصول کے لئے کافی ہیں۔ **ولینصرن اللہ من ینصرہ، ان اللہ قوی عزیز۔** (حج: ۴۰) اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد کرے گا، جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ طاقت ور اور زبردست ہے۔

وفات: مکہ مکرمہ سے واپسی میں استنبول کے ہوائی اڈہ سے طیارہ کی پرواز کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی دوران ۱۳ / ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ کو ان کا انتقال ہوگیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (عالم اسلام کی عالمی شخصیات صفحہ ۲۱۴)

حضرت شیخ احمد محمد جمال[۱] (عمری مکی) متوفی ۱۴۱۳ھ

خاندان وولادت: مکہ معظّمہ کی مؤقر علمی وادبی شخصیت شیخ احمد محمد جمال کی مکہ مکرمہ میں ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء میں ولادت ہوئی، ان کا خاندان مکہ معظّمہ کا علم وفضل کا معروف عمری خاندان رہا ہے، جس کا انتساب سیدنا عمر بن الخطابؓ سے ہے، ان کے اجداد میں شیخ محمد جمال اوران کے درمیان سات واسطے ہیں، احمد بن محمد بن صالح بن عبدالقادر بن صالح بن عبدالرحمن بن عثمان بن عارف بن محمد جمال، یہ پورا خاندانی سلسلہ اصحاب درس وافادہ رہا ہے، شیخ احمد محمد جمال کے پر دادا شیخ عبدالرحمن (متوفی ۱۲۴۹ھ) شریف مکہ کے زمانے میں جدہ کے قاضی تھے، اوران کے دادا شیخ عارف محمد جمال (متوفی ۱۱۶۳ھ) مسجد حرام مکہ مکرمہ میں قرآن وحدیث اورتفسیر وفقہ کا درس دیتے تھے، البتہ ان کے والد شیخ محمد بن صالح مکہ کے ایک بڑے اورمعروف تاجر تھے اوران کا مسکن شارع مسعی پر بیت اللہ شریف کے سامنے تھا، وہیں یہ اوران کے دوسرے بھائی رہتے تھے۔

تعلیم: مکہ مکرمہ کے مدرسہ عزیزیہ ابتدائیہ میں تعلیم حاصل کی پھر المعہد العلمی السعودی سے ۱۳۵۰ھ میں فراغت پائی، اس کے بعد علماء حرم مکی کے سامنے

۱؎ محب مکرم حضرت مولانا محمد رابع صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''یادوں کے چراغ حصہ دوم'' میں بہت سے عرب کے افاضل علماء کا تذکرہ فرمایا ہے اسی میں سے چند اکابر کے حالات اور خدمات نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، فجزاہم اللہ تعالی۔ مرتب

زانوئے تلمذتہہ کیا جن میں خصوصیت سے علامہ سید علوی مالکی، سید احمد عربی، شیخ عبد الرحمن صباغ، استاذ عبد الکریم جہیمان، اور شیخ ابراہیم فطانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

عملی میدان: فکر اسلامی اور دعوت اسلامی کے میدان میں بھی ان کی خدمات ومساعی متنوع حیثیت سے سامنے آئیں، اخبارات وجرائد کے ذریعہ اور خطابات وتوجیہات کے ذریعہ اور اسفار کے ذریعہ جس میں کئی اہم سفر رابطۂ عالم اسلامی کے وفد کی شکل میں ہوئے اور بعض میں وہ وفد کے سربراہ رہے، اور بعض میں بحیثیت رکن کے وفد کے ساتھ دوسرے ملک گئے اور اس میں انھوں نے مسلمانوں کے مسائل کے تعلق سے جس حق گوئی اور جرأت اور فہم وبصیرت کا ثبوت پیش کیا جس سے وہ لوگ بھی متأثر ہوئے۔

آپ کی قدرومنزلت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی نظر میں:

رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے انھوں نے ایک اہم دعوتی دورہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سربراہی میں ایک وفد کے ساتھ کیا، جس میں وہ افغانستان، ایران، عراق، لبنا، شام وغیرہ گئے تھے، جس کے ایک حصہ میں حضرت مولانا کے مرافق شخصی کے طور پر مولانا عبد اللہ عباس ندوی مرحوم اور دوسرے حصہ میں مجھے (مولانا محمد رابع صاحب) ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے اپنے سفرنامہ میں جو ''من نهر كابل الى نهر يرموک'' (دریائے کابل سے دریائے یرموک تک) کے نام سے شائع ہوا ہے، شیخ احمد محمد جمال کی بعض خصوصیات اور ان کے بعض خطابات

کی طرف اشارہ کیا ہے، اور خاص طور پر ان کی کتاب ’’مکانک تحدی‘‘ کی تعریف کی ہے، جو عورتوں کے متعلق ان کی لاجواب تصنیف ہے، اور مولانا نے لکھا ہے کہ وہ اس موضوع کے ممتاز ماہرین میں سے ہیں، حضرت مولاناؒ نے قرآن مجید پر ان کی نظر کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ استاذ احمد محمد جمال قرآنی آیات کے استحضار و اقتباس میں امتیاز رکھتے تھے، اور بہت سی احادیث کے متون ان کو زبانی یاد ہیں، اسی طرح ان کے مجاہدانہ حوصلہ وجذبہ کی طرف بھی مولانا نے اشارہ کیا ہے، چونکہ مجھے بھی عراق، لبنان، شام میں ساتھ رہنے کو ملا اس لئے میں بھی ان کی خصوصیات سے متأثر ہوا۔

تصانیف: انہوں نے اپنے پیچھے تصنیفات کا ایک اچھا ذخیرہ چھوڑا ہے جس میں تفسیر سے متعلق کتابیں، اصلاحی ادب، عورتوں کی تعلیم وتربیت سے متعلق مختلف کتابیں اور دیوان شعری اہمیت کے حامل ہیں۔

وفات: شیخ احمد محمد جمال عرفہ کے دن ۹/ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/مئی ۱۹۹۳ء کو وفات پاگئے، وہ روزے سے تھے اور قارہ کے سفر پر تھے جہاں سے ان کی نعش خادم الحرمین الشریفین کی خصوصی ہدایت پر ان کے وطن مکہ معظّمہ لائی گئی اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد ان کی نماز جنازہ حرم مکی میں بڑی نمناک اور غمزدہ آنکھوں سے ادا کی گئی، ان کی عمر ستر سال تھی، ان کی وفات پر مملکت میں شاہی خاندان کے افراد وارکان حکومت سے لے کر خواص وعوام سبھی نے دکھ کا اظہار کیا۔ **نور اللہ مرقدہ۔** (یادوں کے چراغ ج ۲ ص ۱۲)

مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ المتوفی ۱۴۱۳ھ

نام ونسب وولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۲۹ھ یا ۱۳۳۰ھ میں موضع برکہ تحصیل اترولی ضلع علیگڈھ میں ہوئی، آپ کا نام نامی والدین کی طرف سے تو ''مسیح اللہ خاں'' رکھا گیا، مگر امراض روحانی کے علاج میں حذاقت؛ بلکہ شان مسیحائی اور تعلیم وتربیت میں کمالِ حکمت ودانائی کو دیکھتے ہوئے خواصِ امت ''مسیح الامت'' کے لقب سے آپ کو یاد فرمانے لگے۔

والد ماجد کا اسم گرامی ''احمد سعید خاں'' تھا، جو اپنی شرافت وسعادت کے لحاظ سے یقیناً اسم بامسمّٰی تھے۔

خاندان: آپ کا نسبی تعلق شروانی خاندان سے ہے، جو عرصہ سے بہت سی خصوصیات اور کمالات کی بناء پر پٹھانوں میں ممتاز سمجھا جاتا رہا ہے، اس خاندان میں دینی علوم کے حامل علماء بھی ہوئے ہیں اور دنیوی علوم کے ماہر، تعلیم یافتہ حضرات اور اونچے عہدے دار بھی ہوئے ہیں۔

بچپن: آپ بچپن ہی سے صفات حمیدہ سے متصف تھے، نماز کے شائق اور ذکر وتلاوت کے پابند تھے، بلکہ تہجد گزار تھے، لہو ولعب سے طبعاً نفرت اور گانے بجانے سے قلباً کراہت تھی، اس لئے اصحاب بصیرت آپ کی سعادت وولایت کے قائل تھے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم سرکاری اسکول میں درجہ ششم تک حاصل کی، مگر طبعی میلان

اس تعلیم کی طرف نہ تھا، اس لئے والد محترم نے عربی تعلیم میں لگایا، چنانچہ مشکوٰۃ شریف تک اپنے وطن ہی میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنویؒ سے پڑھی، بعدہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور ۱۳۵۱ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پڑھی۔

بیعت وخلافت: اثنائے طالب علمی میں ہی حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہو گئے، اور کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت حکیم لامتؒ نے آپ کے حالات رفیعہ کو ملاحظہ فرما کر خلعتِ خلافت سے مشرف فرمایا، اور یہاں تک خصوصیت کا معاملہ فرمایا کہ اثنائے علالت میں جن گیارہ مخصوص خلفاء کی فہرست شائع کرایا اور ان کے متعلق تحریر فرمایا کہ ''ان میں سے جس سے چاہیں اپنی تربیت متعلق کرلیں'' ان میں حضرت مسیح الامتؒ کا اسم گرامی بھی درج فرمایا، جب کہ آپ ابھی بھی کم عمر ہی تھے۔

بشارت: ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے دوخلفاء کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ''عیسیٰ اور مسیح دونوں بڑھ گئے''، اور ایک مرتبہ فرمایا کہ ''مسیح اللہ سے مجھے محبت ہے''۔

چنانچہ دونوں حضرات یعنی مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ اور مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ سے خوب ہی خوب دین وطریق کا کام ہوا اور دونوں حضرات اپنے وقت میں مرجع خلائق اور عوام وخواص میں مقبول ومحبوب ثابت ہوئے، جیسا کہ مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ الہ آبادی کے متعلق کسی قدر تفصیل

سے ''اقوال سلف حصہ نہم'' میں لکھا جاچکا ہے، رہی مولانا مسیح الامتؒ کی محبوبیت ومقبولیت تو اتنی عام ہوئی کہ آپ کا فیض ہندوستان کے علاوہ دوسرے بیرونی ممالک مثلاً پاکستان، افریقہ، برطانیہ اور کینڈا، امریکہ تک پہنچا، چنانچہ بکثرت لوگ آپ سے مرید ہوئے اور متعدد حضرات آپ کی جانب سے خلافت سے مشرف ہوئے، ان میں سے بعض سے اس حقیر کی ملاقات برطانیہ وافریقہ کے ممالک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ سب سے طریق کی خدمت لے اور قبول فرمائے۔ آمین!

جلال آباد کا قیام: قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر میں پہلے سے ایک مکتب تھا، وہاں مدرس کی ضرورت تھی، وہاں کے لوگوں نے حضرت حکیم الامتؒ سے اس کا اظہار کیا، تو حضرت حکیم الامتؒ نے وہاں کے لئے آپ ہی کو تجویز فرمایا، چنانچہ حضرت مسیح الامتؒ وہاں تشریف لے گئے، جبکہ مکتب میں صرف دو کمرے تھے، ایک میں حضرت پڑھانے لگے اور دوسرے کمرے میں ایک حافظ صاحب پڑھاتے تھے، مگر اب ماشاء اللہ ایک معمولی مکتب جامعہ علمیہ کی شکل میں جلوہ افروز ہے اور جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد کے نام سے معروف ومشہور ہے، جس میں شعبۂ حفظ وتجوید کے علاوہ درس نظامی کی مکمل تعلیم مع فنون کے بخوبی جاری ہے۔ اقامها الله وادامها۔

حضرت مسیح الامتؒ کے مفید مضمون: مکرم مولانا رشید احمد صاحب میواتی مفتاحی زید مجدہٗ نے حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ کی مفصل سوانح بنام ''حیات مسیح الامت'' تحریر فرمائی ہے جو بہت ہی معلومات وفوائد پر مشتمل ہے، جس کا مطالعہ نہایت مفید وبصیرت افروز ہے، اس لئے ہر مسلمان کو خصوصاً

سالکین راہ کو ضرور مطالعہ کرنا چاہئے ،اس سے یہ مضمون جو دور حاضر کے عوام وخواص سبھی کے لئے نہایت مفید معلوم ہوا بعینہ درج کرتا ہوں۔

مدارس دینیہ میں دُنیوی علوم کی تعلیم

(یہ مضمون جناب سید حامد صاحب سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے ایک سوالنامہ کا حضرت مسیح الامتؒ کی طرف سے مدلل جواب ہے)

مکرم ومحترم جناب وائس چانسلر صاحب مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، دام اقبالہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔

مزاج گرامی! آں جناب کی جانب سے ''مرکز فروغ سائنس'' سے متعلق سوال نامہ موصول ہوا۔

جواباً عرض ہے کہ جس طرح معاشیات ،اقتصادیات اور تمدنیات وغیرہ بہت سے علوم وفنون انسانیت کے خادم ہیں، اور آج کے اس دور میں کاروان حیات انسانی ان کے بغیر نہیں چل سکتا ، اسی طرح فن سائنس بھی ہے، خادم انسانیت ہونے کی حیثیت سے اس فن کو حاصل کیا جائے اور اس سے انسانیت کی فلاح وبہبود، راحت وآسائش کا کام لیا جائے، شرعاًاس کی بالکل اجازت ہے۔

ہاں البتہ اگر سائنس کے ذریعہ انسانیت کی ہلاکت کے سامان پیدا کئے جائیں، سائنسی ترقی کے بل بوتے پر ہر طاقتور دوسرے کمزور پر ظلم کرے اور اس کے حقوق کو پامال کرے،تو پھر شریعت سائنس کے اس غلط استعمال کو جائز نہ رکھے گی اس لئے سائنسی ترقیات کی جانب توجہ مبذول کرنے سے پہلے ایسے افراد تیار کرنا ضروری ہوگا جو ایمان اور عمل صالح کی دولت لازوال سے مالامال

ہوں اور خوف خداوندی ہر آن اور ہر لمحہ ان پر طاری ہو، تاکہ وہ خدا ترس ہوکر رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ بن کر تمام عالمِ انسانیت کے لئے بجائے نقصان رساں ہونے کے راحت رساں ہوں، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سال کی مکّی زندگی میں حضرات صحابہؓ کرام کو بتلایا تھا، اور ایسے افراد کی تیاری کا مرکز یہ دینی تعلیم گاہیں ہی ہیں جن کو مدارس عربیہ کہا جاتا ہے، انہی درس گاہوں میں داخل ہوکر جب اخلاص نیت اور طلب صادق کے ساتھ علوم دینیہ کو حاصل کیا جاتا ہے، تو ضرور اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِن عبادہ العُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸)

اور اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں۔

یا تربیت گاہ باطن جس کو خانقاہ کہا جاتا ہے، اس میں اخلاص اور طلب کے ساتھ قیام ہو، جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ٥ (ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ اختیار کرو۔ (التوبۃ:۱۱۹)

الحاصل جب اہل سائنس ان مذکورہ اوصاف سے متصف ہوں گے تو پھر تمام عالم انسانیت کے لئے سراسر راحت رساں ہوں گے، نہ کہ ضرر رساں، جیسا کہ آجکل دنیا کا مشاہدہ ہے۔

پس تقسیم کار کے اصول کے مطابق مدارس دینیہ کا موضوع ''افراد سازی'' ہے نہ کہ ''سامان سازی''، یہ علمی ادارے دین اسلام کے ان علوم کی بقاء وتحفظ کی

خدمت انجام دے رہے ہیں جس دین کے لئے اِنَّ الدِّین عِندَ اللّٰہِ الْاِسلامُ (آل عمران: ۱۹) کا اعلانِ خداوندی ہے، نیز ارشاد فرمایا گیا کہ: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُم نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسلَامَ دِیْنًا۔ (مائدہ:۳)

(ترجمہ) آج کے دن تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین کے لئے پسند کیا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ کہ اللہ تعالی نے ہم کو اسلام کے ذریعہ عزت بخشی۔ پس مدارس دینیہ کے لئے ضروری ہے کہ یہ اپنے موضوع سے نہ ہٹیں، اور دین کی جو خدمت یہ انجام دے رہے ہیں یکسوئی کے ساتھ اس میں مشغول ومنہمک رہیں، کیونکہ بیک وقت عادۃً یہ ناممکن ہے کہ ایک طالب علم دین کا بھی پوری طرح علم حاصل کرے اور سائنس میں بھی کمال حاصل کرے، پس دونوں قسم کے علوم وفنون کو جمع کرنا طلب الکل اور فوت الکل کا مصداق بن جائے گا۔

(۳) البتہ جو مسلمان طلبہ عصری علوم کی درسگاہوں میں تعلیم پاتے ہیں ان کو مخصوص طور پر سائنسی علوم میں مہارت حاصل کرائی جائے اور وہ بھی آج کے دور میں نئی نئی ایجادات کے موجد بنیں، اس کیلئے ''مرکز فروغ سائنس'' کا قیام ایک مستحسن اقدام ہے۔

(۴) تقسیم کار کا اصول سب جگہ کارفرما ہے؛ چنانچہ اگر کسی مرکزی دینی درسگاہ میں ''مرکز فروغ علم دین'' قائم کیا جائے اور صرف علوم کے پڑھنے

والے ان طلبہ کو جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم ہیں، یہ دعوت دی جائے کہ وہ اس مرکز میں آکر علوم دینیہ فقہ وحدیث وتفسیر وغیرہ میں کمال حاصل کریں اور اس کے بعد ان علوم کو اپنے اپنے مقامات پر عصری علوم کی درسگاہوں میں جاری کریں تو عملاً اس کے لئے آپ حضرات بھی تیار نہ ہوں گے، جیسا کہ اب تک کے عمل سے ظاہر ہے۔

اس لئے عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ اگر فراغت کے بعد ''مرکز فروغ سائنس'' میں داخل ہوکر سائنس کی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ تو تسلیم ہے کہ ماحول (سوسائٹی) کا اثر ایک طبعی امر ہے، دوسرے یہ بھی تسلیم ہے کہ تابع پر متبوع کا اثر ہوتا ہے، پس جب یہ عربی طلبہ-جن پر پہلے سے دینی مدارس کا اثر ہے- دوسرے ماحول میں داخل ہوں گے تو ان پر اس ماحول کا اثر غالب ہوجائے گا، جیسا کہ مشاہدہ ہے، چنانچہ بعض وہ عربی طلبہ جو طبیہ کالجوں میں داخل ہوجاتے ہیں وہ وہاں کے احوال سے متأثر ہوجاتے ہیں، ان کی وضع قطع بدل جاتی ہے، حتی کہ نمازوں میں بھی تساہل وتغافل آجاتا ہے، بعینہ اسی طرح جو انگریزی طلبہ تبلیغی جماعت میں آجاتے ہیں یا مدارس عربیہ دینیہ میں داخل ہوجاتے ہیں، یا کچھ عرصہ اہل اللہ کے پاس رہتے ہیں، وہ بھی دینی احوال سے متأثر ہوکر دیندار بن جاتے ہیں، اس لئے عربی طلبہ کا داخلہ سائنس میں خلاف موضوع ہے اور انگریزی طلبہ کا داخلہ موافق وضع اسلامی ہے۔

(۵) یہ خیال کہ مسلمانوں کو دنیا کی امامت کا منصب محض مادی ترقیات کی بناء پر ملا تھا اور آج بھی وہ باعزت مقام اسی مادی ترقی کے ساتھ مل سکتا ہے،

اس کے متعلق عرض ہے کہ چونکہ ہر مسلمان کا بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ پختہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے دین اور دنیا کی فلاح و بہبود وترقی اور دنیا کی امامت کے منصب کا ملنا ایمان اور عمل صالح باطاعت کاملہ اور باحکام ظاہرہ پر موقوف ہے، نہ کہ محض مادی ترقیات پر، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُم مُّؤْمِنِيْنَ٥ (آل عمران:۱۳۹) یعنی تم ہی بلند ہو کر رہو گے اگر تم مؤمن کامل ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام ۔ اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔

اسی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے : نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ (اللہ تعالی نے ہم کو اسلام کے ذریعہ عزت بخشی) کے ایمان افروز جملے میں ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کو جو فتح ونصرت اور سربلندی وامامت اہل مکہ اور روم وفارس والوں پر ملی وہ مادی سازوسامان کی بناء پر نہیں ملی ،جیسا کہ روایت سے ثابت ہوتا ہے، کیونکہ مادی سازوسامان کے اعتبار سے تو مسلمان ان سے بہت پیچھے تھے، بلکہ یہ تمام فتح ونصرت وعدۂ خداوندی کے مطابق ایمان اور عمل صالح کی برکت سے حاصل ہوئی ،آج بھی یہی اٹل قانون خداوندی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا، چنانچہ جب مسلمانوں میں ایمان وعمل صالح کی مایا کمزور ہوگئی،تو دین کی برکت سے جو دنیا ملی تھی وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔

مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کوئی قوم یا ملک خدانخواستہ اگر ایمان اور عمل صالح کی مایا سے عاری ہے، وہ دنیا میں خواہ کتنی ہی زیادہ ترقیات حاصل کرے اور تمام دنیا والے مادی ترقی میں اسے اپنا امام تسلیم کرلیں، تب بھی وہ انجام کار خائب وخاسر ہے، چنانچہ نمرودی، شدادی، فرعونی اور قارونی طاغوتی طاقتوں کا انجام ظاہر ہے، جس کی قرآن خود شہادت دے رہا ہے اور ان کے لئے خَسِرَ الدُّنیاوَالْاٰخرۃ کا اعلان کر رہا ہے۔

بخلاف اس قوم یا ملک والوں کے جو اپنے فطری ماحول کی وجہ سے مادی ترقیات کے اعتبار سے پسماندہ شمار کئے جاتے ہوں، مگر ایمان اور عمل صالح کی دولت لازوال ان کو حاصل ہے تو بیشک وہ لوگ مفلحین میں سے ہیں اور دنیا وآخرت میں کامیاب ہیں اور امن دنیوی بھی نقد حال ہے، جیسا کہ ماضی اس پر شاہد ہے اور ایسے حضرات کیلئے استخلاف فی الارض کا وعدۂ خداوندی ہے۔

وَعَدَاللہُ الَّذِینَ اٰمَنُوْا مِنکُم وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (نور:۵۵)

(تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالی وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔)

(۸) پس جب یہ مسلم ہے کہ حیاتِ انسانی کا اصل مقصود اپنے خالق ومالک رب العالمین کی عبادت واطاعت کاملہ ہے، چنانچہ ہر ایک شعبۂ زندگی میں؛ معاملات ہوں، اخلاقیات ہوں یا سیاسیات ہوں، ان سب میں احکام

خداوندی کی پابندی لازم ہے، اسی کو وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلاّ لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۷)

ترجمہ: ’’اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں‘‘ میں صراحۃً ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت کیسے کی جائے؟ اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ یہ دین کے صحیح صحیح علم پر موقوف ہے، اور علم دین پوری طرح ان مدارس عربیہ ودینیہ ہی میں حاصل کیا جاتا ہے، پس مدارس عربیہ ودینیہ کے لئے تو یہی لازم ہے کہ وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس میں مشغول ومنہمک رہیں، تاکہ علم دین کا یہ سلسلہ جاری وساری رہے، جس پر تمام دین کی بقا موقوف ہے۔ البتہ سائنس پڑھنے والے طلبہ کے لئے خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ جب وہ اپنے فن میں مہارت حاصل کرچکیں تو علم دین حاصل کرنے کے لئے مدارس دینیہ کی جانب رجوع کریں؛ تاکہ دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے دن دونی رات چوگنی ترقیات حاصل ہوں اور اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کا مصداق بن کر سعادتِ دارین کے ساتھ فائز المرام ہوں۔

(۹) ان تمام گذارشات کے ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ استعمال مادیات سے انکار نہیں، اور کیونکر انکار ہوسکتا ہے، جبکہ مادیات کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (انفال:۶۰)

(ترجمہ) اور ان کافروں کیلئے جس قدر تم سے ہوسکے ہتھیار سے اور پلے

ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

خُذُوْا حِذْرَکُمْ الخ۔ (نساء:۷۱)

(ترجمہ) اے ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو۔ (یہ بطور کلی ہے)

اور فرمایا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔ (آل عمران:۲۰۰)

(ترجمہ) اے ایمان والو خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کیلئے مستعد رہو۔

اس زمانہ میں جن مادی آلات کے استعمال کی ضرورت ہوگی ان کو اختیار کرنا لازم زندگی ہوگا، بحکم "**ما استطعتم**"، اور آج کے دور میں آلاتِ جدیدہ کا حصول سائنس کے حصول پر موقوف ہے، پس سائنس کے حصول سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، البتہ صرف حصول سائنس ہی کافی نہیں، بلکہ جمیع حصول اسباب و مادیات بھی ہو، اور جمیع اسباب وآلات مادیات موقوف ہے مرکز پر، پس مسلمانوں کی ترقی کیلئے نہ محض حصولِ تقوی کافی ہے اور نہ صرف حصولِ سائنس بلکہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہے، تقویٰ اور مراکز تقوی کا حصول شرط ہے، اس سے سکون وسکینہ حاصل ہوتی ہے، اور مرکز کا ہونا حصولِ ترقی کے لئے علت ہے، اس سے ہیبت ورعب بدلیل "**تُرْهِبُوْنَ بِهٖ**"، قائم ہوتا ہے، ان دونوں کے حصول پر مسلمانوں کی ترقی موقوف ہے اور اس پر تیرہ سالہ مکی زندگی دلیل

ہے، کہ تقویٰ تو تھا مگر مرکز نہ تھا اور دس سالہ زندگی مرکز والی زندگی مدنی زندگی ہے، پس ترقی کا مدار دو چیزیں ہیں، ایک تقویٰ اور دوسرا مرکز؛ جب تک یہ دونوں چیزیں نہ ہوں گی اس وقت تک ترقی ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ سب کو دین اور تقویٰ کی ترقی کے ساتھ ساتھ دنیوی ترقی بھی عطا فرمائیں۔آمین! والسلام

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

۲۲ر محرم ۱۴۱۱ھ جلال آباد

(حیات مسیح الامت: ص ر ۵۷۳ تا ۵۸۱)

ف: سبحان اللہ تعالیٰ، حضرت مسیح الامتؒ خلیفہ حکیم الامتؒ کا یہ مکتوب گرامی کس قدر جامع اور بصیرت افروز ہے جو ہر شخص کے بغور پڑھنے کے لائق ہے، اور مولاناؒ کے غایت درجہ علم وحکمت کی دلیل ہے۔(مرتب)

تبلیغی جماعت میں جانے والوں کیلئے ہدایات: ایک شخص نے متوسلین میں سے حضرت والا قدس سرہ سے تبلیغ میں جانے کی اجازت چاہی، اس کے جواب میں حضرت والا نے یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں حدود شرع میں رہتے ہوئے تبلیغی سفر میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، اور بھی متوسلین یا غیر متوسلین میں سے جو حضرات بھی اجازت طلب کرتے ہیں ان کو ان ہی حدود کی پابندی کے ساتھ اجازت مرحمت فرماتے رہتے ہیں:

مکرم بندہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔

تبلیغی سفر یا اجتماع وگشت میں اس طرح پر جائیں کہ گھر پر جو ذریعہ معاش ہو اس کو سنبھالنے والا کوئی دوسرا معتبر آدمی موجود ہو، تا کہ سلسلۂ معاش

خراب نہ ہوجائے، مثلاً کاشتکار، اپنی کھیتی باڑی اور اپنے جانوروں کو گھاس دانے کیلئے کوئی معتبر شخص چھوڑ کر جائے، اسی طرح تاجر کے لئے اس کی دوکان کو کوئی سنبھالنے والا موجود ہو۔

یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ بیماری یا موت کی حالت میں بھی تو ایسے حالات پیش آجاتے ہیں، جن میں سلسلۂ معاش خراب ہوجاتا ہے، کیونکہ یہ حالات تو غیر اختیاری ہیں جن کا بندہ مکلف نہیں ہوتا، اس کا بھی خیال رکھیں کہ جب جائیں تو گھر پر رات کے لئے کوئی دوسرا شخص محرم معتبر موجود ہو اور دن میں باہر کام کے لئے کوئی آدمی ہو، تاکہ روزانہ کی بازار وغیرہ کی ضرورت میں تنگی نہ ہو۔

قرض لے کر جانا نہ ہو، اگر کچھ تھوڑا سا قرض لینا بھی ہو تو اس کی ادائیگی کی صورت وذریعہ اپنے پاس بظن غالب موجود ہو، تاکہ قرض خواہوں کے تقاضے سے ذلت وشرمندگی نہ ہو۔

جن کی ملازمت ہو ان کی بخوشی اجازت ہو، جتنے دن رُخصت ہو، یا گھر میں جتنے دن کہہ کر جائے اتنے دن میں واپسی ہو، تاکہ گھر والوں کو تشویش نہ ہو اور اگر اتفاقاً رُکنا یا روکنا معمولی چند دنوں کیلئے ہو تو گھر پر ڈاک وغیرہ سے اطلاع کردی جائے، تاکہ گھر والوں کو انتظار وتکلیف کی پریشانی نہ ہو۔

علماء وعلم دین کی خدمت کو سب سے اعلی وافضل واقدم خدمت سمجھیں، علماء کی عظمت قلب میں بہت زیادہ ہو، اور تبلیغ کا کام نہ کرنے والوں پر طعن وتشنیع واعتراض نہ ہو۔

والسلام

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

وفات: افسوس کہ پندرہویں صدی کے شیخ کامل، امراض روحانی کے طبیب حاذق ۱۷ ؍جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳ ؍نومبر ۱۹۹۲ء کو شب جمعہ میں دنیا سے رحلت فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○

جنازہ میں ایک تخمینہ کے مطابق ڈیڑھ لاکھ سے زائد افراد تھے، بعد نماز جمعہ آپ کی تدفین جلال آباد ہی میں ہوئی۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَنَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ۔ آپ سے ملاقات کا شرف دومرتبہ نصیب ہوا، اور خط وکتابت کا سلسلہ تواخیر تک جاری رہا، اور آپ کی مزار پر حاضری کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ (مرتب)

خلفاء: آپ نے ماشاء اللہ ملک وبیرون ملک بہت سے خلفاء چھوڑے، جن کی فہرست ''حیات مسیح الامت'' میں شائع ہوچکی ہے، جن میں سے بعض خلفاء سے ملاقات بھی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا عبدالستار صاحب معروفیؒ المتوفی ۱۴۱۴ھ

ولادت: مولانا عبدالستار ابن الحاج عبدالرشید صاحب پورہ معروف ضلع مئو (اعظمگڈھ) میں ۲۲ ۱۳ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ پورہ معروف میں مولانا نعمت اللہ مبارک پوری اور مولانا محمود معروفی سے پائی، پھر مصباح العلوم کو پا گنج میں مولانا عبدالصمد کو پا گنجی اور مولانا عظیم اللہ کو پا گنجی سے شرح جامی وغیرہ پڑھی، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں مولانا صدیق صاحب برئی پوری سے اور مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری متوفی ۱۳۸۷ھ سے خاص طور سے ہدایہ پڑھی، احیاء العلوم کے بعد دارالعلوم مئو میں غالباً ایک برس پڑھ کر مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، اور مظاہر علوم ہی سے ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں بعمر ۲۴ ؍برس فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریسی خدمات: آپ سب سے پہلے دارالعلوم مئو میں مدرس ہوئے اور یہیں سے مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلیؒ کے حکم سے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا، پھر قاسم العلوم ہریا ضلع دیوریا میں طویل عرصہ تک پڑھایا، پھر متعدد مدارس میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر آپ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے، حج سے واپسی پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندویؒ نے آپ کو

مرتبہ: حضرت مولانا عثمان صاحب معروفی رحمۃ اللہ علیہ

ندوۃ العلماء لکھنؤ کا شیخ الحدیث منتخب فرمایا، چنانچہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء سے ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء تک تیرہ برس شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز رہ کر ہزارہا طلبہ کو فیض پہنچایا، پھر ندوۃ العلماء سے مالیگاؤں آ گئے اور مدرسہ تقویۃ الاسلام نیاپورہ میں تاحیات ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء سے ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۴ء دس برس تک لوجہ اللہ درس حدیث دیا۔

سلوک وتصوف: اصلاح باطن کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم سے مولانا خلیل الرحمن صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، ان کی وفات کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کی طرف رجوع کیا، ان کے بعد شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کی صحبتوں سے مالا مال ہوئے۔

تصانیف: آپ کی نہایت بلند پایہ تصانیف یہ ہیں جو عربی زبان میں ہیں اور ابھی غیر مطبوعہ ہیں:

ف: اللہ تعالیٰ ان کی طباعت آسان فرمادے اور سب کو استفاضہ کا شرف نصیب فرمائے۔ آمین (مرتب)

(۱) مشائخ امام ابوحنیفہؒ (۲) تلامذۂ امام ابوحنیفہؒ (۳) شرح ترمذی سات جلدوں میں (۴) قراءت فاتحہ خلف الامام، آخری کتاب بہت مبسوط ہے، اس کا اکثر حصہ محدث کبیر اعظمیؒ نے دیکھ کر بہت توصیف وتحسین فرمائی ہے۔

اقوال زرّین

(۱) آپ فرماتے تھے کہ: ترکِ تقلید آزادی اور بے راہ روی پیدا کرتی ہے۔

(۲) فرماتے کہ: سوائے خدا کے کسی سے بھی خوف مت کرو۔

(۳) فرماتے کہ: محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ کی کتابیں بھی مطالعہ میں رکھو۔

(۴) فرماتے کہ: علم حدیث میں مجھے جتنا نفع محدّث جلیل کی کتابوں سے ہوا، کسی سے نہیں ہوا۔

(۵) فرماتے کہ: تحصیل علم کے بعد علم کی گہرائی میں غوطہ لگاؤ، ملغیٰ (بیکار) مت بنو۔

(۶) علم کے بعد دین بزرگوں کی صحبت میں حاصل کرو۔

ف: سبحان اللہ! کتنے بصیرت افروز و نصیحت آموز اقوال ہیں جو ہم سب کو لائحہ عمل بنانے کے لائق ہیں۔ (مرتب)

رحلت وتدفین: وفات سے دوروز قبل خواب میں امام بخاریؒ کو دیکھا اور ان سے مصافحہ ومعانقہ کیا، اس موقع پر تمام اساتذہ اور والدین بھی نظر آئے، سب نے اشارہ کیا کہ اب چلو، چنانچہ ۲۲/رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۶/جنوری ۱۹۹۴ء بروز پنجشنبہ نماز مغرب کیلئے وضو کیا اور اچانک روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، دوسرے روز جمعہ کو مالیگاؤں ہی میں تدفین عمل میں آئی، تاریخ ولادت ''چراغ حسن'' وفات ''فروغ حسین'' اور مدت عمر ''محبوب دل'' سے برآمد ہوتی ہے۔ رَحِمَهُ اللهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَنَوَّرَ مَرْقَدَهُ الحیّ الرّحیم العظیم۔

حضرت مولانا محمد رضا[۱] اجمیری صاحب سورتیؒ المتوفی ۱۴۱۴ھ

(شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ، راندیر، گجرات)

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی محمد رضا تھا، آپ کی پیدائش ۱۹۱۲ء میں دریائے سندھ کے آخری کنارہ کے سرحدی علاقہ میں ہوئی، آپ نسلاً پٹھان تھے۔

والد کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا، اس لئے باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع نہ ہوسکا، تاہم والدین کی صحبت سے اسلام کی ضروری اور بنیادی باتوں سے واقفیت ہوگئی تھی اور نماز سے دلچسپی بچپن ہی سے ہوگئی تھی۔

مولاناؒ کی سہولت کے پیش نظر ان کی والدہ نے نکاح ثانی کرلیا تھا، جس کی وجہ سے سرحدی علاقہ سے چارسدہ میں رہنے لگے، چونکہ اقتصادی حالت اچھی نہیں تھی، اس لئے بچپن ہی سے دوکان کی ملازمت کا کام کرنا پڑا، پھر بھی اسی دوران قرآن پاک ناظرہ شروع کردیا تھا۔

تعلیم: سرحدی علاقہ کے لوگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے بہت عقیدت رکھتے تھے، جس کے سبب مولاناؒ کے دل میں حضرت شیخ چشتی اجمیریؒ سے عقیدت ومحبت بیٹھی ہوئی تھی، اور اجمیر جانے کی خواہش دل میں موجزن تھی، لہذا ایک مرتبہ بغیر کسی کو اطلاع کئے اجمیر کے لئے روانہ ہوگئے،

---

[۱] آپ کے صاحبزادے قاری رشید احمد اجمیری نے آپ کی سوانح ''تذکرۃ الرضا'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے، اس کو سامنے رکھ کر حضرت مولاناؒ کے حالات وارشادات مرتب کئے گئے ہیں۔

اور ۱۹۳۸ء میں اجمیر پہنچے، اس وقت مولاناؒ کی عمر ۱۶ ر سال کی تھی، تعلیم حاصل کرنے کا شوق دل میں موجود تھا، اولاً درگاہ میں رہنا شروع کیا، پھر اکبری مسجد کے مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔

کچھ دنوں کے بعد مدرسہ عثمانیہ- جو حضرت شیخ معین الدین چشتی اجمیری کے نام پر مدرسہ معینیہ کے نام سے ایک بڑا دارالعلوم تھا- اس میں داخل ہوگئے، یہاں فارسی، عربی، حساب اور درس نظامی کی اکثر کتابیں پڑھیں، اس دوران رویائے صالحہ بھی نصیب ہوئے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے فیوض بھی حاصل ہوتے رہے۔

ایک مرتبہ خود شیخ چشتی اجمیریؒ کو خواب میں دیکھا کہ تشریف لائے اور حصول علم دین کی تلقین فرمائی، اور ہمت دلائی اور خوشخبری سُنائی کہ ''آگے چل کر حق تعالیٰ شانہ آپ سے دین کی خدمت لیں گے''، اس خواب سے مولاناؒ کو بہت تسلی اور ہمت ہوگئی، چنانچہ تعلیم کے سلسلہ کو آگے جاری رکھا، معاش کیلئے تسبیح فروشی کا کام بھی کرتے تھے۔

اسی تعلیم کے دوران آپ کو والدہ کے انتقال کی خبر ملی، مولاناؒ نے صبر وسکون سے اس کو برداشت کیا اور تعلیم میں مشغول رہے اور برابر والدین کے لئے ایصال ثواب کرتے رہے۔

فراغت: آپ نے ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم عثمانیہ اجمیر سے سند فراغت حاصل کیا اور دورۂ حدیث کی کتابیں مولانا محمد یونس صاحب میرٹھی (شاگرد شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ) اور شیخ الحدیث مولانا معین الدین صاحب

بہاری اور مولانا محمد شریف صاحبؒ (شاگرد شیخ الہندؒ) مولانا عبدالباری پشاوریؒ، مولانا فضل حسین سرحدی، وغیرہم حضرات سے پڑھیں۔

مولانا نے بہت دلجمعی، محنت و جانفشانی سے تعلیم حاصل کی، اگلے سبق کے مطالعہ کا خاص اہتمام کرتے تھے، خود فرماتے تھے کہ جب تک سبق یاد نہ ہو جاتا رات کو کھانا نہ کھاتا، اور یہ اس زمانہ کے طلبہ کا عام دستور تھا۔

تدریس: فراغت کے بعد اجمیر سے ناگور گئے، وہاں کے ایک طالب علم (جو وہاں کے پیرزادہ تھے) کو درس دینا شروع کیا اور وہیں امامت بھی کرتے رہے، ناگور میں تین سال قیام کے بعد ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات بسلسلۂ تدریس تشریف لے گئے، اور زندگی کے آخری لمحات تک تدریس میں مشغول رہے، مولاناؒ چھوٹی بڑی ہر طرح کی کتابیں بلا تکلف پڑھا لیتے، کبھی کسی کتاب کے پڑھانے کا مطالبہ نہیں کیا، دوران تدریس تمام علوم کا استحضار رہتا، مگر کبھی اپنی لیاقت کا اظہار نہیں فرمایا، آپ نے ایک ہی ادارہ میں چوّن (۵۴) سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، جس میں پچاس سال آپ نے بخاری شریف کا درس دیا جو آپ کا خصوصی شرف اور طرّۂ امتیاز ہے کہ اتنی طویل مدت تک ایک بڑی درسگاہ میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے درس دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔

بیعت وسلوک: آپ کا اصلاحی تعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ علیہ الرحمۃ سے تھا اور سلوک وتصوف میں بالکل اپنے مرشد کے نقش قدم پر تھے، حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے راندیر تشریف آوری کے موقع پر

مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ اور مولانا محمد رضا اجمیریؒ دونوں قوۃ الاسلام مسجد میں ایک ساتھ بیعت ہوئے تھے۔

للّٰہیت وتواضع: مولاناؒ نے زندگی کے اکثر دور میں امامت فرمائی ہے، مگر کبھی امامت کی تنخواہ نہیں لی اور مسجد میں امامت کے علاوہ اس کی صفائی سُتھرائی کا خود ہی اہتمام فرماتے، بلکہ حوض اور نالیاں خود صاف کردیتے، تنخواہ کا شدت سے انکار فرماتے اور فرماتے کہ اس میں تو میرا فائدہ ہے کہ مسجد میں رہنے سے نماز خوب پابندی سے ادا ہوسکتی ہے۔

مولاناؒ نام ونمود، بڑائی اور اظہار سے کوسوں دور تھے، دوسروں کی ادنی تکلیف کا خیال فرماتے، معاملات ومعاشرت میں دوسروں کی راحت وسہولت کا حددرجہ اہتمام فرماتے، ضرورت مندوں کی حاجت پورا کرنے میں غایت شفقت سے کام لیتے اور جلد سے جلد پورا فرمادیتے، آنے والے کی تواضع اور اکرام خود فرماتے، چائے شربت خود ہی بنا کر پیش کرتے۔

مولاناؒ اپنے قول وعمل سے کسی کو تکلیف دینا ازحد ناپسند فرماتے، اسی وجہ سے اپنا کام خود انجام دیتے اور خدام وغیرہ نہ رکھتے تھے، طلبہ اپنی سعادت وخوش نصیبی سمجھتے اگر مولانا کوئی خدمت انہیں سپرد فرماتے، لیکن سفر وحضر میں خادموں سے کام ہرگز نہ لیتے اور فرماتے: ان بیچاروں کو تکلیف کیوں دی جائے۔

دوسروں کو بھی نصیحت فرماتے کہ اپنا کام خود کیا کرو، بازار سے سوداسُلف خود مہیا فرماتے، راستہ میں کوئی بوجھ اٹھالینا چاہتا تو ہرگز گوارا نہ فرماتے، کمرہ میں جھاڑو دینا، درس گاہ میں صفائی کرنا، مکان کے سامنے خود جھاڑو لگالینا آپ کے

معمولات میں داخل تھا، تواضع و بےنفسی کا یہ حال تھا کہ درسگاہوں کے سامنے طلبہ کے بے ترتیب جوتے پڑے ہوتے تو آپ اپنی چھڑی سے سب کو باترتیب رکھ دیتے اور فرماتے کہ جوتے راستہ کے بیچ میں مت اُتارا کرو، اسے ترتیب سے رکھا کرو، کسی کی ٹھوکر لگ جائے تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔

مولاناؒ نے تدریس کے زمانہ میں بھی کسی طالب علم سے خدمت لینے کو پسند نہیں کیا، شادی سے قبل کھانا خود اپنے ہاتھ سے پکا کر کھاتے، ہفتہ میں ایک روز پکا لیتے اور سات دن تک اسی کو گرم کر کے کھاتے رہتے، سلیقہ اور حفاظت سے بچا ہوا کھانا رکھتے تاکہ خراب نہ ہو۔

ف: حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آیا ہے کہ كَانَ يَكنِسُ دَارًا ويحلَبُ شاةً (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں جھاڑو لگا دیا کرتے اور بکری کا دودھ خود دوہ لیا کرتے تھے، اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے کہ ہر عمل میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا اہتمام کرتے ہیں، جو مولاناؒ کی للّٰہیت اور متبع سنت ہونے کی دلیل ہے۔(مرتب)

مولانا سفر و حضر میں معمولات کی پابندی فرماتے، تلاوت قرآن پر بہت مداومت فرماتے، جس کی وجہ سے آپ غالباً حافظِ قرآن ہو گئے تھے، ہمیشہ باوضو رہنے کا اہتمام تھا، بیماری کی حالت میں بھی آپ معمولات کے پورا کرنے کا خاص اہتمام فرماتے۔

مولانا کو تہجد کی پابندی زمانۂ طالب علمی ہی سے ہوگئی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

''زمانۂ طالب علمی ہی سے تہجد کی پابندی بفضل اللہ تعالی رہی اور اب تک جاری ہے۔''

مولانا کو اللہ تعالی پر پورا بھروسہ تھا، اور اپنے جملہ معاملات میں تفویض وتسلیم اور رضا بالقضا کی دولت حاصل تھی، چنانچہ اخیر وقت تک آپ کی یہی کیفیت رہی۔

وعظ وتقریر: مولاناؒ اکثر مسجدوں میں وعظ فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی قرب وجوار کے دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے اور اس راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرتے تھے، حتی کہ کبھی وعظ کے مقام سے پیدل ہی واپس آنے کی نوبت آتی جو کافی دور ہوتا، مگر بغیر کسی شکوہ وشکایت کے پیدل تشریف لے آتے۔

مولانا کی تقریر سادہ، عام فہم اور بڑی پُر مغز اور مؤثر ہوتی کہ ہر شخص بآسانی سمجھ لیتا اور اثر لئے بغیر نہ رہتا۔

حکیم فخر الدین صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا اجمیریؒ کے وعظ میں نورانیت اور برکت کے علاوہ ان کے بیان میں ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ موجودہ دور کی ترقیات میں سے کسی نہ کسی چیز کو بیان فرما کر اسلامیات کو اور زیادہ اُجاگر فرماتے تھے۔

ملفوظات

(۱) قرآن مجید کی تلاوت بہت خوش الحانی سے فرماتے اور فرماتے کہ قرآن کریم بہت بڑی دولت ہے، اس کی ہمیشہ تلاوت کرتے رہو، اور جو حافظ نہیں ہیں وہ حضرات بھی تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر یاد کرتے رہیں، بہت آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

فرماتے :بس قرآن پڑھتے رہو،اس سے درجات بلند ہوتے ہیں، تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے،اس کے معنی پر بھی غور کرتے رہو۔

(۲) وہ مکان جو مسجد سے زیادہ قریب ہو،اسے بہت پسند فرماتے اور فرماتے کہ اپنا گھر اللہ کے گھر کے قریب ہو تو کتنا اچھا ہے، دیکھئے، ہر وقت اذان کی آواز آتی رہتی ہے اور جلدی سے نماز کے لئے پہنچ سکتے ہیں۔

(۳) (مسجدیں تعمیر کرانے کا خاص اہتمام تھا) کبھی فرماتے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اسے تین چیزوں کی ضرورت ہے، مسجد، مدرسہ، قبرستان۔

(۴) وقت کی قدر و قیمت اور اہمیت پر زور دیتے اور فرماتے :وقت کی قدر کیا کرو، جو لمحات مل جائیں اس میں یا تو کوئی کام کرو یا پھر ذکر اللہ وعبادت میں مشغول ہو جاؤ،خود بھی اس پر عمل فرماتے اور کبھی فرماتے کہ اللہ کی یاد بڑی قیمتی نعمت ہے اور غفلت بڑی خطرناک اور مہلک چیز ہے، شیطان کا کام ہی ہے کہ انسان کو غفلت میں ڈالے۔

(۵) فرمایا: ایمان اور علم کی برکت سے مومن کے دنیاوی امور بھی اخروی بن جاتے ہیں نِية الْمُؤمِنِ خَيْرٌ مِّن عَمَلِهٖ (جامع الصغیر:ج/۵ح/۹۴۹۵) (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔) کے مصداق ہو جاتے ہیں۔

(٦) فرمایا: مقدراتِ خداوندی بھی اٹل ہوتے ہیں، جہاں رہنا میسر ہو؛ اللہ تعالی دین وایمان پر قائم رکھے۔

(۷) فرمایا: سفر آخرت سب کو درپیش ہے اور سب کو رب العالمین کے پاس پہنچنا ہے، خوش قسمت اور سعادت مند وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں

سعادتمندی کی زندگی بسر کر کے جاتے ہیں، اور ''راضِیۃً مرضیۃً'' کے پُرعظمت اعلان سے محظوظ ہوتے ہیں۔

اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي O (الفجر:۲۸،۲۹،۳۰)

(ترجمہ) اے اطمینان والی روح، تو اپنے پروردگار کی طرف چل، اس طرح کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر تو میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

ف: سبحان اللہ، آپ کے ملفوظات کتنے مفید و مؤثر مضامین پر مشتمل ہیں، اللہ تعالی ہم سب کو اسے پیش نظر رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات: ۲۴؍نومبر ۱۹۹۴ء مطابق ۱۴۱۴ھ کو شب جمعہ میں تقریباً ۲ بجے کلمۂ توحید کا ورد کرتے کرتے اس دنیا سے رحلت فرما گئے اور جان جاں آفریں کے سپرد کی، بعد نماز جمعہ جامعہ اشرفیہ کے قریب میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، ستر ہزار افراد نے نماز میں شرکت کی، پھر راندیر سورت کے قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اپنی سعادت: حضرت مولانا سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا، بہت ہی شفقت و محبت کا سلوک فرمایا۔ فجزاہم اللہ تعالی احسن الجزاء۔

حضرت الحاج محمد ابراہیم[۱] صاحب نقشبندیؒ بہار المتوفی ۱۴۱۴ھ

نام ونسب اور ولادت: نام محمد ابراہیم والد کا نام جان علی تھا، آپ کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں ساکن مادھو پور سلطانپور ضلع مظفر پور بہار میں ہوئی۔

جان علی مرحوم ایک صاحب صلاح وتقویٰ اور پابند شریعت وسنت زمیندار تھے۔ تین موضع کی زمینداری تھی۔ چھ لڑکے اور دولڑکیاں تھیں، دولڑکوں کو ایک موضع دیا۔ اس طرح تین موضع چھ لڑکوں میں تقسیم کردیا، ہرموضع میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس کے انتظام وانصرام کے لئے قیمتی اور بیسوں ایکڑ زمین وقف کرکے تفصیل کی تعیین کردی تاکہ بعد میں کسی طرح کا اختلاف وانتشار نہ ہو۔

ف: سبحان اللہ! یہ آپ کی بہت ہی فہم وفراست کی علامت ہے۔ (قمر الزمان)

وہ خود بھی تہجد گزار اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے مرید تھے۔ تہجد ہمیشہ غسل کرکے پڑھا کرتے تھے اور استقامت کی نعمت سے اللہ تعالیٰ نے ان کونوازا تھا۔

تعلیم وتربیت: ان کے ایک صاحبزادے ہمارے والد ماجد حاجی محمد ابراہیم صاحب بھی تھے جن کے حصے میں مادھو پور سلطانپور آیا۔ مکرم حاجی ابراہیم صاحب بھی لڑکپن کی عمر میں ہی تھے کہ ان کے والد محترم جان علی صاحب مرحوم ہوگئے اور ان لوگوں کی تربیت میں آگئے جو زمینداری کے نگراں اور دیکھ ریکھ کرتے تھے۔ خاندان کے بڑوں کی نگاہ بھی ان کی تعلیم وتربیت پر مرکوز ہوگئی۔ خاندان

---

[۱] مرتبہ صاحبزادہ مولانا ثمین اشرف صاحب زید مجدہ

کے باشعور لوگوں کے مشورہ سے مظفر پور جامع العلوم میں مولانا رحمت اللہؒ کے زیر نگرانی اور انہیں کے احاطۂ خاص میں قیام وطعام کا نظم کردیا گیا۔ مولانا رحمت اللہؒ کا گھرانہ پورا کا پورا صاحب نسبت اور تزکیۂ نفوس اور تہذیب قلوب کا نمونہ تھا، ان کے گھر کے بچے عورتیں بھی فضول باتوں کے بجائے ہر وقت سیر وسلوک اور انوارات وتجلیات الٰہیہ کے کسب واخذ فیض کی باتیں کرتیں، والد محترم محمد ابراہیم صاحبؒ کے مزاج میں دینداری وصوم وصلوٰۃ اور تہجد کا اہتمام تو تھا ہی، صحبت اہل معارف کا رنگ پختہ ہوتا گیا، اور طبیعت میں جذب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ تین روز ان کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔

یہ بڑی نعمت ہے جس پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

این آں سعادت ایست کہ حسرت برد برآں
جویائے تخت قیصر و ہم ملک سنجری

دنیا سے طبیعت اچاٹ ہونے لگی کہ یہ نظام محض ایک بازیچۂ اطفال مشاہدہ ہونے لگا اور عمر ابھی پندرہ سال تھی۔ روز بروز غلبۂ جذب میں شدت ہوتی گئی، آتش عشق الٰہی اور حب رسول کی وجہ سے طبیعت علائق وخلائق سے متنفر ہونے لگی، گوشہ نشینی وتنہائی اور خلوت میں پہلے سے رہتے تھے اب اس میں شدت آنے لگی۔ مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے ایک بھائی ضیاء اللہ وہ محسوس کر گئے کہ محمد ابراہیم کی کیفیت بدلی ہوئی ہے اور اب یہ کسی دوسری دنیا میں کھویا ہوا ہے۔ بات مولانا رحمت اللہ صاحبؒ تک پہنچی، انھوں نے طلب کیا، احوال معلوم کئے اور پوری تفصیل سنی، اور فرمایا کہ اس چھوٹی عمر کے بچے کو اتنے اونچے مقام کا فیض کس طرح ہوگیا،

جو روز بروز ترقی پر ہے، اگر اس کی نگرانی وتربیت نہ ہوئی تو یہ جذبی کیفیت میں جان دے دیگا۔ مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کا تعلق خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے تھا، فرمایا اگر میں اس کو پھلواری شریف لے جاتا ہوں تو اس میں میرے نفس کا دخل ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ حضرت مولانا بشارت کریم صاحب جو اسی علاقہ کے قوی نسبت نقشبندیہ کے اولیاء کاملین میں ہیں، ان کی خدمت میں لے جانا چاہئے۔ لہذا ان کو مولانا بشارت کریم کی خدمت میں روانہ کردیا گیا۔ حضرت کچھ فرما کر پوچھتے بات ذہن میں آئی، محمد ابراہیم صاحبؒ فرماتے نہیں، کئی بار یہ سوال کیا ہر بار جواب ملا سمجھ میں نہیں آئی۔ حضرت نے فرمایا جب تک یہ میرے سامنے ہے اس کی کیفیت یہی رہے گی۔ جب رخصت ہوگا ٹھیک ہوجائے گی۔ لہذا حضرت محمد ابراہیم صاحبؒ حدود سے نکلے تو پورے جسم میں طمانینت، قرار وتمکین کی کیفیت بحال ہوگئی۔ پھر تو وہ خاندان نقشبندیہ کے ہی ہوکر رہ گئے اور حضرت کے بتلائے ہوئے طریقہ ومشرب پر استقامت کے ساتھ تاحیات کاربند رہے۔

تعلیم مظفر پور میں ہوتی رہی اور سلوک کی تربیت مولانا بشارت کریم صاحب کے یہاں ہوتی رہی اور آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا رہے، حضرت مولانا بشارت کریم صاحب کے وصال کے بعد انہی کے ایک اجازت یافتہ شاہ نور اللہ حضرت پنڈت جی سے رجوع کیا جو دربھنگہ کی ایک مسجد میں مقیم تھے، جب وہ ملک تقسیم ہونے کے بعد چلے گئے تو پھر ان کے جانشین وخلیفہ حضرت مولانا احمد حسن منورہ سمستی پور جو شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید مولانا عبدالشکور صاحب کے صاحبزادے اور صاحب نسبت تھے ان سے نسبت مع اللہ کی جستجو میں رہے اور انہی

سے اجازت وخلافت بھی تھی۔مگر پوری عمر اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا۔

احوال: انسانی زندگی میں دو ہی حالت ہوتی ہے فراخی وکشادگی میں شکر اور تنگی وتنگدستی میں صبر ورجوع الی اللہ۔اللہ تعالیٰ دونوں حالتوں میں راہ تسلیم ورضا اور تمکین بھی عطا کرتا ہے اور رسوخ ایمان، کمال ایمان، عبادت واطاعت کا استقامت کے ساتھ امتحان بھی لیتا ہے، تکمیل عبدیت اور تمکین قربت کے لئے ضروری ہے کہ بندہ کو دونوں ہی راہ سے رضائے الٰہی، رضوان باری تک لایا جائے۔جو صرف شکر کا عادی ہے وہ صبر کی تعبدی لذت کو کیا جانے گا۔جب ان پر احوال آئے اور خوب آئے تو استقامت کے ساتھ تسلیم ورضا، انابت واستقامت، عبادت واطاعت کی راہ پر گامزن ہوکر "**لاحول ولاقوۃ الاباللہ**" کے ذریعہ حضور حق میں حاضر باش ہوگئے اور عسرت کی زندگی کو سیر الی اللہ کا ذریعہ جانا اور "**اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ**" کا لاج رکھا۔عسرت کے ایام میں ان کے مزاج میں ہیبت باری تعالیٰ اور خشیت کا غلبہ تھا،عسرت کی زندگی میں قناعت واخلاص کے ساتھ ذوق عبادت واطاعت، کثرت ذکر،تلاوت کی حلاوت، انابت، مراقبہ ومحاسبہ کا غلبہ ہوگیا۔اپنے لڑکوں اورلڑکیوں کو نماز فجر کے لئے سختی سے بیدار کرتے، بچوں کی دینداری کی بڑی فکر فرماتے تھے۔

رشتہ دار کا قول: ایک روز اپنے کسی رشتہ دار کے پاس مظفر پور گئے، نماز ظہر کا وقت تھا نماز پڑھی پھر ملاقات ہوئی، درمیان گفتگو عزیز نے پوچھا حاجی صاحب! بچے سب کہاں پڑھتے ہیں، جواب دیا اشرف العلوم کنہواں میں دولڑکے کو داخل کردیا ہے، یہ سن کر سائل نے کہہ دیا کہ کیا آپ نے بچوں کو مسجد کا بدھنا بنادیا۔یہ سنتے ہی ان کی طبیعت مکدر ہوگئی اور جلد ہی وہاں سے اٹھ گئے، صاحب خانہ نے

بہت ہی کوشش کی مگر وہ نہ رکے اور جس کام کے لئے گئے تھے وہ بھی انجام نہ دیا۔ گھر واپس ہوگئے، شام ہوچکی تھی، اہلیہ نے کھانے کو کہا، کہہ دیا کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔غم عمیق تھا، رنج محیط تھا۔نیند بھی نہ آئی کہ بات بہت ہی غلط اور بے موقع تھی، جب گھر کے تمام افراد سو گئے وہ اٹھے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا نماز ادا کی اوراوراد ووظائف، مراقبہ سے فارغ ہوکر بدرگاہ بارگاہ قدس عجز ونیاز کا دامن پھیلا دیا کہ اللہ دین کی تعلیم محض تیری رضا کے لئے بچوں کو دلانے کا ارادہ ہے اور اس طرح کا لوگوں کا خیال۔الغرض کس سوز وگداز سے دعا کیا وہ جانیں اور ان کا رب۔ خوب گریہ وزاری کر کے دعا کی کہ یا اللہ ان بچوں کو اعلیٰ عصری ودنیاوی تعلیم یافتہ لوگوں سے دنیاوی ودینی سربلندی بھی عطا کرنا جو عصری تعلیم یافتہ کے لئے باعث عبرت ہو اور طے کرلیا کہ تمام بچوں کو دینی تعلیم ہی دیں گے، الحمدللہ ان کے لڑکوں میں علماء، حفاظ، مفتی، قاری اور شاعر سبھی ہیں اور اب نواسے پوتے درجنوں ہیں۔

وفات: ۲۰؍جولائی ۱۹۹۳ء مطابق ۱۴۱۴ھ ہفتہ کے دن بعد نماز مغرب قبل عشاء خود اپنے ہاتھ سے رومال لے کر داہنی کروٹ رخسار کے نیچے ہاتھ رکھا اور ہچکی آئی اور بنام اللہ وصال حق ہوگیا۔**إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔

حضرت مولانا سید ابراراحمد صاحب دُھلیویؒ المتوفی ۱۴۱۵ھ

ولادت باسعادت: حضرت مولانا کی ولادت باسعادت نواپور ضلع دھولیہ (مہاراشٹر) کے معزز خانوادۂ علم ومعرفت میں یکم جنوری ۱۹۴۲ء مطابق ۱۳۶۲ھ میں بروز جمعہ ہوئی، والدمحترم کا اسم گرامی سید شجاع الدین ہے جوایک جید عالم تھے، نواپور میں طویل عرصہ تک درس وتدریس اور دعوت وارشاد کی خدمت انجام دی۔فجزاھم اللّٰہ تعالی احسن الجزاء۔

تعلیم وتربیت: والدمحترم کا سایۂ عاطفت بچپن ہی سے اُٹھ چکا تھا،اس لئے بڑے بھائی جناب حکیم ضیاءالدین صاحب نے پوری کفالت کی اور ماشاءاللہ بہت اچھی تربیت فرمائی۔آپ کی ابتدائی تعلیم نواپوراوردھولیہ میں ہوئی،حفظ کلام پاک ڈابھیل میں شروع کیا تھا،مگر تکمیل حکیم صاحب کے مکان پر رہتے ہوئے دارالعلوم رامپورہ سورت میں ہوئی، ابتدائی عربی کتابیں مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں میں پڑھیں، پھر جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۵ء میں جامعہ ڈابھیل سے سند فراغت ودستارفضیلت حاصل کی۔

بیعت واصلاح باطن: فراغت کے بعد اپنے استاذ محترم حضرت مولانا محمد ایوب صاحب مئویؒ کے مشورہ سے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ [1] کی صحبت بابرکت میں ایک سال کے لئے الہ آباد تشریف لائے

---

[1] سبحان اللہ تعالی! ایسا اتفاق کہ حضرت مصلح الامتؒ نے آپ کے قیام کے لئے محلہ کی ایک

جس کی وجہ سے حضرت مصلح الامتؒ کی خصوصی توجہ آپ پر تھی، اور ہم لوگوں کے ساتھ تعلیم الدین کے تکرار کے لئے فرمایا، چنانچہ آپ کی صلاحیت کو معلوم کر کے

مسجد کے متصل حجرہ کو تجویز فرمایا، جہاں اب ہمارا مدرسہ عربیہ بیت المعارف قائم ہے۔ چنانچہ وہاں سے مولاناؒ برابر حضرت والاؒ کی مجلس خصوصی وعمومی میں شرکت فرماتے، مزید حضرت مصلح الامتؒ نے ہم لوگوں کو رسالہ تعلیم الدین مؤلفہ حضرت حکیم الامتؒ کے تکرار کا امر فرمادیا تھا، جس سے مولاناؒ کی مصاحبت کا اچھا خاصا موقع مل جاتا تھا، اسی زمانہ سے مولاناؒ سے خاص تعلق ہو گیا تھا، مگر افسوس کہ حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد ملاقات کا تو کیا مکاتبت کا سلسلہ بھی قائم نہ رہ سکا تھا، لیکن جب شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ میں دورۂ حدیث کے طلبہ کی دستار بندی کے موقع پر دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کے منتظمین نے دعوت دی اور یہ حقیر حاضر ہوا تو مولانا سے ملاقات ہوئی، جس سے بہت خوش ہوئے اور بیحد محبت کا سلوک فرمایا، پھر جب ان کو معلوم ہوا کہ دارالعلوم کنتھاریہ میں نظام خانقاہ کے لئے اس حقیر کو تجویز کیا گیا ہے، تو ان کی مسرت کی انتہا نہ رہی، اوراس کی تصدیق کے لئے بمبئی مسجد النور تشریف لائے بعد تصدیق خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے علوم ومعارف تمہارے ذریعہ حضراتِ گجرات کو پہنچیں، چنانچہ اس کے بعد جب بھی ملاقات ہوتی، اہل گجرات کے اطمینان بلکہ انتفاع واستفاضہ کی خوشخبری سناتے، الحمدللہ ہر سال ماہ رمضان میں نظام خانقاہ کے لئے آمدورفت کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے، مزید مولاناؒ بیرونی ممالک میں اس حقیر کا بہت ذکر فرماتے رہتے تھے، جس کا ذکر وہاں کے حضرات نے فرمایا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے حسن ظن کے مطابق مجھ سے دین وطریق کا کام لے اور قبول فرمائے۔ آمین!

(مرتب عفی عنہ)

رجب ۱۴۲۸ھ

آپ کو تذکیر وتعلیم اور تلقین اذکار کی اجازت مرحمت فرمائی، ایسے اجازت یافتہ کو حضرت حکیم الامتؒ کی اصطلاح میں ''مجاز صحبت'' کہا جاتا ہے؛ مگر مصلح الامتؒ جیسے شیخ کامل کی طرف سے ایسی اجازت کا ملنا بھی معمولی شرف وکرامت کی بات نہ تھی، طلب صادق ہی کی بناء پر حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد تقریباً چھ ماہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں رہے، اور بیعت حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ہوئے، حضرت مہتمم صاحبؒ نے آپ کی صلاحیت واستعداد کو ملاحظہ فرما کر بیعت کی اجازت سے مشرف فرمایا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

درس وتدریس: ۱۹۶۹ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر عمل میں آیا، طلبہ آپ کے درس سے مطمئن تھے، طلبہ کی ذہنی واخلاقی تربیت خوب ہی خوب فرماتے تھے، پھر وہاں سے ۱۹۷۴ء میں دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں استاذ حدیث کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تو قبول فرمالیا اور تادمِ حیات تقریباً ۲۱/سال کے طویل عرصہ تک تعلیمی وتدریسی خدمات بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، اخیر کے پانچ سال بطور شیخ الحدیث بخاری شریف جلد اول بھی آپ سے متعلق رہی اور بڑی حسن اسلوبی سے اس منصب کے فرائض کو انجام دیا، حضرت مولاناؒ تدریس کی خدمت کو نعمت عظمی اور اللہ تعالی کا انعامِ خاص سمجھتے تھے اور بار بار اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالی کا بڑا احسان ہے کہ اس نے دنیا کے جھمیلوں سے چھڑا کر پڑھنے پڑھانے میں لگا رکھا ہے۔

عقدِمسنون: اگرچہ مالدار خاندانوں کی طرف سے رشتۂ نکاح کی تحریک ہوئی مگر آپ نے قبول نہ فرمایا، بلکہ مفتی گجرات حضرت مولانا سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کی دختر نیک اختر سے آپ کا نکاح ہوا، مگر اللہ تعالی کی مرضی کہ آپ کے یہاں اولاد نہ ہوئی، جیسا کہ بہت سے مشاہیر علماء ومشائخ کا یہ حال رہا ہے۔

تلقین وارشاد: اللہ تعالی نے حضرت مولاناؒ کو وعظ وخطابت کی بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا، مختلف دینی وعلمی موضوعات پر بے تکلف جامع مانع انداز میں لطائف وحقائق ودقائق پر مشتمل خطاب فرماتے تھے، انداز بیان بڑا شیریں، دلچسپ، دلنشین، دلپذیر ہوتا تھا، الفاظ بڑے جچے تلے، موقع ومحل کے بالکل مناسب اور موزوں ہوتے تھے، آپ کے بیان سے عوام وخواص یکساں طور پر لطف اندوز ومحظوظ ہوتے تھے، اندرون وبیرون ملک کے مختلف جلسوں اور مختلف تقریبات میں آپ کو مدعو کیا جاتا، آپ کے بیانات کی مقبولیت وشہرت کی بناء پر ہر سال شعبان ورمضان کی تعطیل میں زامبیا، زمبابوے، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، کینیڈا، باربادوز، ری یونین، موریشش وغیرہ ممالک میں باصرار آپ کو مدعو کیا جاتا، چنانچہ آپ تشریف لے جاتے اور اللہ تعالی کی مخلوق آپ کے بیانات سے فیضیاب ہوتی۔

آپ اپنے بیانات میں علماء حق اور اسلاف کرام کی ترجمانی کرتے، ان کے بارے میں پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ فرماتے، شرک وبدعات کی خرابیوں سے عوام کو روشناس کراتے، گمراہ فرقوں کے نظریات کی وضاحت کرکے ان کا رد فرماتے، خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے مواعظ وبیانات مختلف

پہلوؤں سے نہایت مفید اور مؤثر ہوتے۔فللہ الحمد والمنۃ۔

شان استغناء: آپ ایک مثالی شانِ استغناء کے مالک تھے، بیرون ممالک کے اسفار میں آپ کی یہ شان کامل درجہ ظاہر وعیاں ہوجاتی تھی، پوری صفائی ووضاحت کے ساتھ کلمۂ حق بلاخوف لومۃ لائم (بغیر ملامت کے خوف کے) ارشاد فرماتے تھے، علم واہل علم کا وقار مجروح ہوتے دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور نہایت بے باکی کے ساتھ ایسے لوگوں کا رد کرتے جیسا کہ آپ کے بیانات سے واضح ہے۔

حسن اخلاق: مولانا کے مزاج میں سادگی تھی، تصنع وتکلف نہ تھا، تواضع وانکساری تھی، اپنے اساتذہ واکابر کا ادب واحترام ہمیشہ ملحوظ رہتا تھا، اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت آمیز برتاؤ تھا، ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ خندہ پیشانی وخوش اخلاقی سے پیش آتے، جس کی وجہ سے عوام وخواص آپ کے گرویدہ تھے اور ہر شخص آپ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور سب کے دل میں آپ کی محبت تھی، آپ کی ایک ہی ملاقات ہزاروں ہموم وغموم کو کافور کردیتی اور مسکراتے ہوئے سلام میں پہل کرتے، اتباع سنت کے بڑے دلدادہ تھے۔

ف: اتباع سنت تو ہر حال میں لازم ہے، خصوصاً علماء کے لئے تو اس کا اہتمام بہت ضروری ہے، ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی، تاکہ اللہ تعالی کے یہاں مقبولیت ومحبوبیت نصیب ہو۔(مرتب)

ارشادات

اخلاق کی حقیقت: علماء کرام نے اس پر بحث کی ہے کہ اخلاق کی حقیقت

کیا ہے؟ ایک ہے انسان سے صادر ہونے والے افعال، آدمی کا کھانا پینا، چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، یہ سب افعال کہلاتے ہیں اور ایک ہے ان افعال کا منشاء یعنی جس کی وجہ سے اور جس کی بنیاد پر وہ افعال صادر ہوتے ہیں، وہی بنیادیں دراصل اخلاق کہلاتی ہیں، اس کو آپ ایسے سمجھ لیں جیسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھایا کہ انسان کی صورت جو آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے اس کو خَلق کہتے ہیں، اور انسان کی سیرت جو اس کے اندر ہے وہ خُلق کہلاتی ہے، اسی کی جمع اخلاق ہے۔

ظاہر و باطن: ایک ہے صورت اور ڈھانچہ جو ظاہر میں دکھائی دیتا ہے، اور ایک ہے خُلق و سیرت جو انسان کے اندر چھپی رہتی ہے، اور جس شان کی سیرت ہوگی اسی شان کی صورت سامنے آئے گی، یا جیسی صورت اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسی شان کی سیرت بننا شروع ہوگی، کیونکہ ظاہر کا اپنے باطن سے اور باطن کا اپنے ظاہر سے بڑا قوی لگاؤ ہے۔

ایک مثال سے وضاحت: جیسے درخت کی جڑیں زمین میں ہوتی ہیں، وہ جتنی اندر پھیلتی ہے اسی اعتبار سے باہر شاخیں پھیلنا شروع ہوتی ہیں، اور باہر شاخوں کا جتنا پھیلاؤ ہوتا ہے اسی اعتبار سے جڑیں اندر پہنچتی ہیں، کیونکہ اتنے بڑے جسم کے لئے مائیت (پانی) اور غذائیت کی ضرورت ہے تو وہ جڑیں زمین میں آگے بڑھ کر اسے مہیا کرتی ہیں۔

(اور بڑ کے درخت کو آپ نے دیکھا ہوگا، شاید اسی لئے اسے بڑ کا درخت کہتے ہیں کہ وہ بڑھتا ہی رہتا ہے) تو اس کی شاخیں جتنی باہر پھیلتی ہیں جڑیں اسی تناسب سے اور زیادہ پھیلتی ہیں، تو شاخیں جڑوں سے وجود لیتی ہیں

اور جڑیں شاخوں سے رسوخ قبول کرتی ہی ہیں، اگر جڑیں نہ ہوں تو شاخوں کو وجود نہ ملے اور اگر شاخوں کا پھیلاؤ نہ ہو تو جڑوں میں مضبوطی پیدا نہ ہو۔ آپ درخت کے تنے کو اور شاخوں کو بار بار کاٹتے رہیں تو جڑوں میں ضعف پیدا ہوجائے گا، باہر تنے کو تننے نہ دیا جائے اور درخت کو پنپنے نہ دیا جائے تو اندر جڑوں میں رسوخ اور پختگی پیدا نہیں ہوگی، تو شاخیں وجود لیتی ہیں جڑوں سے اور وہی جڑیں شاخوں سے مضبوطی اور رسوخ حاصل کرتی ہیں، دونوں کا ایک دوسرے سے جوڑ ہے، تو صورت اپنا وجود اختیار کرتی ہے سیرت سے، اور سیرت کو مضبوطی نصیب ہوتی ہے اسی صورت کے ذریعہ سے، دونوں کا آپس میں ایک دوسرے سے ایک خاص قسم کا جوڑ ہے۔ (فیض ابرار: ج:۲،ص/۱۲۲)

مرتبۂ قال ومرتبۂ حال: فرمایا: حق جلّ مجدہ نے دنیائے انسانیت کو دو بہترین نعمتوں سے نوازا ہے: ایک تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبارک سلسلہ قائم فرمایا اور دوسرے آسمان سے کتابیں نازل فرمائیں، تو نبوت ورسالت کی نعمت سے بھی نوازا اور کتب سماوی وصحف سماوی کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا، اور مقصد ان کا یہ ہے کہ کتب سماوی علم کی خبر دیتی ہیں اور انبیاء کرام ان کتب کے علوم کو اپنے اعمال سے واضح وظاہر فرماتے ہیں، تو جیسے وحی سماوی علمی قرآن ہے اسی طرح ذات اقدس اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملی قرآن ہے کہ جو باتیں قرآن میں اور کتاب اللہ میں مرتبۂ قال میں ہیں، وہ ساری چیزیں ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مرتبۂ حال میں ہیں، تو علم دیکھنا ہو تو آیات قرآن دیکھ لی جائیں اور عملی نمونہ دیکھنا ہو تو سنن نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لی جائیں، علم اگر صحیح نہ

ہوتو ظاہر بات ہے کہ عمل بھی اس کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتا، اور عملی نمونے نہ ہوں تو اس صورت میں علم پر تکوینی طور پر عمل کا جو درجہ ہے وہ مرتّب نہیں ہوسکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل متواتر ومتوارث ہے: اس لئے خاتم المحققین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ اگر امت کا تعامل نہ ہوتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عمل متوارث نہ ہوتا کہ نماز میں رکوع کیسے کیا جائے؛ سجدے کیسے کئے جائیں، تو یقینا کتاب دیکھ کر رکوع وسجدے کی صحیح ہیئت آدمی معلوم نہیں کرسکتا تھا، کبھی پیٹھ کسی شان کی ہوتی، گردن کی کچھ اور کیفیت ہوتی، اسی طرح قیام وقعود کی صحیح ہیئتیں اور حالتیں ہمیں معلوم نہیں ہوسکتی تھیں، لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر ہر عمل پر امت کا تعامل ہے اور ہر ہر عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متوارث ہے، اس لئے نماز کی صحیح شکل وصورت الحمدللہ آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے، اگر عملی نمونہ نہ ہوتا تو دشواری ہوجاتی ، کتاب اللہ اس لئے بھیجی گئی تا کہ امت کے سامنے علم آجائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے مبعوث فرمایا گیا تا کہ امت کے سامنے عملی نمونے آجائیں اور علم وعمل کے ان دونمونوں سے درحقیقت دین کی تکمیل ہوتی ہے۔ (فیض ابرار: ج/۲،ص/۱۷۲)

ف: یہ ارشادات مولانا مرحوم کے مجموعۂ مواعظ مسمّٰی بہ ’’فیض ابرار‘‘ سے انتخاب کر کے درج کئے گئے ہیں، اس قسم کے بہت سے حکمت وموعظت سے لبریز مضامین مندرج ہیں، جن کا مطالعہ ہر خاص وعام کیلئے مفید ومؤثر ہے، اب تک مولانا کے جاں نثار مجاز عزیزم مولانا اقبال صاحب حال مقیم لوساکا (زامبیا) کے اہتمام سے دس جلدیں طبع ہوچکی ہیں، امید ہے کہ آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالی

اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔فجزاھم اللّٰہ تعالی احسن الجزاء۔(مرتب)

اب آپ کا مکتوب محبت بھی ملاحظہ فرمائیں جسے آپ نے اس حقیر کے نام ارقام فرمایا ہے:

مکتوب گرامی

بشرف ملاحظہ محترمی حضرت مولانا قمرالزماں صاحب زادت عنایاتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بندہ بحمداللہ بعافیت ہے، امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، گرامی نامے نے مشرف فرمایا، ممنون ہوں کہ یاد فرماکر شاد فرمایا، مکتوب گرامی سے احوال رمضان المبارک معلوم ہوئے، اور ویسے ہی لوگوں سے اس کا علم ہوا کہ ماشاءاللہ دارالعلوم کنتھاریہ میں رمضان المبارک کا قیام بہت ہی برکتوں اور دینی چہل کا باعث بنا، آپ کے افادات وارشادات نافع اور سودمند ثابت ہوئے، مبارک ہو اور ربّ کریم اس سلسلۂ فیض کو مع ترقیات جاری وساری رکھے۔ آمین!

منتظمین دارالعلوم کنتھاریہ بھی بہت خوش اور مدّاح ہیں، رب کریم نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے فیض کو اس علاقہ میں عام کرنے کی ایک صورت پیدا فرمادی ہے، رب کریم اسے قبول فرمائیں، آمین!

آپ کی تالیف لطیف مسمّٰی بہ ''اقوال سلفؒ'' تین جلدوں پر مشتمل دیکھی، ماشاءاللہ تعالی پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا، دل کی گرہیں کھُل گئیں، لوگ تو کسی ایک بزرگ کی سوانح لکھتے ہیں، مگر آپ نے ''اقوال سلف'' کے ضمن میں سینکڑوں بزرگوں

کی اجمالی مگر نافع سوانح تیار فرمادی۔ کثّرَ اللہُ تعالیٰ اَمْثالکُم فی الأمّۃ۔

خاص بات جو قابل تحریر ہے یہ ہے کہ حضرت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے ذوق کو ''اقوال سلفؒ'' کی تشریح میں ملحوظ رکھا۔

ف: یقیناً آپ کا کتاب کے متعلق تبصرہ میرے لئے تحسین ہی نہیں بلکہ تشجیع کا باعث ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

شوال المکرم کے سفر کینیڈا میں ''اقوال سلفؒ'' ہر سہ حصہ اپنے ہمراہ لے گیا اور مسمّٰی محمد یوسف لوہاروی سلمہ (جو احقر سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور انگریزی میں ایک رسالہ بنام ''الاشرف'' ماہانہ شائع کرتے ہیں) کو ہدیۃً پیش کردی، وہ اس سے بہت مسرور ہوئے اور وعدہ کیا کہ اپنے رسالہ ''الاشرف'' میں اس کے مضامین ہر ماہ شائع کروں گا، اس طرح کتاب کے مضامین اور حضرت مصلح الامتؒ کا فیض کینیڈا، امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں پہنچے گا، اللہ پاک اسے قبول فرماکر ذریعۂ نجات بنائے، آمین فقط والسلام مع الاکرام

الراقم الآثم والخادم النادم

ابرار احمد دھولیوی عفی عنہ

خادم الحدیث والتفسیر دارالعلوم فلاح دارین

ترکیسر ضلع سورت، گجرات

وفات کا حال: مولانا تقریباً ۱۸/سال سے شکر کے مریض تھے، نیز بلڈ پریشر کا بھی مرض تھا، مزید یہ ہوا کہ جب شعبان ۱۴۱۵ھ میں بیرون ملک حسب سابق سفر ہوا تو کینڈا میں فالج کا حملہ ہوا، اس کے بعد انگلینڈ آئے،

پھر وہاں سے شوال میں ہندوستان لائے گئے اور علاج کا سلسلہ جاری ہوا، مرض گھٹتا بڑھتا رہا، آخر ۱۵/ذوالحجہ کو جبکہ سورت کے کسی اسپتال میں داخل تھے، طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور تکلیف کافی بڑھ گئی، اس حالت میں بھی کوئی پوچھتا کہ کیسی طبیعت ہے؟ تو فرماتے: میں تقدیر پر راضی ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے جس حال میں رکھے اس حال میں میں خوش ہوں، بلکہ اپنے خادم خاص عزیزم مولوی محمد یوسف قاضی سلمہ سے فرما دیا تھا کہ جب کوئی عیادت کے لئے آئے، اس سے تین باتیں کہہ دیا کرو، (۱) میری طبیعت نسبتاً اچھی ہے، (۲) آپ حضرات کی دلی دعاؤں کا محتاج ہوں، (۳) میرا قلب بہت مطمئن ہے، میں بہت خوش ہوں، تقدیر پر راضی ہوں۔

ف: ایسی باتیں بلکہ نصیحتیں ہم سب کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں جسے غایت درجہ ستودہ صفات، عالم و عارف ہی کہہ سکتا ہے، اس لئے دعا ہے کہ **"کثر اللہ امثالھم فی الامۃ المرحومۃ"** (مرتب)

آخر تکلیف کا سلسلہ جاری ہی رہا، بروز جمعرات ساڑھے چار بجے ۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۸/مئی ۱۹۹۵ء کو اس دار الفناء سے دار البقاء کو رحلت فرما گئے۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔** اور راندیر سورت کے وسیع قبرستان میں ہزاروں شیدائیوں کے ہاتھوں مدفون ہوئے۔ **نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ**

حضرت مولانا طاہر حسین صاحب بنگالیؒ المتوفی ۱۴۱۵ھ

خلیفۂ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

نام ونسب: حضرت مولانا طاہر حسین صاحبؒ کے والد کا نام مولانا حاجی حازم صاحبؒ اور والدہ کا نام نسیمہ خاتون تھا، مولانا حازم صاحبؒ صوبہ آسام ضلع کریم گنج کے سگراریہ گاؤں کے رہنے والے تھے، بہت ہی متقی پرہیزگار، تہجد گزار تھے، ان کی زندگی کا بنیادی کام مدرسہ، مکتب اور عیدگاہ کی بنیاد رکھنا او ردرس وتدریس میں مصروف رہنا تھا۔ مولانا کی والدہ نسیمہ بھی صوم وصلوٰۃ کی پابند عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔

ولادت: حضرت مولانا طاہر حسین صاحب ۱۵/مئی ۱۹۲۲ء مطابق ۱۳۴۱ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب کے پاس حاصل کی۔ اس کے بعد مختلف مقامات میں مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مولانا بچپن میں سخت بیمار ہوگئے تھے، زندگی کی امید نہ تھی تو آپ کے والد صاحب نے نذر مانی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! تو اگر میرے طاہر کو صحت دیدے تو میں ایک ہزار روزے رکھوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مولانا طاہر کو صحت عطا فرمادی تو ان کے والد نے ایک ہزار روزے رکھے۔

مولانا طاہر حسین صاحب نے ۱۹۴۲ء میں انٹر میڈیٹ کی سند

حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا شاہد صاحب کے مشورہ سے مولانا طاہر حسین صاحب اور مولانا امداد الرحمٰن صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کا قصد کیا۔ ۱۵ ؍ اگست ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وہیں پر بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور ترمذی پڑھی۔ مولانا نے بخاری وغیرہ میں سو فیصد نمبرات حاصل کئے اور مسلم شریف میں امتیازی نمبر سے پاس ہوئے۔ بخاری اور ترمذی شریف حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے پاس دو دو مرتبہ پڑھی۔ مولانا اثنائے سبق اساتذہ کی تقریروں کو عربی میں نوٹ کرتے تھے۔

تدریسی خدمت: مولانا کی ذہانت کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ اردو اور بنگلہ زبان میں اشعار بے جھجک کہہ لیتے تھے، اور انگریزی ایسے بولتے تھے کہ گویا آپ کی مادری زبان ہے۔ آپ کی استعداد کو دیکھ کر اساتذہ کرام تعجب کرتے تھے۔ نئ سڑک کی مسجد میں جب حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ معتکف تھے تو اس وقت مولانا طاہر حسین صاحب مولانا مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ فراغت کے بعد مولانا مدنیؒ کے مشورہ سے کلکتہ کے مشہور مدرسہ عالیہ میں درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ واضح رہے کہ مدرسہ عالیہ کا تعلیمی نظام قدیم ہونے کے باوجود اس وقت بحران کا شکار ہو چکا تھا، کیونکہ ابھی حال ہی میں بنگلہ دیش کا بٹوارہ ہوا تھا اور ڈھاکہ کے مدرس جو مدرسہ عالیہ میں تھے وہ تمام کتابوں کو لے کر چلے گئے تھے، یہاں کے نیتاؤں نے بھی چاہا کہ مدرسہ بند ہوجائے۔ اس وقت حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور جمعیۃ علماء ہند کے سکریٹری مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ مدرسہ عالیہ کو دوبارہ زندہ کریں۔ لہٰذا مولانا

طاہر حسین صاحب کم وبیش تیس سال تک مدرسہ عالیہ میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے۔

آپ کے مکارم اخلاق: آپ کے تقویٰ کے بہت سے واقعات ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ کہ مولانا کے ایک نواسے پینٹ شرٹ کے ساتھ مولانا کے پاس آئے تو مولانا نے پینٹ شرٹ دونوں کو پھاڑ ڈالا اور نیا سنتی لباس فوراً سلوا کران کو دیا۔

آپ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، اور اگر مہمان نہ ہوتے تو کسی طالب علم کو ساتھ بٹھا لیتے۔ آپ ہر کام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سنت کی پیروی کرتے تھے۔

ایک بار آپ کی شریک حیات بیمار ہوئیں تو دوا خریدنے کی غرض سے باہر نکلے۔ پھر دوا لئے بغیر واپس لوٹنے لگے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے دوا نہیں لی؟ تو مولانا نے کہا کہ جھولے میں پیسہ نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! جھولے میں مدرسہ کے تو پیسے ہیں، اس میں سے قرض کے طور پر کچھ لے لیتے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم نے زندگی میں مدرسہ کا پانچ پیسہ بھی نہیں لیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس طرح کے کام سے بچائے۔

اگر کوئی دعا کے لئے کہتا تو آپ فوراً کہتے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے نیک مقصد کو پورا فرمائے۔ کہتے تھے کہ اگر دعا کے لئے وعدہ کرلوں اور پورا نہ کروں تو گنہگار رہوں گا۔

تصنیف: آپ نے بنگلہ زبان میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ خاص کران میں

سے قرآن کی تفسیر ہے جو مشہور ہے۔آپ کی بعض کتابیں اسکولوں میں داخل نصاب ہیں۔آپ نے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی اردو تعلیم الاسلام کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا تو لوگوں نے اس کو بہت پسند کیا۔اور ''قرآن کی کہانی'' کے نام سے کئی جلدوں میں ایک کتاب لکھی جو عندالناس مقبول ہے، حتی کہ اس کو ہائی اسکولوں میں داخل نصاب کرلیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تعلق: آپ کا حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تعلق بہت گہرا تھا۔مولانا جب بھی کلکتہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت مولانا طاہر صاحبؒ کے یہاں قدم رکھتے تھے۔ اسی طرح مولانا اسعد مدنی صاحب کا بھی معمول تھا،اور اہم اہم معاملات میں ان سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ نیز مفتی محمود الحسن صاحبؒ مفتیٔ دارالعلوم دیوبند اور ان کے علاوہ بڑے بڑے اکابر جو بھی کلکتہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے مولانا طاہر حسین صاحبؒ کے یہاں پہنچتے،اور مولانا کا نکاح بھی مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ہی پڑھایا تھا۔مولانا مدنیؒ کی آمد ورفت آسام میں پہلے ہی سے تھی،خود مولانا طاہر صاحب کی شریک حیات کہتی ہیں کہ مولانا مدنیؒ ہمارے یہاں برابر تشریف لاتے تھے۔ہم کو بچپن ہی سے مولانا سے تعلق تھا۔جب اسی لڑکی کے بارے میں مولانا مدنیؒ سے پوچھا گیا تو مولانا نے فرمایا کہ بہت ہی نیک اور دیندار ہے،لڑکی کو دیکھنے کی ضرورت نہیں،رشتہ طے کرلو۔

انہی کے بطن سے مولانا طاہر حسین صاحب کے یہاں نو اولاد ہوئی، پانچ لڑکیاں اور چار لڑکے۔ایک لڑکے کا انتقال مولانا کی حیات ہی میں ہوگیا تھا۔

مولانا طاہر صاحبؒ نے مکاتب وغیرہ قائم کرنے کے لئے بڑی جدو جہد کی ۔ تقریباً چھ سو سے زائد مکاتب مولانا نے قائم کئے؛ تاکہ بچوں کے عقائد درست ہوں اور بچوں کو صحیح تعلیم مل سکے۔

قیام مدرسہ: جب علاقہ کے لوگ اساتذہ کو تنخواہ نہیں دے پاتے تھے تو خشکی کے چاول دینے کا حکم دیتے تھے اور وعظ وتقریر کے لئے جب کوئی بلاتا تو اس کے عوض ہدیہ وغیرہ قبول نہیں فرماتے تھے۔مولانا نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس کا نام جامعہ اسلامیہ مدنیہ رکھا، جو دمدم ایرپورٹ کے پاس ہے، وہاں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے۔مولانا نے قادیانیت ومودودیت کے خلاف بھی بہت سی کتابیں لکھیں، اور اس کے خلاف بہت زیادہ جدو جہد کرتے رہے اور علماء کو بھی اس پر آمادہ فرماتے رہے۔ ہندوستان ، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، ایشیاء افریقہ میں کل چھیاسی لوگوں کو مولانا مدنیؒ نے اجازت بیعت سے سرفراز فرمایا، ان حضرات میں سے ایک مولانا طاہر حسین صاحبؒ بھی تھے، جو بہت بڑے صوفی اور ذہین تھے۔

ارشادات

آپ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

فرمایا: میں طالب علموں سے خدمت لینا نہیں چاہتا۔اس لئے کہ جو بھی خدمت کرتے ہیں وہ زبردستی کرتے ہیں اور جب بہت زیادہ بیمار ہوجاتا ہوں تب ہی خدمت کے لئے کسی کو بلاتا ہوں۔

مولانا یہ بھی فرماتے تھے کہ بہت سے اساتذہ کم عمری میں طلبہ سے خدمت

لیتے ہیں جن کی ان کو ضرورت ہی نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کو ایک عادت سی ہوجاتی ہے، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کچھ ہی دنوں کے بعد کاہل اور سست ہوجاتے ہیں۔

مولانا بعض مرتبہ فرماتے: اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتے ہیں اسی کو بیماری دیتے ہیں، اس لئے کہ آدمی بیماری کی حالت میں کثرت سے ذکر کرتا ہے، اللہ کی یاد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ معمولی نعمت نہیں ہے مگر بیماری کو مانگا نہ جائے اگر بیماری آجائے تو اس پر صبر ہونا چاہئے۔

مولانا کی ایک صاحبزادی کہتی ہیں کہ مولانا سے اولاد یا داماد یا رشتہ داروں میں سے کوئی جب شریعت کے معاملہ میں کسی کام کا سمجھوتہ کرنا چاہتا تو مولانا سخت ناراض ہوتے اور شریعت کے خلاف عمل نہ کرنے دیتے۔ ابا کا یہ عمل آخری وقت تک رہا۔

ف: ماشاء اللہ حضرت مولانا کا طریقہ تعلیم اور اعمال واخلاق قابل تقلید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

وفات: آپ کی وفات ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۴ء ۱۴۱۵ھ میں ہوئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب نے پڑھائی۔ اس نماز میں تقریباً پندرہ ہزار آدمی شریک ہوئے۔ آپ کی قبر مدرسہ کے جنوبی سمت اور مسجد کے مغربی گوشہ میں واقع ہے۔ اپنی خریدی ہوئی زمین میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ۔

ماشاء اللہ آپ کے صاحبزادوں میں سے محبی مولانا محمد صاحب جو جامعہ اسلامیہ مدنیہ کے مہتمم ہیں وہ اس حقیر سے محبت کرتے ہیں۔ یہ حقیر دو مرتبہ وہاں حاضر ہوا ہے اور ان کی خواہش پر ہر مرتبہ مختصر بیان بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود (ننھومیاں) گنگوہیؒ المتوفی ۱۴۱۵ھ

نام ونسب: نام عبدالرشید محمود، لقب ننھومیاں، تاریخی نام منظور الملیک، والد کا نام مولانا حکیم مسعود احمد صاحب، اور دادا جان قطب الارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ہے۔

ولادت: ۱۵/محرم الحرام ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء بروز یکشنبہ کو گنگوہ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے اردو، فارسی اور عربی میں کچھ کتابیں گھر پر ہی اپنے والد محترم سے پڑھیں اور اس کے بعد مولانا مفتی فخر الدین صاحب گنگوہی سے متوسطات کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۴۴ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ وغیرہ سے فیض حاصل کیا۔ (حالات ننھومیاں)

فضل وکمال: آپ کے فضل وکمال اور آپ کی سادگی اور مقبولیت کی کیفیت مفتی محمد سلمان منصور پوری نے اپنی کتاب ''ذکر رفتگاں'' میں یوں بیان کیا ہے۔

دیوبند میں عالمی مؤتمر فضلاء و ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کا ایک زبردست کل ہند اجتماع منعقد ہوا تھا، ملک بھر سے ہزاروں فضلاء اس اجتماع میں شریک تھے۔ دبستان دیوبند سے وابستہ حضرات کیلئے یہ خبر بڑی مسرت انگیز تھی کہ حضرت امام ربانیؒ کے لائق وفائق نبیرہ محترم نے اجتماع میں شرکت منظور

فرمائی تھی۔اجتماع عشاء کے بعد شروع ہوا۔افتتاحی پروگرام کے بعد وہ منظر آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے، جب اناؤنسر نے اعلان کیا کہ خم خانہ رشیدی کے نسبی اور علمی وارث وامین ،مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب آپ کے سامنے تشریف لا رہے ہیں ۔حاضرین کی مشتاقانہ نگاہیں کرسئ خطابت کی طرف اٹھ گئیں ۔ایک منحنی ساوجود،متوسط قدوقامت،کھلتا ہوا رنگ،سفید چمکتا ہوا لباس، سر پر سرخ ترکی ٹوپی، وضع داری اورنزاکت ولطافت سے بھرپور،ایک باوقار شخصیت ''حکیم ننھومیاں'' کی صورت میں جلوہ افروز تھی۔

مجھے یاد ہے حضرت نے خطبہ مسنونہ کے بعد اہل علم کی فضیلت کے متعلق یہ حدیث پڑھی " **الدنیا کلھا ملعونة الا ذکر اللہ وما والاہ عالما ومتعلما**'' (ترمذی، حدیث۲۳۲۲/، ابن ماجہ، حدیث۴۱۱۲/)اور پھرتو گویا کہ علوم کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔پورے پونے دو گھنٹہ تک حکیم صاحب کی فصیح وبلیغ تقریر جاری رہی،تقریر کیا تھی نادرونایاب علمی اورتاریخی معلومات اور اسرار ورموز کا خزانہ! معلوم ہوتا تھا کہ عربی وفارسی کے مترادف الفاظ حضرت کے سامنے قطار باندھے کھڑے ہیں اور مشتاق ہیں کہ انھیں زبان پر لاکر سعادت بخشی جائے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی زیارت واستفادہ کا یہ پہلا موقع تھا جو راقم الحروف کو حاصل ہوا اوراسی دن سے نسبی عقیدت کے ساتھ ساتھ علمی عظمت کا سکہ بھی دل پر نقش ہوگیا۔بعد میں دیوبند میں کئی بار ملاقات ہوئی۔بعض مرتبہ گنگوہ حاضری کے وقت ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔حکیم صاحب کو بڑے

عجیب وغریب علوم پر دسترس حاصل تھی۔ حافظہ ایسا بلا کا تھا کہ لمبی لمبی عربی عبارتیں بلا تکان پڑھتے چلے جاتے، تصوف اوراس کی اقسام، پھران کے نکات ورموز، ان کے موجدین کی تاریخیں اور داستانیں اکثر نوک زبان رہتی تھی۔عربی اشعار اسی طرح فارسی قصائد ازبر تھے۔عربی اور فارسی نے آپ کی طبیعت میں اس قدر رسوخ حاصل کرلیا تھا کہ عام عربی بول چال میں بھی ان دونوں زبانوں کے محاورات ومترادفات بے تکلف استعمال فرمایا کرتے تھے۔ ذہانت وطباعی قابل رشک تھی، بیٹھے بیٹھے بال کی کھال بلکہ کھال کی بھی کھال نکالنا موصوف کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ (ذکر رفتگاں ص ۱۸۰)

اپنی سعادت: الحمد للہ جس سال (۱۹۷۱ء) عزیزم مقبول احمد وعزیزم سعید احمد سلمہما کولیکر دورۂ حدیث شریف کیلئے دیوبند گیا تھا اس سفر میں گنگوہ جانا نصیب ہوا آپ کی علمی باتوں سے کسی قدر فیضیاب ہوا جس سے مسرور ہوا۔

اس حقیر نے اقوال سلف پر لکھنے کیلئے گذراش کی تو اس کے جواب میں جو مکتوبات گرامی ارسال فرمائے وہ درج کئے جاتے ہیں۔

مکتوب گرامی

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید صاحب گنگوہی قدس سرہ متوفی ۱۴۱۵ھ

مکرم ومحترم! سلام وتحیات، یادآوری پر قلب ممنون ہے۔ **فقد سرنی انی خطرت ببالکم** ۔مزید بہجت ومسرت ان موقر ہدایات سے ہوئی، ان شاء اللہ مستفیض رہوں گا۔

دعا گو بھی ہوں اور دعا جو بھی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی

ایک دعا بڑی جامع یاد آئی: اللھم کن لنا واجعلنا لک۔ (یعنی اے اللہ آپ ہمارے ہوجایئے اور ہم کو اپنا بنا لیجئے۔ مرتب)

۲۔ حضرت محترم زید مجدکم! سلام وتحیات۔ اقوال سلف نمبرا کی ہدیۂ سنیہ سے مسرت ہوئی، اس لئے نہیں کہ ایک گراں قدر تالیف حاصل ہوئی، بلکہ اس لئے کہ آپ نے اس گراں قدر ہدیہ کا مجھ کو محل و مستحق سمجھا، اہل علم وذکر کا یہ ایک حسن ظن ہے جو موجب بہجت اور میرے لئے سند محبت ہے، شاید ''وہاں'' کام آئے۔

میں کچھ عرصہ سے مسلسل بیمار چل رہا ہوں عوارض کبھی شدید، کبھی اضطراب واضطرار، کبھی انتشار وانتظار، اور محل محل فرار، جمعیت مفقود، سکینت موہوم، بقول حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند کے یہ دنیا جائے فرار ہے، برزخ جائے انتظار اور آخرت جائے قرار، ہم نے پہلی کو تیسری جگہ دیدی، ترتیب الٹ گئی اسی لئے دوچار ہیں، ہجوم آلام واسقام اور مصائب ونوائب سے طبیعت اعتدال پر آجائے تو مستفیض ہوں گا۔ انتہی عبد الرشید محمود عفی عنہ

۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

اقتباس از تذکرہ اکابر گنگوہ: ''اپنی کتاب تذکرہ اکابر گنگوہ'' میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب گنگوہی نے حضرت حکیم صاحب کا تذکرہ یوں لکھا ہے کہ حضرت علامہ مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ محدث دار العلوم وقف دیوبند اپنی کتاب ''لالۂ وگل'' میں رص ۲۲۵ رمیں لکھتے ہیں: قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پوتے دار العلوم دیوبند کے فاضل حاذق طبیب اور گوشہ نشیں دانشور، لباس و پوشاک نفیس، گفتگو نستعلیق، ان کی اردو عرب کے صحرا سے اس طرح گزری کہ اردو

برائے نام اور عربی کا غلبۂ تمام، حافظہ بے نظیر، مظامین مستحضر، بولنے پر آتے تو بے تکان بولے چلے جاتے، ناز میں پلے ہوئے، نیاز مندی سے بہت دور۔

رجال امت کی خدمت: تمام صحابہ وتابعین اتباع تابعین، فقہاء ومحدثین اور اس کے بعد محققین وصوفیاء نے اپنی عمریں انہیں مقاصد کی خدمت میں گذاردیں، مقصد اول تلاوت کتاب، اس کی تکمیل حضرات قراء نے فرمائی، تجوید وقرأت اس کی شرح وایضاح ہیں، مقصد دوم یعنی تعلیم کتاب، اس کی تکمیل حضرات مفسرین نے فرمائی، مقصد سوم تعلیمِ حکمت، اس کی تکمیل حضرات فقہاءاور محدثین نے فرمائی اس لئے کہ فقہاء ہی اعلم بالسنہ ہیں، رہا تزکیۂ نفوس اس کے حامل حضرات صوفیاء کرام ہوئے، پھر حضرات محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت فرمائی اور رواۃ ورجال کی تحقیق اور جرح وتعدیل کے اصول وضع کئے ایک لاکھ سے زیادہ رواۃ ورجال کے احوال وکوائف کا ذخیرہ مرتب کیا جو انہیں زندہ جاوید بنا گیا، آج دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہ اس کی آسمانی کتاب محفوظ ہے نہ اس کے کسی نبی اور رسول کی سیرت محفوظ ہے اور نہ رواۃ ورجال کا سلسلہ محفوظ ومنضبط ہے یہ شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا کہ ان کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے سینوں میں بھی اور سفینوں میں بھی ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک صفحہ ایک ایک ورق ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف محفوظ ہے اور رواۃ ورجال کے کوائف کا ذخیرہ بھی مرتب ہے اسی لئے تو فرمایا گیا تھا: **لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ** (القیامہ) اسی لئے فرمایا تھا: **اَنَّا لَه لَحَافِظُوْنَ** (الحجر) اور ایک خاص احتیاط ملاحظہ ہو! طالب علم غور سے سنیں کہ:

نزولِ وحی کے وقت خاص طور پر اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ظاہری حواس اور دواعی کو معطل کرنا پسند کیا گیا تاکہ مرادِ حق غیرِ حق سے مختلط نہ ہو جائے پھر محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت فرمائی اور فقہاء نے معانی حدیث کی حفاظت فرمائی اس طرح احکام بھی محفوظ ہوگئے معانی و مطالب بھی محفوظ ہوگئے اور زنادقۂ روزگار اور ملاحدہ روزگار اور تجدید پسندوں کی دست و برد سے ہمیشہ کے لئے صیانت ہوگئی اللہ اکبر۔

حضرات صوفیاء کی خدمت: اب رہا تزکیہ نفوس اس کے حامل صوفیائے کرام ہوئے کہ جنہوں نے اس نسبتِ احسانی کی پاسبانی اور قلوب کے تصفیہ وتزکیہ سے اصلاحِ سیرت و اخلاق کی ذمہ داری لی اور رسوخ فی الذکر کے ساتھ تہذیب اخلاق اور اکتساب احسان کو اپنا موضوع قرار دیا قرونِ اولیٰ میں یہ خود بخود میسر تھا ما بعد القرون میں ایک مستقل شعبہ بنا۔ (تذکرہ اکابر گنگوہ ص ۴۵۰)

ملفوظات: ارشاد فرمایا کہ آدمی کی تندرستی وصحت کے تین اصول ہیں (۱) بُل وَلَوْ قَطْرَۃً یعنی جب پیشاب کا تقاضا ہو فوراً پیشاب کر لے اگرچہ ایک قطرہ ہی پیشاب آئے (۲) روزانہ ورزش دوڑ کر یا ایک ہی جگہ ڈنڈ بیٹھک لگا کر کرے۔ (۳) روزانہ غسل کرنا۔

ف: حکیم حاذق کے نسخہ پر عمل پیرا ہوا جائے تو مناسب ہے۔ (مرتب)

ارشاد فرمایا: جہاں عورتوں میں فیشن آ گیا وہاں حیا زیادہ نہیں رہتی ہے۔

ارشاد فرمایا: جہاں رسومات آ گئیں وہاں شریعت پر عمل نہیں رہتا۔

ارشاد فرمایا: کذب علاماتِ نفاق میں سے ہے اور نفاق کذب کو مستلزم ہے شیخ

ابوبکر محدث فریابیؒ کی تالیف ''صفۃ النفاق وذم المنافقین'' اس موقعہ پر یاد آ گئی کہ کس طرح اعمال واقوال اوراخلاق وافکار یقین سے متناقض ہوتے ہیں اور پھر کس طرح اس کے آثار میں صدق وامانت سے عاری ہونا، فرائض میں مساہلت ،محرمات میں قلتِ اعتناء مصالح پرستی وروباہ مزاجی، آخرت فراموشی، اور مقصد برآری کے لئے کذب وزور کا استعمال، حیا کا فقدان، بے بنیاد وغلط ریشہ دوانی وعوام فریبی کے ذمائم کا ظہور ہوتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان اوصاف مذمومہ سے محفوظ رکھے جو صفات ایمانیہ کے خلاف ہیں، مگر افسوس کہ ہم عوام ہوں یا خواص ان کی اصلاح کی فکر نہیں ہے۔العیاذ باللہ (مرتب)

ارشاد فرمایا: حضرت قطب عالم صاحبؒ کی خانقاہ کا صدر دروازہ جو مشرق کی جانب ہے یہ ہمایوں بادشاہ نے اپنے دورِ حکومت میں بنوایا تھا وہی آج تک چلا آتا ہے۔

ارشاد فرمایا: حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے بارے میں سنا ہے کہ ان کے وصال کے بعد ان کے قلب کے قریب جب کان لگا کر لوگوں نے سنا تو قلب سے اللہ، اللہ کی آواز آرہی تھی۔ (حیات نھومیاں ص ۵۹)

ف: یہی تو اصل دولت تھی جسے بسیار ریاضت ومجاہدہ سے حاصل کیا تھا، اللہ تعالیٰ ہم منسلکین سلسلۂ چشتیہ کو اس نعمت سے مشرف فرمائے۔آمین (مرتب)

وفات: حضرت حکیم کی وفات ۲۱؍شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۳؍مارچ ۱۹۹۵ء کو ہوئی اور گنگوہ میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ۔ (حیات نھومیاں)

حضرت الحاج حافظ عبدالرشید صاحب(۱) رائے پوریؒ(۲) المتوفی ۱۴۱۶ھ

نام ونسب وولادت: آپ کا نام عبدالرشید ہے، لوگ آپ کو حضرت حافظ عبدالرشید یا ''ابّاجی'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں، آپ کے جدامجد شیخ چند خاں نے ۸۶ھ مطابق ۱۳۸۴ء میں مذہب اسلام قبول کیا، رائے پور کا راجپوت خاندان شیخ چند خاں ہی سے چلا ہے، آپ کی ولادت غالبًا ۱۹۱۰ء مطابق ۱۳۲۸ھ میں رائے پور ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم وطن ہی میں ہوئی، وہیں حافظ قرآن ہوئے، اگرچہ آپ کسی مدرسہ کے مستند عالم نہیں تھے، مگر اللہ تعالی نے آپ سے وہ کام لیا جو بڑے بڑے متبحر علماء سے لیتا ہے، ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

بیعت: حافظ صاحب پہلے اپنے والد صاحب سے بیعت تھے، والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے بیعت ہوگئے جس کی وجہ

---

(۱) آپ کی سوانح ''حیات عبدالرشید'' کے نام سے مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی نے لکھی ہے، جس میں مولاناؒ کے دعوتی اسفار، اصلاحی کارنامے، ان کی کرامات وارشادات درج کئے ہیں، اسی کو سامنے رکھ کر چند باتیں پیش خدمت ہیں، جن کو تفصیل مقصود ہو وہ اصل کتاب دیکھ لیں۔

(۲) رائے پور سہارنپور سے جانب شمال ۳۶، ۳۷ کلومیٹر پر واقع ہے، یہ مسلمان راجپوتوں اور مسلمان شرفاء کی بستی ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ یہیں کے نواسے تھے اور اسی کو اپنی تعلیم وتربیت کا مرکز بنایا اور یہیں آپ کی وفات ہوئی، اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے بھی اسی کو اپنا مستقر اصلی بنالیا تھا۔ (مرتب)

سے شب وروز اکثر حضرت کی خدمت میں گزارنے لگے اور مقامات سلوک طے کرنے میں مشغول ہو گئے۔

خلافت: حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے آپ کی ریاضت ومجاہدات کو دیکھ کر چاروں سلسلہ میں بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور باصراران سے بیعت کا سلسلہ جاری کرایا، پھر تو بکثرت لوگ بیعت ہونے لگے اور ماشاءاللہ رجوع عام ہوا۔

تبلیغی اسفار: آپ نے تبلیغی اسفار بھی بہت کئے، جس سے بہت سے لوگوں کو دینی وایمانی نفع ہوا، خاص طور سے پنجاب وہریانہ کے شمالی حصہ کا دورہ کیا، جس سے لوگوں نے ایمان کی تجدید کی، اگر کسی کو تفصیل معلوم کرنی ہو تو اصل کتاب کا مطالعہ کرے، اس سے ان شاءاللہ دعوت الی اللہ، تذکیر باللہ اور وقت کے فتنوں وخطروں سے مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

چونکہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ حضرت حافظ صاحبؒ کے پیر بھائی ہونے کی وجہ سے ان کے حالات سے بخوبی واقف تھے، اس لئے اس کتاب کے مقدمہ میں کسی قدر تفصیل سے ان کی خدمات کو اجاگر کیا ہے اور سراہا ہے، چنانچہ اس کی چند سطور پیش خدمت ہیں، جو کم ہوتے ہوئے بھی نہایت جامع تعارف ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ جن کا یہ تذکرہ ''حیات عبدالرشید'' قارئین کے سامنے ہے باکمال شخصوں میں سے ہیں، وہ داعی الی اللہ، ناشر رُشد وہدایت، اور ضلالت وارتداد عن الاسلام کی سرزمین میں ایک شمع فروزاں اور بلند وبالا منارۂ نور کی حیثیت رکھتے تھے۔

جن کے اخلاص ودرد، سرگرمی وتندہی، بلکہ مجاہدہ وقربانی کی برکت سے ہزاروں انسان جو دین حق کی دولت ونعمت سے محروم ہو گئے تھے اور انہوں نے ارتداد اختیار کیا تھا اور ان کی صورت وسیرت سب بدل چکی تھی، دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، کثیر التعداد مسجدیں جو منہدم ہو گئی تھیں، دوبارہ ان کی تعمیر عمل میں آئی اور وہ آباد ہوئیں، مسلمانوں کی نئی نسل ارتداد کے خطرے سے محفوظ ہوئی، اس میں دینی تعلیم وتربیت کا انتظام ہوا، بڑی تعداد میں مدارس ومکاتب قائم ہوئے۔ (ماشاءاللہ)

ارشادات: اب تو طلب بھی پیر کو کرانی پڑتی ہے:

ارشاد فرمایا: اب تو ایسا ہو گیا ہے کہ بیٹے کو باپ بنا کر رکھنا پڑتا ہے، شاگرد کو استاد بنا کر اور مرید کو پیر بنا کر رکھنا پڑتا ہے، جس دن بیٹے کو بیٹا، شاگرد کو شاگرد اور مرید کو مرید بنالیا اسی دن بھاگ جائے گا۔

ف: یہ آئینِ محبت وعقیدت کے بالکل خلاف ہے، اسی کو حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ یوں فرماتے ہیں ۔

ہے جانِ محبت اگر وہ خفا ہوں　　اگر ہم خفا ہوں، محبت نہیں ہے

نیکی کرنا آسان، حفاظت مشکل: ارشاد فرمایا کہ بھائیو! کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کیا کرو، یہ غیبت ہو جاتی ہے، اس لئے کہ ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! غیبت کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کہنا کہ جب اُس کو معلوم ہو تو اس کو بری لگے، یہ غیبت ہے۔

زندگی کا مزہ: ارشاد فرمایا: بندے کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے تو

اُسے زندگی کا مزہ ملنے لگتا ہے۔

دعائیہ مراقبہ: فرمایا! دُعائیہ مراقبہ یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالی موجود ہے اور میں اُس کے سامنے ہوں اس سے اللہ تعالی سے خوب تعلق ہو جاتا ہے اور دعا بھی جلد قبول ہونے لگتی ہے۔

معصیت اور غیبت سے بچنا: ارشاد فرمایا کہ معصیت اور غیبت سے بچنا بہت ضروری ہے، اس سے ضرور بچو! اس لئے کہ اس کی وجہ سے اپنی نیکیاں چلی جاتی ہیں اور جس کی غیبت کی جاتی ہے اس کے گناہ آجاتے ہیں مگر افسوس ان سے آدمی بچتا ہی نہیں، جہاں بھی دو آدمی بیٹھتے ہیں دوسروں کی غیبت شروع کردیتے ہیں۔

حج اور عمرے کا ثواب: ایک مرتبہ فجر کے بعد ارشاد فرمایا کہ بھائی! سب لوگ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلنا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو دو رکعت پڑھے اس کو ایک حج اور عمرے کا ثواب ملے گا اور اللہ نے یوں فرمایا ہے کہ جو چار رکعت پڑھے اللہ اس کے سارے دن کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔

اللہ کا قرب حاصل کرنے والی چیز: ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے والی نہیں، اگر اللہ تعالی کا قُرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالی کا ذکر خوب کثرت کے ساتھ کیا کرو۔

وفات: ۷رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء کو آپ کی وفات ہوئی، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے پڑھائی اور خانقاہ رائے پور ضلع سہارنپور کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نَوَّر اللہ مرقدہٗ

حضرت مولانا حکیم شاہ منیر الدین نقشبندی مئویؒ المتوفی ۱۴۱۶ھ

نام ونسب: مولانا حکیم منیر الدین بن حکیم مولانا عبدالمجید بن مولانا کریم بخشؒ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں محلہ رگھوناتھ پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: حکیم صاحب ایک علمی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے۔طبیعت میں سادگی، تواضع اور انکساری تھی، آپ کا تاریخی نام طالب غفار تھا، آپ کی مکمل تعلیم وتربیت مدرسہ دارالعلوم مئو میں ہوئی۔آپ کے اساتذہ میں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ، مولانا عبداللطیف نعمانیؒ،مولانا محمد نعیم پنجابیؒ وغیرہ ہیں۔درس نظامی سے فراغت کے بعد آپ نے طبابت شروع کی اور تادم حیات اس کو بخوبی انجام دیتے رہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دست شفا عطا فرمایا تھا۔آپ اپنے والد مولانا عبدالمجید صاحب سے بیعت تھے،اور آپ کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔

معمولات: آپ انتہائی نیک صورت ونیک سیرت تھے، نماز پنجگانہ کی پابندی کے ساتھ تہجد گذار تھے،فجر کی نماز کے بعد اشراق کے بھی پابند تھے، بلکہ انہیں کی اتباع میں بہت سے لوگ فجر کی نماز کے بعد بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول رہتے اور اشراق پڑھ کر نکلتے۔حکیم صاحب کے گھر سے سبھی حضرات کے لئے چائے بن کر آجاتی تھی۔اشراق کے بعد جب گھر واپس آتے تو پورا گھر،صحن، گلی اور نالی کی خود صفائی کرتے،اور گھنٹوں اس میں لگادیتے اور سبھی کو صاف ستھرے رہنے کا بھی حکم کرتے تھے۔اپنے متعلقین اور خاص طور سے اولاد کو نماز پنجگانہ کی

تاکید کرتے تھے اور اکثر متعلقین نماز کے پابند بھی ہو گئے تھے۔

آپ بڑے مخلص اور انتہائی خلیق تھے، سادگی اور اخلاص کے ساتھ کام کرتے اور بغرض اصلاح اطراف وجوانب اور دور دراز کا سفر بھی کرتے۔ آسام میں سلہٹ کا علاقہ اور اطراف میں رامپور، چاندپور، ولید پور بھیرا، کوپا گنج، ادری، گھوسی اور مبارکپور وغیرہ میں آپ کے مریدین کی اچھی خاصی تعداد ہے، ہزاروں لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

جامع مسجد شاہی کٹرہ کی امامت: آپ بھی اپنے آباء واجداد کی طرح جامع مسجد شاہی کٹرہ کے پیش امام رہے اور یہ خدمت آپ نے ۱۹۲۳ء سے انجام دینی شروع کی اور تادم حیات آپ امامت کے اس عظیم منصب پر قائم رہے۔ آپ جامعہ مفتاح العلوم مئو کے رکن خاص تھے، آپ نے جامعہ کے تعمیری کام میں بھی کافی حصہ لیا، مئو ہلال کمیٹی کے رکن تھے، جمعیۃ علماء ہند کے تحت چلنے والے محکمہ شرعیہ کے بھی رکن تھے۔

فضل وکمال: مزید عزیزم قاری حماد احمد مئوی آپ کے حالات یوں لکھتے ہیں:

میں حضرت سے بیعت کے لئے ۱۹۸۵ء سے کہتا تھا، مگر حضرت یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ ابھی سوچ لیجئے، اس طرح وقت گذرتا گیا آخر کار جون ۱۹۹۵ء کو پھر بیعت کے لئے کہا تو پھر حضرت نے ٹالنا چاہا مگر میری چیخ نکل گئی جس کے بعد حضرت نے یہ کہہ کر بیعت کرلیا کہ اب سچی طلب ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ مجھے ٹالتے ہوئے دس سال ہوا ہوگا، میں نے کہا جی حضرتؒ! تب حضرت نے پوچھا کہ آپ میرے ہی یہاں کیوں پڑے رہے، میں نے تو کسی کو دو چار بار ٹال دیا پھر نہیں آیا۔ میں نے کہا حضرت! میں نے کسی عالم سے سنا ہے یا کسی کتاب میں

پڑھا ہے کہ کوئی آسمان میں اڑے یا پانی پر چلے تو اس کو ولی مت مان لو جب تک کہ ان کے اندر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ دیکھ لو، اس کے بعد حضرت تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہے پھر نم آنکھوں سے فرمایا کہ حافظ جی آپ نے صحیح کہا۔

ایک مرتبہ حضرت نے مجھ سے کہا کہ یہ بات میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہہ رہا ہوں تاکہ آپ کو بھی شوق ہو۔ مجھے یاد نہیں کہ پچاس سال سے میری تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہو الا یہ کہ ایک دن میں قیلولہ میں تھا اور کسی نے مجھے جگایا بھی نہیں اور میری ایک رکعت چھوٹ گئی میں بہت رویا اور تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔

اہتمام سنت: حضرت والا سنت کے بڑے پابند تھے، ہمیشہ آنکھوں میں سرمہ، عطر اور جمعہ کو ہرے رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرتؒ نے خود فرمایا کہ پچاس سال سے مجھے یاد نہیں کہ میں نے کرتہ بائیں ہاتھ سے پہنا ہو یا داہنے ہاتھ سے نکالا ہو۔ اسی طرح کئی سنتوں کے بارے میں بتلایا جیسے جوتا پہننا اور نکالنا، مسجد میں داخل ہونا اور نکلنا وغیرہ۔

آپ روزانہ پچیس ہزار اسم ذات کا ذکر سارے معمولات کے علاوہ پورا کرتے تھے، اور خوف الٰہی کا یہ عالم تھا کہ تھوڑی بھی خوف کی کوئی بات کرتا یا خود کرتے تو فوراً رونے لگتے تھے۔

ف: ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت مولانا منیر الدین صاحبؒ کے اس قدر اذکار و وظائف کی پابندی ہم سبھی کے لئے موجب نصیحت وعبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (مرتب)

وفات: بروز جمعرات شب میں ۱۵؍ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ مطابق ۹؍ نومبر ۱۹۹۵ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی (حضرت جیؒ) المتوفی ۱۴۱۶ھ

ولادت باسعادت: ۱۸/جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۰/فروری ۱۹۱۸ء بروز چہارشنبہ اپنے آبائی وطن کاندھلہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم کا نام نامی مولانا الحاج اکرام الحسن صاحبؒ اور جد محترم کا اسم گرامی مولانا رضی الحسن صاحب تھا۔

تعلیم: کاندھلہ کی جامع مسجد کے قدیم مدرسہ میں حفظ قرآن پاک اور فارسی درسیات کی کتابیں مکمل کرکے دہلی آگئے اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں، تین سال بنگلہ والی مسجد میں قیام رہا، پھر شوال ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے، وہاں کنز الدقائق، اصول الشاشی، شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۵۳ھ میں نظام الدین دہلی قیام رہا اور حضرت مولاناؒ کے خاص نظام درس کے مطابق تعلیم درس میں مشغول رہے، اس کے بعد ۱۳۵۴ھ میں داخلہ کے لئے دوبارہ مظاہر علوم سہارنپور آگئے اور دورۂ حدیث کی کتابیں بخاری شریف جلد اول اور ابوداود حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے، بخاری شریف جلد ثانی حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ سے، مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب سے، ترمذی شریف حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کامل پوریؒ سے پڑھیں، مگر ابھی سال پورا نہیں ہوا تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف

صاحب کی شدید علالت کی بناء پر ان کے ہمراہ دہلی چلے آئے، اور نظام الدین میں رہ کر دورۂ حدیث کی بقیہ کتب کی تکمیل کے ساتھ ابن ماجہ، نسائی، شرح معانی الآثار اور مستدرک حاکم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھیں۔

نکاح: ۳؍محرم الحرام ۱۳۵۳ھ میں مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں حضرت اقدس مولانا زکریا صاحبؒ کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ حضرت کا نکاح علماء ومشائخ کی بابرکت مجلس میں حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے پڑھایا۔

تدریس: نظام الدین میں قیام فرما کر دعوت وتبلیغ کی محنت میں مصروفیت ومشغولیت کے ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی بڑے اہتمام سے جاری رکھا، متعدد فنون کی مختلف کتابیں پڑھائیں، سالہا سال تک حدیث پاک کا درس دیا، آخر میں کئی سال بخاری شریف پڑھائی، ابواب تراجم پر بڑی محنت فرمائی، تراجم پر آپ کی تحقیقات مسودہ کی شکل میں محفوظ ہیں۔

بیعت وخلافت: آپ اور مولانا محمد یوسف صاحب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور مقامات سلوک طے فرمایا، بالآخر حضرت مولانا نے خلعتِ خلافت سے مشرف فرمایا، جس کی وجہ سے مولانا کا فیض سارے عالم میں پہنچا اور لاکھوں افراد نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

چنانچہ حضرت جیؒ کے زمانہ میں الحمدللہ کام میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، دنیا کے چپہ چپہ میں جماعتیں روانہ ہوئیں، جس میں آپ کی پرخلوص محبت ودعا کا بہت بڑا حصہ ہے، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے

کوئی الگ امتیازی رنگ پیدا کرنے کے بجائے اپنے اسلاف کے قدیم طرز پر برقرار رہتے ہوئے اسی نہج پر محنت کو جاری رکھا، ایک موقع پر فرمایا: ہم تو لکیر کے فقیر ہیں، مولانا الیاس صاحبؒ ہی کے اصول پر جم کر کام کریں گے اور کروائیں گے۔

وفات: مولانا کی کئی سال سے صحت خراب تھی، لیکن صحت کی خرابی کے باوجود طویل طویل سفر اور خطابات کا سلسلہ اور دوسرے معمولات بدستور جاری رہے، آخر ۱۰/محرم الحرام ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء ہفتہ کی شب میں تقریباً ۹ ربجے دل کا دورہ پڑا، سانس لینے میں دقت ہونے لگی، آپ نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی، فرمایا: مجھے نماز پڑھوا دو، چنانچہ اسی حال میں وضو کر کے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی، اس کے بعد حالت مزید بگڑ گئی، ہسپتال پہنچایا گیا، مگر ڈاکٹروں کی لگاتار تین گھنٹوں کی کوشش کے باوجود قضا وقدر کا فیصلہ نافذ ہو کر رہا اور مولانا رات ڈیڑھ بجے اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

نماز جنازہ: نماز جنازہ مغرب کی نماز کے بعد مقبرۂ ہمایوں میں حضرت جی کے صاحبزادے مولانا محمد زبیر صاحب نے پڑھائی، لاکھوں مسلمان شریک جنازہ ہوئے، عشاء کے قبل اس گوہر نایاب کو مرکز نظام الدین دہلی حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ۔

حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ المتوفی ۱۴۱۷ھ

نام ونسب وولادت: مؤرخ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ ولد الحاج شیخ محمد حسن کی ولادت ۴؍رجب ۱۳۳۴ھ مطابق ۷؍مئی ۱۹۱۶ء کو مبارکپور ضلع اعظمگڈھ میں ہوئی۔ آپ کا نام عبدالحفیظ ہے اور اطہر تخلص۔ آپ کے خاندان میں عرصۂ دراز تک نیابت قضاء کا منصب جاری رہا۔ قاضی رجب بن قاضی رضا بن قاضی امام بخش بن قاضی علی شہید چار پشتوں کے نام محفوظ ہیں۔ قاضی رجب آپ کے پردادا تھے، اس لئے آپ قاضی اطہر کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی والدہ حمیدہ (متوفیہ ۱۳۵۲ھ) ایک عالمہ تھیں۔ نانا مولانا احمد حسین (متوفی ۱۳۴۱ھ) ان کے بڑے بھائی مولانا عبدالعلیم (متوفی ۱۳۴۱ھ) ان کے لڑکے مولانا شعیب (متوفی ۱۳۰۹ھ) اور آپ کے ماموں مولانا محمد یحیی (متوفی ۱۳۸۷ھ) سب کے سب زبردست عالم، ارباب تصنیف وفتویٰ اور صاحب تدریس تھے۔ اس لئے آپ کی تعلیم وتربیت میں ننہال کو بہت بڑا دخل رہا۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم گھر پر پائی، پھر مقامی مدرسہ احیاء العلوم میں تمام تر تعلیم حاصل کی۔ عسرت کا عالم تھا اس لئے گھر پر کسب معاش کا سلسلہ بھی قائم رکھا۔ احیاء العلوم میں طلب علم کا زمانہ ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۵۹ھ تک ہے۔ یہاں مولانا شکر اللہ صاحب (متوفی ۱۳۶۱ھ) سے مرقات، ہدیہ سعیدیہ، ملاحسن، حمداللہ،

قاضی مبارک، کافیہ، شرح جامی وغیرہ پڑھیں۔ بعض کتب منطق مولانا بشیر احمد مبارکپوری (متوفی ۱۴۰۴ھ) سے، مولانا محمد عمر صاحب مبارکپوری (متوفی ۱۴۱۵ھ) سے تفسیر جلالین، مولانا محمد یحیٰ صاحب رسولپوری (متوفی ۱۳۸۷ھ) سے ہیئت اور عروض وقوافی، اور مفتی محمد یٰسین صاحب مبارکپوری (متوفی ۱۴۰۴ھ) سے اکثر و بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۵۹ھ میں جامعہ قاسمیہ مرادآباد سے فارغ التحصیل ہوئے۔

طالب علمی کے دور ۱۳۵۳ھ ہی سے آپ کے اشعار اور مضامین، ماہنامہ ''الفرقان'' رسالہ ''قائد'' مرادآباد، سہ روزہ ''زمزم'' لاہور، ہفتہ وار ''مسلمان'' لاہور، ہفتہ وار ''العدل'' گوجرانوالا، ''الجمعیۃ'' دہلی وغیرہ میں شائع ہونے لگے۔ پھر معیاری رسائل ''معارف، برہان اور دارالعلوم میں طبع ہونے لگے۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد ۱۳۵۹ھ تا ۱۳۶۴ھ پانچ برس احیاء العلوم مبارکپور میں مدرسی کی، پھر ڈیڑھ ماہ مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر سے وابستہ ہوکر ردشیعیت وقادیانیت پر مضامین لکھے، پھر ۱۳ / جنوری ۱۹۴۵ء سے جون ۱۹۴۷ء تک زمزم کمپنی لاہور سے منسلک رہے۔ وہاں نوسو صفحات میں منتخب التفاسیر مرتب کی اور دوسری کتابیں بھی لکھیں، مگر افسوس کہ وہ سب تقسیم ملک کی نذر ہوگئیں۔ تقسیم ہند کے بعد ہفتہ وار اخبار ''انصار'' بہرائچ کے ۱۹۴۸ء میں مدیر رہے، یہ اخبار حکومت کی نظر عتاب سے آٹھ ماہ میں بند ہوگیا۔ شوال ۱۳۶۶ھ سے صفر ۱۳۶۷ھ تک پھر احیاء العلوم میں عارضی مدرس رہے۔ اسی دوران راقم الحروف (مولانا محمد عثمان صاحب) نے آپ سے ''مقامات حریری'' پڑھی۔ شوال

۱۳۶۷ھ تا شعبان ۱۳۶۸ھ ایک برس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمت انجام دی، نومبر ۱۹۴۹ء میں بمبئی گئے اور دفتر جمعیۃ علماء بمبئی میں افتاء وغیرہ کا کام کیا۔ جون ۱۹۵۰ء میں وہاں روزنامہ جمہوریت جاری ہوا، تو اس کے نائب مدیر رہے، فروری ۱۹۵۱ء سے مارچ ۱۹۹۱ء تک چالیس برس سے زائد مدت تک روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی میں علمی، تاریخی، دینی وسیاسی مضامین لکھتے رہے۔ ۱۹۵۲ء سے ماہنامہ ''البلاغ'' جاری ہوا، وہ آپ کی ادارت اور ذمہ داری میں ۲۵ برس سے زائد تک نکلتا رہا۔ انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی میں نومبر ۱۹۶۰ء سے دس برس تک دینی تعلیم دی۔ دارالعلوم امدادیہ بمبئی میں دو مرتبہ مدرسی کی، تیس برس سے زائد مدت تک بمبئی میں رہ کر صحافت وتدریس وتالیف میں مصروف رہے۔

بھیونڈی میں مفتاح العلوم قائم کیا جو عظیم دینی ادارہ بن گیا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں انصار گرلس ہائی اسکول مبارکپور جاری کرایا۔ ۱۴۰۱ھ میں الجامعۃ الحجازیہ مبارکپور حجازی جامع مسجد تعمیر کرائی۔ ۱۹۸۵ء میں علمی وتاریخی تصانیف پر حکومت ہند نے آپ کو اعزازی ایوارڈ عطا کیا۔ ۱۹۸۰ء پھر ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۶ء میں نیم سرکاری تنظیم ''فکر ونظر'' سندھ کی دعوت پر سرکاری مہمان کی حیثیت سے پاکستان گئے۔ تنظیم نے آپ کی کتابیں چھاپیں۔ ایک عظیم اجلاس میں ان کا اجراء کیا۔ اور آپ کو ''محسن سندھ'' کا خطاب دیا۔ جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان (متوفی ۱۴۰۹ھ) نے اپنے ہاتھوں سے اعزازی نشان اور تحائف وہدایا دیئے۔ آپ کی کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے وہ قبولیت بخشی کہ چند کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر کے ڈاکٹر عبدالعزیز عزت عبدالجلیل نے ۱۹۷۹ء میں مصر سے شائع

کیا، ریاض سے بھی آپ کی کتاب شائع ہوئی۔

اعلیٰ اخلاق: نہایت سادہ طبع، مخلص، متواضع، تکلف و تصنع سے بَری، عظمت و بڑائی سے دور، طبیعت میں غیرت و خودداری، کسی کے عہدہ و منصب یا تمول و جاہ سے نہ کبھی مرعوب ہوئے، نہ اس سے جھک کر ملے، اہل علم کے بڑے قدر شناس، اصحاب علم کو امراء کی خوشامد کرتے دیکھ کر غضبناک ہو جاتے۔ ناگوار باتوں اور غلط کاموں پر خاموشی اور چشم پوشی ہرگز نہ کرتے۔ ظاہرداری اور مصلحت پسندی کے مخالف، حرص و تملق سے نفور، خاموش خدمت کے عادی، ریا و نمائش سے خالی۔ اپنے خوردوں کے ساتھ بے تکلف، معمولی کاموں پر ان کی حوصلہ افزائی، اپنے بزرگوں کا اعزاز و اکرام، علماء کو اپنے گھر دعوت دیکر بے پایاں مسرور، بڑے بڑے اداروں کے بلانے اور کثیر رقوم کی پیشکش کو شکریہ کے ساتھ واپس کرنے اور اپنی بوریہ نشینی پر قانع، دوسروں کے غم میں شرکت اور ان کی خدمت کے عادی۔

طہارت و تقویٰ: نماز باجماعت کے پابند، کسی بھی عذر سے مسجد میں جانا نہ چھوڑتے، شاہانہ دعوت ٹھکرا دیتے اگر اس میں کوئی خلاف شرع کام ہوتا، حلال وطیب آمدنی حاصل کرتے، روزانہ علی الصباح مقبرہ میں جا کر مردوں کے لئے ایصال ثواب کرتے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خوگر تھے۔ پانچ بار حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

تصنیف: ماشاءاللہ قاضی صاحبؒ بہت ساری کتابوں کے مصنف و مؤلف بھی تھے، وہ اس قدر مقبول ہوئیں کہ ان کے کئی ایڈیشن نکلے۔ (مرتب)

آپ کے اقوال مفیدہ: (۱) ابتدا بالسلام کرو، اس پر خود عامل تھے۔

(۲) صفائی ستھرائی سے رہو۔ (۳) اپنی خودداری کوٹھیس نہ لگنے دو (۴) علماء کی قدر کرو (۵) دنیادار علماء سے احتراز کرو (۶) رشتے اور تعلقات کا لحاظ و پاس رکھو (۷) لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملواوران کی خیریت دریافت کرو۔ انتہیٰ۔

آپ کے چند مکتوبات جواس حقیر کے نام ہیں وہ بعض اہل علم کے مشورہ سے نقل کئے جاتے ہیں:

مکتوبات عالیہ بنام مؤلف

(۱) قاضی منزل، مبارکپور ۱۰ رشوال ۱۴۱۰ھ ۶ رمئی ۱۹۹۰ء

باسمہ تعالیٰ

برادرمکرم! زیدمجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو، آخر رمضان میں بمبئی سے واپسی پر آپ کے دونوں علمی و روحانی تحفے یعنی ''تذکرۂ مصلح الامتؒ'' ''فیضان محبت'' دونوں کتابیں رمضان ہی میں آپ کے آدمی کے ذریعہ مل گئی تھیں، میں نے روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی کے اپنے کالم میں دونوں کتابوں کا مختصر تعارف کرادیا ہے۔ یعنی لکھ کر بھیج دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے ''اقوال سلفؒ'' کے بارے میں لکھا تھا۔ آپ کے علمی و تصنیفی ذوق سے بڑا فیض پہنچ رہا ہےاورکام کی کتابیں نکل رہی ہیں۔ ان کتابوں کی اہمیت وافادیت بعد میں بہت زیادہ ہوجائے گی اوران سے امت کوفیض پہنچے گا۔ میں خیریت سے ہوں۔

والسلام مع الاحترام

قاضی اطہر مبارکپوری

(۲) قاضی منزل، مبارکپور ۲؍شعبان ۱۴۱۱ھ ۱۸؍فروری ۱۹۹۱ء

باسمہ تعالیٰ

محب گرامی قدر! زیدت معالیکم السامیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں جناب قاری محمد اشفاق صاحب کے ذریعہ آپ کا علمی ودینی ہدیہ ’’عقیدۂ اہل سنت والجماعت‘‘ اور ساتھ ہی خیریت نامہ ملا۔ یادفرمائی کا بہت بہت شکریہ، ادھر کئی ماہ سے کہیں کا سفر نہیں ہوسکا، ملکی حالات اور کچھ اپنے حالات اس کا باعث ہیں۔ خدا کرے ’’اقوال سلفؒ‘‘ کا سلسلہ جلد مکمل ہوجائے۔ بڑے کام کی چیز ہے اور اہل دین ودیانت کے لئے تحفہ ہے۔ جو بھی خدمت جس انداز سے ہوجائے غنیمت ہے، مخدومنا حضرت مولانا محمد احمد صاحب ادام اللہ فیضانہ کو اللہ تعالیٰ صحت دے۔ ان کی خدمت میں سلام بصد ادب واحترام عرض ہے۔

’’عقیدۂ اہل سنت والجماعت‘‘ اگرچہ ترجمہ ہے، مگر زبان وبیان کی سلاست کی وجہ سے اصل کتاب معلوم ہوتی ہے، یہ مترجم عزیز کے علمی ذوق اور زبان وادب سے وابستگی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علمی کاموں میں برکت عطا فرمائے۔

والسلام

قاضی اطہر مبارکپوری

(۳) قاضی منزل، مبارکپور ۲۶؍رجب ۱۴۱۲ھ، یکم؍فروری ۱۹۹۲ء

محب گرامی قدر! زید مجدکم السامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن ہوئے، گرامی قدر دینی وروحانی تحفے ’’اقوال سلف جلد سوم‘‘ اور

دعاؤں پر مشتمل کتاب، دونوں کتابیں ملیں، یہ آخری جلد مشائخ کی سوانح کا مستند ذخیرہ بن گئی ہے اوراس کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ''اقوال سلف'' کی ہرسہ جلد مجموعی طور سے علمی ودینی حلقوں کے لئے مینارۂ نور وہدایت ہے، چونکہ تاریخ وسوانح میرا پسندیدہ موضوع ہے،اس لئے یہ مجموعہ میرے نزدیک علمی ودینی ذخیرہ میں قابل قدر اضافہ ہے،خصوصاً تیسری جلد۔اللہ تعالیٰ آپ کے علمی وروحانی فیوض کوتصنیف وتالیف کے ذریعہ سے بھی زیادہ سے زیادہ عام کرے،خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔دعا کی درخواست ہے۔ والسلام

قاضی اطہر مبارک پوری

(۴) ۶/صفر ۱۴۱۳ھ،۱۶/اگست ۱۹۹۲ء

باسمہ تعالیٰ

مکرمی محترمی زیدمجدکم السامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔آپ کا دستی گرامی نامہ کئی دن ہوئے مل گیا تھا،جس میں آپ نے ''اقوال سلف جلد چہارم'' کی کتابت کی خوشخبری دی ہے،ان شاءاللہ اس جلد کے بعد کے بزرگوں کے احوال واقوال کا معتبر ذخیرہ تیار ہوجائے گا اور یہ آپ کا بڑا علمی دینی کارنامہ ہوگا۔آپ نے اس جلد پر مقدمہ لکھنے کے لئے مجھے منتخب فرمایا ہے۔میں شکریہ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں اس متبرک کتاب پر مقدمہ لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔پھر بھی آپ کے منشاء کے مطابق چندسطریں لکھ کر روانہ کررہا ہوں،جن کو بطور مقدمہ شامل کرنا بالکل ضروری نہیں ہے،اب حالت یہ ہے کہ جو کام بروقت ہوجاتا ہے غنیمت ہے،ورنہ ارادہ

کرتے کرتے مہینوں بیت جاتے ہیں، اس لئے بروقت جو کچھ ہوسکا لکھ دیا ہے۔

''تربیت اولاد'' اپنے موضوع پر نہایت مستند ومفصل کتاب ہے، میں نے اپنی بعض کتابوں میں اس سے استفادہ کیا ہے، آپ نے اس کا خلاصہ تیار کر کے استفادہ کی آسانی پیدا کردی ہے۔ اس کی دونوں جلدوں کا خلاصہ ان شاء اللہ بہت مفید ہوگا۔

میری نو تاریخی کتابیں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی ہیں اور عربی کتابیں قاہرہ سے۔ میں نے اپنی کتابوں میں معاوضہ نہیں لیا ہے۔ چند نسخے مل جاتے تھے جن کو احباب اور بزرگوں کو پیش کر دیتا تھا۔ اور چند نسخے بطور ریکارڈ کے اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ اس لئے میری کتابیں میرے پاس نہیں رہتی ہیں۔ پھر بھی ان شاء اللہ بعض کتابیں آپ کو روانہ کردوں گا کسی آنے جانے والے کے ذریعہ۔ میری کتاب ''دیار یورپ میں علم وعلماء'' ہمارے دیار (صوبہ الہ آباد، صوبہ اودھ اور صوبہ عظیم آباد) کے علماء و مشائخ کے حالات میں آپ کو پسند آئیں گی۔ میں خاص طور سے آپ کو بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ میرے پاس اس کے دو چار نسخے ہوں گے، دیکھوں گا۔ آخر میں ائمہ اربعہ اور تدوین سیر ومغازی شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند نے شائع کی ہے۔ وہاں سے ان کو طلب فرما سکتے ہیں۔ خدا کرے مزاج بخیر ہو۔ والسلام مع الاحترام

قاضی اطہر مبارکپوری

(۵) قاضی منزل، مبارکپور ۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ

باسمہ تعالیٰ

گرامی قدر، زید مجدہم السامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقریباً دو ماہ سفر میں رہا۔ بمبئی ، دیوبند، دہلی ، پھر بمبئی کا چکر رہا۔ کل واپسی ہوئی تو آج آپ کا گرامی قدر علمی و دینی تحفہ ''اقوال سلف حصہ چہارم'' ملا، اور اسی وقت سے اس سے استفادہ جاری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کا پہلا کارنامہ ہے جس کی توفیق آپ کو ملی ہے۔اسی کے ساتھ مکتوب گرامی بھی ملا اور حالات معلوم ہوئے۔

''اقوال سلفؒ'' کی پانچویں جلد بھی ان شاءاللہ آپ کے قلم سے مکمل ہوگی۔ بہت سے خطوط کے جواب لکھ رہا ہوں، اس لئے اختصار ہے۔ خدا کرے مزاج بعافیت ہوں۔ والسلام مع الاحترام

قاضی اطہر مبارکپوری

مرض و رحلت: کئی برس نزلہ زکام میں مبتلا رہے۔ جس سے ناک کے بائیں سوراخ سے خون آنے لگا۔ ۲۹/اکتوبر ۱۹۹۵ء کو اعظمگڈھ میں ناک کا آپریشن کرایا جو بظاہر کامیاب تھا، مگر اس کے بعد کمزوری بڑھتی گئی۔ بالآخر ۲۸/صفر ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴/جولائی ۱۹۹۶ء یکشنبہ کا دن گزار کر دس بجے شب میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مبارک پور، اعظمگڈھ، بنارس، جونپور، غازی پور، مئو کے علماء وفضلاء کی عظیم تعداد کے ہاتھوں بروز دوشنبہ مبارکپور میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ المتوفی ۱۴۱۷ھ

ولادت: آپ ضلع مرادآباد کے قصبہ سنبھل میں ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم ظاہری وباطنی: یہیں اردو فارسی اورعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ دارالعلوم مئو میں بھی درسیات کی تحصیل کی۔ وہیں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، اورآخر کے دوسال یعنی ۱۳۴۳ھ سے ۱۳۴۵ھ تک دارالعلوم دیوبند میں گزارے۔اس وقت حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ صدرالمدرسین اورشیخ الحدیث تھے، ان سے اوردوسرے اساتذۂ فن سے درس لیا۔شاہ صاحبؒ کے تلمذ پران کو ہمیشہ فخر رہا، اوراپنے تمام اساتذہ میں انھیں سے سب سے زیادہ محبت وعقیدت رکھتے تھے، ان سے بیعت بھی ہوئے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے بیعت اس کے بعد ہوئے تھے، اورآپ ہی کی طرف سے خلافت سے بھی مشرف ہوئے۔

عملی میدان: مولانا نے تعلیم سے فراغت کے بعد چند برس تک بعض عربی مدارس میں تدریس کی خدمت انجام دی۔اس زمانہ میں بعض داخلی وخارجی فتنوں کا بڑا زورتھا۔ان فتنوں سے اسلام کے عقیدۂ توحیدورسالت کی بیخ کنی اورشرک وبدعت کے فروغ کے علاوہ علمائے دیوبند کی ذات ومسلک بھی مجروح ہورہا تھا، اس لئے مولانا طالب علمی ہی کے زمانہ سے ان کی سرکوبی کی تیاری کرنے لگے تھے، اوراب تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ہی ان کے خلاف محاذ آرائی

میں حصہ لینا شروع کیا، چنانچہ ان کی ابتدائی زندگی بعض فرقوں کے مقابلوں اور ان سے مناظروں کے لئے وقف رہی اور اس میں وہ بڑے کامیاب رہے۔

ماہنامہ الفرقان: اسی سلسلہ میں انہیں اپنے مخالفوں کے نظریات کے ابطال کے لئے ایک علمی و دینی ماہنامہ رسالہ نکالنے کا خیال بھی آیا جو محرم ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء سے اب تک ان کے انتقال کے بعد بھی ''الفرقان'' کے نام سے برابر شائع ہورہا ہے، اور وہ ملک کا مشہور علمی، دینی اور اصلاحی رسالہ خیال کیا جاتا ہے۔

''الفرقان'' کے متعدد خاص نمبر بھی شائع ہوئے جو بہت مقبول ہوئے؛ لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ پر اس کے خاص نمبر بڑی اہمیت ومنفعت کے حامل ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی ان مایۂ ناز ہستیوں اور عظیم داعیوں کے اصلاحی وتجدیدی کارناموں اور ان کی دعوت وتعلیم کو جس بہتر انداز میں ان میں پیش کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ اور صاحب ''الفرقان'' کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اس کے ''حج نمبر'' سے حاجیوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔

تصنیف وتالیف: تبلیغی ودعوتی اسفار اور ''الفرقان'' کی ادارت کے ساتھ ساتھ مولانا ہمیشہ تصنیف وتالیف میں بھی مشغول رہتے، جس کا انہیں اچھا ذوق، خاص سلیقہ اور خداداد ملکہ تھا۔ وہ اردو کے بہت اچھے اہل قلم تھے، ان کی تحریریں نہایت سلیس، شگفتہ اور رواں ہوتی تھیں، جن کی زبان آسان اور بڑی عام فہم ہوتی اور پیش کرنے کا انداز اتنا مؤثر اور دلنشیں ہوتا تھا کہ عام آدمی کو بھی ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ وہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے تھے اس پر ان کی مکمل گرفت ہوتی تھی، اس لئے اپنے مدعا ومقصود کو کسی اینچ پینچ کے بغیر

اچھی طرح واضح کردیتے تھے۔

مولانا کی چھوٹی بڑی بے شمار تصنیفات ہیں، اور وہ سب اس قدر مقبول ہوئیں کہ ان کے درجنوں ایڈیشن بھی نکلے اور ملک کی مختلف زبانوں کے علاوہ انگریزی اور عربی وغیرہ میں ترجمے بھی ہوئے، ان کی جن کتابوں کا فیض بہت عام ہوا ان کا تذکرہ کردینا مناسب ہوگا۔

اسلام کیا ہے؟: اس کتاب میں عام مسلمانوں کے لئے مکمل دین کو آسان اور مؤثر دعوتی زبان میں پیش کیا گیا ہے، تاکہ یہ رسالہ مسلمانوں کے لئے رجوع الی اللہ کا ذریعہ بنے اور غیر مسلموں میں بھی اسلام کی اصل صورت واضح ہوجائے۔

حج کیسے کریں؟: اس میں حج کے ارکان و اعمال کو نہایت سہل زبان میں بیان فرمایا ہے، نیز ایسی باتیں بھی درج فرمائی ہیں جن کے پڑھنے سے حاجی صاحبان ادائیگیٔ اعمال کے وقت باطنی جذبات و قلبی کیفیات سے سرشار ہوں، اور بیت اللہ کی زیارت کے ساتھ ساتھ رب البیت کی زیارت کا شرف نصیب ہوجائے۔

معارف الحدیث: یہ مولانا کی سب سے اہم اور مفید کتاب ہے جو اردو کے علمی و حدیثی ذخیرہ میں ایک بہت قیمتی اضافہ ہے، اس کو بڑی شہرت و قبولیت نصیب ہوئی۔ اس کی سات جلدیں خود مولانا نے مرتب کر کے شائع کی ہیں۔ آٹھویں جلد ان کے برادر زادہ مولوی محمد زکریا صاحب استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مرتب کر رہے ہیں۔ یہ کتاب دور حاضر کے خاص حالات اور ایک عام پڑھے لکھے شخص کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے، یہ در اصل

حدیث نبویؐ کے ضخیم دفتر سے ایک انتخاب ہے جو ترجمہ کے ساتھ ایسی سادہ اور مختصر تشریح پر مبنی ہے جس سے علم کا اصل مغز و مدعا اچھی طرح ذہن نشیں ہو گیا ہے، اور یہ کتاب انسان کی عملی و روحانی ترقی و اصلاح کا ذریعہ بھی بن گئی ہے۔ گو اس میں فنی مسائل اور مہمات امور سے براہ راست تعرض نہیں کیا گیا ہے؛ تاہم اس سے احادیث کی بہت سی علمی و فنی گرہیں صاف طور پر حل ہوگئی ہیں۔ حدیثوں کے فقہی پہلو اور فقہاء کے اختلافات کا تذکرہ بقدر ضرورت اس طرح کیا گیا ہے کہ افتراق باہمی کے رجحان کی ہمت شکنی ہو۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اہل علم اور طلبۂ حدیث کے لئے بھی بہت کار آمد ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ مثلاً ''قرآن آپ سے کیا کہتا ہے، کلمۂ طیبہ کی حقیقت، نماز کی حقیقت، ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، تحدیث نعمت'' وغیرہ۔

ان کتابوں سے مسلمانوں کو بڑی رہنمائی اور تقویت ملی اور ان کی حیثیت دراصل صدقۂ جاریہ کی ہے۔

(منقول از ''معارف'' جون ۱۹۹۷ء از مضمون مولانا ضیاء الدین اصلاحی)

وفات: آپ پچھلے دس برسوں سے علیل تھے۔ بالآخر وقت موعود آ گیا اور ۲۶ ر ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۴، ۵ رمئی ۱۹۹۷ء کی درمیانی شب میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب رحمہ اللہ نے دارالعلوم ندوہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور عیش باغ لکھنؤ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ.

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب[1] گنگوہیؒ المتوفی ۱۴۱۷ھ

نام ونسب وولادت: حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحبؒ کے والد صاحبؒ کا نام حضرت مولانا حامد حسن صاحبؒ تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۸ یا ۹ / جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ جمعہ کی شب میں مشہور مردم خیز قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

تعلیم: حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ نے آپ کی بسم اللہ کرائی، پھر ابتدائی تعلیم اپنے وطن گنگوہ میں رہ کر حاصل کی، اس کے بعد آپ نے مظاہر علوم سہارنپور اور پھر دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے پڑھی۔ پھر دوبارہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ سے پڑھی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے تلمیذ ارشد بھی تھے اور خلیفۂ اعظم بھی تھے، دار العلوم اور مظاہر علوم کے اس وقت کے ماہر فن اساتذہ اور مشائخ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو علم تفسیر، اصول تفسیر، علم حدیث اور اصول حدیث، علم فقہ، اصول فقہ اور علم کلام وغیرہ تمام دینی علوم میں کامل مہارت تھی۔ فقہی کلیات

---

(۱) مولانا محمد نسیم قاسمی بارہ بنکوی استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند نے مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ کے متعلق نہایت جامع مضمون رسالہ ''دار العلوم'' (اکتوبر ۱۹۹۶ء) میں لکھا ہے، اسی کے اقتباسات نقل کردیا ہے۔ (مرتب)

اور جزئیات کا پورا استحضار تھا۔آپ کا حافظہ بہت قوی اور آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔آپ کی ذات روشن ذہن اور مجتہدانہ بصیرت کی حامل تھی۔آپ کا دل خدائے کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے لبریز تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو بڑی جامعیت عطا فرمائی تھی،علم و عمل،خلوص وللّٰہیت،تقویٰ و دیانت ،خدمت خلق،تزکیۂ نفس،تعبیر خواب،فتویٰ نویسی اور اتباع سنت وغیرہ تمام اوصاف وکمالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند مقام عطافرمایا تھا۔آپ اپنے ماہرفن اساتذہ اور مشائخ کی علمی وعملی یادگار تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ اس بے دینی اور الحاد کے دور میں روشنی کا ایک مینار تھے،اور آپ اس شعر کا مصداق تھے۔ ؎

ولیس علی اللہ بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

آپ کی علمی وعملی جامعیت سے لوگوں کو بہت فیض پہنچا،اور آپ کا فیض ہندوستان کی چہار دیواری تک محدود نہیں؛ بلکہ پاکستان ، بنگلہ دیش ،لندن، افریقہ، بلکہ ایشیا ویورپ میں ہر جگہ پہنچا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی محبوبیت اور مقبولیت عطا فرمائی،اور اللہ والوں کی مقبولیت ومحبوبیت صدیاں گزر جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے،اور لوگوں کے دلوں میں ان کی یادوں کے نقوش رہتے ہیں۔ ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

افتاء وتدریس: فراغت کے بعد سب سے پہلے مظاہر علوم سہارنپور میں تقریباً پچیس سال تک افتاء اور تدریس کی خدمت انجام دی۔پھر جامع العلوم

کانپور کی صدارت تدریس کے عہدۂ جلیلہ کو آپ نے رونق بخشی، اور چودہ سال تک کانپور اور اس کے اطراف کے لوگ حضرت مفتی صاحبؒ کے دریائے فیض سے سیراب ہوتے رہے، جامع العلوم تنزلی اور گمنامی میں پڑا ہوا تھا، حضرت مفتی صاحبؒ کی برکت سے شہرت اور ترقی کے بام عروج پر پہنچ گیا۔ پھر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بہت اصرار پر دارالعلوم دیو بند تشریف لائے اور یہاں کے دارالافتاء کی سرپرستی فرمائی۔ اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف جلد ثانی اور نسائی شریف اور رسم المفتی وغیرہ کتابوں کا درس دے کر تشنگان علوم کو سیراب فرمایا۔ میں نے (مولانا محمد نسیم قاسمی) شعبۂ افتاء میں رسم المفتی حضرت مفتی صاحبؒ ہی سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

تصنیفات: آپ کی علمی یادگاروں میں سب سے ممتاز اور سب سے ضخیم فتاویٰ محمودیہ ہے جس کی بیس جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، اور لوگوں میں مقبول ہو چکی ہیں، اس کے علاوہ ’’نغمۂ توحید، گلدستۂ سلام، حقوق مصطفیٰ اور وصف شیخ، نیز فقیہ الامتؒ کے مکتوبات، ملفوظات اور خطبات کی بہت سی جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اور ماشاء اللہ آپ نے بہت سے خلفاء و تلامذہ بھی چھوڑے ہیں جو یقیناً آپ کی بیش بہا یادگار ہیں۔

ارشادات

آپ کے ارشادات ’’ملفوظات فقیہ الامتؒ‘‘ کے نام سے متعدد حصوں میں مختلف حضرات نے ضبط فرمائے ہیں۔ ان میں سے چند ارشادات پیش خدمت ہیں:

اجتماعی دعا: ارشاد فرمایا کہ: کنز العمال میں روایت ہے کہ جب کوئی قوم جمع ہوکر اس طرح دعا کرے کہ بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں، تو حق تعالیٰ شانہ ان کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا مشروع ہی نہیں بلکہ اقرب الی الاجابت ہے۔) (ص:۱۷ ج/۱)

ترتیب علم: ارشاد فرمایا کہ: حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ نقل کیا گیا ہے "**اول العلم الاستماع ثم الانصات ثم الحفظ ثم العمل ثم النشر**" یعنی علم کی ترتیب اس طرح ہے، اول استاذ کی بات غور سے سننا، پھر خاموش رہ کر اس کا مطلب سمجھنا۔ پھر اس کو یاد رکھنا، پھر اس کے مطابق عمل کرنا، پھر اس کی اشاعت کرنا۔

ف: حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ کے اس ارشاد کو نقل کر کے علم کا ایک باب مفتوح فرما دیا جسے پیش نظر رکھنا ہر طالب علم، ہر معلم بلکہ نشر واشاعت دین کی خدمت انجام دینے والی ہر جماعت کے ذمہ لازم ہے۔ مگر افسوس کہ اس سلسلہ میں عام طور پر کوتاہی ہورہی ہے۔ واللہ الموفق. (مرتب)

علماء کا احسان: ارشاد فرمایا کہ: علماء نے کتابوں میں اتنے مسائل جمع کر دیئے ہیں کہ قیامت تک جو مسئلہ بھی پیش آئے گا یا تو بعینہ وہی کتاب میں موجود ہوگا یا اس کی نظیر موجود ہوگی، یا فقہاء کے بیان کردہ کسی قاعدہ کلیہ کے تحت وہ پیش آمدہ مسئلہ داخل ہوگا۔ (ج:۲، ص:۳۴)

ف: حضرت مفتی صاحبؒ نے علماء وفقہاء کی خدمات کو کیسا سراہا ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ ہم ان حضرات کا احسان مانیں، ان کے لئے دعائے خیر کریں، نہ کہ ان کی تحقیر وتصغیر کر کے ان سے عداوت کا ثبوت فراہم کریں، کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ

کی ناراضگی کی بات ہوگی، اور حدیث قدسی ہے: **من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب.** (بخاری شریف، حدیث ۶۵۰۲) (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) جو میرے کسی ولی سے عداوت کرتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ علماء وفقہاء سے بڑھ کر کون لوگ اولیاء اللہ ہوں گے۔(مرتب)

محمود غزنوی کے والد کا عالم کا احترام کرنا: محمود غزنوی کے والد کا نام سبکتگین تھا، یہ معمولی درجہ کا سپاہی تھا، ایک دن اس کے یہاں ایک عالم مہمان ہوئے، اس نے عالم کا بہت اکرام کیا، ان کے احترام میں یہ سات قدم پیچھے چلا۔ اس اکرام واحترام کا اللہ تعالیٰ نے یہ بدلہ دیا کہ بادشاہت ان کے گھر میں آئی اور سات پشتوں تک یہ بادشاہت کرتے رہے۔(ج:۵،ص:۵۷)

ف: سبحان اللہ ایک عالم دین کے اکرام واحترام کی وجہ سے ایک معمولی سپاہی کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہت کی نعمت سے نواز دیا، اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم دین کے اکرام واحترام کی کیسی کچھ قدر ومنزلت معلوم ہوئی۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں بھی اس کی بے حد فضیلت وارد ہے، یہ دنیا میں انعام ہے، اب یہ کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کن کن نعمتوں سے نوازیں گے، اس کا کسی کو کیا پتہ۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "**لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ**" (فیض القدیر: ج۵ ص۳۸۹) یعنی ہم میں سے وہ نہیں ہے جو بڑے کی تعظیم نہ کرے، چھوٹے پر رحم نہ کرے اور عالم کی قدر ومنزلت نہ جانے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے اور علماء کی اہانت وتحقیر سے محفوظ رکھے۔ آمین! (مرتب)

بڑوں سے درگزر کرو: فرمایا کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ذوی الہیئات کے عثرات سے اقالہ کرو۔ (ابوداؤد) یعنی جو باحیثیت لوگ ہیں ان سے اگر کوتاہی ہوجائے تو درگزر کرو۔ صحابہؓ سے اور انصار سے درگزر کرنے کی تاکید آئی ہے۔ (ج:۶/ ۱۴)

ف: ذوی الہیئات میں علماء ومشائخ سبھی داخل ہیں۔ لہٰذا اگر ان میں سے کسی سے کوئی لغزش یا چوک ہوجائے تو اس کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے؛ بلکہ اس کو نظر انداز اور درگزر کردینا چاہئے، تاکہ بعض کی خطا کی وجہ سے عام علماء وصلحاء بدنام نہ ہوں، مگر آج کل دیکھ لیجئے: اس حدیث پر ہمارا کتنا عمل ہے، اگر کسی عالم یا شیخ سے ذرا بھی چوک ہوجائے تو درگزر کردینا تو درکنار، زبان سے بلکہ قلم سے جب تک اس کو مشتہر نہ کرلیں چین نہیں آتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر نصیحت مقصود نہیں ہوتی؛ بلکہ فضیحت ورسوا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کا پٹہ: ارشاد فرمایا کہ: گھریلو کتا جو ہوتا ہے اس کے گلے میں پٹہ بندھا رہتا ہے، جب تک وہ مالک کے پاس رہتا ہے بالکل محفوظ رہتا ہے، کوئی اس کو کچھ نہیں کرتا اور جب مالک کے گھر کو چھوڑ کر دوسری جگہ جاتا ہے تو ہر دروازے سے دھتکار دیا جاتا ہے۔ بس یہی حال مسلمان کا ہے کہ اس کے گلے میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پٹہ لگا ہوا ہے۔ جب تک وہ اللہ اور رسول کے احکام پر چلتا ہے تو سارے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے، ورنہ ہر جگہ ذلیل ورسوا ہوتا ہے، دھتکار دیا جاتا ہے۔ (ج:۶،ص:۴۹)

ف: چنانچہ اسی معنی میں شیخ سعدی کا یہ شعر مشہور ومعروف ہے ؎

عزیزے کہ از در گہش سر بتافت   بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

میں نے اپنے آپ کو کبھی غریب نہیں سمجھا: ارشاد فرمایا کہ: حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی اپنے آپ کو غریب نہیں سمجھا؛ کیونکہ خدا سے ہمارا تعلق ہے اور تمام چیزوں کے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے، جب اس سے ہمارا تعلق ہے تو ہم اپنے آپ کو کیوں غریب سمجھیں؟ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ: ہمیں اس شخص کا ہدیہ لیتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے جو یہ سمجھ کر دیتا ہے کہ یہ حاجت مند ہیں، مگر افسوس کہ ہم لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ دس دفعہ کہیں گے کہ ہم حاجت مند ہیں ہمیں دیدو۔ (ج:۶،ص:۹۹)

ف: حضرت حکیم الامتؒ نے بیان فرمایا کہ: علماء کو اس طرح رہنا چاہئے کہ اگر کوئی ہدیہ دینا چاہے تو یہ ڈر ہو کہ معلوم نہیں قبول کریں گے یا نہیں؟ مگر اب تو ایسا ہو گیا ہے کہ یہ مالدار کسی مولوی کو دیکھتے ہیں تو ان کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ وہ ہم سے کسی چیز کا سوال نہ کر دیں۔ بتلائیے! ایسی صورت میں علماء کا وقار عوام میں کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟ اس لئے علماء کو مال کے سلسلہ میں نہایت محتاط رہنا چاہئے۔ (مرتب)

ستر خصموں کا جواب کہاں سے دوں گا: ارشاد فرمایا کہ: اساتذہ کو اپنے معمولات کی وجہ سے طلبہ کا حرج نہ کرنا چاہئے، مطالعہ کر کے پڑھانا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمایا کہ کتاب دیکھنے میں

زیادہ وقت نہ لگایا کرو۔ رات کا اکثر حصہ اللہ اللہ کرنے میں مشغول رکھو۔ اس پر مولانا موصوف نے فرمایا کہ کتاب نہیں دیکھوں گا تو ستر خصموں (طلبہ) کا جواب کہاں سے دوں گا۔ (ج:۷، ص:۶۰)

ف: معلوم ہوا کہ مطالعہ دیکھ کر تحقیق وبصیرت کے ساتھ پڑھانا یہ ذکر اللہ سے بڑھ کر ہے، اس میں بھی اجر وثواب ہے، اس لئے کہ اس سے محقق علماء پیدا ہوں گے، جن میں سے ایک ایک عالم ہزاروں عابد سے بڑھ کر ہوگا۔ (کما فی الحدیث) ہاں! مگر اپنی فرصت کے مطابق ذکر اللہ کا بھی شغل رکھنا چاہئے، اپنے اوقات میں سے چند گھڑی ذکر اللہ کے لئے اچک لینا چاہئے۔ (تفہیمات)

اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ ہر عالم کے لئے کوئی نہ کوئی ورد ہونا چاہئے، جو اس کے اور اللہ کے درمیان خاص ہو۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

اہل مدارس باہم معاون بن کر رہیں، معاند بن کر نہیں: ارشاد فرمایا: مدرسے تو دینی تعلیم کے لئے جتنے موجود ہیں ان سے زیادہ کی ضرورت ہے، مگر اخلاص کے ساتھ ہوں۔ ایک دوسرے کے رفیق بن کر رہیں، رقیب بن کر نہیں، معاون بن کر رہیں، معاند بن کر نہیں، معاون بننے میں نفع ہے، معاند بننے میں نقصان ہے۔ اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ دینی مدرسہ کا چلانا عوام کا کام نہیں بلکہ اہل علم ہی کا کام ہے۔ مگر افسوس کہ ہر جگہ اختلاف چلا آرہا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، پس جن کے انتظام سے مدرسہ ترقی کرے مادی بھی معنوی بھی، تو انہی کے زیر انتظام مدرسہ چلنا مناسب ہے۔ (ج:۷/۶۲)

ف: حضرت مفتی صاحبؒ نے اہل مدارس کو نہایت مفید نصیحت فرمائی جو صفحات

قلوب پر لکھے جانے کے لائق ہے۔ اخلاص کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اگر کوئی عمل کسی اپنے ہی بھائی سے واقع ہورہا ہے جسے ہم بھی کرتے ہیں، تو اس کی مخالفت نہیں، بلکہ پوری پوری موافقت ہی نہیں بلکہ معاونت کرنی چاہئے اور خوش ہونا چاہئے کہ ہمارے کام کے لئے ہم کو ایک رفیق ومعین مل گیا، جس کی وجہ سے اب دینی کام دو چند ہوگا۔ پس اگر اپنا حال ایسا نہیں ہے تو اپنے اخلاص میں نظر وفکر کرنا چاہئے۔ چونکہ مفتی صاحبؒ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ سے ملاقات کے لئے ہر سال کلکتہ سے واپسی پر ہمارے مدرسہ بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد تشریف لاتے تھے تو اس طرح اس حقیر کو آپ کی زیارت کی نعمت ضرور نصیب ہوتی۔ جس میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کی بے تکلف ملاقات سے بیحد مسرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے مدرسہ کا کیا حال ہے تو میں نے کہا اچھا ہے۔ تو معاً فرمایا کہ آپ پہلے وہ شخص ہیں کہ مدرسہ کے متعلق کہا کہ سب اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کی جس سے خوشی ہوئی۔ اب تو ماشاء اللہ بیت المعارف کے علاوہ ''دارالمعارف الاسلامیہ ڈی بلاک کریلی الہ آباد'' بھی قائم ہوگیا اور تیسرا مدرسہ ''بیت القرآن الکریم مہیوا الہ آباد'' جو جمنا ندی کے اس پار ہے جہاں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ عبداللہ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ وہی شیخ عبداللہ ہیں جن کے نام سے مسجد شیخ عبداللہ مشہور ہے، اسی میں احیاء العلوم مدرسہ بھی قائم ہے، اب تو تبلیغی جماعت کا مرکز بھی قائم کردیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب اداروں کو جاری رکھنے

کی ہم سب کوتوفیق دے۔آمین (مرتب)

نسبت مع اللہ کی حقیقت: عرض کیا گیا کہ نسبت مع اللہ کی حقیقت کیا ہے؟

ارشادفرمایا: اللہ سے ایک خاص قسم کا تعلق پیدا ہوجائے کہ آدمی اس کی نافرمانی نہ کرے، اس کی اطاعت کرتا رہے، ہر کام میں نیت خالص رکھے، اور اس فکر میں رہے کہ وہ مجھ سے راضی ہوجائے، ناراض نہ ہو، یہاں تک کہ یہ تعلق قوی ہوجائے۔ پس اس کونسبت مع اللہ کہتے ہیں۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ (ج:۷/ ۶۳)

ف: نسبت مع اللہ کی حقیقت حضرت حکیم الامتؒ کے کلام سے خوب ہی خوب وضاحت فرمائی، ورنہ توعموماً نسبت مع اللہ کے مفہوم سے ہی ناواقفیت ہے۔ (مرتب)

ہردوئی اسٹیشن پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے ملاقات: ارشاد فرمایا کہ: میں ہردوئی میں تھا، معلوم ہوا کہ کسی تبلیغی اجتماع سے مولانا محمد یوسف صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں اور معلوم ہوا کہ فلاں گاڑی سے آرہے ہیں۔ میں ملاقات کرنے ہردوئی اسٹیشن پر گیا۔ پلیٹ فارم پر تھا، گاڑی آئی، انہوں نے مجھے پہلے دیکھ لیا۔ گاڑی ٹھہری، تلاش کرنے کے لئے نکلا تو انہوں نے فوراً آدمی بھیجا کہ وہ دیکھو مفتی صاحب، ان کو اندر بلا لاؤ، میں گیا تو فرمایا کہ بھائی! مصافحہ وُ صافحہ تو بعد میں کیجو، پہلے میرے مسئلے اٹکے ہوئے بتا دو۔ فلاں مسئلہ کس طرح؟ فلاں مسئلہ کس طرح؟ میں نے جلدی جلدی بتا دیئے، اس کے بعد مصافحہ وغیرہ کیا اور کہا کہ تم تبلیغ میں نہیں آئے؟ میں نے کہا: ہوں! ایک دو کو پڑا رہنے دو ایسے ہی کونے میں کہ دن بھر کتاب دیکھتا رہے، مسئلے تلاش کرتا

رہے، ورنہ اگر سارے کے سارے (تبلیغ میں) لگ گئے تو مسئلے حل ہونے بند ہوجائیں گے، یہ گفتگو ہوئی۔ (ج:۸/۷۱)

ف: حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ پر یہ حقیقت واشگاف فرمایا کہ افتاء کا کام بھی دین کی نہایت اہم خدمت ہے، جس کے لئے بیحد جد وجہد اور بکثرت کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے، اگر سب لوگ تبلیغ ہی میں لگ جائیں تو جو کام خلوت میں رہ کر کرنے کا ہے وہ کیسے انجام پائے گا، اور مسائل کے سلسلہ میں تبلیغ والوں کی بھی ضرورت کیسے پوری ہوگی۔ اسی طرح تصنیف وتالیف کے لئے بھی نہایت سکون و اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر اس کے دین کے شعبۂ تصنیف وتالیف کی خدمت انجام نہیں پاسکتی، جبکہ اس زمانہ میں خاص طور سے اس کی سخت ضرورت ہے۔ خوب سمجھ لیں۔

(مرتب)

چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کی حکمت: ارشاد فرمایا کہ: حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ: دماغ میں دو رگیں ہیں، ایک جذام (کوڑھ) کی، ایک زکام کی۔ زکام کی رگ جذام کی رگ پر غالب آتی ہے تو چھینک آتی ہے۔ اس لئے چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جذام جیسے موذی مرض سے محفوظ رکھا۔ (ج:۱/۲۹)

ف: ہم نے ایک معتبر شخص سے چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کی ایک وجہ اور سنی ہے، وہ یہ کہ بیرون ملک کے ایک ڈاکٹر کو یہ اشکال ہوا کہ آخر اسلام میں چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کی تعلیم کیوں دی گئی ہے؟ تو غور وخوض کرنے پر معلوم ہوا کہ

چھینک آنے سے پہلے قلب اپنی حرکت بند کر دیتا ہے، جب چھینک آجاتی ہے تو پھر حسب دستور حرکت کرنے لگتا ہے۔ اس لئے اس کے شکریہ میں اسلام نے الحمدللہ کہنے کی تعلیم دی ہے، سبحان اللہ! ایک سنت کی ادائیگی میں کیسی کیسی حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کو طاقت بشری احاطہ نہیں کرسکتی۔ فللہ الحمد والمنۃ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کے حسن وخوبی کے سمجھنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

ولادت کے لئے ایک عمل: ارشاد فرمایا کہ: اگر زوجین صحت مند ہوں اور ان کے اولاد نہ ہوتی ہو تو جس روز عورت حیض سے فارغ ہو کر غسل کرے اس روز تین انڈے ابال کر چھیل لیں اور ایک پر لکھیں ﴿ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴾ اس کو مرد کھائے اور دوسرے پر لکھیں ﴿ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ ﴾ اس کو عورت کھائے، تیسرے پر لکھیں ﴿ وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ اس کو دونوں (نصف نصف) کھالیں اور ہمبستری کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ اولاد ہو گی۔ (ج:۱/۶۸)

سبق یاد نہ ہونے کی شکایت کا بہترین علاج: ایک طالب علم نے ایک رقعہ حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا جس میں قرآن پاک یاد نہ ہونے کی شکایت لکھی تھی کہ یاد بہت کرتا ہوں؛ لیکن یاد نہیں ہوتا، بہت پریشان ہوں، اس پر حضرتؒ نے اس کو قریب بلا کر ارشاد فرمایا کہ اصل چیز حق تعالیٰ شانہ کی رضامندی وخوشنودی ہے، پڑھنے پڑھانے اور سب عبادات کا حاصل یہی ہے اور وہ ان شاء اللہ حاصل ہے، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ کسی کی محنت ضائع نہیں

فرماتے۔ جب انسان قرآن پاک یاد کرتا ہے، محنت کرتا ہے اور پھر یاد نہیں ہوتا، تو ثواب تو اس کو برابر ملتا ہے، حق تعالیٰ کی رضامندی اس کو حاصل ہوتی ہے جو اصل مقصود ہے اور جب اصل مقصود حاصل ہے تو پھر افسوس اور اس درجہ پریشانی کیوں ہے؟ بندہ کے اختیار کا جتنا کام تھا کیا، اس پر نتیجہ مرتب کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ شیطان بندے کو اس طرح کے وساوس میں مبتلا کر کے محروم کر دینا چاہتا ہے، وسوسہ ڈالتا ہے کہ اتنی زندگی بیکار گزر گئی، کچھ حاصل نہ ہوا، حالانکہ جب بندہ محنت کرتا ہے، کوشش کر رہا ہے اور اس پر اجر اور حق تعالیٰ کی خوشنودی مرتب ہو رہی ہے تو زندگی بیکار کہاں ہوئی؟ بلکہ اس کو بیکار سمجھنا ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے محنت کی توفیق دی۔ اپنے کلام پاک کے پڑھنے، رٹنے میں لگایا، معاصی میں مبتلا نہیں فرمایا، شیطان ناشکری میں مبتلا کر کے محروم کر دینا چاہتا ہے۔ پس اس طرح کے وساوس کو ہرگز جگہ نہ دینا چاہئے۔

ف: ماشاء اللہ حضرت مفتی صاحبؒ نے شکستہ دل طالب علم کی کیسی دلجوئی فرمائی کہ جس سے اس کو تسلی ہوگئی۔ بات یہ ہے کہ بعض دفعہ حقیقت کے نہ جاننے سے آدمی پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ مگر جب حقیقت سے آگاہی ہو جاتی ہے تو پھر اطمینان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ طریق وسلوک میں بھی بہت سے سالکین حالات و کیفیات کے حاصل نہ ہونے سے حیران و پریشان رہتے ہیں، مگر جب ان کو یہ بتلا دیا جاتا ہے کہ مقصود اعمال ہیں نہ کہ احوال، تو ان کو تسلی ہو جاتی ہے۔

(مرتب)

اب اس کے بعد مفتی صاحبؒ کے چند مکتوبات ملاحظہ کریں:

مکتوبات عالیہ بنام مؤلف عفی عنہ

باسمہ تعالیٰ

مکرم محترم مدت فیوضکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ عزت بخش ہوا۔ تذکرۂ مصلح الامت نور اللہ مرقدہ حصہ اول بھی دستیاب ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ ماشاءاللہ۔ تذکرۂ مصلح الامتؒ کے مطالعہ سے وہی فیض ہوا جو خدمت اقدس میں حاضری سے ہوا تھا۔ سچ ہے۔ ع

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

بہت سی علمی الجھنیں مختصر الفاظ میں صاف کردی گئیں۔ راہ سلوک کے رہزنوں (نفس وشیطان) کی دسیسہ کاریوں سے آگاہ کردیا گیا۔ اللہ درجات کو بلند فرمائے، فیض کو جاری رکھے ۔ جناب والا کو دارین میں ترقیات سے نوازے۔

جناب کے مدرسہ کے لئے بھی دعا ہے۔ اللہ پاک مادی ومعنوی ترقی دے۔ ہر قسم کے خلفشار سے بچائے۔ تمام ضروریات کی کفالت فرمائے۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری بحیثیت کان ہوتی ہے نہ کہ بحیثیت زبان۔ وہاں کے ادب کا تقاضا یہی تھا کہ خاموش رہ کر ارشادات کو کانوں سے سنا جائے، دل میں محفوظ کیا جائے، اس لئے اپنی طرف سے کچھ سنانا بے موقع تھا۔ اب بھی خدمت اقدس میں سلام مسنون اور دعاء کی درخواست ہے۔

حق تعالیٰ آپریشن کامیاب فرمائے۔ نور بصیرت کی طرح نور بصارت بھی

کامل عطا فرمائے۔ والسلام

احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم، دیوبند، چھتہ مسجد

۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

ف: مثل مشہور ہے کہ مرید کو کان اور شیخ کو زبان ہونا چاہئے، مگر حضرت مفتی صاحبؒ کی تواضع ملاحظہ فرمایئے کہ خود ہزار ہا ہزار عوام بلکہ علماء کے شیخ طریقت ہوتے ہوئے بحیثیت مستفیض اپنے ہمعصر شیخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو کیا اس سے حضرت مفتی صاحبؒ کی قدر و منزلت میں کمی آ گئی؟ نہیں! بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت اور بڑھا دی۔ حدیث پاک میں ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ فَقَدْ رَفَعَهُ اللّٰهُ. (جامع الصغیر: ج۲/ح۹۶۰۵) یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے پستی و انکساری اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رفعت و بلندی عطا فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اپنے اکابر کا یہ طور و طریقہ ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے جو یقیناً لائق عمل ہے۔ ع ہر کجا پستی است آب آنجا رود۔ یعنی جس جگہ پستی ہوتی ہے پانی وہیں جاتا ہے۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

(۲)

مشفق و مکرم! زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

اقوال سلف حصہ دوم نے پہنچ کر شرف بخشا، جستہ جستہ مطالعہ کیا، بہت ہی عجیب انتخاب فرمایا گیا ہے، پھیلی ہوئی زندگی اور وسیع مکالمات میں سے اصلاح

وتربیت کے لئے اقتباس کرنا بڑی محنت اور ہمت کی بات ہے، حق تعالیٰ نے اس کو آپ کے لئے آسان فرمایا۔ یہ اس کا فضل ہے۔

بعض جگہ پڑھنے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دکھتی رگ پر آپریشن ہے، جس چیز کو لوگ کینسر سمجھ کر لاعلاج قرار دیتے ہیں یہاں اس کا بھی علاج موجود ہے۔ جن اکابر کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اگر ان کے نام کے ساتھ ساتھ ان کی ولادت ووفات کی تاریخ بھی آجاتی تو طلبہ کے لئے زیادہ مفید ہوتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت کو قبول فرمائے، مزید توفیق دے۔

فقط والسلام

املاہ العبد محمود غفرلہ

چھتہ مسجد، دارالعلوم، دیوبند ۴/۱۰/۱۴۰۹ھ

ف: الحمدللہ، حضرت مفتی صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق ''اقوال سلفؒ'' کے اگلے حصوں میں بزرگوں کی ولادت ووفات کی تاریخ لکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ (مرتب)

(۳)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

اقوال سلف میں ناظرین کے لئے روحانی غذا ہوتی ہے، بسا اوقات کسی مسئلہ میں دیر سے الجھن چلی آتی ہے، وہ اقوال سلفؒ کے ذریعہ سے بہت آسانی سے حل ہو جاتی ہے۔ ہمارے مکرم ومحترم حضرت مولانا قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اقوال سلفؒ کا ذخیرہ جمع فرما دیا ہے جو غمگین دلوں کا علاج بھی ہے اور جویان حق کے لئے غذا بھی

ہے۔اللہ پاک قبول فرمائے۔فقط۔ املاہ العبد محمود غفرلہ

ف: ان مکتوبات میں حضرت مفتی صاحبؒ نے ''اقوال سلفؒ'' کے متعلق جو تحسینی کلمات فرمائے وہ یقیناً اس حقیر کے لئے حوصلہ افزاء ہیں۔مزید اس کے مطالعہ کی طرف عام لوگوں کو غایت درجہ کی تخصیص وترغیب ہے۔زبانی بھی اس کی طرف رغبت دلاتے تھے،چنانچہ ایک مولوی صاحب نے بیان کیا کہ میں حضرت مفتی صاحب کی مجلس میں موجود تھا،کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ کون کون سی کتابوں کا مطالعہ کروں؟ تو ارشاد فرمایا کہ (مولانا) قمرالزمان کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے ''اقوال سلف'' اس کا مطالعہ کیا کریں۔

سبحان اللہ! حضرت مفتی صاحبؒ جیسے زبردست عالم وفاضل اور ولی اللہ کا ''اقوال سلف'' کے متعلق یہ فرمانا معمولی بات نہیں ہے بلکہ میرے خیال میں تو اس کے مقبولیت عنداللہ کی علامت ہے اور اس حقیر کے لئے یقیناً نشان سعادت ہے۔فللہ الحمدو المنة.

(۴)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرم ومحترم۔زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کتاب ''اقوال سلفؒ'' حصہ چہارم پہنچ گئی ہے۔بہت بہت شکریہ جزاکم اللہ خیرالجزاء۔احقر کی اب آنکھیں نہ رہیں۔کتاب کا پڑھنا مشکل ہے،تاہم دوسرں سے سننا ابھی جاری ہے،خط لکھنا بھی بند ہے۔آپ کو حق تعالیٰ نے

خدمت دین کے اسباب وآلات عطا فرمار کھے ہیں، اس کا انعام ہے۔

فقط والسلام

املاہ العبد محمود عفی عنہ

۱۴/۸/۱۴۱۵ھ (از دیوبند)

(۵)

باسمہ سبحانہ

محترم ومکرم۔ زیدت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے خلق خدا کی ہدایت کے لئے جس قدر طویل سفر اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان عالی کے مناسب اجر جزیل عطا فرمائے۔ مدرسہ کی تعمیر مکمل کرائے۔ اقوال سلفؒ حصہ پنجم کی طباعت مکمل کرائے، اور آپ کا فیض زیادہ سے زیادہ دور تک پہنچائے، احقر کی طبیعت صاف نہیں ہے، کئی مہینے ہو گئے، کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، رکوع اور سجدہ سے قاصر ہے۔ مالک الملک جس حال میں رکھے اس کا کرم ہے۔ اللہ پاک آپ کو پوری عافیت سے رکھے۔

جناب والا کے یہاں (گجرات) میں طالبان حق کا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ اس سے بہت مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ سب کو کامیاب کرے، اخلاص واستقامت دے (مدرسہ کی) زمین کے بھی معاملہ کو آسان فرمائے۔ فقط والسلام

املاہ العبد محمود غفرلہ

مسجد چھتہ، دیوبند، ۶/۵/۱۴۱۶ھ

(٦)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

مکرم محترم! زیدت مکارمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ اعتکاف کو قبول فرمائے، اور اپنی قربت کا زیادہ سے زیادہ حصہ عطا فرمائے۔ آپ کے فیض سے مخلوق کو مالا مال فرمائے۔ دیر سے طبیعت میں تقاضا تھا کہ آپ سے ملاقات ہوجائے۔ مگر مختلف حوادث کی وجہ سے اس کا موقع نہیں مل سکا۔ فقط والسلام

املاہ العبد محمود غفرلہ

جامع مسجد مالی باغ۔ مدرسہ جامعہ شرعیہ، ڈھاکہ

۲۷ ؍رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

ف: حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی طبیعت میں اس حقیر سے ملاقات کا تقاضا یقیناً اپنی سعادت اور حضرت مفتی صاحبؒ کی عالی ظرفی پر دال ہے جو ہمارے اکابر کا خاص شعار بلکہ طغرائے امتیاز رہا ہے۔ مگر افسوس کہ اب چھوٹوں سے تو کیا اپنے بڑوں بلکہ اساتذہ تک سے ملنے میں بسا اوقات عار و استکبار مانع ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اسی کا ثمرہ ہے کہ باطنی دولت سے حرمان نصیبی عام ہے۔ اس لئے کہ یہ دولت بغیر ادب اور فضل رب کے نہیں ملا کرتی۔ ع

بے ادب محروم ماند از فضل رب

(مرتب)

وفات: فقیہ الامت حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۹ / ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۲ / ستمبر ۱۹۹۶ء کو جنوبی افریقہ کے مشہور شہر جوہانس برگ میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جنازہ کی نماز مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہ کے مشورہ سے مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی زید مجدہ نے پڑھائی۔ تقریباً دس ہزار مسلمانوں نے جنازہ کی نماز میں شرکت کی۔ ساڑھے دس بجے دن میں ایلسبرگ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

سعادت: الحمدللہ کہ جب بھی جنوبی افریقہ جانا ہوتا ہے تو مکرم مولانا ابراہیم صاحب پانڈور کی معیت میں ان کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضری ہوتی ہے۔ جس سے سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

(مرتب)

حضرت مولانا شاہ عبدالغفور صاحب قریشیؒ المتوفی ۱۴۱۷ھ

(ملقب بہ قطب دکن [۱])

نسب نامہ: حضرت قطب دکن کا نسب نامہ اس طرح ہے، عبدالغفور بن عبدالرحمٰن بن قاسم بن اسماعیل بن عبدالملک بن صالح .... یہ سلسلہ آخر میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، اسی لئے آپ فاروقی وقریشی کہلائے۔

ولادت: حضرت قطب دکنؒ کی ولادت ۱۳۳۹ھ کو صوفیہ کا مسکن بادشاہوں کی پسندیدہ دکن کے تاریخی شہر اودگیر میں ہوئی۔ (یادرہے کہ اودگیر آج صوبۂ مہاراشٹر کے ضلع لاتور کا بڑا تعلقہ ہے، یہ علاقہ پہلے ریاست حیدرآباد کا اہم حصہ شمار کیا جاتا تھا)

ابتدائی تعلیم: حضرت قطب دکنؒ کی عمر جب قریب چھ سال کی ہوئی تو ہائی اسکول کے ذریعہ تعلیم کی ابتداء فرمائی، لیکن قطب دکنؒ اس تعلیم سے مطمئن نہیں تھے اور کیونکر ہوسکتے تھے کہ آگے چل کر آپ کو امت کی دینی تعلیم وتربیت، اصلاح وتزکیہ اور ان کی رہبری ورہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا، قطب دکنؒ ایک جگہ خود

---

[۱] ''قطب دکن حیات وخدمات'' نام سے آپ کی سوانح مولانا مفتی عبدالمنعم فاروقی نے تحریر فرمائی ہے، جو عزیزم مولوی عبدالماجد المجیدی مہاراشٹری سلمہ سے دستیاب ہوئی۔ اسی کے اقتباسات کسی قدر تغیر کے ساتھ نقل کررہا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔ مرتب

اپنی خودنوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ تعلیم (سرکاری تعلیم) میرے مزاج کے خلاف تھی''۔

اس کے علاوہ آپؒ نے دینی تعلیم کی ابتداء اپنے گھر سے ہی شروع فرمائی، جب آپ ناظرہ قرآن کریم اور ابتدائی عربی کتابیں مکمل فرما چکے تو پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کے گھر والوں نے آپ کو ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم دیوبند یوپی روانہ فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور اکابر سے انس: چنانچہ آپ ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچ کر داخل جامعہ ہوئے اور وطن عزیز سے دور اپنے والدین اور بھائی بہنوں کی محبت و چاہت کو قربان کر کے علم کے حصول میں جڑ گئے، علم کے حصول کے لئے یہی وہ شرط اول ہے جس کے بغیر علم کے دفینہ تو کجا علم کا معمولی حصہ تک حاصل نہیں ہوسکتا، باب العلم خلیفہ رابع حضرت علی بن طالبؓ کا قول ہے ''**العلم لایعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک**''۔

(احیاء العلوم الدین، الباب الخامس فی آداب المتعلم: ج/۱ص/۵۰)

علم تم کو اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے سکتا جب تک کہ تم پورے طور پر اپنے کو اس کے حوالہ نہ کردو۔

مثالی طالب علم: سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص زمانۂ طالب علمی میں گناہوں سے احتیاط نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز میں ضرور مبتلا کردیتے ہیں:

(۱) یا تو عین جوانی میں انتقال کرجاتا ہے۔

(۲) یا باوجود فضل وکمال کے ایسی جگہوں پر مارا مارا پھرتا ہے جہاں اس کا علم ضائع ہوجاتا ہے۔

(۳) یا پھر کسی بادشاہ یا رئیس کی خدمت کی ذلتیں برداشت کرتا پھرتا ہے۔

حضرت قطب دکنؒ کے زمانۂ طالبعلمی پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ ابتداء ہی سے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عامل بلکہ سنت کے عاشق تھے، دیکھا گیا ہے کہ پڑھنے کے زمانہ میں اکثر طلبہ روزمرہ کی سنتوں پر توجہ نہیں دیتے، مگر آپ ہر کام سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق انجام دیتے۔

سند فضیلت: حضرت قطب دکنؒ نے سات سال تحصیل علم میں مشغول رہنے کے بعد ۱۳۵۸ھ میں سند فضیلت حاصل کی۔ آپؒ نے بخاری شریف وترمذی شریف حضرت مولانا سید حسین احمد قدس سرہ سے پڑھی۔

بیعت: آپ کو دورۂ حدیث شریف کے سال شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے عجیب انسیت اور محبت ہوگئی تھی، چنانچہ اسی محبت کے نتیجہ میں آپ نے دورہ حدیث کی تکمیل کے فوراً بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی، اس طرح آپ نے ظاہری علوم کی تکمیل پر باطنی علوم کی ابتداء فرمائی اور اپنی اصلاح وتربیت کے لئے ایسے مربی ومصلح کا انتخاب فرمایا جن کے بارے میں بجا طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت اپنے زمانے کی بے مثال، باکمال اور سلف صالحین کی عملی تفسیر تھی۔

تعلیمات شیخ پر مداومت: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ ادومها وان قل" (جامع الصغیر: ج۱/۱۹۷)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال میں پسندیدہ عمل وہ ہے جو دائمی ہوا گرچہ تھوڑا ہو۔

کسی عارف نے سچ کہا ہے کہ:

شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہوجانا نہایت آسان ہے لیکن تعلیمات شیخ پر مداومت نہایت ہی دشوار عمل ہے۔

نیز کسی حکیم نے سچ کہا ہے کہ:

جس طرح سمندر میں غوطہ لگائے بغیر موتی نہیں مل سکتی، اسی طرح محنت ومشقت کے بغیر انسان کو کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔

وظائف کی پابندی: شیخ الاسلام نے بیعت فرمانے کے بعد مجھے روزانہ دس ہزار اسم ذات (اللہ) کے ذکر لسانی کی تلقین فرمائی اس پر میں نے دس سال تک مداومت کی، اس کے بعد ذکر قلبی کا درس ملا، اس پر دو سال تک عمل کرتا رہا، پھر توجہ اسم ذات کا مراقبہ عطا ہوا اس پر بھی عرصہ دراز تک عمل کرتا رہا، آخر میں توجہ ذات بہت (خاص) کا طریقہ بتلایا گیا، اس پر بھی میں سختی سے عمل کرتا رہا۔

اس طرح حضرت قطب دکنؒ ایک لمبے عرصہ تک اپنے شیخ کے بتلائے ہوئے وظائف پر پابند عمل رہے اور ان تعلیمات پر اس طرح سختی کے ساتھ عمل پیرا رہے کہ گویا وہ زندگی کا جز ہو۔

اجازت وخلافت: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (عنکبوت:۶۹)

جن لوگوں نے ہمارے راستے میں جدوجہد اور کاوش کی تو ہم ضرور ان کو سیدھی راہ دکھلائیں گے۔

چنانچہ پندرہ سال مجاہدہ کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ نے ۱۳۷۰ھ میں

اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ فالحمدللہ رب العالمین۔

ارشادات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

چار باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کونصیب ہوجائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہوجانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱) امانت کی حفاظت۔ (۲) باتوں میں سچائی۔ (۳) حسن خلق۔ (۴) کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔

صحابیٔ رسول حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ:

لوگ بیماری سے گھبراتے ہیں اور میں اس کو پسند کرتا ہوں تاکہ میرے گناہ معاف ہوں، لوگ فقروفاقہ سے ڈرتے ہیں اور میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، کیونکہ اس سے مجھ میں تواضع پیدا ہوتی ہے، اور عام لوگ موت کو برا جانتے ہیں اور موت مجھے پیاری ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ پروردگار سے ملاقات ہوگی۔

کسی حکیم کا قول پُرحکمت: کسی مرشد کامل نے ولایت کے معیار کو بتاتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی بندہ کے ساتھ یہ تین حالتیں پیش آئیں تو گواہی دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ولی یعنی اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔

(۱) وہ اکل حلال کا پابند ہو۔ (۲) تکالیف وبیماریاں برابر اس کے تعاقب میں لگی ہوئی ہوں۔ (۳) باوجود تقویٰ وپرہیزگاری کے لوگ اس کو برا بھلا کہتے ہوں۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب علامت ولایت بیان فرمائی۔ (مرتب)

الحمدللہ قطب دکنؒ کی ساری زندگی ایسی پاکیزہ اور طیب گزری کہ انھوں نے حلال سے ہٹ کر کبھی مشتبہ چیزوں کی طرف نظر بھی نہیں فرمائی حالانکہ حضرتؒ اور ان کے اہل خانہ پر ایک ایسا دور بھی گذرا کہ کھانے پینے کے لئے کوئی چیز میسر نہیں ہوا کرتی تھی پھر بھی آپ مع اہل خانہ صبر وضبط کی نعمت سے سیراب ہوتے رہے۔ رہا مصیبتوں کا سوال وہ تو زندگی بھر سائے کی طرح آپ سے چمٹی رہیں اور کسی رفیق صدیق کی طرح ہم دم وہم سفر بن کر رہیں اور متعدد بیماریاں بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھیں اور جیسے آپ کی رفاقت پا کر فخریہ انداز میں زبان حال سے یوں کہہ رہی ہوں کہ اگر مجسم صبر دیکھنا ہو تو انہیں دیکھ لیں۔

دنیا واہل دنیا سے دوری: حدیث شریف میں "کن فی الدنیا کأنک غریب اوعابر سبیل" (بخاری: حدیث/۶۴۱۶) دنیا میں ایک مسافر بلکہ راہ کو عبور کرنے والے کی طرح زندگی گذارو۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ سلف صالحین اور بزرگان دین کے دنیا سے کنارہ کشی اور اہل دنیا سے بے رغبتی کے بے شمار واقعات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ:

وہ (اہل دنیا) دنیا کو لے کر تم (اہل دین) سے مستغنی ہو گئے، تم دین لے کر ان (اہل دنیا) سے مستغنی ہو جاؤ، میں اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم دنیا سے مستغنی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی غیب سے مدد کریں اور بلکہ خود یہی اہل دنیا جو آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگیں گے۔

حضرت قطب دکنؒ کا دنیا اور اہل دنیا سے انقطاع بھی مثالی تھا، آپ نے پوری زندگی بے نیازی میں گذاردی اگر چاہتے تو دنیا اور اس کی فانی دولت خوب سے خوب حاصل ہوسکتی تھی، لیکن آپ نے اس جانب التفات تک نہیں فرمایا، اکثر دیکھنے میں آیا کہ بڑے بڑے امراء اور مالدار حاضر خدمت ہوکر ملاقات کا شرف حاصل کرتے اور ذہن یہ ہوتا تھا کہ حضرت ان کی جانب خصوصی توجہ فرمائیں گے، مگر حضرت تھے کہ عام انداز سے ہی ان سے ملاقات فرماتے۔

ف: ہمارے اکابر کا عموماً یہی حال رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس توکل واستغناء کی صفات سے متصف فرمائے۔ آمین (مرتب)

وفات: وفات سے ایک مہینہ قبل صحت کے بگڑنے پر آپ کو لاتور (مہاراشٹر) کے ایک پرائیویٹ اسپتال میں داخل کیا گیا، ہزارہا تدبیر کے باوجود طبیعت بگڑتی ہی چلی گئی، جسم ایک دم ساکت تھا، البتہ صرف قلب کی حرکت جاری تھی، بعض حضرات نے اس موقع پر حضرت کے قلب کو ذکر اللہ میں مشغول پایا، چنانچہ مسلسل ایک مہینہ اسی کیفیت میں گذارنے کے بعد بروز پیر ۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۲؍اگست ۱۹۹۶ء کو عصر سے مغرب کے درمیان یہ درویش صفت مرد مجاہد اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے پیر بھائی حضرت مولانا سیف طالب علی صاحب خلیفہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد احاطہ مسجد بیگ جی صاحب محلہ دبیر پورہ مہاراشٹر میں آپ کے والد محترم کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا سید وجاہت حسین صاحبؒ ہردہ التوفی ۱۴۱۸ھ

نام ونسب: آپ کا نام سید وجاہت حسین اور آپ کے والد محترم کا نام سید ثابت علی تھا۔آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسینؓ سے ملتا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۶ رفروری ۱۹۱۶ء مطابق ۱۲ رربیع الاول ۱۳۳۵ھ کوتالگاؤں سیتاپور میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کے والد محترم کا انتقال آپ کے بچپن میں ہی ہوگیا تھا جبکہ آپ کی عمر صرف تین سال تھی۔لہٰذا آپ کی تعلیم وتربیت والدۂ محترمہ اور شفیق چچا کی زیرنگرانی ہوئی۔

آپ کی فراغت مدرسہ اشاعت العلوم بریلی سے ہوئی۔مزید آپ نے ۱۹۳۴ء میں عربی فارسی بورڈ اتر پردیش سے مولوی کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد ہائرسیکنڈری کا بھی امتحان دیا۔حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوریؒ

---

(۱) برادرم جناب ظہیر احمد صاحب قدوائی کے توسط سے ان کے خسر مولانا سید وجاہت حسین صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنے نواسے عزیزم مصباح احمد سلمہ کو ہمارے مدرسہ بیت المعارف میں داخل فرمایا، چنانچہ انہوں نے یہاں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کرکے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اب ہمارے مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان سے ان کے نانا کے حالات لکھنے کے لئے کہا تو انہوں نے ماشاءاللہ مختصر مگر نہایت مفید مضمون لکھا جو''اقوال سلفؒ'' کا جزء بنا رہا ہوں۔(قمرالزمان)

آپ کے خصوصی استاذ تھے اور حضرت سید صاحبؒ کو مولانا سے خصوصی تعلق ومحبت تھی۔ آپ نے حضرت شاہجہانپوریؒ سے لاٹھی چلانے کا فن اور دیگر فنون بھی سیکھے۔ آپ کے دوران تعلیم کا ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ مدرسہ میں دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے، دوسرے طلبہ بھی تھے جو روٹی کے کنارے توڑ کر دسترخوان پر رکھ دیتے تھے، اور بقیہ کھا لیتے تھے۔ حضرت سید صاحبؒ ان سب کو اکٹھا کرتے اور کھا لیتے۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ نے آپ کو دیکھا تو بڑی دیر تک خاموش کھڑے دیکھتے رہے، پھر کھانا ختم ہونے کے بعد بلا کر گلے لگایا اور بہت دعائیں دیں۔

بیعت: آپ خیرآباد کے نہایت عابد وزاہد تارک الدنیا اور مستجاب الدعوات بزرگ پیر مقبول میاں صاحب خیرآبادیؒ سے بیعت تھے۔

بھوپال کے مشہور ومعروف سلسلۂ مجددیہ کے بزرگ حضرت مولانا یعقوب صاحب مجددی عرف پیر ننھے میاں سے بھی تعلق تھا، اور بھوپال کے دوسرے بزرگ پیر منظور میاں صاحبؒ آپ کو اپنا بیٹا کہتے تھے۔ علاوہ ازیں دیگر بزرگان دین واکابر ملت سے آپ کا تعلق تھا۔ آپ جمعیۃ علماء ہند مدھیہ پردیش کے رکن بھی رہے؛ لیکن بعد میں استعفیٰ دے دیا تھا۔

مولانا کی خصوصیات: حضرت سید صاحبؒ ساتوں لہجوں پر قادر ماہر فن، قاریٔ قرآن، زبردست مقرر اور بڑے عامل بھی تھے، اور خدمت خلق کا جذبہ اتنا تھا کہ کوئی شخص اپنی ضرورت لے کر آجاتا تو آپ اس کی ضرورت کو ترجیح دیتے۔

سید صاحب کو مساجد کی خدمت وصفائی اور نوافل سے بہت زیادہ شغف تھا۔ جب آپ کئی سال پہلے الہ آباد تشریف لائے جس وقت احقر کے والد مکرم

جناب ظہیر احمد صاحب قدوائی جامع مسجد چوک کے قریب محلہ رانی منڈی میں قیام پذیر تھے،تو آپ کا قیام تقریباً دو مہینہ رہا۔آپ اکثر و بیشتر صبح جامع مسجد چوک الہ آباد کے حوض کی اور نالی کی صفائی کرتے تھے،اورنوافل میں ذرا ذرا سی بات پر ہزار رکعت کی نذر مان لینا اور پھر انہیں ادا کرنا معمولی بات تھی۔

احقر کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب سید صاحب کی عمر ۷۵ کے قریب تھی، بینائی کمزور ہو چکی تھی، سننے میں بھی تکلیف محسوس کرتے تھے، ہردہ سے (جو کہ مدھیہ پردیش میں اٹارسی اور کھنڈوہ کے درمیان ایک ضلع ہے، جو پہلے ضلع ہوشنگ آباد میں تھا) الہ آباد کے لئے کاشی ایکسپریس سے روانہ ہونا تھا،ٹرین وہاں صرف دو منٹ رکتی تھی۔ٹرین آئی، رکی، آدھا سامان ٹرین میں چڑھایا گیا، آدھا پلیٹ فارم پر تھا کہ ٹرین چل دی۔حضرت سید صاحبؒ نے وہیں پلیٹ فارم پر کھڑے کھڑے ایک ہزار رکعت کی نذر مان لی، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ٹرین فوراً رک گئی،سب لوگ اطمینان سے سوار ہو گئے، پھر آپ نے ہزار رکعت نفل پڑھی۔

علاوہ ازیں تلاوت قرآن کا خاص اہتمام فرماتے تھے، دلائل الخیرات، حزب الاعظم اور دیگر اوراد و وظائف کا مکمل اہتمام کرتے، ہر شب جمعہ کو ایک ہزار مرتبہ درود تنجینا پڑھتے تھے،اور یہ معمول اخیر عمر تک رہا۔

حضرت سید صاحب نے ایک خدائی فنڈ قائم کیا تھا اور اس فنڈ کا روپیہ ایسی مساجد و مدارس میں خرچ کرتے تھے جو عام طور پر کسمپرسی کی حالت میں تھے، آپ فرماتے تھے: جو شخص خدائی فنڈ میں حصہ لے گا میں اسے دنیا میں ستر گنا اور آخرت میں سات سو گنا دلاؤں گا،اور اس کے بغیر جنت میں نہیں جاؤں گا، دنیا کا

حال تو احقر نے خود دیکھ لیا کہ جو اشخاص دوسروں کے ملازم تھے آج خود ان کی کئی دوکانیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

حضرت سید صاحبؒ کی تالگاؤں میں تین سو ایکڑ زمین تھی، جو آپ نے محض اس لئے چھوڑ دی کہ اس کے انتظام میں معصیت وظلم کی کارفرمائی نظر آرہی تھی، اور اسکول میں ملازمت اختیار کر لی۔ جس میں آپ اولاً جھانسی پھر بینا، اس کے بعد اٹارسی، اور سب سے آخر میں ہردہ میں رہے۔ یہیں سے آپ ریٹائرڈ ہوئے اور یہیں وفات پائی۔

حضرت سید صاحبؒ نے ہردہ میں کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے:

آپ کا ایک نہایت ممتاز کارنامہ یہ ہے کہ جب آپ ہردہ تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ ایک قطعہ زمین کسی عیسائی نے مسلمان کو یہ کہہ کر دیا تھا کہ اگر دس سال میں اس زمین پر کچھ بنالو تو ٹھیک ہے ورنہ یہ زمین کسی دوسرے کو دے دی جائے گی۔ وہ زمین پڑی ہوئی تھی اور کسی نے اس پر کوئی تعمیر نہیں کی تھی۔ آپ نے اس زمین پر تعمیر کا بیڑہ اٹھایا اور کام شروع کر دیا۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ اسکول سے آتے اور شیروانی اتار کر خود بنیاد کھودتے۔ لوگ مذاق اڑاتے اور کہتے: پاگل ہو گیا ہے۔ آپ نے اللہ سے رو رو کر مناجات کی، آخر کار اللہ تعالیٰ نے آپ کی غیبی مدد فرمائی اور یوں ہوا کہ آپ بنیاد کھودتے جاتے اور زمین کے اندر سے صحیح سالم اینٹیں نکلتی جاتی تھیں۔ بعض مسلمانوں نے صرف مخالفت ہی نہیں کی بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ یہاں مسجد نہیں ناچ گھر بنے گا۔ جب سید صاحبؒ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے کہلوا دیا کہ اگر ہمت ہو تو آؤ اور مسجد بننے سے روک لو۔ اس طرح آپ

کی ثابت قدمی اور شب وروز کی انتھک محنت وکوشش کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی محنت قبول فرمائی، اور الحمدللہ آج وہاں ایک شاندار مسجد اور فرحت سرائے کے نام سے ایک بڑی اور کشادہ سرائے بستی کے قلب میں موجود ہے۔

اس بستی میں بدعتیوں کا غلبہ تھا اور اتنا غلبہ تھا کہ سید صاحبؒ کو ایک سال تک جنگل میں رہنا پڑا۔ بستی میں آتے اسکول میں پڑھاتے؛ لیکن رات جنگل میں بسر کرنی پڑتی۔ آپ نے نہایت تحمل اور حکمت کے ساتھ اہل بستی کی محفلوں میں شریک ہو ہو کر انہیں راہ سنت پر لانے کے لئے سرتوڑ کوششیں کیں، اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا، اور آج ماشاءاللہ وہاں بڑی تعداد میں اہل حق موجود ہیں۔ اللھم زد فزد.

آپ کے دو وصف: آپ کے دو وصف نہایت ہی نمایاں تھے، اول صاف گوئی بد اخلاقی کے بغیر، دوسرا: وعدہ پورا کرنے کا التزام۔ الحمدللہ آپ اس پر اخیر دم تک قائم رہے، اور اس کی برابر سب کو نصیحت فرماتے رہے۔

حضرت سید صاحبؒ کو حضرت الاستاذ شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب **بارك الله فی حیاته** سے خصوصی محبت وتعلق تھا۔ اخیر عمر میں آپ جتنے دن الہ آباد میں رہے، جمعہ کی نماز عموماً مدرسہ بیت المعارف کی مسجد میں ادا کرتے اور بعد نماز جمعہ حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی مجلس میں شریک ہوتے۔

احقر نے جب مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد میں حفظ کی تکمیل کی تو آپ نے حضرت مولانا کو ایک شال ہدیۃً پیش کی۔ اور درجۂ عربی میں میرا داخلہ

بھی سید صاحبؒ نے ہی کروایا، اور حضرت مولانا (اطال اللہ عمرہ) سے فرمایا کہ میں نے اسے آپ کے سپرد کیا۔ حضرت مولانا مدظلہ العالی بھی احقر سے بے انتہا محبت وخصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم کا سایۂ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور ہمیں ان سے فیضیاب ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

وفات: آخر کار ہردہ میں ۱۸/اگست ۱۹۹۷ء مطابق ۱۳/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ کو صبح ۴ بجے اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، **اناللہ وانا الیہ راجعون**. اور ہردہ ہی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ.

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ المتوفی ۱۴۱۸ھ

نام ،نسب، ولادت: نسب کے اعتبار سے آپ سید تھے،صدیق احمد نام اور تخلص ثاقب تھا، والد محترم کا نام سید احمد صاحب تھا، جو حضرت مولانا لطف اللہ صاحبؒ کے شاگرد تھے، دادا کا اسم گرامی قاری عبدالرحمٰن تھا جو رأس المحدثین حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کے تلمیذ خاص تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت اپنے وطن موضع ہتوڑہ ضلع باندہ میں ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: والد محترم کی وفات آپ کے بچپن میں ہوگئی تھی،اس لئے والدہ محترمہ اور دادا جان نے پرورش کی۔ آپ کو کچھ شعور ہوا تو دادا نے گھر ہی پر تعلیم شروع کرادی۔ اس کے بعد مختلف مقامات کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ اخیر میں ۱۷ رشوال ۱۳۶۲ھ دوبارہ مظاہر علوم میں دورۂ حدیث کے لئے داخلہ لیا مگر سہ ماہی امتحان کے بعد مدرسہ عالیہ فتحپوری (دہلی) تشریف لے گئے، وہاں حضرت العلامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے بخاری شریف اور دیگر کتب صحاح کی تکمیل کر کے ۱۳۶۳ھ میں سند فضیلت حاصل کی۔

تدریس: اولاً آپ تدریس کے لئے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ (یو، پی) تشریف لے گئے، مگر تھوڑی ہی مدت قیام کر کے مدرسہ (۱) اسلامیہ فتحپور ہنسوہ منتقل ہو گئے۔ جس کے صدر مدرس حضرت مولانا عبدالوحید صاحب صدیقیؒ تھے۔ وہاں کئی

---

(۱) اس مدرسہ کو مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوریؒ نے ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں قائم فرمایا تھا، جس کے صدر مدرس مولانا نور محمد صاحبؒ تھے، اور یہ دونوں ہی حضرات حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے مجاز وخلیفہ تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

سال تدریسی خدمت بخوبی انجام دی۔

تدریسی ملکہ ومہارت: چونکہ آپ نے ہر فن کی کتابوں کو خوب محنت سے اور سمجھ کر پڑھا تھا، اس لئے آپ درس نظامی کے ہر فن کی ہر کتاب کو بلا تکلف پڑھا لیتے تھے، نحو صرف، منطق وفلسفہ کی کتابیں بھی بخوبی پڑھاتے تھے، بلکہ ان فنون میں کتابیں بھی لکھی ہیں جو علماء کے نزدیک معتبر و پسندیدہ ہیں۔ وفات سے چند سال پہلے جب اپنے مدرسہ میں دورۂ حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا تو خود ہی بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔

جامعہ عربیہ ہتورہ، باندہ: ۱۳۷۰ھ میں ایسا نازک اور صبر آزما وقت آیا کہ شہر باندہ اور اس کے اطراف کے سادہ لوح مسلمانوں میں ارتداد کا سلسلہ شروع ہوگیا، جس کی وجہ سے مولانا بے قرار ہوکر مدرسہ اسلامیہ فتحپور ہنسوہ سے علیحدہ ہوکر اپنے وطن ہتورہ ضلع باندہ آگئے اور تبلیغی واصلاحی جدوجہد میں ہمہ تن لگ گئے۔ جس کی وجہ سے ارتداد کا طوفان تو ختم ہوگیا، مگر انہوں نے محسوس کیا کہ یہاں پر دین کی تعلیم اور اشاعت سنت کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے جامعہ عربیہ ہتورہ کی بنیاد رکھی اور اس کے لئے دن رات ایک کردیا۔ جس کی وجہ سے اب ماشاءاللہ ہندوستان کے بڑے مدارس میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے علاقہ میں مختلف مقامات پر مدارس اور مکاتب کو قائم فرمایا۔

بیعت وخلافت: اولاً آپ نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جاکر بیعت کی درخواست پیش کی، مگر چونکہ حضرت حکیم الامتؒ بیعت کا سلسلہ موقوف فرماچکے تھے، اس لئے ارشاد فرمایا:

''میرے خلفاء اور مجازین میں سے جس سے مناسبت محسوس ہو تعلق قائم کرلو۔''

چنانچہ آپ حضرت مولانا اسعداللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور سے بیعت ہوئے اور اجازت بیعت اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے۔

چنانچہ حضرت مولانا اسعداللہ صاحب اپنی یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں: ''دن کے دس بجے مسجد کلثومیہ یوم چہار شنبہ ۲۵/ربیع الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ۳۱/اکتوبر ۱۹۵۶ء کو عزیز محترم مولوی حافظ سید صدیق احمد باندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کو اجازت بیعت وتلقین دی گئی۔''

مشائخ عصر سے تعلق: باوجود خلعت خلافت سے مشرف ہونے کے اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی آپ معتقدانہ تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے بہت ہی خاص ربط وتعلق رکھتے تھے۔ برابر حاضر خدمت ہوتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے حضرت مصلح الامتؒ سے نصیحت طلب کی تو اس دعا کی تلقین فرمائی۔ ''**اللھم طھر قلبی من غیرك ونور قلبی بنور معرفتك.**'' یعنی اے اللہ! ہمارے قلب کو اپنے غیر سے پاک فرمادے اور ہمارے قلب کو اپنی معرفت کے نور سے منور فرمادیجئے۔

تصنیف: تصنیف وتالیف کا بھی بہت صاف ستھرا ذوق تھا، جس پر آپ کی تصنیفات شاہد ہیں۔ مثلاً ''**اسعاد الفھوم شرح سلم العلوم**'' ''**آداب المعلمین والمتعلمین**'' ''**التسھیل السامی شرح بر شرح جامی**'' وغیرہ۔

غرض آپ کا پورا وقت تحریر وتقریر، درس وتدریس اور حاجتمندوں کی تسلی و تقویت اور ان کے لئے دعا وتوجہ میں صرف ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ اپنے وظائف و معمولات خصوصاً تلاوت کلام اللہ کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اس قدر ہمہ جہت

مشغولیات کونباہنااوراس میں حقوق کی رعایت کرنا یقیناً آپ کی کرامت ہی تھی۔

عارضۂ قلب اور حضرتؒ کی ایک نظم: اس بابت پہلے تو آپ وہ نظم ملاحظہ کیجئے جو حضرت نے مرض کے ابتدائی حملے اور مرحلے میں کہی تھی، جس سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ حضرت نے اس بیماری کو ایک خاص کیف وسرور عطا کررکھا تھا، حضرت کی یہ نظم کافی معروف ومشہور بھی ہوئی، جس کے دوشعر مندرجہ ذیل ہیں ؎

دواؤں سے طبیعت روبصحت ہے نہیں میری
طبیعت مضطرب ہے اب نہیں لگتی کہیں میری
نہیں سمجھا کوئی اس درد کو یہ درد کیسا ہے
دواؤں سے شفا ہرگز نہیں ، ہرگز نہیں، میری

موت ومابعدالموت کی بابت حضرت قاری صاحبؒ کے مزید چنداشعار درج کئے جاتے ہیں۔

بوقت مرگ لب پر ہو درود مصطفیٰ جاری
مکمل اس طرح ہو حب ختم المرسلیں میری

ایک سفرمیں یوں فرماتے ہیں ؎

خداوندا مرا بھی حشر ان کے ساتھ ہو جائے
یہاں سے جو گئے ہیں پیکر صدق و صفا ہوکر

؎

بتاؤں کیا تمہیں ثاقبؔ ملا کیا نعت گوئی میں
بوقت مرگ اپنے ساقئ کوثر کا جام آیا

ے

جو پہونچا حشر میں ثاقب فرشتے سب پکار اٹھے
محمد کے غلاموں کے غلاموں کا غلام آیا

میں تو تمنا کرتا ہوں کہ ان ہی مشاغل میں لگے رہنے کے ساتھ، پڑھتے پڑھاتے ہی اللہ تعالیٰ مجھے اٹھائے، مجھے یہی زندگی پسند ہے، ہمارے جتنے اسلاف واکابر ومشائخ گذرے ہیں سب کا حال یہی رہاہے کہ اخیر عمر میں قرآن وحدیث سے زیادہ شغف رہتا تھا، زندگی بھر تو تمام علوم وفنون کی خدمت کرتے تھے لیکن اخیر عمر میں قرآن وحدیث سے اشتغال کو پسند فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے مجھے بھی حدیث سے شغف نصیب ہو گیا۔

ف: الحمدللہ ہماری بھی یہی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک وحدیث شریف کے ترجمہ وتشریح کی سعادت تاحیات نصیب فرمائے۔آمین (قمرالزمان)

اپنی سعادت: حضرت مولاناؒ کی غایت محبت تھی کہ اپنے مجلس شوریٰ کا ممبر بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ حضرت مفتی اعظم محمود حسن گنگوہیؒ نے یہ تجویز رکھی تھی۔ لہذا دونوں حضرات کا ممنون احسان ہوں۔ یوں الحمدللہ ہر سال کی مجلس میں بالالتزام حاضر ہوتا رہا ہوں۔ بعد میں بھی مولانا حبیب احمد صاحب کی نظامت میں حاضر ہوا ہوں، اللہ تعالیٰ مدرسہ کو خیر وعافیت سے قائم رکھے۔ آمین، عزم وارادہ ہے کہ ان شاءاللہ تاحیات بشرط صحت وقوت حاضر ہوتا رہوں گا۔ واللہ الموفق

مولانا کی سادگی، وابستگی وبے تکلفی: بعض دفعہ تقریباً عصر کے وقت

تشریف لائے اور چپکے سے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ، میں نے روٹی، دال اور اچار سامنے پیش کر کے عرض کیا کہ فی الحال جو حاضر تھا پیش کر دیا۔ بڑی محبت سے فرمایا کہ میری یہی تو مرغوب غذا ہے۔ بہت اچھا کھانا ہے، اس طرح اس کی قدردانی فرمائی۔

اسی قسم کا واقعہ ضمناً عرض ہے:

ایک مرتبہ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کسی دعوت پر الہ آباد آئے تھے، اور مدرسہ بیت المعارف میں قیام تھا، رات کے کھانے میں بہت دیر ہونے لگی تو فرمایا کہ ''اب تک فلاں جگہ سے کھانا نہیں آیا۔ تو اس حقیر نے عرض کیا کہ حضرت میں کھانا لاتا ہوں، تو اس حقیر نے انڈا تلا ہوا اور گرم روٹی پیش کیا اور یہی عرض کیا کہ حضرت بلا تکلف جو ہو سکا اسے پیش کر دیا۔ تو فرمایا کہ سب سے مرغوب غذا میری یہی ہے جو آپ لائے ہیں۔

ف: یہ اپنے اکابر کی سادگی اور دوسروں کی حوصلہ افزائی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین (محمد قمر الزمان)

مرض و وفات: حضرت قاری صاحبؒ آخری عمر میں مختلف بیماریوں کا شکار ہو گئے تھے، وفات سے ایک روز قبل جبکہ عین اس وقت جبکہ درس بخاری کے لئے وضو فرما رہے تھے، فالج کا حملہ ہوا، مقامی علاج سے جب اطمینان نہیں ہوا تو آپ کو ''سحر نرسنگ ہوم لکھنؤ'' میں داخل کیا گیا۔ مگر وہاں بھی افاقہ نہیں ہوا؛ بلکہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۷ء پنجشنبہ کو علم و عمل، اخلاق و اخلاص کی جامع شخصیت دار آخرت کی طرف رحلت فرما گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون.

اور ہتھوڑہ باندہ میں مدرسہ کے قریب مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

محدث کبیر حضرت [1] العلامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ الشامیؒ المتوفی ۱۴۱۸ھ

ولادت: آپ کا اسم گرامی عبدالفتاح ابن محمد بشیر ابوغدہ ہے۔ شام کے مشہور تاریخی شہر حلب کے ایک معروف خاندان میں (جس کا چند پشتوں سے آبائی پیشہ کپڑوں کی تجارت کا تھا) ۱۹۱۷ء مطابق ۱۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد شیخ محمد بڑے صالح ومتقی اور علم آشنا تاجر تھے، اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ اصلاً شیخ کے خاندان کا شجرۂ نسب جلیل القدر صحابی حضرت سیدنا خالد بن ولیدؓ پر منتہی ہوتا ہے۔

تعلیم: شیخ کی تعلیم کا آغاز ایک پرائیوٹ غیر سرکاری مدرسہ سے ہوا۔ اور پھر مدرسہ خسرویہ نامی ایک سرکاری مدرسہ میں زیر تعلیم رہے، اور چھ سال کی اس مدت میں اپنے تمام رفقاء درس پر فائق رہے۔ اور حلب میں نوعمری ہی سے آپ کی سلامتیٔ طبع وصلاح کا غلغلہ بلند ہوا، جدھر جاتے رشک کی نظر سے دیکھے جاتے۔

شیخ نے مزید سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے مصر کا رخ کیا اور جامعہ ازہر کے کلیۃ الشرعیۃ میں داخل ہوئے، کلیۃ الشرعیہ کے دائرہ سے ہٹ کر دیگر نامور علماء کے درس میں بھی وقتاً فوقتاً شریک ہوتے رہے۔

۱۹۴۸ء میں شیخ کلیۃ الشرعیۃ سے فارغ التحصیل ہوئے اور عالمیت کی

---

(۱) آپ کے حالات عزیزم مولانا علی احمد ندوی سلمہ نے "تعمیر حیات" میں لکھے جو ماشاءاللہ نہایت جامع وبصیرت افروز ہیں، اسی کو سامنے رکھ کر مع کسی قدر مزید معلومات کے درج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور امت کے لئے نافع بنائے۔ (مرتب)

سند لی اور پھر ’’ازہر‘‘ ہی کے تابع ’’کلیۃ اللغۃ العربیۃ‘‘ میں اصول تدریس سے متعلق تخصص میں دوسال کے لئے داخلہ لیا۔

شیخ نے مصر کے قیام کے زمانہ میں اپنے آپ کو ’’ازہر‘‘ کے حصار میں محبوس نہیں رکھا، بلکہ حلقۂ اساتذہ کو وسیع کیا اور فلسفہ وحکمت کے امام شیخ مصطفیٰ صبری ترکی، حدیث شریف کے مشہور عالم عبداللہ غماری مغربی، علامہ احمد محمد شاکر اور علامۂ جلیل محمد زاہد کوثری سے بہت خصوصی تعلق رکھا، اور آخر الذکر سے تو غیر معمولی وابستگی رہی۔

علامہ کی امتیازی شان

آپ کی خصوصیات اور کمالات کو مکرم مولانا رشید احمد الاعظمی زید مجدہ نے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اسی کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ تمام علماء عرب میں اس بات میں ممتاز نظر آتے ہیں کہ ان کو ہندوستانی اہل علم سے بہت زیادہ انس اور قلبی لگاؤ تھا، وہ نہ صرف مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی کتب وتصانیف کے عاشق وشیفتہ تھے؛ بلکہ وہ عام ہندوستانی علماء سے بہت متأثر اور ان کے اخلاص وللّٰہیت کے دل سے قدرداں تھے، مگر ان کو محدث کبیر حضرت علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ جو ربط وتعلق اور محبت ومودت تھی وہ کسی دوسری شخصیت کے ساتھ نظر نہیں آتی۔ اس ربط وتعلق کی وجہ غالباً فکر ونظر، ذوق اور فنی جہات کی یکسانیت اور مناسبت تھی۔ یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ شیخ ابوغدہ حضرت مولانا اعظمی قدس سرہ کے گرویدہ اور ان پر فریفتہ تھے۔ چنانچہ پروفیسر اجتباء ندوی صاحب جنہوں نے ریاض میں کئی برس شیخ ابوغدہؒ کے ساتھ ایک ہی جامعہ

میں کام کیا ہے اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

''علماء ہند کے تذکرہ کے وقت حضرت محدث اعظمیؒ کا ذکر ضرور آتا، ان کا نام آتے ہی آنکھیں اشکبار ہوجاتیں۔ شیخ ابوغدہ مدظلہ حضرت اعظمیؒ کے بے حد مداح، فریفتہ اور گرویدہ وقدرداں ہیں۔''

یہ غایت درجہ تعلق کی بات ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے اپنے سفر کے دوران صعوبت اور مشقت برداشت کر کے تین مرتبہ مئو کا سفر کیا، دو مرتبہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں مئو تشریف لائے اور آخری دفعہ آپ کے انتقال کے بعد تعزیت کے واسطے بطور خاص مئو تک کا سفر کیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مرحوم کے کس قدر مداح اور قدرداں تھے کہ جب مولاناؒ کی تحقیق سے ''مسند حمیدی'' شائع ہوئی تو انہوں نے شام کے ایک مؤقر رسالہ ''مجلة المجمع العلمي'' میں اس کے تعارف میں نہایت زوردار مضمون لکھ کر شائع کیا۔ شیخ ابوغدہؒ حضرت مولانا مرحوم کی جلالت علمی اور عظمت وامامت کے اس قدر قائل تھے کہ اپنی ہر کتاب مولانا اعظمیؒ کی خدمت میں ارسال کرتے اور آپ سے نظر ثانی اور اصلاح کی درخواست کرتے اور حضرت مولانا ان کے کسی تسامح پر اگر ان کو متنبہ کرتے تو وہ نہایت شکر گذار اور ممنون ہوتے، نہ صرف شکریہ کا خط لکھتے، بلکہ کتاب کے اگلے ایڈیشن میں اصلاح وترمیم کا تذکرہ کرتے۔

الغرض شیخ علیہ الرحمۃ کی حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ مودت ومحبت، تعلق وارادت اور شیفتگی وگرویدگی ناقابل بیان ہے۔ اس کا مختصر سا اندازہ ان القاب وآداب سے ہوتا ہے جن کے ذریعہ شیخ ابوغدہ حضرت مولانا کو خطاب

فرمایا کرتے تھے اور جس کے کچھ نمونے حیات ابوالمآثر میں ص:۵۷۳ سے ص:۵۷۵ پر دیکھے اور پڑھے جا سکتے ہیں۔ انتہی

اس کے علاوہ بہت سی دینی وعلمی خدمات انجام دیں، کتابیں بھی لکھیں، فقہ حنفی کے جید عالم تھے اور اسی کے مقلد تھے اور زبردست محدث بھی تھے۔ چنانچہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پچاسی سالہ اجلاس کے موقع پر تشریف لائے تھے تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ کے تعارف کے ضمن میں فرمایا کہ عرب ممالک میں مولانا عبدالفتاح ابوغدہ کی وہی حیثیت ہے جو ہندوستان میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کی ہے۔

علامہ کا باطنی حال رفیع: علامہ کے صاحبزادے السید سلمان بن عبدالفتاح ابوغدہ رسالہ المسترشدین(۱) مؤلفہ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی بصری، جس پر شیخ نے تحقیق وتعلیق فرمائی ہے، اس کے گیارہویں طباعت کے دیباچہ میں جو اپنے والد محترم کے حال کی ترجمانی فرمائی ہے، اس سے آپ کے باطنی حال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اس لئے اس کا ترجمہ بعینہٖ نقل کرتا ہوں:

الحمدلله القدوس الوهاب والصلوة والسلام علی سیدنا محمد المبعوث بالحکمة والکتاب الهادی للحق والصواب لمن کان من اولی النهی والالباب۔ امابعد!

---

(۱) نہایت مفید اور بصیرت افروز کتاب ہے، جس کا ترجمہ اس حقیر نے ''نصیحۃ المسلمین'' کے نام سے کیا ہے جس کی طباعت بھی ہو چکی ہے، ماشاء اللہ اہل علم نے اس کو شرف قبولیت سے نوازا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

یقیناً یہ کتاب والدؒ کی محبوب ترین اور گراں قدر کتابوں میں سے ایک تھی، اس میں آپ نے اپنے علم وحلم کو سمودیا اور اپنے تجربات کا نچوڑ اور مبارک فن سے اپنے علم ومعرفت کو اجاگر کیا ہے۔ نیز اخلاق وسلوک، تربیت اور صاف ستھرے تصوف کے علم کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

اگر میں یہ کہوں تو حق بجانب رہوں گا کہ یہ مبارک کتاب والد مکرم کی روح بلکہ روحانیت تھی۔ اس کی تعلیق کے دوران اکثر وبیشتر آپ پر گریہ اور آہ وبکا طاری رہتا، گویا ان تعلیقات کو آپ نے اپنے گرم آنسوؤں سے اور آہوں سے سینچا اور سیراب کیا ہے۔

والد مکرم کی دلی خواہش تھی کہ یہ کتاب موجودہ زمانہ کے استقامت کے طالب نوجوان اور نوخیزوں کے لئے خاص طور سے اور طالبین ہدایت کے لئے عام طور سے نشان راہ، منارۂ نور اور روشن چراغ ثابت ہو، نیز آپ کی دلی چاہت تھی کہ یہ کتاب مسترشدین کے لئے رہنما اور دلیل بن جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس عمل کو قبول فرمائے، آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ پر رحم فرمائے اور آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور آپ کی قبر کو کشادہ فرمائے اور مسلمانوں کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

اکثر وبیشتر والد صاحبؒ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں جب کبھی اس کتاب سے فائدہ اٹھانے والوں کی دعائیں پیش کی جاتیں۔ تو اس کتاب کے محبین و طالبین سے التماس ہے کہ آپ لوگ ان کے لئے دعا کریں اور رحمت کے خواستگار ہوں، نیز اس ناچیز خادم کے لئے بھی، **فالله يجزي المتصدقين**

وصلى الله وسلم وبارك على سيد الاولين والأخرين وامام الغر المحجلين وقرة عيون السائرين الصادقين وعلى أله وصحبه اجمعين وعنا معهم بعفوك وجودك وكرمك ومنك واحسانك يا ارحم الراحمين۔ وأخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العالمين.

وكتبه الفقير اليه تعالىٰ

سلمان بن عبدالفتاح ابوغدة

۱۷/رمضان ۱۴۲۴ھ

اولیاء اللہ کی صحبت کے افادات

اس مضمون کو علامہ عبدالفتاح ابوغدہ الشامیؒ نے اپنی کتاب ''صفحات من صبر العلماء'' کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ اسی سے تلخیص کرکے یہ مضمون پیش خدمت ہے۔(مرتب)

الحمدلله حمد الشاكرين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وعلىٰ أله وصحبه اجمعين وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے، اس میں کوئی شک نہیں کہ باعمل علماء اور نیک کردار صالحین کے واقعات انسانوں کے دلوں میں فضائل اور خوبیوں کی تخم ریزی کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں، جس سے انسان کے لئے اپنے بلند مقاصد اور اونچے درجات حاصل کرنے کی راہ میں پیش آنے والی دشواریوں اور مشکلات کا برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے اور قربانی دینے والے اولوالعزم اصحاب کے نقش قدم پر چلنے کے جذبات موجزن ہونے لگتے ہیں، اور انسان کے لئے اونچے

مقام اور بلند مرتبہ پر پہنچنا آسان ہوجاتا ہے۔

ایسے ہی موقع پر بعض علماء سلفؒ نے فرمایا کہ ''حکایات وواقعات اللہ تعالی کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالی اپنے اولیاء کے دلوں میں ثابت قدمی اور مضبوطی پیدا فرماتے ہیں۔

اوراس بات کی تائید کتاب اللہ کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: وكُلًّا نَقُصُّ عليكَ مِن اَنبآءِ الرُّسُلِ ما نُثَبِّتُ بهٖ فُؤادكَ۔ (ھود: ۱۲۰)
(ترجمہ) اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔(معارف)

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ علماء کرام کی خوبیوں اور محاسن کو بیان کرنا ہمارے نزدیک فقہی مسائل کی کثرت سے بہتر ہے۔

اس لئے کہ علماء کرام کی خوبیوں میں پوری قوم کے لئے آداب واخلاق کی رہنمائی ہوتی ہے اوراس کی تائید کتاب اللہ کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔(انعام:۹۰)

(یہ حضرات (مذکورین) ایسے تھے جن کو اللہ تعالی نے (اس صبر کی) ہدایت کی تھی، سواس باب میں آپ بھی انہیں کے طریق (صبر) پر چلئے)

اور اللہ تعالی کا ارشاد: لَقَدْ كَانَ فِى قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَاب۔ (یوسف:۱۱۱) (ان انبیاء وامم سابقین کے قصوں میں سمجھ دار آدمیوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے۔)

امام جوزیؒ نے اپنی کتاب ''اللقط فی حکایات الصالحین'' کے

مقدمہ میں مالک بن دینارؒ سے نقل کیا ہے کہ بزرگوں کے واقعات وحکایات جنتی تحفے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ اس کی تائید کہاں سے ہوتی ہے؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے، وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ ترجمہ: اور پیغمبروں کے قصوں میں سے یہ سارے قصے ہم آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔

ایک دوسرے بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ: حکایات کو کثرت سے پڑھا اور سنا کرو، اس لئے کہ یہ موتیاں ہیں اور ان میں کبھی کوئی بیش قیمت دُرِیتیم بھی ہوتا ہے۔

موتیوں کا مطلب یہ ہے کہ جچی تُلی ٹھوس اور مختصر بات ہوتی ہے، جن کی وجہ سے اس موقع پر لمبی بات کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اور دُرِیتیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکایت نافع ومؤثر ہوکر قلب پر فوری اثر انداز ہوتی ہے کہ اس موقع پر مزید کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

امام جوزیؒ نے اپنی کتاب **"المنتظم فی تاریخ الملوک والامم"** کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ تاریخ اور سیرت کے تذکروں میں بے شمار فائدے ہیں، ان میں سے چند اہم فائدے یہ ہے:

اس سے آدمی کو بہت سی عجیب وغریب باتوں کا علم ہوتا ہے اور زمانہ کے تغیرات، قضا وقدر کے انقلابات اور خبروں کی واقفیت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ آدمی کو خبروں کے سننے سے ایک طرح کی راحت ملتی ہے۔

کس لذت کے لئے زندگی مطلوب ہونی چاہئے: ابو عمرو بن علاء کہتے ہیں کہ بکر بن وائل قبیلہ کے ایک شخص سے پوچھا گیا کہ تم اب بوڑھے ہو گئے ہو، کھانے پینے اور نکاح کی لذتوں کا وقت چلا گیا، کیا تم اب مرنے کو پسند کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں! پوچھا گیا: کیوں؟ اب کونسی لذت باقی ہے، جس کے لئے تم جینا پسند کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ عجیب اور نئی چیزوں کا سننا اچھا لگتا ہے۔

ناچیز عبدالفتاح ابوغدہ غفرلہ عرض کرتا ہے کہ: حوصلوں کو بھڑکانے، جذبات میں جوش پیدا کرنے، اندرونی صلاحیتوں کو روشن کرنے، عزائم کو بیدار کرنے کا بہترین طریقہ اور اسی طرح کسی امر و نہی کے بغیر سکون و خاموشی کے ساتھ اخلاق کی درستگی اور پست و حقیر چیزوں سے اوپر ہو کر، بلند کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور عالی مرتبہ اسلاف کرام کی پیروی کا بہترین طریقہ اور ذریعہ یہی ہے، یعنی باکمال علماء صالحین کی سیرتوں کو پڑھنا اور عالی مرتبہ حضرات کے واقعات کو جاننا اور علماء ربانیین کے مناقب و فضائل سے اپنے سینوں کو لبریز رکھنا اور بلند کردار باعمل مجددین کی قربت حاصل کرنا۔

اسی وجہ سے حکایات و واقعات حوصلوں کو بڑھانے، عزائم کو پختہ کرنے اور مقاصد کو بلند کرنے کا بہترین مہمیز ہوتے ہیں، جن سے قلوب روشن ہو کر نیتوں میں اخلاص و درستگی پیدا ہوتی ہے، خوابیدہ لیاقتیں بیدار اور مخفی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں اور پیش آمدہ مشکلات اور گھاٹیوں پر گزرنے کی تکالیف کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے، آدمی کیلئے عزت و عظمت کی چوٹیوں پر پہنچنے اور

دنیا میں نیک نامی حاصل کرنے اور آخرت میں باقیات صالحات سے بہرہ ور ہونے کیلئے یہی واقعات وحکایات کارگرمہمیز ثابت ہوتے ہیں۔اوراس کتاب کے پڑھنے والے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ بہترین نعمت سے بہرہ ور ہوں گے۔واللہ ولی کل خیر ورشاد۔(صفحات من صبر العلماء ص:۱۸)

ف: یقینا یہ مضامین صفحاتِ قلوب پر ثبت کئے جانے کے لائق ہیں،فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔اللہ تعالی ہم کوعمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وھُو رَبُّنَا و مولٰینا ونعم الرَّبّ والمولیٰ والحمدللہ ربِّ العالمین۔(مرتب)

وفات: افسوس کہ ایسے محدث کبیر کی وفات ریاض میں ۱۶رفروری ۱۹۹۷ء مطابق ۱۸ ۱۴ھ کو ہوگئی۔اناللہ واناالیہ راجعون۔

اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع سے سارا عالم اسلام غمگین ہوا اور ہے۔ **غفراللہ لہ ورحمہ ورفع درجاتہ.**

ان کے استاذ مصطفیٰ زرقاء صاحب اس حادثۂ فاجعہ کوسن کر بیتاب ہوگئے اورگریہ وزاری کے ساتھ ساتھ یہ جملہ دہراتے رہے کہ''سوسال میں بھی شیخ عبدالفتاح کا بدل ملنا بظاہر مشکل نظر آتا ہے،علم وفضل اورتقویٰ کا ایک ورق لپیٹ دیا گیا۔''مسجد نبوی شریف میں عشاء کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوئی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔نور اللہ مرقدہ.

حضرت مولانا محمد عمر صاحب[1] پالنپوریؒ المتوفی ۱۴۱۸ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں مقام گٹھامن میں ہوئی، جو پالنپور شمالی گجرات کا ایک دیہات ہے۔ پالنپور آزادی سے قبل مسلم ریاست کا مرکزی مقام تھا، جس کے آخری دور کے نواب مہدوی مذہب کے پیر وہو گئے تھے۔ اب یہ شہر ضلع بناس کانٹھا کا صدر مقام ہے۔

مولاناؒ کا خاندانی تعلق مومن برادری سے تھا، جو بمبئی میں چیلیہ کے نام سے مشہور ہے، اور ہوٹل کے کاروبار میں نمبر اول کا مقام رکھتی ہے، گو دیگر کاروبار بھی ان کے پاس ہیں، لیکن ہوٹل قائم کرنے اور چلانے میں جو مہارت ان کو ہندوستان میں حاصل ہے کسی قوم کو کم ہی ایسی مہارت ہوگی۔

ویسے یہ برادری پالنپور اور اس کے اطراف میں دور تک پھیلی ہوئی ہے، جفاکشی اور محنت ان کی فطرت میں ہے۔ دین سے لگاؤ کی وجہ سے عام طور پر ایمانداری کی شہرت ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ مولانا محمد عمر صاحبؒ اسی برادری کا ایک قیمتی گوہر تھے جن کی کچھ بلند صفات نے ان کو ہندوستان کی مایۂ ناز اور عالمی شہرت کی شخصیت بنا دیا تھا۔

---

[1] مولانا عبدالقادر صاحب گجراتی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے مولانا محمد عمر صاحبؒ کے متعلق جو جامع مضمون رسالہ ''تعمیر حیات'' (۱۰؍جون ۱۹۹۷ء) میں لکھا ہے، اسی کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ مرتب

مولانا محمد عمر صاحبؒ کا گھرانہ حضرت مولانا نذیر میاں صاحب پالنپوریؒ کی دعوتی جدوجہد کی عام تاثیر کی وجہ سے دیندار گھرانہ تھا، خصوصاً ان کی والدہ اور دادی جن کی دینداری کے قصے خود مولانا محمد عمر صاحبؒ سے بارہا سنے، اسی دینداری کی وجہ سے ان کو دینی تعلیم دلائی گئی، جس کو انھوں نے بڑی محنت وجانفشانی سے حاصل کیا اور اس میں رسوخ پیدا کیا۔ مولاناؒ نے اپنی مقصد کی تحصیل میں محنت وجدوجہد اور انتھک کوشش قوم وخاندان سے وراثت میں پائی تھی۔ اس پر راہ حق اور علم کے راستے میں قربانی کے جذبے نے چند در چند ترقی دے کر انتہاء تک پہنچادیا تھا۔ چنانچہ اسی محنت کی وجہ سے مولانا طالبعلمی میں بیمار ہوگئے، اور شدید بیمار ہوگئے، حتیٰ کہ اطباء کے مشورے سے تعلیم چھوڑ کر علاج کے لئے بمبئی رہنا پڑا۔ ایک طویل مدت تک علاج کے بعد شفایاب ہوئے، تب مادر علمی دارالعلوم دیوبند واپس آکر اپنی تعلیم کی تکمیل کی، اور دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

مولانا محمد عمر صاحبؒ جن کی شہرت لسان تبلیغ اور اس کے ترجمان کی تھی، بہت سی خوبیوں اور اوصاف حسنہ سے آراستہ تھے، ایک طرف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خلافت سے بہرہ ور تھے تو دوسری طرف راسخین فی العلم کے زمرہ میں شامل تھے، جہاں دعوت وتبلیغ کے لئے عالمی فکریں کرتے تھے وہیں اپنے گھرانے کی تربیت کی فکر میں بھی لگے رہتے تھے۔ دعوت وتبلیغ کی راہ میں جہاں لوگوں کو راہ خدا میں نکالتے تھے وہیں علم دین سے دور علاقوں میں مکاتیب کا جال پھیلانے کی بھی ہر ممکن سعی فرماتے تھے، اور اپنی رہنمائی وتائید

سے اس کام کو ترقی دیتے تھے جہاں وہ چھوٹوں پر شفقت اور ان کی تربیت کا اہتمام فرماتے تھے وہیں بڑوں سے استفادہ کا شوق واہتمام بھی انھیں اسی قدر تھا۔ دار العلوم دیوبند ہو یا مظاہر علوم سہارنپور یا دار العلوم ندوۃ العلماء سب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور ان کی قدر ومنزلت کے قائل تھے، بالخصوص ہمارے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ سے بہت ہی محبت وعقیدت رکھتے تھے اور حضرت کی شفقتوں کا اپنی خاص مجلسوں میں بھی محبت سے بھرپور لہجہ میں ذکر فرماتے تھے، ندوہ سے اساتذہ پہنچ جائیں یا طلبہ بہت ہی پیار ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے۔

مولانا محمد عمر صاحبؒ کو قرآن مجید سے انتہائی خصوصی لگاؤ تھا، کثرت تلاوت کا یہ حال تھا کہ ذراسی فرصت ملی اور تلاوت شروع کردی، اسی تعلق کی وجہ سے دعوت وتبلیغ جیسی عوامی مشغولی میں بھی حفظ قرآن کی دولت حاصل کرکے رہے، حالانکہ طالبعلمی سے فراغت تک وہ حافظ نہیں تھے۔

مولاناؒ کی شخصیت سازی میں اگر بنیادی باتیں دیکھی جائیں تو حسب ذیل تھیں۔

(۱) اپنے مقصد سے انتہائی درجہ کی لگن۔ (۲) اپنے بڑوں سے فدائیت کی حد تک تعلق اور ان کے سامنے سو فیصد اپنے کو بے اختیار بنا کر ڈال دینا۔ (۳) استقامت وصبر۔ (۴) احیائے دین کا وہ جذبہ کہ اس کی راہ میں جان ومال کی بڑی سی بڑی قربانی کو پیش کرنے سے پس وپیش یا تردد نہ کرنا۔

وفات: آپ کی وفات ۱۳؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۱؍مئی ۱۹۹۷ء کو دہلی

میں ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

شرف ملاقات: آپ سے الہ آباد اور مرکز تبلیغ دہلی میں بارہا ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ایک مرتبہ مرکز میں اپنی کتاب ''تربیت اولاد کا اسلامی نظام'' پیش کیا تو خوش ہوئے، اور بعد فجر اظہار مسرت کے لئے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ کے حجرے میں تشریف لائے، ابھی حال میں بعد وفات مرکز تبلیغ دہلی میں حاضر ہوا تو ان کے کئی صاحبزادوں سے ملاقات ہوئی۔ سلمھم اللہ تعالیٰ

حضرت علامہ محمد موسیٰ روحانی بازیؒ پاکستان المتوفی ۱۴۱۹ھ

مختصر حالات زندگی: مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ ڈیرہ اسماعیل خان کے مضافات میں واقع ایک گاؤں کٹہ خیل میں مولوی شیر محمدؒ کے یہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم عالم و عارف اور زاہد و سخی انسان تھے۔آپ کے والد محترم مولوی شیر محمدؒ کی وفات ایک طویل مرض میں ہوئی۔حضرت شیخ کی عمر اس وقت پانچ سال یا اس سے بھی کم تھی۔والد محترم کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش آپ کی والدہ محترمہ نے کی جو کہ بہت ہی صالحہ، صائمہ اور قائمہ للہ تعالیٰ خاتون تھیں۔آپ نے والدہ محترمہ کی نگرانی ہی میں دینی تعلیم حاصل کی، یہی آپ کے والد محترم کی وصیت بھی تھی۔والد محترم کی وفات کے بعد آپ قبر پر زیارت کیلئے حاضر ہوتے تو قبر میں سے قرآن حکیم کی تلاوت کی آواز سنائی دیتی تھی،خصوصاً ''سورۃ الملک'' کی تلاوت کی آواز آتی۔حدیث شریف میں سورۂ ملک کے بارے میں آیا ہے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کیلئے شفاعت کا باعث بنتی ہے۔

یہ ان کی عجیب وغریب کرامت تھی جسے والد ماجد محدث اعظم مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ نے اپنی تصنیف کردہ کتاب ''اثمار التکمیل'' (یہ حضرت شیخ کی تصنیف کردہ بیضاوی شریف کی شرح ''ازھار التسہیل'' کا دو جلدوں پر مشتمل مقدمہ ہے اصل کتاب تقریباً پچاس جلدوں پر مشتمل ہے) میں بھی تفصیلاً ذکر فرمایا ہے۔حضرت شیخ کے جد امجد ''احمد روحانی'' بھی بہت بڑے عالم تھے اور صاحب فضل وکمال

انسان تھے۔افغانستان میں غزنی کے پہاڑوں کے مضافات میں ان کا مزار اب بھی مرجع عوام وخواص ہے۔

حضرت شیخ محدث اعظم مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ نے ابتدائی کتب فقہ اور فارسی کی تمام کتابیں مثلاً پنج گنج ، گلستان، بوستان وغیرہ گاؤں کے علماء سے پڑھیں۔حضرت شیخؒ کو اللہ جل شانہ نے بے انتہاء قوت حافظہ اور سریع الفہم ذہن عطا کیا تھا۔زمانۂ طالب علمی میں ہی آپ اپنے تمام ہم جماعتوں پر فائق رہے آپ کے اساتذہ آپ کی شدت ذکاوت،قوت حافظہ اور وسعت مطالعہ پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے۔آپ مشکل سے مشکل عبارت اور فنی پیچیدگی کو،جس کے حل سے اساتذہ بھی عاجز آجاتے ،ایسے انداز میں حل فرماتے اور فی البدیہ ایسی تقریر فرماتے کہ یوں محسوس ہوتا جیسے اس مقام پر کوئی اشکال تھا ہی نہیں۔

تدریسی خدمات: تدریس سے وابستہ ہونے کے بعد تمام کتب فنون عقلیہ ونقلیہ کے دروس میں آپ طلباء وعلماء کے سامنے اس فن کے ایسے مخفی نکات اور علوم مستورہ بیان فرماتے کہ سننے والے یہ گمان کرنے لگتے کہ شاید آپ کی ساری عمر اسی ایک فن کے حصول وتدریس اور استحکام میں گذری ہے۔تمام فنون میں آپ کے اسباق کی یہی کیفیت ہوتی اور آپ اس فن کی انتہائی گہرائی میں جا کر لطائف وبدائع کو ظاہر فرماتے۔(ترغیب المسلمین صفحہ:۹)

درس کی نوعیت: سب سے زیادہ شہرت آپ کے درس ترمذی اور درس تفسیر بیضاوی کو حاصل ہوئی۔دور دراز سے طلبہ وعلماء آپ کے درس میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کیلئے کھنچے چلے آتے۔آپ کا درس حدیث بعض اوقات

پانچ چھ گھنٹوں تک مسلسل جاری رہتا شدید سے شدید بیماری میں بھی جبکہ حضرت شیخ کیلئے بیٹھنا بھی مشکل ہوتا، یہی صورت حال رہتی اور بیماری کے باوجود کئی کئی گھنٹوں کی تقریر کے بعد بھی آپ پر تھکن کے آثار دکھائی نہ دیتے۔طلبہ سے فرماتے، یہ سب علم حدیث کی برکات ہیں۔ خاص طور پر آپ کا درس ترمذی پورے پاکستان بلکہ پوری دنیا میں اپنی مثال آپ تھا جس میں آپ جامع ترمذی کی ابتداء سے لیکر انتہا تک ہر ہر حدیث کا ترجمہ کرتے، مشکل الفاظ کی صرفی ونحوی تحقیق کرتے۔ مآخذ بتلاتے، محاورات عرب کی تفاصیل سے مطلع فرماتے اور تمام مسائل پر انتہائی مفصل وسیر حاصل بحث بھی فرماتے۔مسائل میں عام طریقۂ کار کے مطابق دو یا چار مشہور مذاہب بیان نہ فرماتے بلکہ اکثر مسائل میں آپ سات یا آٹھ مذاہب بیان فرماتے ہر خصم کی تمام ادلہ ذکر کرتے اور پھر ہر دلیل کے کئی کئی جوابات احناف کی طرف سے دیتے۔بعض اوقات خصم کی ایک ہی دلیل کے جوابات کی تعداد پندرہ بیس سے بھی بڑھ جاتی۔

اس جلالت علمی کے باوجود عاجزی کا یہ عالم تھا کہ اپنے جوابات وتوجیہات کی نسبت اپنی طرف کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی جانب فرماتے تھے کہ بندہ کچھ بھی نہیں وہی ذات سب کچھ ہے۔ (ترغیب المسلمین صفحہ:۱۲)

حضرت محدث اعظمؒ کے اوقات میں اللہ جل جلالہ نے بہت زیادہ برکت رکھی تھی۔آپ قلیل سے وقت میں کئی گنا زیادہ کام کر لیتے جس کا اندازہ آپ حضرت شیخؒ کے درس ترمذی سے لگا سکتے ہیں کہ ترمذی کی ہر حدیث کا ترجمہ بھی ہو تمام مشکل الفاظ کی صرفی ونحوی تحقیقات ومآخذ کی توضیح بھی ہو پھر تمام مسائل پر اتنی

مفصل بحث ہو جیسا کہ ابھی بیان ہوا اور ان سب پر مستزادیہ کہ آپ سب طلباء سے کاپیاں بھی لکھواتے، چنانچہ مستقل تقریر کرنے کے بجائے ٹھہر ٹھہر کر املاء کے انداز میں طلباء کو مسائل لکھواتے جس دوران آپ ہر جملے کو کم از کم دو تین مرتبہ ضرور دہراتے مگر ان سب باتوں کے باوجود وقت میں اتنی برکت ہوتی کہ جامع ترمذی سالانہ امتحانات سے قبل ہی اطمینان و تسلی سے ختم ہو جاتی اور اس کے ساتھ ساتھ ہر طالب علم کے پاس آپ کی مکمل درسی تقریر بھی مستقبل کیلئے محفوظ ہو جاتی۔

آپ امام حرم کی نظر میں : آپ کی زندگی میں ہی آپ کے علمی تفوق کا اقرار بڑے بڑے علماء کرتے تھے۔امام کعبہ شیخ معظم محمد بن عبد اللہ السبیل مدظلہ، ایک مرتبہ علماء کرام کی مجلس میں فرمانے لگے۔

''میں اس وقت دنیا کے مرکز (مکہ مکرمہ) میں بیٹھا ہوں۔ دنیا بھر کے علماء میرے پاس تشریف لاتے ہیں مگر میں نے آج تک شیخ روحانی بازی جیسا محقق و مدقق نہیں دیکھا''۔

تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ وعظ و تبلیغ وارشاد کے میدان میں بھی اللہ جل شانہ نے آپ سے بہت کام لیا اس سلسلے میں آپ خود اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں:

واللہ تعالیٰ بفضلہ ومنّہ وفّقنی للعمل بجمیع انواع الدعوۃ والارشاد والحمد للہ والمنّہ۔ (ترغیب المسلمین صفحہ:۱۴)

دین اسلام کی سر بلندی کیلئے آپ نے منکرین حدیث، اہل بدعت، روافض، قادیانیوں اور یہود و نصاریٰ سے کئی عظیم الشان مناظرے بھی کئے اور عالم اسلام

کا سر فخر سے بلند کیا۔ ابتدائی حالات کا مشاہدہ کیجئے تو بظاہر اسباب سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نونہال کا سایہ ایک عالم پر محیط ہوگا اس سے واضح ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی ،حفظ دین اور پاسبانی ملت کا انتظام ، ظاہری اسباب سے بالاتر کرتی ہے اور لطف الٰہی ایسے افراد کا انتخاب کرتی ہے جن سے دین حنیف کی خدمت کا کام لیا جائے۔

تصانیف : حضرتؒ کی تصانیف میں سے دو اہم کتاب ''ترغیب المسلمین، گلستان قناعت'' اس حقیر کے پاس موجود ہے جو آیات واحادیث کے نہایت اہم ومفید مضامین پر مشتمل ہے پوری کتاب قابل دید ہے بطور عبرت ونصیحت کے چند عبارتیں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۔ نیز آپ کی مرتب کردہ درود شریف کی عجیب وغریب کتاب ''البرکات المکیۃ فی الصلوات النبویہ'' ہے جسمیں مرتب نے ۸۰۰ سے زائد اسماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث کی کتابوں سے جمع کیا ہے جو قابل دید ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

اقتباس از : ترغیب المسلمین

مقصد زندگی عبادت ہے : اس زندگی کا اولین مقصد ہے عبادت اللہ، حب اللہ، حب رسول اور فکر آخرت ۔ اللہ جل جلالہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ''اور میں نے پیدا کیا جن وانس کو اپنی عبادت کیلئے''۔

پس انسان جب زندگی کے اکثر اوقات عبادت میں لگادے تو اللہ جل جلالہ اپنی رحمت وقدرت سے مذکورہ صدر جملہ حاجات یا ان میں سے اہم ضروریات و

حاجات پوری فرما دیتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے **مَنْ جَعَلَ هُمُوْمَهٗ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ الْاٰخِرَةِ كَفَاهُ اللّٰهُ هُمُوْمَهٗ**۔(ابن ماجہ: حدیث/۴۱۰۶)

یعنی ’’جو شخص اپنے تمام غموں کو ترک کر کے ایک آخرت کا غم اختیار کر لے (یعنی اسے آخرت کی فکر لاحق ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام (دینوی واخروی) غموں کے کفیل ہو کر کفایت فرماتے ہیں‘‘۔

بھائیو: یہ زندگی انسان کے لئے ایک قید خانہ یا قفس ہے۔ اس زندگی میں حاجتوں کے افکار، غموں اور دکھوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ سوائے ذکر اللہ، فکر آخرت اور عبادت کے کہیں بھی پناہ اور آرام حاصل نہیں ہو سکتا۔ ؎

رہتا ہوں میں بھی آدمیوں کے ہجوم میں　　آباد ہے وجود کے صحرا میں زندگی
وہ در کہ جو پناہ کی منزل دکھا سکے　　اور اس قفس میں مجھ کو میسر نہ آسکا

راحت وسکون ذکر میں: دنیا میں ہر آدمی کثرت مصائب و کثرت حوائج کے افکار کی وجہ سے پریشان اور بے چین ہے۔ راحت اور سکون صرف ذکر اللہ و طاعت میں ہے۔

ایک شاعر نے کس رقت انگیز و درد آمیز طریقے سے زندگی کی پریشانیوں کا ذکر درج ذیل اشعار میں کیا ہے۔ یہ اشعار تقریباً ہر انسان کی ترجمانی کرتے ہیں۔ بار بار دہرانے پر یہ اشعار کسی صاحب دل کے رلانے کے لئے کافی ہیں۔ ؎

فراق گل میں بلبل نوحہ خواں تو بھی ہے اور میں بھی
چمن میں شکوہ و پیرائے خزاں تو بھی ہے اور میں بھی

نہ تجھ کو چین ہے دم بھر نہ راحت مجھ کو اک ساعت
اسیر رنج گردش آسماں تو بھی ہے اور میں بھی

وہ امور و ذرائع جن سے عالم اسباب میں مذکورہ صدر حاجات وضروریات کو پورا کیا جا سکے، ان پر عقلاً و شرعاً ولغۃ رزق کا اطلاق حقیقتاً یا مجازاً ہوتا ہے۔ کیونکہ رزق کا معنی ہے حظ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے جو حصہ ونصیب انسان کو ملتا ہے اس پر رزق کا اطلاق ہوتا ہے۔

مگر عرف عوام میں رزق کا زیادہ اطلاق دو امور پر ہوتا ہے۔ اول مال، دوم خورد ونوش یعنی طعام۔ بلکہ رزق کا اطلاق امر دوم پر بہت زیادہ معروف ومشہور ہے۔

پس رزق کا جب مطلق ذکر ہو تو عرف عام میں اس سے طعام و مال مراد ہوتا ہے انسان چونکہ ان دو چیزوں کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے اس لئے عرف عام میں رزق سے عموماً مال وطعام مراد لیا جاتا ہے۔ انسان ہر وقت مال وطعام کا حاجتمند وخواہشمند ہوتا ہے۔

مال کے ذریعہ مذکورہ صدر تمام حاجات وضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔ اس لئے انسان مال کے حصول کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے عرف عام میں مطلق رزق کے ذکر کے وقت ذہن مال وطعام کی طرف جاتا ہے۔

حاصل بیان یہ ہوا کہ انسان کی ضروریات وحاجات بےشمار ہیں اور ان بیشمار حاجات میں سے اہم دو حاجتیں ہیں یعنی حاجت طعام وحاجت مال۔

حاجت طعام یعنی خورد ونوش والی حاجت اس لئے اہم ہے کہ یہ زیادہ

درپیش ہوتی ہے۔ ہرانسان دن میں کئی مرتبہ کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے۔

اور حاجت مال کی اہمیت تو اظہر من الشّمس ہے کیونکہ مذکورہ صدر بیشمار حاجات وضروریات عموماً مال ہی کے ذریعے پوری ہوتی ہیں ۔ان حاجات لامحدودہ کے پیش نظر انسان مجبوراً حصولِ مال کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور مال کا محب وحریص ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے **حب المال رأس کل خطیئة** یعنی ''مال کی محبت ہر برائی اور ہر گناہ کی جڑ ہے''۔ کیونکہ حب مال کی وجہ سے انسان حلال وحرام کی تمیز ترک کرکے ہر گناہ کے ارتکاب پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

انسان لامحدودضروریات وحاجات سے مجبور ہوکر مال کا محب بنتا ہے اور پھران ضروریات کوسامنے رکھتے ہوئے حبِ مال انسان کوحصول مال کے سلسلے میں ہر گناہ کی ترغیب دیتا ہے اور انسان اس ترغیب کی وجہ سے ہر گناہ کے ارتکاب کیلئے تیار ہوجاتا ہے۔

حدیث شریف ہے **''حب الشیٔ یعمی ویصم''** (ابوداؤد:ح/۵۱۳۰) یعنی کسی شیٔ کی (حد سے زیادہ) محبت آدمی کواندھااور بہرہ کردیتی ہے۔'' اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان مقصد زندگی سے ہٹ جاتا ہے اور سعادتِ دارین سے محروم ہوکر شقاوتِ دارین کا مستحق بن جاتا ہے۔

پس کثرتِ ضروریات وحاجات کے پیش نظر انسان رزق کے حصول میں ہروقت متفکر رہتا ہے۔

عرفِ عام میں رزق کے مصداق دو ہیں ۔اول طعام وغذا۔یعنی اکل

وشرب سے متعلق امور۔ بالفاظ دیگر ماکولات ومشروبات ۔رزق کا یہ معنی زیادہ معروف ومشہور ہے۔اسی معنی کے اعتبار سے اللہ تعالی کورازق کہا جاتا ہے۔اور یہی معنی مراد ہےاس آیت میں ومامن دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔(ھود:٦)

دوم طعام ومال۔ بایں معنی رزق مطلق مال کوبھی شامل ہے۔ بلکہ حقیقتاً یا مجازاً ارزق ان تمام امورکوبھی شامل ہےجن کے ذریعہ انسان اپنی ضروریات حاصل کرتا ہے۔

اوراللہ تعالی چاہتے ہیں کہ انسان اس امتحان وآزمائش میں کامیاب ہو جائے۔اس لئے کامیابی کے ذرائع خوداللہ تعالی نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بتلائے ہیں۔

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ۔اے انسان ان بیشمار حاجات کے سلسلے میں افکاراور پریشانیوں کی دلدل سے نکلنے کا طریقہ تیرے لئے یہ ہے کہ تو صرف عبادت میں مصروف ہوجا اور حاجات وضروریات کے سلسلے میں اللہ تعالی سے مدد مانگ ۔اللہ تعالی اپنی عظیم رحمت وعظیم قدرت سے تیری بیشمار حاجات وضروریات پوری فرمادیں گے۔

یہی مطلب ہےاس آیت کا **ایاک نعبد و ایاک نستعین** ”اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اورآپ ہی سے تمام حاجات میں کامیابی کی مدد مانگتے ہیں“۔اسی طرح اللہ تعالی نے انسان کو دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ دعا کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہرکام میں اللہ تعالی سے مدد مانگے ۔قرآن مجید میں ہے **ادعونی استجب لکم** (فاطر:٦٠) یعنی ”مجھ سے جملہ حاجات کے سلسلے میں

دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا''۔

نیز اللہ تعالی فرماتے ہیں امن یجیب المضطر اذا دعاہ(النمل:۶۲)

''مضطر ومجبور انسان کی دعا میں ہی قبول کرتا ہوں''۔

اور یہی مطلب ہے حدیث مذکور کا **من جعل ھمومہ ھما واحداً ھم الاخرۃ کفاہ اللہ ھمومہ**، یعنی ''جو شخص اپنے تمام غموں کو بھلا کر ایک آخرت کا غم اپنا لے تو اللہ تعالی اس کے تمام غموں کے (یعنی دنیاوی واخروی حاجات کے سلسلے میں) کفیل ہو جاتے ہیں''۔

تعلیمات کا خلاصہ: اس قسم کی بیشمار نصوص میں اللہ تعالی نے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کو ان حاجات لامحدودہ کے افکار اور پریشانیوں سے نکلنے کا راستہ وذریعہ بتلایا ہے۔

یہ دنیا ان بیشمار حاجات، لامحدود خواہشات اور لامتناہی ضروریات کی وجہ سے امتحان گاہ ہے۔ اس امتحان میں اللہ تعالی نے انسان کو کامیابی کا یہ راستہ بتایا کہ انسان اللہ تعالی کی خوشنودی و رضا کے حصول کو اپنا مقصد بنا لے اور ضروریات وحاجات کا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد کر دے۔ اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے اس کی کفایت فرمائیں گے۔

یہ ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلکہ ہر نبی کی تعلیمات وتربیات کا خلاصہ۔ واقعات عالمِ انسانی اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں کہ جس شخص نے بھی اللہ تعالی کے بتلائے ہوئے اس راستے پر چلنا شروع کیا اور اللہ تعالی کی رضا کو اپنا مقصودِ اعلی ٹھرایا وہ دنیا میں بھی سرخرو ہوا اور آخرت میں بھی سرخرو ہوگا۔ اس طرح وہ

سعادت دارین سے ہم آغوش ہوگا۔

اہم مضمون: اللہ عزوجل کی کفالت وکفایت ونصرت پر دونوں جہانوں کی کامیابیوں اور سعادتوں کا مدار ہے۔مسلمانوں کوصرف دنیوی کامیابی پرزیادہ خوش نہیں ہونا چاہئے۔یہ دنیا فانی ہےاس فانی جہان وزمان ومکان سے آگے اور جہان زمان اور مکان بھی ہیں جوکہ باقی ودائمی ہیں۔اس لئے اسکی فکرکرنا چاہئے۔ ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　　ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا　　　ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز وشب میں الجھ کر نہ رہ جا　　　کہ تیرے زمان ومکاں اور بھی ہیں

حضرت عائشہ کی نصیحت: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف خط لکھ کر درخواست کی کہ میری طرف کوئی وصیت ونصیحت لکھ کر بھیجیں جوزیادہ لمبی نہ ہو بلکہ مختصر ہو۔راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف یہ وصیت ونصیحت لکھ کر بھیجی۔

السلام علیکم (میں آپ کی طرف بطورِ وصیت ونصیحت نبی علیہ السلام کا وہ ارشاد لکھ کر بھیج رہی ہوں جو) میں نے خود نبی علیہ السلام سے سنا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی لوگوں کی ناراضگی کے باوجود اللہ تعالی کی رضا کا طالب ہو اللہ تعالی لوگوں کی تکالیف سے اس کی کفایت وحفاظت فرماتے ہیں (یعنی لوگوں کی اذیت سے اسے محفوظ رکھتے ہیں) اور جو آدمی اللہ تعالی کو ناراض کرکے لوگوں کی خوشنودی کا طالب ہو اللہ تعالی اسے لوگوں کے سپرد کردیتے ہیں

(یعنی لوگوں کی اذیت سے وہ شخص محفوظ نہیں رہتا)۔والسلام‘‘

(ترمذی ج:۲ صفحہ:۷۷)

اللہ تعالی رزق و مال اور تمام معاملات کے بارے میں صحیح اعتقاد اور درست اعمال کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ ہم ہر کام میں اللہ عزوجل ہی کو اصل مؤثر سمجھیں اور جادۂ حق پر چلتے ہوئے اللہ تعالی کی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں۔آمین یارب العالمین۔ (ترغیب المسلمین)

اقتباس از گلستان قناعت:

مستجاب الدعوات ہونے کا طریقہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی ’’اے لوگو! زمین میں سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ‘‘ تو سعد بن ابی وقاصؓ کھڑے ہوئے اورعرض کیا۔یارسول اللہ! میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعاء (جس کی دعائیں قبول ہوں) بنادیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اے سعد! تیرا کھانا پاکیزہ اور حلال ہونا چاہئے، اس طرح تو مستجاب الدعاء ہوجائے گا۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے جو بندہ حرام مال کا ایک لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالے تو چالیس دن تک اس کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔اور جس آدمی کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا اور بڑھا ہو پس آگ ہی اس گوشت کیلئے زیادہ لائق ہے (یعنی جہنم کی آگ ہی اس کیلئے مناسب ہے)‘‘۔

پہلی بات حدیث مذکور سے یہ معلوم ہوئی کہ حرام رزق کا ایک لقمہ جب

پیٹ میں چلا جائے تو اس سے چالیس دن تک کوئی نیک عمل عند اللہ قبول نہیں ہوتا۔ یہ کتنی خطرناک اور خوفناک بات ہے کہ حرام کے ایک لقمے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ چالیس دن تک حرام کھانے والے آدمی کی نہ نماز قبول ہوتی ہے، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ، نہ حج اور نہ دیگر طاعت اور نیکیاں۔

دوسری بات حدیث مذکور سے یہ معلوم ہوئی کہ حرام رزق سے جو گوشت پیدا ہوتا ہے وہ گوشت و پوست اور وہ خون اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ذلیل ہے۔ وہ گوشت یعنی اس گوشت والا انسان کسی طرح دخولِ جنت کے قابل نہیں ہے بلکہ وہ دوزخ میں داخل ہونے اور آتش دوزخ میں جلنے کے لائق ہے۔ حرام خور کا جنت میں داخلہ ممنوع ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ حرام خور جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت وسیع ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیں تو یہ اور بات ہے لیکن فی ذاتہ وفی نفسہٖ حرام خور دوزخیوں کے گروہ کا ایک فرد ہے۔

تیسری بات حدیث مذکور سے یہ معلوم ہوئی کہ قبولیتِ دعا کیلئے اور مستجاب الدعاء ہونے کیلئے رزقِ حرام اور لباس حرام مانع ہے۔

منتخب اشعار: جس طرح علامہ موسیٰ روحانیؒ نے رقت آمیز مفید ومؤثر احادیث وآثار اور متعدد بزرگوں کے احوال واقوال جمع کیا ہے اسی طرح مفید ومؤثر اشعار بھی جمع فرمائے ہیں عبرت ونصیحت کیلئے چند اشعار پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

سامان زندگی: ؎

حزنؔ وغم وملال ہے عنوانِ زندگی | صدموں سے تارتار ہے دامانِ زندگی
کیا کیا ہیں حسرتیں دلِ امید وار کو | آ کر تو دیکھئے مرا سامانِ زندگی
حسرت ہے آرزو ہے تمنا ہے شوق ہے | یہ ہے متاع زیست، یہ سامانِ زندگی

(صفحہ:۱۸)

وفات: بروز دوشنبہ ۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹/۱۰/ اکتوبر ۱۹۹۸ء عصر کی جماعت میں حضرت محدث اعظم کو دل کا شدید دورہ پڑا اور علم وعمل کے اس جبل عظیم کو اللہ تعالیٰ نے اس پرفتن دنیا سے نجات دیتے ہوئے دارقرار کی طرف بلالیا جب کہ آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ انا للہ ونا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ نور اللہ مرقدہ۔ (ترغیب المسلمین صفحہ:۱۶)

حضرت مولانا محمد عبدالوحید صاحب صدیقی فتحپوریؒ[1] المتوفی ۱۴۱۹ھ

ولادت: حضرت مولاناؒ کی ولادت ۱۹؍محرم الحرام ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۲؍فروری ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ وطن شہر فتحپور ہے (جو ہنسوہ کے نام سے مشہور ہے) سات سال کی عمر میں حفظ شروع کر کے دس سال پانچ ماہ کی عمر میں حفظ کی تکمیل کی۔ اور بعد تکمیل پندرہ پارے یومیہ اپنے والد صاحب کو (جو راقم الحروف کے نانا تھے) سنانے کا اہتمام کیا۔ چند ماہ بعد رمضان المبارک میں تراویح میں پورا قرآن پاک سنایا۔ سامعین میں بانیٔ مدرسہ اسلامیہ حضرت مولانا الحاج شاہ سید محمد ظہور الاسلام صاحبؒ خلیفہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ بھی تھے (جن کی حقیقی نواسی حضرت مولاناؒ کو بعد میں منسوب ہوئیں) حضرت شاہ صاحبؒ قرآن پاک سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے خود فارسی شروع کرائی۔ چند اسباق فارسی کے پڑھا کر عربی شروع کرائی اور فرمایا کہ تم سے اور کام لینا ہے۔ فروری ۱۹۲۱ء کو حضرت شاہ صاحبؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت نے چند دنوں بعد مدرسہ اسلامیہ فتحپور میں باقاعدہ داخلہ لے کر باضابطہ تعلیم کا آغاز کیا۔ قدوری تک پڑھنے کے بعد دادوں ضلع علیگڈھ تشریف لے گئے۔ جہاں پر وہیں کے ایک رئیس جناب نواب ابوبکر خاں صاحب نے اپنی ذاتی آمدنی

---

[1] مرتبہ: مکرم مولانا محی الدین صاحب خویش مولاناؒ

سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ۱۹۳۰ء تک اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور جلالین، ہدایہ، مدارک، رسالہ میرزاہد، حمداللہ وغیرہ دادوں میں پڑھیں۔ دادوں کے مدرسہ کے صدر مدرس حضرت مولانا حافظ وجیہ الدین خاں صاحب رامپوری (جو مدرسہ عالیہ رامپور کے ممتاز فاضل اور حدیث میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے شاگرد رشید تھے) حضرت مولاناؒ کے مربی خاص تھے، انھوں نے حضرت مولانا کی تربیت فرمائی اور مطالعہ کا ذوق پیدا فرمایا اور تہجد کا عادی بنایا۔

پھر ۱۹۳۰ء میں مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا، وہاں فقہ و منطق کی متعدد کتابیں پڑھیں اور امتحان سالانہ میں اول درجہ سے کامیاب ہوئے۔

مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل: اس کے بعد حدیث شریف پڑھنے کے لئے ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے گئے۔ امتحان داخلہ حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے قاضی مبارک، صدرا حماسہ اور طحاوی شریف میں لیا اور دورۂ حدیث میں داخلہ ہوگیا۔ بخاری شریف حضرت علامہ شاہ محمد انور صاحب کشمیریؒ کے پاس اور ترمذی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس، ابوداؤد اور مسلم شریف حضرت مولانا سراج احمد صاحب کے پاس تھی۔ لیکن افسوس کہ حضرت علامہ کشمیریؒ اس وقت علیل تھے اور آخر کار ماہ صفر ۱۳۵۲ھ میں دیوبند میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، ان کے انتقال کے بعد بخاری حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس آگئی اور ترمذی حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ (مؤلف ترجمان السنہ) کے پاس پہنچ گئی۔ شعبان ۱۳۵۲ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فراغت ہوئی۔ بعد فراغت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے برابر مراسلت رہی اور حضرت علامہؒ کے قیام ہندوستان کے

زمانہ میں تقریباً ہرسال رمضان المبارک میں دیو بند حاضری دیتے تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے صرف دو خط جو انھوں نے اپنے چہیتے شاگرد حضرت مولانا عبدالوحید صاحبؒ کو لکھے تھے نقل کر دیئے جائیں جس سے جہاں حضرت عثمانیؒ کے تعلق پر روشنی پڑتی ہے وہیں حضرت مولاناؒ کی علمی وعملی صلاحیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

باسمہ تعالیٰ

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ بمطالعہ برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون

آنکہ خط پہنچا۔ الحمد للہ بندہ خیریت سے ہے۔ نزلہ وغیرہ میں کمی ہے البتہ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ بیس بائیس روز سے چوتھیا بخار میں مبتلا ہیں۔ دعا کرتے رہیں، اپنے والد ماجد کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔ ان شاء اللہ چند روز میں کوئی تحریر بطور سند لکھ کر تمہارے پاس روانہ کر دوں گا، دس پانچ روز میں ذرا مجھے یاد دلا دینا۔ بندہ تم کو ان طلبہ میں سمجھتا ہے جن پر مدرسہ فخر کرسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ آئندہ تم کو بہت کچھ ترقی نصیب کرے گا۔ والسلام

از دیو بند ۴؍ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

پھر کچھ عرصہ بعد ۸؍ شوال ۱۳۵۵ھ کو دوسرا والا نامہ تحریر فرمایا جو اجازت پر مشتمل تھا۔ وہو ہذا۔

بعد حمد وصلوٰۃ

گزارش آنکہ برادر عزیز مولوی حافظ محمد عبدالوحید صدیقی فتحپوری ریاست

رامپور وغیرہ میں فنون کی تکمیل کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں بغرض تحصیل علم حدیث ۱۳۵۲ھ، میں داخل ہوئے۔ اسی سال حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی (جو اپنے زمانہ میں باعتبار علم وفضل وجامعیت کمالات نظیر نہیں رکھتے تھے) وفات ہوئی تھی، لہذا برادر مذکور مع اپنے رفقاء کے اس عاجز ہیچمدان کے پاس تحصیل بعض کتب حدیث میں مشتغل ہوگئے۔ صحیح بخاری از ابتداء تا انتہاء اور جامع ترمذی کا ایک حصہ اور دوسری کتب حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دوسرے اساتذہ کے ہاں ختم کیں۔ عزیز مذکور کی نجابت وسعادت، خوش اخلاقی، تہذیب وحق شناسی اور تحصیل علم میں انتہائی کاوش کو دیکھتے ہوئے سب اساتذہ اور منتظمین جامعہ ان سے خوش رہے اور میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ میری عمر میں بہت تھوڑے طالبعلم ایسے آئے ہیں جن میں باوجود نوعمر ہونے کے صلاح ورشد، ذکاوت وفطانت، علمی استعداد اور ذوق صحیح اس طرح جمع ہوئے ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی نسبت بہت اچھی توقعات ہیں۔ اس لئے ان کو اجازت دیتا ہوں کہ کتب حدیث کے درس میں بشروط معتبرہ مشتغل رہیں اور علم دین کی خدمات ممکنہ انجام دیتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا سب کا خاتمہ اپنی خوشنودی میں فرمائے۔ وھو الھادی الی سواء السبیل۔ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۸رشوال ۱۳۵۵ھ

ف: بجاطور پر مولانا عثمانیؒ اپنے اس شاگرد رشید کے متعلق یہ شعر پڑھ سکتے ہیں ؎

اولئک ابنائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(مرتب)

بیعت: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارشاد پر حضرت مولانا

محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ پھر ان کے وصال کے بعد حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے آخر تک اصلاحی تعلق رہا۔

وفات: آپ کی وفات رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق ۸ رجنوری ۱۹۹۸ء بروز جمعہ ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی سعادت: حضرت مولانا عبدالوحید صاحبؒ کا حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا۔ اس لئے برابر فتحپور، گورکھپور، الہ آباد کے اثناء قیام میں نہایت خلوص وعقیدت کے ساتھ بکثرت آمدورفت رہتی تھی۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی حضرت مولاناؒ سے غایت درجہ محبت اور حسن سلوک کا معاملہ فرماتے تھے اور آپ کے علم وصلاح کے معترف تھے۔ چنانچہ جب اثناء قیام گورکھپور میں سخت علیل ہوئے تو ہم لوگوں کو بخاری شریف وغیرہ پڑھانے کے لئے آپ کو بلایا، چنانچہ آپ تشریف لائے اور کچھ دنوں تک ہم لوگوں کو بخاری شریف کا درس دیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ ۔ حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد بھی آپ کی زیارت ہوتی رہی، خصوصاً جامعہ اسلامیہ ہتھورا باندہ کی مجلس شوریٰ کے موقع پر ضرور ملاقات ہوتی۔ اور یہ حقیر اپنی تصنیفات ہدیہ کرتا تو خوش ہوتے، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما کر آپ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

اس حقیر کو یہ بات معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ نے بخاری شریف حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے پڑھی، جس کا اظہار خود مولانا عثمانیؒ نے اپنی مندرجہ تحریر میں فرمایا ہے۔ اس کے بعد ہم لوگوں کو بخاری شریف کے درس میں آپ کا تلمذ حاصل ہوا۔ اس کو اپنے لئے سعادت کبریٰ سمجھتا ہوں کہ بالواسطہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے اس سلسلہ میں منسلک ہونا نصیب ہوا۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔**

حضرت والد ماجد سلطان احمد خانصاحب مئویؒ المتوفی ۱۴۱۹ھ

ولادت اورنسب: آپ کی ولادت غالباً ۱۹۱۲ء مطابق ۱۳۳۱ھ میں موضع کاری ساتھ تحصیل گھوسی ضلع مئو میں ہوئی۔آپ کے والدمحترم کا نام محمد نذیر خاں تھا۔ جو ماشاءاللہ نمازی تھے اور اذان بھی دیا کرتے تھے۔جن کا انتقال غالباً ۱۹۵۴ء میں کاریساتھ میں ہوا تھا۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہی ہوئی۔اس کے بعد گھوسی کے سرکاری اسکول میں میڈل کلاس تک تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد عربی وفارسی کے لئے مدرسہ جامع العلوم واقع جین پور ضلع اعظمگڈھ (جس کو مولانا عبدالحکیم صاحبؒ نے قائم فرمایا تھا) میں داخل ہوئے اور وہاں ناظرہ، کچھ حافظہ اور تجوید کی تعلیم حاصل کی،جس کی بناء پرلوگ حافظ صاحب کے نام سے بھی یاد کرتے تھے۔

اسی اثناء میں مولانا صدیق احمد صاحب برئی پوری جیسے بزرگ کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی،جن کا ذکر ''اقوال سلفؒ'' حصہ ہشتم میں آچکا ہے، انہوں نے آپ کے لئے بہت دعائیں کیں۔اور خاص خاص مواقع کی بہت سی دعائیں سکھائیں۔وہاں سے تعلیم نامکمل چھوڑ کر کچھ دنوں کے لئے رنگون بھی تشریف لے گئے اور غالباً وہاں کسی مسجد میں امامت بھی فرمائی۔

اصلاح وتربیت: اصلاح وتربیت کے لئے آپ اپنے بہنوئی مکرم قاری

محمد امین اظہر صاحبؒ کے ساتھ شیخ وقت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں فتح پور جایا کرتے تھے، حضرتؒ بھی بہت ہی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ والد صاحبؒ ماشاء اللہ بچپن ہی سے حضرت کی خدمت میں رہنے کی برکت سے نہایت دیندار، متقی و پرہیزگار ہو گئے تھے۔ تہجد گزار تھے اور اشراق تک ذکر اللہ کے لئے بیٹھتے تھے، حضرت کی باتوں کو یاد رکھتے تھے اور نہایت ذوق اور سلیقہ سے اس کو بیان فرماتے تھے۔

اس حقیر کو نماز اور تلاوت کی برابر تاکید فرماتے تھے اور اسی دینی و ایمانی جذبہ کے تحت آپ ''فتوح الشام'' خوب کیف و حال کے ساتھ سناتے تھے۔ گاؤں کے بہت سارے لوگ اس کو سننے کے لئے اکٹھا ہوتے تھے۔ والد صاحبؒ کا پہلا نکاح ۱۹۲۹ء میں موضع سکریا کلاں ضلع بلیا میں ہماری والدہ زیب النساء بنت رحمت اللہ خان سے ہوا تھا، جو نہایت دیندار تھے اور لوگوں کو نماز کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

جن کے بطن سے یہ حقیر محمد قمر الزمان، بدر الزمان، اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، ایک کا تو بچپن ہی میں انتقال ہو چکا تھا مگر ایک زندہ رہیں جن کا نکاح حافظ منظور احمد صاحب ساکن علی پور اعظم گڈھ سے ہوا، جن کے لڑکے مقصود احمد باحیات ہیں۔

والدہ صاحبہ کی وفات غالباً ۱۹۴۱ء میں بنارس میں ہوئی، ان کی وفات کے بعد والد صاحب کا دوسرا نکاح ۱۹۴۲ء میں مکرمہ حمید النساء بنت مکرم فتح محمد صاحبؒ ساکن علی پور ضلع اعظمگڈھ سے ہوا۔ جن سے تین لڑکے شمس الزمان،

انیس احمد و رشید احمد اور تین لڑکیاں ہیں سب باحیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اور جملہ اولاد واحفاد کو باصحت وعافیت رکھے۔آمین۔خالہ صاحبہ یعنی والدہ ثانیہ مرحومہ کی وفات بتاریخ ۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵؁ھ ہوئی اور کاریساتھ ہی کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔نوراللہ مرقدہا۔

ہماری سعادت: ہمارے پھوپھا حضرت مولانا قاری امین اظہر صاحبؒ حضرت مصلح الامتؒ سے خاص تعلق رکھتے تھے،جس کی وجہ سے حضرت مولاناؒ بھی پورے خاندان کے ساتھ شفقت وعنایت کا معاملہ فرماتے تھے،ان دونوں صاحبان کی آمد و رفت کی وجہ سے حضرت مصلح الامتؒ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کا رشتہ ہمارے ایک ہی خاندان میں قائم فرمایا۔ یہ ہمارے خاندان بلکہ پوری بستی والوں کے لئے سعادت کی بات ہے۔

وفات: آخر ۱۷؍رمضان المبارک یوم البدر ۱۴۱۹؁ھ مطابق ۱۹۹۹؁ء بوقت افطار جان جاں آفریں کے سپرد فرمائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔الہ آباد سے عزیزم مقبول احمد قاسمیؒ،عزیزم مولوی محبوب احمد سلمہ اور عزیزم مولوی محمد عبیداللہ سلمہ جنازہ میں شرکت کے لئے گئے تھے،اور مولوی محبوب احمد نے نماز جنازہ پڑھائی۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے،اور والد محترم کو جنت میں داخل فرمائے۔آمین

اور کاریساتھ کے آبائی قبرستان میں تالاب کے کنارے مدفون ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ۔

افسوس کہ والد صاحب کی وفات کے وقت یہ حقیر خانقاہ کنتھاریہ کی مسجد میں معتکف تھا،ظاہر ہے ایک لڑکے کو اپنے والد کے رحلت کی خبر سن کر کتنا غم ہوا

ہوگا۔اسی لئے اس دن یہ حقیر بعد نماز تراویح جو بیان کرتا تھا بیان پر قادر نہ ہو سکا،اور حضرت مولانا ابوبکر سعید ترکیسری جو اس حقیر سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے بلکہ خلیفہ ومجاز بیعت تھے،انہوں نے نہایت جامع ، رقت آمیز اور اثر انگیز بیان فرمایا۔فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء.مگر افسوس کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ گئے۔رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃً.

جدامجد: مختصراً عرض ہے کہ ہمارے جدامجد محترم محمد نذیر خاں صاحب بھی ماشاءاللہ حضرت مصلح الامتؒ سے خاص محبت وعقیدت کا تعلق رکھتے تھے، حضرت مصلح الامتؒ بھی ان کی محبت وعقیدت کی باتوں کا ذکر فرماتے تھے۔یوں تو اُمی ہی تھے مگر مجھے پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے،کبھی کھیت ناشتہ لے جاتا یا اور کوئی مدد کرتا تو فرماتے کہ بیٹا یہ سب مت کرو،تم پڑھو۔الحمدللہ ان کی دعا ہمارے ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔ ۱۹۵۳ء میں ان کی وفات ہوئی، اور کاریساتھ کے عام قبرستان میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ المتوفی ۱۴۲۰ھ

خاندان عالی شان: آپ کا سلسلۂ نسب سادات سے حسنی حسینی ہے۔آپ کے والد محترم حکیم سید عبدالحی حسنی صاحبؒ (متوفی ۱۵؍جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ مطابق ۲؍فروری ۱۹۲۳ء) ہندوستان کے مایۂ ناز مؤرخ، صاحب ذوق محدث اور صاحب دل عالم تھے۔ ۱۸؍رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ میں دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں ولادت ہوئی۔نانی صاحبہ جو حضرت سید احمد شہید سے بیعت تھیں اور بڑی عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔بچپن کا کچھ حصہ ان کی آغوش تربیت میں گزرا۔

حضرت والا کی والدہ ماجدہ مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ (متوفیہ ۶؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۱؍اگست ۱۹۶۷ء) اپنے زمانہ کی ممتاز ترین خواتین میں سے تھیں۔ زہد وعبادت، ورع وتقویٰ اور دعاء ومناجات کا خاص ذوق رکھتی تھیں۔

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت ۶؍محرم الحرام ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۳ء کو رائے بریلی کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی (جو دائرہ شاہ علم اللہ کے نام سے موسوم اور تکیہ کلاں کے نام سے مشہور ہے، جس کو کئی سو سال سے توحید وسنت اور تحریک جہاد کے مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا ہے) ساتویں دن عقیقہ کی سنت ادا کی گئی اور حضرت علیؓ کے نام نامی پر ''ابوالحسن علی'' نام تجویز کیا گیا۔

تعلیم کا آغاز: غالباً چار سال کی عمر میں رائے بریلی کے قیام میں تسمیہ خوانی

ہوئی، جو حضرت کے چچا مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے کرائی، کیونکہ زیادہ قیام لکھنؤ میں ہی رہتا تھا۔ اس لئے باقاعدہ تعلیم کا آغاز وہیں سے ہوا۔ خاندان کے دستور کے مطابق سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم ہوا۔ اس کی خوشی میں والد صاحبؒ نے ہلکی سی دعوت کا اہتمام فرمایا۔

باقاعدہ تعلیم: اردو کی باقاعدہ تعلیم عم محترم مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے یہاں شروع ہوئی، جو اس وقت دفتر ندوۃ العلماء میں کام کرتے تھے، اس زمانہ میں دارالعلوم کا دفتر اور کتب خانہ گولہ گنج میں خاتون منزل کے قریب ایک عمارت میں واقع تھا۔ حضرت کے مکان سے اس کا فاصلہ کوئی ڈیڑھ دو فرلانگ ہوگا، جو اس عمر کے اعتبار سے خاصا تھا، اردو حروف شناسی تو قاعدہ بغدادی سے شروع ہوئی تھی، اردو بقدر ضرورت پڑھ لینے کے بعد خاندانی دستور کے مطابق فارسی کی پہلی کتاب دی گئی۔ اور تعلیم دینے کے لئے ایک کہنہ مشق استاذ مولوی محمود علی صاحبؒ کا انتخاب ہوا۔ جن کے بارے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ:

''وہ بڑے مہذب، شفیق اور دیرینہ سال معلم تھے۔''

فارسی کے ساتھ اسی زمانہ میں والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی تصنیف کی ہوئی کتابیں ''تعلیم الاسلام'' اور ''نور الایمان'' پڑھی۔ خوشخطی کی مشق بھی اسی زمانہ میں کی، جو تعلیم کا ایک اہم جزء اور ضروری نصاب تھا۔

کتابی شوق اور خاندانی ذوق: اس عمر میں جو عام طور سے کھیل کود کی عمر ہوتی ہے اور جس میں کتاب سے ایک توحش سا ہوتا ہے، حضرت کو کتابوں سے بڑا شغف تھا، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہی حضرت کا کھیل اور دلچسپی کا سامان تھا، اس

میں گھر کے ماحول کو بھی بڑا دخل تھا۔

والد صاحب کی وفات اور برادر معظم کی آغوش تربیت میں:

۱۵؍جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ جمعہ کے دن والد ماجد نے معمولی علالت کے بعد رحلت فرمائی۔ رحمہ اللہ

عربی تعلیم کی ابتداء: اس دور میں عربی کے مقابلہ میں فارسی زبان پر زیادہ محنتیں صرف کی جاتی تھیں۔ حضرت کے جد امجد مولانا حکیم سید فخر الدین صاحب خیالیؒ فارسی ادیب وشاعر تھے۔

مگر چونکہ فارسی زبان کا دور انحطاط تھا، اس لئے فارسی زبان کی بقدر ضرورت تعلیم دے کر ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نے ایک طرف انگریزی کی ایک ریڈر شروع کرائی اور دوسری طرف انہوں نے عربی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ کی۔

لہٰذا ڈاکٹر صاحبؒ نے حضرتؒ کو شیخ خلیل بن محمد عرب یمانیؒ کے سپرد کیا، جو اس وقت عربی کے ایک کامیاب ترین استاذ اور بقول حضرتؒ "اس کا ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ رکھتے تھے۔" عرب صاحبؒ کے درس میں حضرت کے شریک صرف ان کے حقیقی بھائی شیخ حسین عرب تھے، اس لئے عرب صاحب کی توجہ اور قدرت تدریس کا بڑا حصہ حضرت کو ملا جو عام طور پر بڑی جماعت کے طلبہ کو میسر نہیں آتا۔ پھر حضرت کے ذوق وشوق کو دیکھ کر عرب صاحب نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلق: اگرچہ مولانا کا خاندانی اور موروثی تعلق ندوہ سے تھا؛ لیکن باقاعدہ اور براہ راست استفادہ کی نوبت اس وقت آئی

جب حضرت نے دارالعلوم کے قدیم ومقبول استاذ علامہ شبلی صاحب سے فقہ پڑھنی شروع کی۔ یہ غالباً ۱۹۲۸ء کے اواخر کی بات ہے۔

دیو بند میں قیام : ۱۹۳۲ء کے کسی قیام میں ایک دن ڈاکٹر صاحب نے حضرت کو بطور خاص حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کو پیش کیا۔ حضرت مدنیؒ نے کچھ عرصہ کے لئے دیو بند قیام کا مشورہ دیا، اس کی تعمیل میں ربیع الاول یا ربیع الثانی کی کسی تاریخ کو حضرت دیو بند تشریف لے گئے۔ حضرت مدنیؒ نے اپنا مہمان بنایا۔ حضرت نے درس میں بھی شرکت فرمائی اور اس کے علاوہ بھی حضرت مدنیؒ سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ خاص طور سے قرآن مجید کی بعض مشکل آیات کو سمجھنے کے لئے حضرتؒ نے مولانا مدنیؒ سے خصوصی وقت پایا، مولانا نے جمعہ کا وقت دیا۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مولانا کے تدبر قرآن کا اندازہ ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کو جب حضرت کے باقاعدہ قیام کا علم ہوا تو انہوں نے حضرتؒ سے دارالاقامہ میں رہنے اور مطبخ سے کھانا جاری کر لینے کی ہدایت کی۔ حضرتؒ نے اجازت چاہی تو حضرت مدنیؒ نے کسی قدر ناگواری اور مجبوری کے ساتھ اجازت دی؛ لیکن فرمایا: ناشتہ ساتھ ہوا کرے گا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے فرزند مولانا حبیب اللہ صاحبؒ بھی اس زمانہ میں دیو بند میں طالب علم تھے۔ مولانا مدنیؒ سے تعلق کی وجہ سے ان سے بھی خاص ربط رہا۔

لاہور کا سفر اور حضرت مولانا احمد علیؒ کے درس کی تکمیل : حضرتؒ

نے دیو بند ہی کے قیام میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس میں شرکت اور اس کی تکمیل کا ارادہ فرمالیا تھا۔ دیو بند سے واپس ہوتے ہی چند روز قیام کے بعد حضرت لاہور روانہ ہو گئے۔

تدریس کا آغاز اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں قیام: یکم اگست ۱۹۳۴ء سے حضرت مولانا کا بحیثیت استاذ تفسیر وادب تقرر ہوا۔ تدریس کی ابتداء ہوئی تو حضرت نے باقاعدہ دارالعلوم ہی میں قیام پسند فرمایا۔ تاکہ پوری توجہ وانہماک کے ساتھ تدریس وتعلیم میں مشغول ہوسکیں۔ پہلے ہی سال حضرت کو درجۂ ششم میں ترمذی شریف کا نصف ثانی اور قرآن شریف کے ابتدائی دس پاروں کی تفسیر پڑھانے کے لئے دی گئی۔ اس کے علاوہ ادب میں دیوان حماسہ کا کچھ حصہ اور خضری کی ''تاریخ الامم الاسلامیہ'' اور ابتدائی درجات میں بھی کوئی ایک عربی ریڈر حصہ میں آئی۔

رشتۂ ازدواج: قیام دارالعلوم کے پہلے ہی سال حضرتؒ کی شادی حقیقی ماموں زاد بہن طیب النساء صاحبہ سے ہوئی جو حضرت شاہ ضیاء النبی کی پوتی، اور مولانا سید عبدالرزاق کلامی ''صاحب صمصام الاسلام'' کی نواسی تھیں، حضرت مولانا حیدر حسن خان صاحبؒ نے نکاح پڑھایا اور ڈاکٹر صاحب نے بڑے اہتمام سے ولیمہ کا انتظام فرمایا۔

جماعت اسلامی میں شرکت اور اس سے علیحدگی: مولانا مودودیؒ سے پہلی ملاقات لاہور کے ایک سفر میں ہو چکی تھی۔ ان کے مضامین سے واقفیت اور مطالعہ کا سلسلہ ۳۵-۱۹۳۴ء سے جاری تھا۔ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں:

''میرے مولانا کی تحریروں اور جماعت کے لٹریچر سے تأثر اور وابستگی کی بنیاد مولانا کے وہ فاضلانہ تنقیدی مضامین تھے جو انہوں نے مغربی تہذیب اور اس کے فلسفۂ حیات اور موجودہ مادی نقطۂ نظر کے خلاف لکھے تھے۔''

۱۹۴۱ء کی ابتداء میں وہ لکھنؤ تشریف لائے اور دارالعلوم کے مہمان خانہ میں قیام کیا۔ اسی زمانہ میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی تحریک پر حضرت باقاعدہ رکن بنے اور حلقۂ لکھنؤ کے ذمہ دار قرار پائے۔ اس کے بعد مولانا کا ایک سفر لکھنؤ اور ہوا جس میں انہوں نے حضرت کی خواہش پر دارالعلوم میں ''نیا تعلیمی نظام'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ ۱۹۴۲ء میں حضرتؒ نے جماعت کے جلسۂ عاملہ میں شرکت کے لئے لاہور کا سفر کیا اور اسی سال فروری میں دہلی میں عاملہ کا جلسہ ہوا جس میں حضرتؒ شریک ہوئے، وہاں سے مولانا کے ساتھ ہی حضرت علیگڈھ تشریف لے گئے، اور ایک دو روز ساتھ ہی قیام رہا۔ حضرتؒ فرماتے ہیں:

''میں نے یونیورسٹی کے حلقہ میں مولانا کی مقبولیت کا اندازہ کیا جو اس وقت کے حالات اور مسلمان نوجوانوں کی ذہنی بے چینی اور روحانی پیاس کا عین تقاضا تھا۔''

تقریباً تین سال حضرت باقاعدہ جماعت سے وابستہ رہے، حضرت فرماتے ہیں کہ:

''اس عرصہ میں میرے اندر تین احساسات پیدا ہوئے جنہوں نے مجھے جماعت سے وابستگی اور انتساب پر از سر نو غور کرنے پر مجبور کیا۔

ایک یہ کہ میں دیکھتا تھا کہ مولانا کی شخصیت کے بارے میں جماعت

کے افراد میں بڑا غلو پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ وہ ان کے علاوہ کسی اور مفکر، مصنف اور داعی کے متعلق بلند خیال قائم کرنے، اس پر اعتماد کرنے اور اس کی تحریروں سے استفادہ کرنے کی صلاحیت سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان میں تنقید کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے اور علماء و دینی حلقوں کے بارے میں ان کی زبانیں بے باک ہو رہی ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان میں دین کے ذوق و عمل میں کوئی ترقی، اصلاح نفس کا کوئی نمایاں جذبہ اور تعلق مع اللہ میں ترقی کی کوئی سنجیدہ کوشش نظر نہیں آتی تھی۔

ف: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی اس تحریر سے گویا بطور کلیہ کے یہ بات معلوم ہوئی کہ موجودہ یا آئندہ کسی زمانہ میں اگر کسی دینی و اسلامی جماعت کے اندر مندرجۂ بالا باتیں پائی جائیں گی تو ہر صاحب احساس کو اس جماعت سے وابستگی اور انتساب پر از سر نو غور کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازمی ہے۔ ورنہ مداہنت ہوگی۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضری:

آپ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں ۱۹۴۲ء میں حاضر ہوئے، جس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ہمراہ شاہدرہ سے سہارنپور تشریف لے جا رہے تھے، تھانہ بھون راستہ میں پڑتا تھا، حضرتؒ نے پہلے اپنی حاضری کی اطلاع ایک مکتوب کے ذریعہ سے پہنچا دی اور مولانا الیاس صاحبؒ سے اجازت لے کر تھانہ بھون تشریف لے گئے، آگے کا حال حضرت

ہی کی زبانی اختصار سے نقل کیا جاتا ہے۔فرماتے ہیں:

’’میں خانقاہ میں داخل ہوا، گرمی اور دوپہر کی وجہ سے سناٹا تھا۔ایک طرف سامان رکھ کر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد ظہر کی اذان ہوئی، مولانا تشریف لائے، میں نے اس وقت اپنا تعارف مناسب نہیں سمجھا۔ظہر کی نماز کے بعد مجلس شروع ہوئی، میں بھی حاضر ہوا اور کنارے بیٹھ گیا۔داخل ہوتے ہی اس ڈیسک پر نظر پڑی جو مولانا کے سامنے تھی اس پر’’سیرت احمد شہیدؒ‘‘ بھی رکھی ہوئی تھی، اس سے اجنبیت کے احساس میں بہت کمی ہوئی۔مولانا خطوط کے جوابات دینے میں مصروف تھے۔چند منٹ کے بعد خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ سے فرمایا کہ ڈاکٹر عبد العلی صاحب کے بھائی آنے والے تھے،آئے نہیں؟ میں آگے بڑھا اور عرض کیا کہ حاضر ہوں! فرمایا: آپ نے بتایا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کے حرج کے خیال سے عرض نہیں کیا۔فرمایا:اس سے بڑھ کر کیا حرج ہوتا کہ مجھے آپ کی آمد کا علم نہ ہوتا،خجالت ہوتی ،ندامت ہوتی ،افسوس ہوتا۔مکرر کئی لفظ فرمائے، خلاف معمول اپنا مہمان بنایا اور دونوں وقت پر تکلف کھانے کا اہتمام فرمایا۔فرمایا کہ میں نے آپ کی وجہ سے خطوط کا بہت سا کام پہلے کر لیا تھا،تاکہ اطمینان سے باتیں کرنے کا موقع ملے۔یہ حضرتؒ کی طرف سے انتہائی اعزاز تھا۔(انتہی)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں حاضری: سب سے پہلے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں حاضری ۱۹۴۰ء میں ہوئی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے پہلی ہی ملاقات میں خصوصی توجہ

والتفات فرمایا، جس سے مولانا علی میاں بہت متأثر ہوئے، اس کے بعد کے حالات و واقعات کےعلم کے لئے اصل کتاب ''سوانح مفکر اسلام'' یا اس کی اصل ''کاروان زندگی'' کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت پر خصوصی شفقت وتوجہ: اس پورے عرصہ میں مولانا کی توجہ بڑھتی رہی، خطوط میں اس طرح خطاب فرماتے کہ اس سے صرف شفقت ومحبت ہی نہیں بلکہ عظمت وعقیدت کا بھی اظہار ہوتا تھا۔ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب کا گرامی نامہ کنول قلب کے کھلنے کا سبب ہوا۔''

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب کی تشریف آوری کا مژدہ روئیں روئیں کوتر وتازہ کررہا ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں آپ کی ذات گرامی سے دارین میں منتفع فرمائیں۔''

ایک خط میں ''سیدی وسید عالم'' سے خطاب فرمایا۔

حضرت کا بھی حال یہ تھا کہ ہر مہینہ نظام الدین تشریف لے جاتے، اہم دوروں اور اجتماعات میں شرکت فرماتے۔ ڈاکٹر صاحب بھی مولاناؒ اوران کی دعوت وتحریک کے بڑے مؤیداور قدرداں تھے۔

اس پورے عرصہ میں حضرت کو بار بار ترجمانی کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا اورمولانا کا اعتماد بڑھتا رہا۔حضرت فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ لکھنؤ سے رات کو نظام الدین پہنچا۔صبح مولاناؒ نے مجھ ہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ کچھ کہئے! میں نے عرض کیا کہ میں خالی الذہن ہوں، فرمایا کہ آپ کہنا تو شروع کیجئے۔میں نے

کہنا شروع کی تو اندازہ ہوا کہ مولانا متوجہ ہیں اور مضامین کا ورود ہو رہا ہے، اسی اعتماد اور تجربہ کی بناء پر میں نے مولانا کے گرامی ناموں اور ارشادات کو سامنے رکھ کر جو میرے نام آئے تھے ایک رسالہ ''ایک اہم دینی دعوت'' کے نام سے مرتب کیا۔ مولاناؒ نے اس کو من اولہ الیٰ آخرہ لفظاً سنا۔ چند جگہ خفیف سی لفظی ترمیمیں کیں۔ سننے کے بعد بہت سی دعائیں دیں۔

اسی مناسبت و اعتماد کی بناء پر حضرت زیادہ سے زیادہ میرا قرب اور مجالس میں میری شرکت پسند فرماتے تھے، ایک مرتبہ شہر کے کسی گشت یا قرب وجوار کے کسی نظام میں ذمہ داروں نے مجھے بھی بھیج دیا۔ مولاناؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ''ایک آدمی میری باتیں سمجھنے والا تھا، تم نے اس کو بھی بھیج دیا۔ اب میں کس سے بات کروں؟

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اصلاح کے باب میں سب کو ایک ہی لکڑی سے نہیں ہانکتے تھے اور ہر شخص سے ہر کام نہیں لیتے تھے۔ بلکہ ہر شخص کی صلاحیت دیکھ کر اس کی صلاحیت کے مطابق کام سپرد فرماتے تھے، تاکہ وہ کام باحسن وجوہ انجام پا سکے۔ اور یہ مرشد کے کمالات میں سے ہے کہ صلاحیتوں کو معلوم کر کے اس کے مطابق کام سپرد کرے تاکہ کام صحیح طور پر انجام پائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین! (مرتب)

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی طرف سے اجازت وخلافت:

حضرت مولانا نے پہلے حضرت لاہوریؒ کے شیخ حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی تھی؛ لیکن تربیت وسلوک کا تعلق حضرت مولانا احمد علی

لاہوریؒ سے ہی رہا۔ اس لئے آپ سے روحانی تعلق میں ترقی ہوتی رہی، چنانچہ ۱۹۴۶ء میں حضرت لاہوریؒ نے حج کا سفر کیا۔ واپسی پر حضرت نے اپنے شیخ کو تہنیت کا خط لکھا، اس کے جواب میں حضرت مولانا لاہوریؒ نے حضرتؒ کو لاہور بلایا۔ اور ایک روز تنہائی میں اپنے سلسلہ قادریہ میں اجازت مرحمت فرمائی۔ فھنیئاً لھم.

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ سے خلافت: حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری سے ربط و تعلق میں مزید استحکام پیدا ہوا اور حضرت رائپوریؒ کی شفقت و توجہ بڑھنے لگی۔ حضرت مولانا علی میاںؒ فرماتے ہیں کہ:

''رائے پور جاکر یہ محسوس ہوتا تھا کہ مادیت و عقلیت کے بحر ظلمات میں جو چاروں طرف پھیلا ہوا ہے، یہی ایک جزیرہ ہے جہاں ذکر و فکر کے علاوہ کوئی موضوع گفتگو اور مشغلۂ زندگی نہیں اور جہاں پتہ پتہ سے اللہ اللہ کی آواز آتی ہے۔''

۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوگیا تو حضرت مولانا علی میاںؒ کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں بار بار حاضری دینا مشکل ہوگیا۔ حضرت لاہوریؒ نے (جو خود بھی حضرت رائے پوریؒ کے بڑے قدر شناس اور عقیدتمند تھے) حضرتؒ کو ان کی خدمت میں جانے اور استفادہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح حضرت کا تعلق بڑھتا گیا اور حضرت رائے پوریؒ کی شفقت و عنایت اور محبت بھی بڑھتی گئی، اور اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت رائے پوریؒ کو حضرت کی آمد کا علم ہوتا تو انتظار شروع ہوجاتا، اگر حاضری میں تاخیر ہوتی تو ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرماتے، اور قیام کے دوران بڑی خصوصیت کا معاملہ فرماتے۔

حضرتؒ سے اسی تعلق ومحبت کا اثر تھا کہ لکھنؤ کو سات مرتبہ حضرت رائے پوریؒ کی تشریف آوری کا شرف حاصل ہوا۔ دو مرتبہ حضرتؒ کے وطن رائے بریلی بھی تشریف لائے، اور دوسرے سفر میں جو ۱۹۴۷ء میں ہوا تھا، ایک روز مسجد سے نکلتے ہوئے حضرت کو چاروں سلسلوں خاص طور سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ میں اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

قفل کعبہ کھولنے کا شرف: ۱۶، ۱۷، ۱۸ ؍ دسمبر ۱۹۹۶ء کو رابطہ عالم اسلامی کی ایک ذیلی کمیٹی المجلس الاعلیٰ العالمی للمساجد میں شرکت کے لئے حضرت مولانا تشریف لے گئے تھے۔ ۱۸ ؍ دسمبر کو جو اجلاس کا آخری دن تھا؛ اراکین کو بیت اللہ شریف میں داخلہ کی دعوت دی گئی اور اس کے لئے فجر بعد ساڑھے چھ بجے کا وقت طے ہوا، یہ وقت حضرت کے انتہائی ضعف و ناطاقتی کا ہوتا تھا اور عرصہ سے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ قیامگاہ پر ہی ادا فرماتے تھے، اس لئے ابتداء میں حضرت کو کچھ تأمل ہوا کہ اس شدید ضعف کے ساتھ آداب کا خیال کرتے ہوئے اتنے مجمع میں زینے چڑھ کر اوپر جانا سخت دشوار تھا، اور حضرتؒ یہ شرف بار بار حاصل فرما چکے تھے؛ لیکن اچانک حضرتؒ نے ارادہ فرمالیا کہ یہ شرف اب اس کے بعد حاصل ہو یا نہ ہو۔ **و ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء.**

چنانچہ ۱۸ ؍ دسمبر ۱۹۹۶ء کو فجر اول وقت ادا فرمائی، مختصر ناشتہ کر کے دوائیں استعمال فرمالیں، اور فارغ ہو کر وقت پر حرم شریف حاضر ہو گئے، وہاں خاصا مجمع تھا اس لئے بجائے مطاف میں داخل ہونے کے حضرتؒ مسجد شریف کے دالان میں ٹھہر گئے، کچھ ہی دیر کے بعد کوئی صاحب آئے اور انہوں نے حضرت سے چلنے کی

درخواست کی ،شدید ضعف اور پیروں کی تکلیف کی وجہ سے حضرت ’’وہیل چیئر‘‘ پر بیت اللہ شریف کے بالکل قریب پہنچ گئے ،حکومتی سطح پر وہاں باقاعدہ انتظام تھا۔ باب بیت اللہ پر زینہ لگا دیا گیا تھا۔شاہ سعود کے پوتے امیر مشعل بن محمد بن سعود نے حضرت کو سہارا دے کر اوپر چڑھایا۔دروازہ اس وقت بند تھا۔حضرتؒ بیت اللہ کے دروازے کا کڑا پکڑ کر اس کے سہارے کھڑے ہو گئے ، نیچے طواف کرنے والوں کا ایک سمندر تھا، رب البیت کے در پر کڑے کا سہارا لئے ہوئے اپنے وقت کا امام کھڑا تھا۔وہ عجیب رقت انگیز منظر تھا۔حضرت پر بھی ایک کیفیت طاری تھی ۔ چند ہی لمحوں میں کلید بردار کعبہ جناب شیبی صاحب تشریف لائے اور انہوں نے کلید دروازے کے اندر لگا دی اور حضرتؒ سے درخواست کی کہ وہ اپنے دست مبارک سے دروازہ کھولیں اور اندر داخل ہوں ۔حضرت نے چابی گھمائی ،اپنے ہاتھ سے دروازہ کھولا۔اندر تشریف لے جا کر سیدھے رکن یمانی کے کونے پر کھڑے ہو کر دوگانہ ادا فرمایا۔فراغت کے بعد امیر مشعل نے دعا کی درخواست کی، حضرتؒ نے پوری ملت اسلامیہ کے لئے اور خاص طور پر حرمین شریفین کے تحفظ کے لئے دعا فرمائی اور وہاں موجود مختلف ملکوں کے علماء وعمائدین نے آمین کہی۔

یہ ایک ایسا نادر المثال واقعہ تھا کہ شاید ہی زمانہ قریب میں اس کی کوئی نظیر ہو۔اللہ تعالیٰ کا حضرت پر یہ انعام حضرت کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ کی شکل میں سامنے آیا۔ بیت اللہ سے نکل کر کچھ دیر کے لئے مطاف میں تشریف فرما ہوئے ۔مختلف علماء واہل تعلق نے مبارکباد دی۔حضرتؒ سراپا تواضع وانکسار تھے اور اس مقام پر تھے جہاں پر مدح وذم یکساں ہو جاتے ہیں۔

دلی خواہش تھی کہ ترکی کے کسی خلیفہ کے تذکرہ سے اقوال سلف کے صفحات کو مزین کروں مگر مواد نہ مل سکا اس لئے معذوری رہی، مگر آج اتفاق سے ''جامعۃ العارفات'' وصی آباد الہ آباد کے کتبخانہ میں ایک رسالہ (جس میں عزیزم مولوی محمد عبید اللہ ندوی سلمہ کی دستخط ہے) مسمیٰ بہ ''ترکی کی مجاہد ملت اسلامی'' کے مطالعہ کا زرین موقع نصیب ہوا، جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے بیان کردہ مضمون کے اہم اقتباسات کو یہ حقیر درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

ترکی میں حضرت مفکر اسلامؒ کا ایمان افروز وعظ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔

میرے دینی بھائیو اور دوستو!

میرے لئے بڑی مسرت اور عزت کی بات ہے کہ میں فاتحین اور شہداء کے شہر میں ہوں، حرمین شریفین کی زیارت کے بعد میری سب سے بڑی آرزو شام و ترکی کو دیکھنے کی تھی، اللہ تعالیٰ نے کئی بار مجھے اس کا موقعہ عطا فرمایا، اس ملک کے لئے سب سے بڑے شرف کی بات یہ ہے کہ اسے میزبانِ رسولؐ (اور عصر حاضر کے عظیم سیرت نگارِ نبوی علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں ''میزبانِ عالم کے میزبان) سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی آرام گاہ ہونے کا فخر حاصل ہے، یہ میزبانی اتنا بڑا اشرف تھا کہ یہی تنہا ان کی عزت وجلالتِ شان کے لئے کافی ہوسکتا تھا، اس کے بعد صرف فرائض وواجبات کی ادائیگی کافی ہوتی، لیکن آپ کی ہمت بلند نے (جو صحبتِ نبوی اور قرب خاص کا ثمرہ تھا) اس پر قناعت نہیں کی، آپ عہد نبویؐ کے تقریباً تمام اہم غزوات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کی اہم برّی

اور بعض بحری جنگوں میں شریک ہوئے، اور یہ روح جہاد مرتے دم تک باقی رہی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے مہم بھیجی گئی، تو آپ اس مہم میں شریک ہوئے، اس وقت آپ کی عمر شریف پچھتر سال کے قریب تھی، اس وقت قسطنطنیہ کے فتح کی نوبت نہیں آئی، آپ اسی حالت حصار میں بیمار ہوئے۔ مسلمانوں کے لشکر کی فرودگاہ میں جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو امیر جیش (یزید) عیادت کے لئے آئے۔ اور آپ سے دریافت کیا کہ ''ماحاجتک؟'' (آپ کی کیا خواہش ہے) آپ نے جواب میں فرمایا:

''حاجتی اذا انا متُّ فارکب ثم اسع فی ارض العدو و ماوجدت مساعا فادفنی ثم ارجع'' میرے دل کا تقاضا اور خواہش یہ ہے کہ جب میرا انتقال ہوجائے تو مجھے گھوڑے پر سوار کر کے لے جایا جائے اور دشمن کی سرزمین میں جتنی دور لے جایا جاسکے لے جایا جائے، پھر اگر اس کے آگے جانے کا موقعہ نہ ہوتو مجھے وہیں دفن کردیا جائے اور آجایا جائے۔

چنانچہ آپ کو موجودہ شہر قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے دفن کردیا گیا۔ نوراللہ مرقدہ۔

یہ بات پورے ملک کی آبادی کے لئے عزت وافتخار کی بات ہے کہ اس کو میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، لیکن اسی کے ساتھ بڑی ذمہ داری اور امتحان کی بھی، کہ جس شہر کے دروازہ پر میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہو اس شہر کے اندر کفر والحاد اور فسق وفجور کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ:

محمد فاتح اپنے خیمہ میں آیا فوج کے سپہ سالاروں اور لشکر کو جمع کیا اور ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر قسطنطنیہ کی فتح نے ہمارے ہاتھوں تکمیل پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوگی، آپ کے ایک معجزہ کا ظہور ہوگا، اور ہمارے حصہ میں یہ عزت وشرف آئے گا۔ ہمارے فرزندوں (اہل لشکر) کو فرداً فرداً یہ سنادیجئے اور تاکید کیجئے کہ شریعت غرّاء کی تعلیمات کو ہر شخص مدنظر رکھے، اور کوئی کارروائی اس کے خلاف نہ ہو، گرجوں اور عبادت گاہوں کے ساتھ کوئی اہانت آمیز سلوک نہ ہو، پادریوں، کمزوروں اور معذور لوگوں سے جو جنگ نہیں کررہے ہیں، تعرض نہ کیا جائے۔

ف: سبحان اللہ! حدود شریعت کا اس حال میں بھی کس قدر لحاظ تھا جو آج کل عنقاء ہے۔ (مرتب)

محمد فاتح جب قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخل ہوا اور اس نے وہاں کے تاریخی اور مقدس مرکز طوپ قابوسی پر ترکی جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اتر آیا، زمین پر سر رکھ کر سجدۂ شکرانہ ادا کیا، اور اپنے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی۔

حضرات!

مجھے بڑی خوشی ہے کہ ابھی ترکی میں محمد فاتح کا نام زندہ ہے اور شاید کسی ترکی سلطان اور ترک شخصیت کا وہ احترام اور اس سے وہ محبت نہیں جو سلطان محمد فاتح سے ہے، میں نے جب بچوں کا نام پوچھا تو اکثر بچے ''محمد فاتح'' سننے

میں آیا، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس نام کو زندہ رکھیں، اور اپنے بچوں کا نام تیمناً وتبرکاً محمد فاتح رکھا کریں۔ شاید کسی سعید بچہ اور نو جوان کے دل میں وہ جذبہ پھر انگڑائی لے اور فوجی وسیاسی حیثیت سے نہ سہی، دینی ودعوتی اور فکری واصلاحی راستہ سے پھر وہ اس ملک کا محمد فاتح ثابت ہو، ایک فرانسیسی مؤرخ جبیبہ نے سلطان محمد فاتح کے دوسو سال بعد اس کی حکومت کی تاریخ پر کتاب لکھی ہے، اس میں لکھا ہے کہ ''دنیا کی تمام مسیحی اقوام کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہئے کہ دوبارہ روئے زمین پر سلطان محمد فاتح جیسا حکمراں اور فاتح نہ پیدا ہو'' محمد الفاتح کتاب کے مصنف ڈاکٹر سالم الرشیدی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس کے مقابلہ میں ہر مسلمان کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دوبارہ سلطان محمد فاتح جیسا طاقتور اور عبقری شخص نصیب فرمائے۔

اس کے بعد مفکر اسلام حضرت ابوالحسن علی میاں ندویؒ کچھ ضروری اور بصیرت افروز مضمون کے بیان کے بعد یوں ارشاد فرماتے ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ اس ملک وملت کو اسلام سے وابستہ اور پیوستہ رکھنے کی ترکیب کیا ہے؟ اس کے لئے دعوت کے میدان کے تجربہ، قرآن کے تدبر اور تاریخ کے وسیع وعمیق مطالعہ کی بنا پر تین باتیں عرض کرتا ہوں، ان کو غور سے سنئے۔

۱: ترکی کے مسلم عوام میں ایمان وعقیدہ کی طاقت کو طاقت پہونچایئے (جس کی چنگاریاں اس کے خاکستر میں بہرحال موجود ہیں) ان کے دینی شعور کو بیدار اور متحرک بنانے کی ضرورت ہے، ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لئے گرم جوشی، ایک ایسی بلند اور مستحکم فصیل اور اسلام کا آہنی حصار ہے

جس کی بدولت بہت سی مسلم (یا مدعی اسلام) قیادتوں اور حکومتوں کو کھل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو کفر والحاد کے آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہوسکتی، خدانخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا اور مسلم عوام کا رشتہ اور ان کی روحانی اور جذباتی وابستگی اسلام سے ختم ہوگئی، تو پھر ان ملکوں میں اسلام کے بقا اور تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں، اور ان ملکوں کو اسپین اور روسی ترکستان بنا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، یہ وہ خام مال ہے، جس سے بہترین انسانی مصنوعات تیار کی جاسکتی ہیں، اور مردم سازی اور آدم گری کا کام لیا جاسکتا ہے، صدہا خامیوں اور قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود یہ وہ انسانی مجموعہ ہے جس پر پیغمبرانہ توجہات اور اہل قلوب اور اہل خلوص کی محنتیں صرف ہوئی ہیں، اور وہ آج بھی اپنے خلوص قلب، اپنی محبت، گرم جوشی اور ایثار وقربانی کے جذبہ اور صلاحیت میں دوسری انسانی جماعتوں اور مذہبی قوموں سے فائق وممتاز ہے۔ ماشاءاللہ۔

اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ ان عوام کی زندگی میں اسلام پورے طور پر کارفرما اور حکمراں ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''**يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ**''۔ مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں سو فیصد مسلمان ہونا چاہئے، دس فیصدی اور بیس فیصدی اسلام پر عمل کرنے سے کام نہیں چلے گا، یہ نسبت تعلیم میں، ملازمتوں میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں چل سکتی ہے،

عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنا، فرائض وعبادات کا پابند ہونا اور بعض اسلامی شعائر وعلامتوں کا حامل ہونا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ معاشرت بھی اسلامی ہو، تمدن بھی اسلامی ہو، عائلی قانون میں بھی شریعت کے احکام پر عمل ہو، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کئے جائیں، پھر اس کے ساتھ دین کی محبت کے ساتھ دین کی حمیت بھی ہونی چاہئے۔

ایمان عوام کا بڑا محافظ اور فصیل ہے، یہ وہ قلعہ ہے جو آسانی سے فتح نہیں ہوسکتا، اس لئے پہلا کام یہ ہے کہ پوری قوم کو پوری طرح مسلمان بنانے کی کوشش کیجئے، اس کے لئے دعوت عام کا راستہ اختیار کیجئے، نقل وحرکت، خطابت ودعوت، اور سفروں کی صعوبت برداشت کیجئے، اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے عمل سے سبق لیجئے کہ انھوں نے (جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہونے اور ہمہ وقت صحبت اور عبادات جلیلہ کے ساتھ (جن کی اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی) اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی اشاعت کے لئے بڑی عمر میں بھی باہر نکلنا ضروری سمجھا، اور مدینہ سے چل کر (جس میں ہر مسلمان کو مرنے اور اس کی خاک پاک میں جگہ پانے کی آرزو ہوتی ہے) بحر وبر طے کر کے قسطنطنیہ جیسے دور دراز مقام پر تشریف لائے، اور اس کو اپنا آخری مرقد بنایا۔

۲: دوسرا کام یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی کوشش کیجئے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی آئندہ نسل صرف ترکی زبان جانے، صرف سرکاری اسکولوں میں اس نے تعلیم پائی ہو، دین کے بارے میں اس کی کچھ معلومات نہ ہوں، اگر آپ سب کے سب ولی اللہ اور تہجد گذار بن جائیں (اور اللہ کرے ایسا

کردے) لیکن اگر آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم سے غفلت برتی تو خطرہ موجود ہے، آپ کے بعد مسجدوں کو کون آباد کرے گا، اسلامیت کا یہ تسلسل جو آپ کو منجانب اللہ اور حقانی داعیوں اور مبلغوں ، علمائے ربانیین اور مخلص وسرفروش مجاہدین اور فاتحین کے ذریعہ حاصل ہوا، کیسے قائم رہے گا؟ آپ دیکھئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جو خود انبیاء کی تیسری پشت میں تھے، ان کے والد ماجد حضرت اسحاق علیہ السلام پیغمبر، ان کے عم نامدار حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبر اور ان کے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام عالی مرتبت پیغمبر اور ابوالانبیاء تھے، ان کے گھر میں سوائے توحید خالص اور عبادت الٰہی کے اور کسی چیز کی فضا اور ہوا نہ تھی، شرک اور بت پرستی کا سایہ بھی اس گھر پر ایک صدی سے نہ پڑا ہوگا، لیکن بقول شاعر ع عشق است و ہزار بدگمانی

انھوں نے اس کو کافی نہیں سمجھا، اپنے فرزندوں، نواسوں اور پوتوں کو جمع کیا اور ان سے کہا ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ'' تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے۔ گویا زبان حال سے کہا، میرے پیارو! میری پیٹھ قبر سے نہ لگے گی، جب تک میں یہاں سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں کہ تم میرے بعد کس کی بندگی کروگے؟

مجھے یقین ہے کہ ان کے ان سب فرزندوں اور فرزندوں کے فرزندوں نے یہی کہا ہوگا کہ والد صاحب! دادا جان! نانا جان! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ آپ نے ہمیں تعلیم کیا دی؟ اور ہم نے ساری عمر کیا دیکھا اور کیا کیا؟ ''**نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ**'' ہم آپ کے معبود، آپ کے چچا و والد اسماعیل و اسحاق علیہما السلام

اورآپ کے داداجان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی پرستش کریں گے، جواکیلا پرستش کے قابل ہے، اورہم اس کے آگے سر جھکانے والے اورفرماں بردارہوں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولادکواس نازک وقت میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو عام طور پر بزرگ خاندان اپنے وارثوں سے سکراتِ موت کے ایسے نازک وقت میں کہا کرتے ہیں، نہ اتحادواتفاق کی بات، نہ کسی دفینہ اورخزانہ کی، نہ قرض ومطالبات کے بارے میں ہدایت، نہ شریفانہ زندگی گذارنے کی تلقین،بس ایک بات ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ ''انھیں صرف ایک بات کی فکرتھی کہ ان کے بعدان کی اولادایمان اوردین صحیح پر قائم رہے، اورخدائے واحد کی بندگی کرے،اورانھیں اس وقت تک اطمینان نہیں ہوا جب تک کہ انھوں نے اپنی اولادسے اس پر قائم رہنے کا اقرار نہیں کروالیا، ہرملک کی موجودہ مسلمان نسل کے لئے یہی اسوۂ نبوی،سنت انبیاء علیہم السلام اوردین وایمان کا تقاضہ ہے۔

۳: تیسری بات جومجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا دین پر عمل کرنا مبارک، یہ نقل وحرکت، دعوت وتبلیغ مبارک، دینی مدارس میں فقہ وحدیث، اورعربی کی تعلیم پانا، اورقرآن مجید کا حفظ وتجوید مبارک، اور اپنے بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کی فکرکرنا بھی مبارک، لیکن ایک بات اور ہے جو کچھ کم اہم نہیں، اس بات کواچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جوطبقہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پارہاہے، (اور وہی تعداد میں زیادہ اوراثرورسوخ میں بڑھا ہوا ہے)اور جونوجوان یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے واپس آرہے ہیں ن، یہی طبقہ ہرملک میں ملک پرحاوی اور

با اثر ہوتا ہے، وہی قیادت کرتا ہے، وہی پلاننگ (منصوبہ بندی) کرتا ہے، وہی ملک کا رخ متعین کرتا ہے، اسی کا طرز زندگی ملک کا عوامی فیشن بنتا ہے، ملک کا نظام تعلیم اور ذرائع ابلاغ اسی کے قبضہ میں ہوتے ہیں، وہی خوب کو ناخوب اور ''ناخوب'' کو خوب بنا دیتا ہے، اور آخر میں ملک کے نظم ونسق پر حاوی ہوکر آئین سازی اور تقنین (LEGISLATION) کے منصب پر فائز ہوکر وہ جس چیز کو چاہتا ہے اس کی اجازت دیتا ہے، اس طرح پوری قوم اور اس کی معاشرت وتمدن، اس کی نسل کا مستقبل، یہاں تک کہ (اللہ محفوظ رکھے) دینی فرائض کی ادائیگی، شعائر اسلامی اور مدارس ومساجد اور اس کا عائلی قانون اس کے رحم وکرم پر رہ جاتا ہے، یہ بہت سے آزاد مسلم ممالک کا تجربہ ہے جن کی اکثریت مسلمان ہے، بلکہ وہ ملک تقریباً کلیۃً پشتینی مسلمان ہے، اور کبھی وہ ممالک علم دین اور دعوت اسلامی کا عظیم ترین مرکز رہ چکے ہیں، اور اب بھی وہاں بڑی بڑی دینی جامعات قائم ہیں، ان کے نام لینے کی ضرورت نہیں آپ خود ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

اس لئے آخر میں عرض کرتا ہوں کہ آپ اس طبقہ کو ہرگز ہرگز نظرانداز نہ کیجئے، علمی وفکری غذا کے ذریعہ مؤثر لٹریچر اور ان کی نفسیات اور علمی درجہ کے مطابق اسلام کی تفہیم اور اس کی ضرورت وعظمت کو ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے، اور ان کے دلوں اور دماغوں کو ایمانی وشعوری طریقہ پر اسلام کی ابدیت، اس کی تعلیمات کی صداقت اور اس کے ہر زمانہ میں قیادت کی صلاحیت پر مطمئن کیجئے۔ یاد رکھئے یہ زمانہ نظریات وافکار اور بین الاقوامی تعلقات کا زمانہ ہے، اس لئے علمی وفکری سطح پر کام کرنے اور جدید طبقہ کو (جو برسر قیادت ہونے کو ہے) اس بات پر

مطمئن اوراس کا قائل کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ہی دنیا کا نجات دہندہ اور اسلام ہی صحیح زندگی گذارنے کا واحد راستہ ہے، ورنہ یہ دنیا خدافراموشی کے راستہ پر چل کرخودفراموشی اور بالآخرخودکشی کی منزل کی طرف جارہی ہے۔

''وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰئھُمْ اَنْفُسَھُمْ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ'' اوران لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کردیا کہ خوداپنے تئیں بھول گئے، یہ بدکردارلوگ ہیں۔

انتباہ: مفکراسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کا یہ بیان ترکی ہی کونہیں بلکہ جملہ ممالک اسلامیہ کوپیش نظر رکھنالازمی وضروری ہے۔واللہ الموفق (قمرالزمان)

گذارش: مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے مضمون کو پڑھنے کے بعد دوباتیں ذہن میں آئیں جس کونقل کردینا انشاءاللہ موضوع کے خلاف نہ ہوگا۔

واقعہ یہ کہ یہ حقیر پہلی بار ۱۹۷۸ء مطابق ۱۳۹۷ھ میں حج کے لئے گیا تھا تو عزیزم مولوی سعیداحمدسلمہ جووہاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیرتعلیم تھےاوران کا آخری سال تھاان کی وجہ سے حج کے بعدفوراًہوائی جہاز سے مدینہ منورہ پہنچ گیااور تقریباًدوماہ مدینہ منورہ میں قیام رہا۔عصر بعدعموماًحضرت شیخ الحدیث مولانا محمدزکریا صاحبؒ کی خاص مجلس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔فللہ الحمدوالمنہ

اورفجر بعدعموماًجامعہ اسلامیہ کے کسی بڑے استاد کا بیان ہوتا تھااس میں اس حقیر کوبھی نشست کا موقع نصیب ہوتا تھا۔چنانچہ ایک دن نمازفجر کے بعدکی مجلس میں جامعہ کے اہم استادکی تقریر میں شریک رہا۔بہت ہی موثرومفید باتیں بیان فرمائیں۔

ایک بات خاص طور سے یہ بیان فرمائی کہ اگر میں آپ لوگوں سے دریافت کروں کہ آپ لوگ کون ہیں؟ تو آپ سب کے سب یہ کہیں گے "نحن عربیون و سعودیون" مگر میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ یہ نہیں بلکہ یہ کہیں "نحن انکلیزیون و امریکیون" اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ لوگ جب خوشی کی کوئی بات ہوتی ہے تو تالیاں بجاتے ہیں۔ جب کہ حدیث پاک کی رو سے "اللہ اکبر" کی صدا گونجنی چاہئے۔ کیونکہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریقہ ہے اس کو اختیار کرنا امت کے لئے لازم ہے۔ مگر افسوس کہ انگریز چلے گئے مگر انگریزیت چھوڑ گئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں سیاسی جلسہ میں شرکت نہ کرتا تھا مگر ایک مرتبہ کسی سیاسی جلسہ میں شریک ہوا تو اس کے ختم پر بھی تالیاں بجنے لگیں۔ میں نے دریافت کیا کہ آخر یہ کیا ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ مجلس کے اختتام پر انگریزوں کا یہ دستور ہے کہ تالیاں بجاتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ جلسہ کیوں ہو رہا ہے تو کہا کہ انگریزوں کی مخالفت میں۔ تو میں نے کہا خوب جس کی مخالفت میں جلسہ ہو رہا تھا اس میں بھی انھیں کے رسم کی تقلید ہو رہی ہے۔ توبہ توبہ۔

پھر اس کے بعد کبھی ایسے جلسہ میں شریک نہ ہوا۔

ایسے ہی موقع پر اکبر حسین جج کا یہ شعر ہے ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے بیٹے سے دوا لیتے ہیں

اب ہم خود سوچیں کہ اگر ہم لوگ سنت نبویہ و طریقۂ اسلامیہ کو نہ بجا لائیں

گے تو کون لوگ ہیں جو اس کی حفاظت کریں۔العیاذ باللہ تعالیٰ (قمر الزمان)

چند ملفوظات جو حضرت مولاناؒ سے خود سنے اور ذہن نشین ہیں، ان کو درج کرتا ہوں:

ملفوظات شنیدہ: ۱- فرمایا: اس زمانہ میں جوانوں کا اسلام پر اعتماد قائم رہ جائے یہی بڑی بات ہے۔

ف: یہ آپ کے زمانہ کے حالات سے واقفیت اور علم نفسیات میں مہارت کی علامت ہے۔

۲- فرمایا: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ اصول سے کام کرتے تھے اس لئے کام ہوا، پہلے اس کی اہمیت ذہن میں نہ آتی تھی، مگر اب اپنے اوپر ذمہ داری آئی تو اس کی قدر ہوتی ہے کہ بغیر اصول کی پابندی کے آدمی کچھ کام نہیں کرسکتا۔

۳-کسی خاص موقع پر حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ خلیفۂ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ذکر خیر آیا تو ارشاد فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زمانہ میں جتنے باصلاحیت لوگ تھے ان سب کو اللہ رب العزت نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں پہنچادیا تھا۔

ف: یقیناً حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا یہ فرمانا نہایت ہی عدل و انصاف پر دال ہے؛ بلکہ ایک لحاظ سے اس دور عصبیت میں غایت خلوص وللّٰہیت پر دال ہے۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء و کثر اللہ امثالھم

۴- ایک مرتبہ مجیدیہ اسلامیہ کالج الہ آباد کے کسی خاص موقع پر اثناء وعظ

میں یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شیخ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ ان کے سامنے ہی دو مرید لڑ گئے۔تو کسی نے ان شیخ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ کے یہ دونوں مرید آپ کے سامنے ہی لڑ پڑے جو انتہائی بے ادبی کی بات ہے۔ تو آپ نے اپنے گھٹنوں کی طرف اشارہ فرمایا یہ بات سائل نہ سمجھ سکا تو اس کی تصریح فرمائی، بات یہ ہے کہ میرے گھٹنوں میں تکلیف ہے اس لئے اپنے وظائف کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہے، اس کی نحوست ہے کہ یہ لوگ میرے سامنے لڑ رہے ہیں۔اس کو بیان کر کے مولاناؒ نے فرمایا کہ مسلمان چونکہ اپنے ضروری وظائف کی ادائیگی سے غفلت برت رہے ہیں، اس لئے سارے عالم میں فساد ہی فساد برپا ہے، لہٰذا آج اگر مسلمان اپنے دین پر عمل کریں تو دوسری قوموں پر بھی اچھا اثر پڑے۔

ف: ماشاءاللہ مندرجہ بالا واقعہ کو بیان فرما کر مولاناؒ نے کتنی اہم حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی جو مولاناؒ کی خصوصی و امتیازی شان تھی۔(مرتب)

۵- الہ آباد کے محلہ بخشی بازار منصور پارک میں واقع کسی جلسہ میں تشریف لائے تھے تو فرمایا کہ: میں جب کسی شہر میں داخل ہوتا ہوں تو آنکھ بند کر کے نہیں داخل ہوتا، بلکہ آنکھ کھول کر دیکھتا ہوا آتا ہوں، چنانچہ میں نے دوکانوں کے سائن بورڈ اردو میں لکھے ہوئے بہت کم دیکھے جس سے مجھے افسوس ہوا کہ الہ آباد کو اردو سے اتنا بھی تعلق نہیں کہ اردو زبان میں اپنا سائن بورڈ لکھائیں۔

ف: بالکل صحیح ارشاد فرمایا۔ یہاں الہ آباد میں اس کی بہت کمی ہے جو اپنی زبان اردو سے بے حد عدم مناسبت کی علامت ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دین سے بے ربطی و بے تعلقی کی شناخت ہے۔اس لئے کہ اکثر ہماری دینی و اسلامی کتابیں اردو ہی میں

ہیں۔پس دین سے تعلق ہوتا تو لامحالہ اردو سے بھی تعلق ہوتا۔اس لئے آج دیکھ لیجئے کہ مسلمانوں کے بچے بچیاں دینی کتابیں جو اردو زبان میں ہیں ان کو پڑھ نہیں سکتیں،جس کی وجہ سے علم دین سے ناواقف اور دین سے دور ہوتی جارہی ہیں۔نیز یہ بات تو عام ہے کہ ہمارے بچے بچیاں نہ اردو میں خط لکھ سکتی ہیں اور نہ اردو میں اخبار پڑھ سکتی ہیں۔تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جو صاحب یہاں اردو کے ذمہ دار ہیں ان کے دروازے پر انگریزی میں ہی ان کا نام لکھا ہوا ہے،اردو میں نہیں،اسی طرح ان کے کسی عزیز کا شادی کارڈ انگریزی میں شائع ہوا نہ کہ اردو میں، جب مجھے موصول ہوا تو میں نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا،مگر ہم مولویوں کی ناراضگی کی بھی کسے پرواہ ہے،جس کا انجام بدسامنے آتا ہی جارہا ہے۔العیاذ باللہ تعالیٰ۔

۶- ایک مرتبہ تکیہ دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی حضرت مولانا ندویؒ کی خدمت میں پہنچا تو معاً فرمایا کہ لوگ وحدتِ مطلب کا نام لیتے ہیں،مگر اس کا مطلب نہیں سمجھتے۔

مکتوبات عالیہ(۱)

بنام ایں حقیر محمد قمر الزمان عفی عنہ

محب گرامی!زید لطفہ　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ جو ڈاک سے بھیجا تھا مجھے لکھنؤ سے چلتے ہوئے ملا

---

(۱)الحمد للہ حضرت مولاناؒ کے ساتھ اخیر حیات تک مکاتبت کا سلسلہ قائم رہا۔چنانچہ حضرت والاؒ کے مرسلہ مکتوبات کثیر تعداد میں محفوظ ہیں۔ان میں سے چند خطوط درج کئے جاتے ہیں،جن سے اس حقیر کے ساتھ حضرت مولاناؒ کی غایت درجہ محبت وشفقت کا معاملہ عیاں ہے۔(مرتب)

اور میں نے بمبئی میں پڑھا۔دستی اس سے پہلے مل گیا تھا۔آپ کی یاد الحمدللہ فراموش نہیں ہے، آپ سے جو مناسبت محسوس ہوتی ہے وہ کم دوستوں اور بزرگوں سے محسوس ہوتی ہے۔ان شاء اللہ دعاء کی سعادت حاصل ہوگی۔آپ سے بھی اس کی درخواست ہے۔

عزیز القدر مولوی سعید سلمہ کا خیال ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔جب کبھی ان کی علمی ترقی کے لئے کوئی بہتر موقع نکلے گا ان شاء اللہ خدمت کرنے سے دریغ نہیں کیا جائے گا، وہ ماشاء اللہ خود اسم با مسمیٰ ہے۔ان کو آپ ہدایت کردیجئے کہ وہ مجھ سے تکلف نہ برتے۔اور جب بھی موقع ہورائے بریلی آجایا کرے۔برائے کرم مولانا قاری مبین صاحب اور ڈاکٹر صلاح الدین صاحب سے سلام کہئے۔فقط والسلام۔

آپ کا ابوالحسن

من بمبئی ۷؍جنوری ۱۹۷۵ء م ۱۳۹۵ھ

محب گرامی منزلت زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا، میں مولوی سلطان الہدیٰ صاحب ندوی سے آپ کی خیریت دریافت کرلیتا ہوں، ایک مرتبہ پوچھا تو کہا کہ وطن گئے ہوئے ہیں، ابھی آئے نہیں، پھر انہوں نے واپسی کی اطلاع دی، اب آپ کا خیریت نامہ ملا، خوشی ہوئی۔میرے کان میں کچھ باتیں پڑی تھیں کہ آپ کو کچھ مخالفت وتنقیدوں کا نشانہ بنا پڑا ہے، یہ بات بڑوں بڑوں کے ساتھ پیش آتی ہے۔آپ ہمت اور توکل علی اللہ

سے کام لیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ مخلصین ومتوکلین کے ساتھ ہے۔ راقم ۲۲/نومبر ۱۹۹۱ء کو کرناٹک کے ایک طویل دورے پر گیا تھا۔ ۴/دسمبر ۱۹۹۱ء کو واپسی ہوئی، صحت متأثر ہے اور کام بہت۔ اس لئے اختصار سے کام لے رہا ہوں۔ مولوی سعید سلمہ کو خط لکھیں تو میرا اسلام لکھ دیں۔ مولوی محبوب کو بھی سلام کہہ دیں، ان سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

مخلص

ابوالحسن علی ندوی

۱۲/۱۴۱۲ھ دسمبر ۱۹۹۱ء

حضرت مولانا ندوی ہی ایک دوسرے مکتوب میں یوں رقم طراز ہیں:

کچھ باتیں ہمیں کان میں پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس آزمائش میں ثابت قدم رکھیں۔ توکلاً علی اللہ اپنا کام کرتے رہئے۔ نفع وضرر اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۲۸/دسمبر ۱۹۹۱ء

محب گرامی منزلت جناب مولانا قمرالزماں صاحب زادہ اللّٰہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ دستی اس وقت ملا جب سفر حیدرآباد کے لئے راقم بالکل پابرکاب تھا، وہاں کے قیام میں بھی اس کی فرصت نہیں ملی کہ آپ کے یادفرمانے کا شکریہ ادا کیا جائے۔

جن دنوں آپ غالباً لندن میں تھے ہمارا بھی وہاں ایک ہفتہ قیام رہا؛

لیکن کچھ پتہ نہیں چلا کہ آپ کا قیام کہاں ہے؟ اس لئے افسوس ہے، ہندوستان میں بھی بہت عرصہ سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا، اس کا خلا محسوس ہوتا تھا۔ ہمارا ابھی الہ آباد آنا نہیں ہوا، ورنہ ضرور ملاقات ہوتی۔ والسلام

دعا گو، ابوالحسن علی ندوی

۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ، ۷/ نومبر ۱۹۹۶ء

محب فاضل گرامی مولانا محمد قمرالزمان صاحب زادہ اللہ توفیقاً وفضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۱/ صفر پہنچ کر باعث مسرت ہوا۔ آپ کے دوروں کی خبر سے خوشی ہوتی ہے اور آپ کی ہمت وتوفیق پر رشک بھی آتا ہے۔ آپ ضرور باہر کی دعوتیں قبول کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیں۔ والسلام

دعا گو وطالب دعا ابوالحسن علی ندوی

۲۹/ جون ۱۹۹۸ء

محب مکرم وعزیز گرامی! زادہ اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ یکم رمضان آج ۶/ رمضان کو ملا۔ یادآوری سے مسرت ہوئی۔ صحت بہت کمزور چل رہی ہے، دو قدم بھی بلا سہارے چلنا مشکل ہے۔ البتہ روزے کی توفیق ہو رہی ہے۔ اللہ قبول فرمائے۔ آپ کے بھروچ میں قیام

کی خبر سے خوشی ہوئی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت نفع پہنچائے گا، آپ ہمیں بھی دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کتابوں کی تکمیل فرمائے۔

والسلام

دعا گو وطالب دعا: ابوالحسن علی ندوی

(بقلم محمود حسن حسنی)

۶ ر رمضان ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء لکھنؤ

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کا یہ آخری مکتوب گرامی ہے جو اس حقیر کے نام ارقام فرمایا۔ فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء ونور اللّٰہ مرقدہ۔)

وفات حسرت آیات: ۲۲ ر رمضان ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ ر دسمبر ۱۹۹۹ء جمعہ کا دن سخت سردی اور کہرا کا تھا۔ حسب معمول تہجد کے لئے بیدار ہوئے، نماز تہجد اور سحری سے فارغ ہو کر فجر کی سنتیں پڑھیں اور فرض باجماعت ادا کیا۔ اور آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے۔ ساڑھے آٹھ کے قریب بیدار ہوئے۔ وضو کر کے اشراق کی نماز ادا کی اور تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ نصف گھنٹہ تلاوت کی۔ اس کے بعد سورۂ یٰس کا ورد شروع فرمایا۔ حسب معمول تیرہ چودہ مرتبہ اس کی تلاوت فرمائی اور نام لے لے کر ایصال ثواب کیا، اس کے بعد فرمایا کہ جلد ہی غسل کرا دو، حجامت بنوائی اور ساڑھے گیارہ بجے غسل خانہ تشریف لے گئے، داخل ہوتے ہوتے فرمایا: آج رمضان کی کیا تاریخ ہے؟ عرض کیا گیا: بائیسواں روزہ ہے، استنجا فرما کر پہلے مسواک کے ساتھ وضو

فرمایااور بار بار فرماتے تھے کہ جلدی کرو، غسل سے فراغت کے بعد غسل خانہ میں دوسری لنگی اوراندر کی صدری پہنادی گئی۔ کہ سردی بہت سخت تھی، سہارے سے غسل خانہ کے باہر تشریف لائے۔خدام جلدی جلدی کپڑے پہنانے لگے۔جب شیروانی پہنائی جانے لگی تو فرمایا: وقت کم ہے، جلدی سے قرآن مجید دے دو، سورۂ کہف پڑھنی ہے؛ لیکن وقت کی کمی کا اندازہ کر کے خود سورہ یٰس شروع فرمادی۔سورۂ یٰس کو شروع کئے ہوئے شاید آدھا منٹ ہوا ہوگا، رومال تہہ کر کے سر پر ڈالا ہی گیا تھا کہ اچانک حضرت کا جسم مبارک پشت کی طرف ڈھلکنے لگا، خدام نے سہارا دے کر جب سیدھا کیا تو چہرہ مبارک سے صاف محسوس ہوتا تھا کہ حضرت دوسرے عالم کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔دل دھک سے ہوگیا۔افراد خاندان اور خدام سب جلدی سے پہنچ گئے۔ ہر ایک پر اضطراری کیفیت طاری تھی، آنکھوں میں اشک تھے۔عمر بھر کا تھکا مسافر منزل پر پہنچ کر میٹھی نیند سو چکا تھا۔یعنی وفات ہوچکی تھی۔ اناللہ و انا الیہ راجعون.

بالآخر طے پایا کہ جس ذات نے ساری عمر سنت وشریعت کی ترویج کی، آج آخری سفر میں اس کے خلاف کیوں ہو، جلد ہی تجہیز وتکفین کی جائے اورعشاء تک نماز جنازہ ادا کردی جائے، چنانچہ اس کے انتظامات ہوئے۔

اطراف سے اور دور دراز سے انسانوں کا سیلاب امنڈ پڑا، عشاء تک آنے والوں کی تعداد محتاط انداز کے مطابق تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہوچکی تھی۔گھر کے افراد اور مخصوص خدام نے مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ العالی کی نگرانی میں غسل دیا اور تقریباً دس بجے رات نعش مبارک کو اس کی آخری آرامگاہ تک لے

جانے کے لئے نکالا گیا۔

حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے حظیرہ میں ان کے بڑے صاحب زادے شاہ ہدایت اللہ کے پہلو میں لحد تیار کی گئی جہاں اس خانوادے کے اکابرین واعزہ مدفون ہیں، نماز کے بعد جنازہ کو لحد میں اتارا گیا، یہ آخری خدمت مولانا سید محمد رابع صاحب ومولانا محمد عبداللہ صاحب وغیرہم نے انجام دیں۔

آپ کی تدفین سے رشد و ہدایت کا وہ آفتاب غروب ہو گیا جس نے بیسویں صدی کے بڑے حصہ کو اپنی روشنی سے منور کیا تھا اور دعوت وعزیمت اور اصلاح وتجدید کا وہ باب بند ہو گیا۔ جس سے اللہ کی مخلوق نے راہ ہدایت پائی تھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔(۱)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے امت مرحومہ کو اکیسویں صدی کے لئے ایسا عالم ومعلم، صاحب نسبت اور داعی الی اللہ شخص مرحمت فرمائے۔

آمین یارب العالمین

وما ذالك على اللّٰه بعزيز

---

(۱) مولاناؒ کے انتقال کے وقت یہ حقیر دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ (گجرات) کی مسجد میں معتکف تھا، یہ جانکاہ خبر سنکر طبیعت بہت متاثر ہوئی، تراویح کے بعد رات کے عمومی بیان میں دو دن تک مسلسل حضرت کی شخصیت اور آپ کے علمی وفکری کارناموں کا تذکرہ لوگوں کے سامنے کرتا رہا جو "امت کی ایک مایۂ ناز شخصیت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ نیز آپ کے حالات وکمالات اور تعلیمات وغیرہ اپنی کتاب "نقوش وآثار مفکر اسلامؒ" میں تفصیل سے تحریر کیا ہے جس کو اہل علم نے بہت ہی پسند فرمایا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء حنفیؒ ریاض المتوفی ۱۴۲۰ھ

فضل وکمال: شیخ ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاء اس دور میں فقہ اسلامی اور اصول فقہ کے ایک اہم ستون تھے۔ موصوف کے انتقال سے نہ صرف یہ ستون گر گیا بلکہ علم کے حلقہ میں ایسا شگاف رونما ہو گیا جس کا پُر کرنے والا کوئی دور دور تک نظر نہیں آتا۔

ولادت: شیخ زرقاء کی ولادت شام کے شہر حلب میں ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں ایک علمی و دینی گھرانہ میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم شیخ احمد بن محمد زرقاء شام کے ممتاز فقہاء میں تھے۔

تعلیم: تعلیم کا آغاز ایک قرآنی مکتب میں شیخ محمد الحجاز سے کیا، پڑھنا لکھنا سیکھا، قرآن اور حساب کی تعلیم حاصل کی۔ پھر حلب ہی کے اسکول میں داخل ہو گئے، جہاں فرانسیسی زبان کے مبادی سیکھے۔ پہلی عالمی جنگ چھڑنے کے بعد اسکول بند ہو گیا، تو مدرسہ رشیدیہ پھر ثانویہ شرعیہ میں جو نیا نیا قائم ہوا تھا منتقل ہوئے، اس تعلیم کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے والد صاحب سے حلب کی جامعہ کبیر، جامعہ الخیر اور مدرسہ شعبانیہ میں فقہ وحدیث کی تعلیم کا حصول بھی جاری رکھا، یہاں آپ حاشیہ ابن عابدین (فتاویٰ شامی) شرح زیلعی اور بخاری شریف کا درس دوسرے بڑے طلبہ کے ساتھ لیتے تھے، جو آپ کے والد صاحب کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ گریجویشن میں داخلہ کے لئے آپ کو اپنی عمر میں چار برس بڑھا کر لکھوانا پڑا، اسی لئے آپ کے سرٹیفکٹس وغیرہ میں تاریخ پیدائش

۱۹۰۴ء درج ہے، جبکہ صحیح تاریخ ولادت ۱۹۰۷ء ہے۔

مرحوم شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''علامہ کبیر استاذ شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء'' ہمارے بھی استاذ ہیں۔

آپ کے والد محترم شیخ احمد زرقاءؒ کی حیات پر لکھتے ہوئے شیخ ابوغدہ یوں رقمطراز ہیں:

''مخصوص لوگوں میں سے جنہوں نے ان سے تفقہ کی دولت حاصل کی، ان کی تعداد تو سینکڑوں تک پہنچتی ہے، بعض یکتا و بے مثال فقیہ بن کے ابھرے، جن میں سے بعض اس دور کے نمایاں فقہاء میں شمار ہوتے ہیں اور ان میں سرفہرست ان کے صاحبزادہ علامہ، ادیب، ماہر، ہمارے شیخ فقیہ دوراں فاضل و کامل شیخ مصطفیٰ زرقاء صاحبِ تصنیفات عالیہ و عظیم الشان آثار علمیہ ہیں، جن کی شخصیت تعارف سے بالاتر ہے، اگر شیخ احمد زرقاء نے صرف یہ فقیہ بیٹا ہی دنیا کو دیا ہوتا تو ان کے سرمایۂ افتخار اور یادگار کے لئے کافی ہوتا، شیخ مصطفیٰ زرقاء اپنے والد کے تمام دروس میں ساتھ رہا کرتے تھے، بلکہ گھر و نشستگاہ میں بھی ہمیشہ رفاقت رہتی تھی، طلب علم و تفقہ میں جب وہ ایک اچھے مقام تک پہنچ گئے تو پیچیدہ فقہی مسائل میں وہ کمال مہارت و واقفیت کے ساتھ سوال و مناقشہ کرنے لگے۔ والد صاحب کی دلی خواہش بھی ان سے مذاکرہ و مناقشہ کی رہنے لگی۔ ہر وقت یہی کیفیت رہتی؛ یہاں تک کہ انہوں نے صاحبزادہ کو حکم دیا کہ رات میں بھی ان کے قریب سویا کریں اور ان کی والدہ سے کہا کہ وہ رات میں دوسرے کمرے میں سویا کریں؛ تاکہ جس وقت بھی ان کے ذہن میں دقیق فقہی مسائل آئیں وہ ان پر ان سے بحث و مناقشہ کرسکیں۔

اس طرح فقہ وعلم نے انہیں صیقل کیا۔'' (بحوالہ تراجم ستہ من فقہاء العالم الاسلامی ۹۴،۹۵)

شیخ مصطفیٰ زرقاء کی پیدائش حلب میں ہوئی، اپنے والد، اپنے دور کے شیوخ کے شیوخ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی اور ممتاز ہوئے، سیرین یونیورسٹی میں انہوں نے لٹریچر اور قانون پڑھا، فراغت کے بعد لاء کالج میں ۱۹۴۴ء میں سِوِل اور شرعی قوانین کے استاذ منتخب ہوئے اور ۱۹۶۶ء میں ریٹائرمنٹ کی عمر تک وہیں رہے۔ سیرین پارلیمنٹ میں دو بار آپ ممبر بھی چنے گئے، اور وزارت عدل واوقاف کے وزیر بنے۔

کارنامہ: آپ کے اہم ترین کارناموں میں متعدد عرب جامعات جیسے کلیۃ الشرعیۃ واصول الدین ازہر، کلیۃ الشرعیۃ واصول الدین جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، اور کلیۃ الشرعیۃ جامعہ دمشق کے لئے مناہج کی بنیاد کا کام ہے، آپ کی مشہور تصانیف ہیں: **الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید (المدخل الفقھی العام)، احکام الاوقاف، عقد التامین موقف الشریعۃ منہ،** اسی طرح آپ نے **المدخل فی القوانین المدنیۃ** بھی تالیف فرمائی۔ آپ کے سینکڑوں بحوث ومقالات ہیں جن میں معاصر مسائل ومشکلات سے بحث کی گئی ہے۔

۱۴۰۵ھ ۱۹۸۴ء کا شاہ فیصل [1] ایوارڈ برائے اسلامی تحقیقات آپ کو

---

[1] فیصل ایوارڈ سعودی حکومت کی جانب سے دیا جانے والا بین الاقوامی گرانقدر ایوارڈ ہے جو ہر سال مختلف علمی میدانوں میں امتیازی کارناموں کی حامل شخصیات کو دیا جاتا ہے۔ برصغیر کی متعدد شخصیات جن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اور ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی وغیرہ شامل ہیں، کو یہ ایوارڈ مل چکا ہے۔

دیا گیا، آپ کے کارناموں میں کویت کے مشروع الموسوعة الفقهية (فقہی انسائیکلوپیڈیا[1] منصوبہ) کی بنیاد بھی ہے۔ اردن یونیورسٹی میں تدریس کے ساتھ ساتھ آپ متعدد فقہی اکیڈمیوں جیسے مجمع الفقه الاسلامی جده، مجمع الفقهی الاسلامی رابطہ[2] عالم اسلامی اور المجمع الملكی لبحوث الحضارة الاسلامية اردن کے فعال رکن رہے۔

شیخ مصطفیٰ زرقاء اپنے کارناموں کے سلسلہ میں خود لکھتے ہیں:

اس مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے تالیفات کے دو سلسلے نکالنے کی توفیق ارزانی فرمائی، ایک فقہی سلسلہ تھا جس کا عمومی عنوان الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ہے۔ اس کی چار جلدیں شائع ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو قبولیت وتوسیع عطا فرمائی۔ یہ آج تک دمشق یونیورسٹی اور اردن یونیورسٹی وغیرہ میں تدریس کا مرجع ہے۔ اور ماہرین قانون اور جامعہ دمشق کے اساتذۂ قانون کے نزدیک مستند مراجع میں شامل ہے، بالخصوص فقہ اسلامی کے اساسی نظریات کے بارے میں۔ اس سلسلہ میں جہاں فقہ اسلامی کو نئے اور آسان اسلوب میں پیش کیا گیا ہے وہیں پیچیدہ فقہی مسائل کے

---

[1] موسوعۃ الفقہیہ وزارت اوقاف کویت کی جانب سے شائع شدہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا جن کی ابتک ۴۰ جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ واضح ہو کہ موسوعۃ الفقہیہ کا اردو ترجمہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کررہا ہے۔

[2] مجمع الفقہ الاسلامی جدہ اور مجمع الفقہ الاسلامی رابطہ عالم اسلامی مکہ مختلف ممالک کے کبار علماء کی تنظیم ہے، جن کے سمیناروں میں پیش آمدہ جدید مسائل کا شرعی حل پیش کیا جاتا ہے۔ ہندوستان سے ایک عرصہ تک قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اس کے رکن رہ چکے ہیں۔

عقدے واشگاف کر دیئے گئے ہیں، جن کا سمجھنا طالبین فقہ کے لئے دشوار ترین ہوا کرتا تھا، اب وہ مسائل غیر ماہر اشخاص کے لئے بھی قابل فہم ہو گئے ہیں۔

دوسرا سلسلہ سیرین سول قانون کی تشریح پر تین جلدوں میں ہے، اس نے ''مجلۃ الاحکام'' کی جگہ لے لی ہے، جسے ۱۹۴۹ء میں ختم کر دیا گیا تھا۔اس میں وضعی قانونی نظریات کو بہت تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اس میں انہوں نے دیگر ماہرین قانون کا طریقہ نہیں اختیار کیا، جو دوسرے مراجع کو لے کر ان کا صرف ترجمہ کر لیتے ہیں؛ بلکہ انہوں نے قانون کی تشریح، قانونی احکام کی پیشکش اور ان پر تنقید میں آزادانہ اسلوب اختیار کیا ہے، اپنی آراء اور تبصرے بھی شامل فرمائے ہیں، خاص طور پر جہاں انہوں نے ان ماہرین قانون سے اختلاف کی ضرورت محسوس کی ہے جو مصر وغیرہ میں محض دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے نقل کرتے چلے گئے ہیں۔

کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا (منصوبہ) کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء کے آخر سال میں کویت کی وزارت اوقاف نے اس عظیم علمی منصوبہ کو اپنانے کا ارادہ کیا۔اس نے بلاد عرب کی متعدد شخصیات سے استصواب رائے کیا، پھر اس نے میرا انتخاب کیا اور جامعہ دمشق سے مجھے عاریۃً طلب کیا کہ فقہی انسائیکلوپیڈیا کے ایکسپرٹ کے بطور میں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہناؤں۔میں نے ازسرنو بنیاد ڈالتے ہوئے کام شروع کیا، اور پانچ برسوں تک لکھواتا رہا۔اس مدت میں منصوبہ کے چوتھائی حصہ کے بقدر تحریریں تیار کروا چکا تھا۔میرا اندازہ تھا کہ یہ موسوعہ تیس جلدوں میں آئے گا۔کویت میں قیام کے دوران ابن قدامہ کی ''المغنی'' سے فقہ حنبلی کا معجم میں نے تیار کیا۔جس طرز پر دمشق

میں ابن حزم کی ''المحلی'' سے فقہ ظاہری کا معجم تیار کر چکا تھا۔

اجتہاد کے موضوع پر موصوف فرماتے ہیں:

''میں ان پیش پیش لوگوں میں تھا جو تیس برسوں سے اجتماعی اجتہاد کے موضوع پر سوچ اور لکھ رہے تھے۔اب الحمدللہ اس آواز نے اپنا مقام پالیا ہے۔ چنانچہ سید محمد سرور الصبان نے مجھ سے کہا کہ ایک فقہی اکیڈمی کے قیام کا منصوبہ اور نظام تیار کردوں، میں نے تیار کر کے بیروت میں انہیں پیش کر دیا تھا۔اکیڈمی کا سالانہ اجلاس مکہ میں ہوتا ہے جس میں پیش کردہ بحوث ومقالات پر غور وخوض کے بعد فیصلہ طے پاتا ہے۔میں نے بھی اکیڈمی کو چند مقالات پیش کئے جو اب تک زیر غور ہیں۔ان میں ایک مفصل مقالہ کا موضوع ہے''بینک کے معاملات اور انٹرسٹ کا حکم شرعی'' ایک دوسری تحریر''مصنوعی انسانی بارآوری اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی'' کے موضوع پر ہے جو وقت کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ان کا گہرا رشتہ اجتماعی اجتہاد سے ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاء پر رحمتیں نازل فرمائے اور انھیں اپنی وسیع جنتوں میں جگہ دے۔آمین!

عزیزم نور چشم مولوی محبوب احمد ندوی کا تشکر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۷ء تک اس ناچیز کو شرکۃ الراجحی کے مرکز البحوث (ریسرچ سینٹر) ریاض سعودی عرب میں مولانا ڈاکٹر علی احمد ندوی صاحب (انعام یافتہ فیصل ایوارڈ) کے ساتھ کام کرنے کا موقع حاصل ہوا۔اس سینٹر کے روح رواں علامہ شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء حنفی تھے۔کبھی کبھی مجھے آپ سے بات چیت کرنے

کی سعادت بھی نصیب ہوئی، اکثر یا حبیبی کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا جب آپ تذکرہ کرتے تو آبدیدہ ہوجاتے اور فرماتے کہ شیخ ابوالحسن علی ندوی بہت ہی مخلص داعی اور امت کا درد رکھنے والے عالم ہیں۔

ایک موقع پر میں نے ان سے سنا، فرمایا کہ جب میں ملک فرانس وکالت کی تعلیم کے لئے گیا، تو ایک مرتبہ ایک علمی اجتماع میں شرکت کا موقع ملا، وہاں ایک فرانسیسی ادیب کا ایک زریں مقولہ سنا کہ جب کوئی شخص تصنیف کرے تو اگر اس کے سامنے کسی معنیٰ کے ادا کرنے کے وقت کئی مترادف الفاظ ہوں تو مصنف کو چاہئے کہ سب سے عام فہم اور سہل لفظ کا انتخاب کرے، علامہ زرقاء نے فرمایا کہ میں نے اس مشورہ پر اپنی کتابوں کی تالیف کے دوران عمل کیا۔ اور الحمدللہ مجھے اس سے بہت فائدہ حاصل ہوا۔

محبوب احمد قمر الزمان ندوی

ف: یہ ایسی نصیحت ہے جس کا ہم سب کو لحاظ رکھنا چاہئے۔ (مرتب)

وفات: مورخہ ۳/ جولائی ۱۹۹۹ء ۱۴۲۰ھ کو سعودی عرب کے شہر ریاض میں ایک زبردست عالم وفقیہ ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاء اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف نے پوری ایک صدی پر محیط بھرپور زندگی گزاری۔ نور اللہ مرقدہ۔

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز[1] بن عبداللہ بن بازؒ مکہ مکرمہ المتوفی سنہ ۱۴۲۰ھ

ولادت: ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورحکومت میں ذوالحجہ سنہ ۱۳۳۰ھ میں شیخ محترم کی ایک غریب خاندان میں ولادت ہوئی۔

تعلیم: آپ نے شیخ محمد بن عبداللطیف آل الشیخ، شیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ سے ودیگر علماء مثلاً شیخ سعد بن وماص البخاری، شیخ محمد بن فارس وغیرہ سے اکتساب علم کیا، اورسب سے زیادہ اس وقت کے مفتی دیارسعودیۃ سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کے دامن سے تقریباً دس سال تک وابستہ رہے، اورانہی کے پاس تقریباً سارے علوم شرعیہ کی تکمیل کی۔ گوآپ کے والدمحترم کا انتقال ہو چکا تھا؛لیکن والدہ محترمہ نے تعلیم وتربیت اور علوم اسلامیہ سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ان کی کوششیں اور دعائیں، اساتذہ کرام کی خصوصی توجہ،موصوف کی ذاتی تگ ودو، خلوص وللّٰہیت اور زبردست قدرتی قوت حافظہ بارآور ہوئے، اللہ کے فضل وکرم سے سن بلوغت کوپہنچنے سے پہلے ہی قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔ عمرعزیز کی بیس منزلیں طے کرتے ہوئے

---

[1] مکرم حافظ محمد الیاس عبدالقادر امام مسجد الشیخ رحمہ اللہ، ریاض نے ''شیخ کے حیات و کارنامے'' کے عنوان سے نہایت بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا جو رسالہ ''سہ ماہی فکراسلامی، بستی'' زیرسرپرستی حضرت مولانا محمد باقرحسین صاحبؒ مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی سے شائع ہوا، اسی سے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

بے شمار احادیث توحید و مصطلح ،فرائض اور علم نحو کی مستند کتابوں کے متون واشعار زبانی یاد کر چکے تھے، چودہ سال کی عمر میں بینائی کمزور ہوئی ،اور بیس سال کے ہوئے تو بینائی بالکل جاتی رہی ، دنیا اندھیری ہو چکی تھی ،نور بصارت چھن چکا تھا؛لیکن خالق کائنات نے نور بصیرت بے پناہ عطا فرما دیا تھا،صبر وشکر سے کام لیا اور عزم وحوصلہ لے کر اٹھے اور امت مسلمہ کی رہنمائی اور امداد و فائدہ رسانی کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔آپ کے استاذ محترم شیخ محمد ابراہیم آل الشیخ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کی قوت پرواز کو بھانپ لیا تھا، ملک عبدالعزیز سے سفارش کی اور آپ کے نہ چاہنے کے باوجود آپ کو قصبہ دلم کا قاضی بنا دیا گیا،اور یہیں سے آپ کی بےلوث خدمات جلیلہ کا دور شروع ہوا۔

عقیدہ ومسلک: مجدد اسلام شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت توحید واصلاح کے بعد یہاں مملکت سعودی عرب میں عقیدہ ومسلک میں اعتصام بالکتاب والسنۃ ہی کا دورہ رہا۔سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ بھی اسی کے عامل وحامل اور داعی تھے۔

اتباع سنت: تعلیم وتربیت اور علماء کرام کی صحبت کا اثر ، نیز ﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ پر نظر تھی۔حبیب کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ اور آپ کی سنت شیخ محترم کو بے حد عزیز تھی ،جس کا اندازہ چند چشم دید واقعات سے ہو سکتا ہے۔

مثلاً سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق سفر وحضر ہر حال میں تہجد کا آخر دم تک اہتمام کرتے رہے۔فجر کی دو رکعت سنت کے بعد (جو گھر سے باہر آ کر مسجد

میں پڑھتے تھے) سنت کے مطابق داہنی کروٹ پر چند لمحے لیٹ جاتے اوراس کی تاکید بھی کرتے تھے۔فجر کے بعد کبھی سوتے نہیں تھے۔

جن سنن راتبہ کو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں ادا فرماتے تھے،آپ بھی ان کی اتباع میں ایسا ہی کرتے ،فجر،مغرب اورعشاء کی سنتیں جس گھر میں باری ہوتی وہیں جا کرادا کرتے۔صبح نہار منہ کھجور بھی تناول فرمانے کا معمول تھا اور فرماتے تھے: جس نے سات کھجور کھا کر صبح کی اسے زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا۔(الحدیث)

سفر سے واپسی پرآپ پہلے سیدھے مسجد آتے اور دوگانہ ادا کر کے پھر گھر کی راہ لیتے۔ اسی طرح جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سنت کے مطابق الٓمٓ السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھنے کا امر فرماتے اوراس پر مداومت کی تاکید کرتے۔

تواضع ،خاکساری اورتوقیر العلماء: علوم شرعیہ پر مکمل عبوراوراس قدر عزت ومرتبہ کے باوجود بڑے پن اورتکبر سے دور تھے۔آپ تواضع وخاکساری کاعظیم ترین نمونہ تھے۔ٹیلیفون پر کوئی پہچان نہ پاتا اور پوچھتا: کون ہو؟ تو بڑی سادگی سے جواب دیتے: میں عبدالعزیز بن باز ہوں۔کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آتا تو برملا کہہ دیتے لااعلم، ما اعرف (مجھے اس کا علم نہیں یا میں نہیں جانتا) واللہ اعلم۔ ہمہ دانی جتانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے تھے۔ بڑے دیندار عالم کی یہی شان ہوتی ہے،اسی لئے آپ بے جا قیاس آرائی اورفضول قسم کے تکلف سے دور رہتے تھے،اپنے اس علم وفن کے باوجود علماء کی بے انتہا عزت وتوقیر کرتے تھے،

چاہے کوئی آپ کے خیالات و آراء سے اختلاف ہی کیوں نہ رکھتا ہو، ڈاکٹر تقی الدین الہلالی سے کئی امور میں اختلاف تھا؛ لیکن جب وہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ بے انتہا خلوص ومحبت سے پیش آئے۔ ترحیب وتکریم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ اسی طرح سماحۃ الشیخ العلامہ ابوالحسن علی الندویؒ جب تشریف لاتے تو آراء و مسلک میں اختلاف کے باوجود انہیں اپنے پاس بٹھاتے، احوال دریافت کرتے۔ سب کے لئے راہ راست پر چلنے کی دعا کرتے۔

کثرت عبادت اور ذکر وفکر: ذکر وفکر اور عبادت و ریاضت بے مثال تھی؛ لیکن اظہار نہ ہونے دیتے، ایک بار تفسیر کے درس میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے بارے میں ذکر آیا کہ وہ ایک رات میں قرآن کریم ختم کرلیا کرتے تھے۔ شیخ البراک بیٹھے ہوئے تھے، ایک لڑکے نے سوال کیا: یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک رات میں کوئی پورا قرآن پاک ختم کرلے؟ آپ کی زبان سے نکل گیا، "ممکن ذالك و انا جربته في الليالي الطويلة" (یعنی یہ ممکن ہے اور میں نے لمبی راتوں میں اس کا تجربہ بھی کیا ہے) یہ کہہ کر چپ ہوگئے اور افشاء راز پر غمگینی آپ کے چہرے سے عیاں تھی۔ شیخ البراک نے دوبارہ بات لوٹائی اور کہا شیخ! آپ نے اس کا تجربہ کیا ہے؟ لیکن پھر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وعظ ونصیحت: وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین اور بلغوا عنی ولو اٰیۃ کے تحت موقع ومحل کی مناسبت سے وعظ وتذکیر آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ جہاں ضروری سمجھا تواصی بالحق کا فریضہ انجام دیا۔ ڈیوٹی پر ہوں یا گھر پر، مجلس میں ہوں یا مسجد میں، کسی لمحہ اس میں تاخیر یا کوتاہی نہیں کی، نہ کسی شخصیت کو خاطر

میں لائے، نہ کسی کے برا ماننے یا ملامت کرنے کی پرواہ کی۔ حکام ہوں یا امراء، خواص ہوں یا عامۃ الناس ''الدین النصیحۃ'' ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہا۔

آپ کی خاص صفت: آپ کی صفت یہ تھی کہ درس وتدریس، مسئلے وفتاوے، ٹیلیفون اور سلام وکلام ودیگر مصروفیات کے باوجود جب بھی فرصت ملی آپ ذکر الٰہی میں مشغول، تسبیح وتہلیل میں رطب اللسان رہتے۔اور پھر جب بھی کسی مجلس سے اٹھتے دعائے کفارۃ المجلس **سبحٰنك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك** ضرور پڑھتے تھے۔ حالانکہ آپ کی مجالس ذکراللہ وماوالاہ (اور جوذکر سے قریب کرنے والا ہو) کا نمونہ ہوتی تھیں۔ایک شاگرد نے استفسار کیا کہ آپ کو ہر مجلس سے کھڑے ہوتے ہوئے یہ کلمات پڑھتے سنا ہے؟ فرمایا: قرآن پاک میں نہیں پڑھا: **وسبح بحمد ربك حين تقوم.**

ف: سبحان اللہ! کیا خوب برمحل ارشاد فرمایا۔رحمہ اللہ تعالیٰ (مرتب)

صبر وشکر: صبر وشکر اور راضی برضائے الٰہی کا عجب نمونہ تھے، کئی بار مختلف امراض کا شدید حملہ ہوا؛ لیکن کبھی اف وآہ اوہ کرتے نہیں دیکھا گیا۔عزم وحوصلے کی چٹان بنے ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔فجزاہم اللہ احسن الجزاء

ف: الحمدللہ میرے دولڑکے عزیزم مولوی سعید احمد قمر الزمان ندوی اور عزیز مولوی عزیز احمد قمرالزمان قاسمی آپ کے زیر سایہ دارالافتاء ریاض میں دینی وعلمی کام کرچکے ہیں۔ان پر آپ کی خاص شفقت وعنایت رہی بلکہ یہ حقیر بھی ان کے جود وسخا سے عرصہ تک منتفع ہوتا رہا۔فجزاہم اللہ تعالیٰ۔اسی طرح نورچشم مولوی محبوب احمد ندوی سلمہ، جب بھی شیخ سے ملاقات کی غرض سے گئے تو

شیخ بہت خوش ہوئے اور ان کو دو ہزار ریال کا گرانقدر ہدیہ پیش کیا جس سے انہوں نے حج کیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ (مرتب)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی تحریر: اب ہم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک اہم تحریر جس کے جواب میں علامہ عبدالعزیز بن بازؒ نے عدل و انصاف پر مبنی جواب باصواب ارقام فرمایا ہے، نقل کرتے ہیں: وھو ھٰذا

ادھر کچھ دنوں سے (خاص طور پر ہندوستان میں) مذاہب اربعہ (جن میں اپنی اکثریت اور اشاعت کی وجہ سے مذہب حنفی ہی خاص طور پر نشانہ ہے) اور تقلید ائمہ کے خلاف ایک طاقتور اور عمومی مہم جاری ہے، جو ان مذاہب اور تقلید ائمہ کو بدعت اور تعلیمات اسلام کے خلاف بتاتی ہے، یہ مہم کچھ عرصہ سے اتنی تیز ہوگئی ہے کہ گویا وہ ایک بڑی ''ضلالت'' اور ''بدعت'' کے خلاف محاذ آرائی ہے اور اس وقت وہ دین صحیح کی طرف دعوت کے مرادف ہے۔

چند دنوں سے مصنف کے پاس ہندوستان کے مختلف اطراف ونواح سے خطوط آئے کہ یہ مہم بہت تیز ہوگئی ہے اور اس سے خود مسلمانوں میں (جو دینی اور تہذیبی بنیاد پر سازشوں، حملوں اور کردار کشی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں) ایک انتشار اور خانہ جنگی کی سی نوبت آرہی ہے۔

جنوبی ہند، گجرات اور کئی ریاستوں، اضلاع اور قصبوں سے ایسے خطوط آئے، فاضل گرامی مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی، خود تقلید ائمہ اور مذاہب اربعہ کے جواز وصحت پر انہوں نے اردو میں ایک

مفصل کتاب لکھی، جس کا ایک عالم سے عربی ترجمہ کروایا اور راقم سے اس پر مقدمہ لکھوایا۔ ان شکایتی واحتجاجی خطوط کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

راقم نے مناسب سمجھا کہ وہ اس مہم کے خلاف کوئی مخالفانہ ومقابلانہ مہم شروع کرنے کے بجائے (جس سے مسلمانوں میں مزید انتشار پیدا ہونے کا خوف ہے) حضرات علمائے حدیث کو ایک داعیانہ، مخلصانہ اور برادرانہ خط لکھے، جس میں ان کو اس "**جهاد فی غير جهاد و نضال فی غير عدو**" سے اجتناب کرنے کی دعوت اور مخلصانہ مشورہ دے اور وقت کی نزاکت اور معنوی نسل کشی کی جو مہم اس وقت ملک میں چل رہی ہے اس سے آگاہ کرے اور یہ مشورہ دے کہ یہ وقت توجہ اور توانائی حقیقی دشمن اور سنگین خطرہ کا مقابلہ کرنے پر صرف کرنے کا (۱) ہے، اس کے لئے اس نے احتیاطاً عربی ہی میں ایک مراسلہ ترتیب (۲) دیا اور دس ممتاز و نامور سلفی علماء کی خدمت میں بھیجا۔

---

(۱) خود رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنی مجلس "المجمع العلمی الاسلامی" کے ایک اجلاس میں جو ۲۴ رصفر ۱۴۰۸ھ ۱۷/اکتوبر ۱۹۸۷ء میں منعقد ہوئی تھی اس مسئلہ اور ضرورت پر روشنی ڈالی اور بالاتفاق یہ طے کیا کہ معتبر اور معمول بمذاہب فقہی اور تقلید ائمہ اربعہ کے خلاف مہم چلا کر عالم اسلام میں انتشار نہ پیدا کیا جائے۔ (ملاحظہ ہو القرار التاسع بشان موضوع الخلاف الفقهی بين المذاهب والتعصب المذهبی من بعض اتباعها).

(۲) اس کو عربی میں اس لئے پیش کیا گیا کہ وہ مکتوب الیہم علماء ہی کے دائرے میں محدود رہے اور اس سے کوئی سیاسی یا جماعتی فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

شیخ ابن بازؒ کا مکتوب گرامی: اس مراسلہ کے جواب میں سعودی عرب کے سب سے نامور عالم ودینی شخصیت علامہ شیخ عبدالعزیز بن بازؒ صدر ادارہ "**البحوث العلميه والافتاء**" سکریٹری "**هيئة كبار العلماء**" کا گرامی نامہ آیا جس میں انہوں نے لکھا کہ میں آپ کی اطلاع کے لئے لکھتا ہوں کہ "**البحوث العلمية والافتاء**" کی مستقل کمیٹی کی طرف سے ۱۷ر شوال ۱۴۰۴ھ میں اور "**المجمع الفقهي**" رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے ۲۴ر صفر ۱۴۰۸ھ میں یہ فتویٰ صادر ہوا کہ ائمہ مذاہب اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) فضلائے اہل علم، متبعین رسول اور احکام شرعیہ میں اجتہاد واستنباط کے اہل ہیں، ان کا مقلد کافر نہیں، اس لئے کہ اگر انسان احکام شرعیہ کی براہ راست معرفت نہیں رکھتا اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کا پیرو ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

پھر اس مراسلہ میں ائمہ اربعہ کی واضح الفاظ میں تعریف واعتراف کیا گیا ہے اور ان کی خدمات ومناقب بیان کئے گئے ہیں (۱)۔

اس کے علاوہ اور بھی مؤقر اور ذمہ دار اداروں اور مراکز کی طرف سے اسی مضمون کے جوابات (۲) ہیں۔ (کاروان زندگی: ۷ر ۱۲ تا ۱۴)

ف: کاش کہ ہند و پاک کے سلفی علماء اور ان کے مقلدین اس مکتوب گرامی کا پاس ولحاظ رکھتے تو تقلید ائمہ کے خلاف جو محاذ آرائی کی جارہی ہے اس کا قلع قمع ہوجاتا۔ واللہ الموفق.

---

(۱) اس مراسلہ پر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ اور متعدد علماء ومفتیوں کے دستخط ہیں۔

(۲) یہ جوابات اور مراسلات مصنف کتاب کے پاس محفوظ ہیں۔

شیخ کی رحلت: ۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۳؍مئی ۱۹۹۹ء کو مملکت سعودیہ کے مفتیٔ اعظم جلیل القدر عالم دین، خادم ملت اور رابطۂ عالم اسلامی کے صدر علامہ عبدالعزیز بن باز نے وفات پائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جنازہ میں کافی ازدحام رہا، چنانچہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ: کسی کے جنازہ میں اور اس کی مشایعت وتدفین میں عرصہ سے اتنا ازدحام نہیں ہوا تھا جتنا ان کے جنازہ اور تدفین میں ہوا تھا۔ نماز جنازہ میں لاکھوں کے مجمع کا اندازہ ہے۔ حرم شریف میں ان کی نماز جنازہ ہوئی اور وہ مکہ کے میدان العدل میں سپرد خاک کئے گئے۔ نماز میں خادم الحرمین شاہ فہد اور متعدد سعودی شہزادگان اور وزراء شریک ہوئے۔ اور بہت سے ملکوں میں (جن میں لکھنؤ ہند بھی شامل ہے)، دعائے مغفرت کی گئی، دارالعلوم کی مسجد میں تعزیتی جلسہ ہوا اور دعاء کا اہتمام کیا گیا۔ (کاروان زندگی: ج:۷؍۲۵۲)

حضرت علامہ السید سابق مصریؒ المتوفی ۱۴۲۰ھ

ولادت و پرورش: علامہ شیخ السید سابق جنوری ۱۹۱۵ء میں ''منوفیہ'' ضلع کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔نو(۹) برس کی عمر سے پہلے ہی قرآن کریم حفظ کرلیا۔ جامعہ ازہر سے ۱۹۴۷ء میں شریعت اسلامیہ میں عالمیت کی ڈگری حاصل کی، اوراسی کے ساتھ دوسری اعلیٰ ڈگریاں بھی ازہر ہی سے ملیں۔

پھر جامعہ ازہر کے ماتحت اداروں میں تدریس کے فرائض انجام دیئے ،اور ازہر میں وعظ وارشاد کے میدان میں کام کیا۔اس کے بعد وزارت الاوقاف میں شعبۂ مساجد کی ذمہ داری سنبھالی۔ جب ان کومختلف پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تو مصر سے ہجرت کر کے سعودی عرب چلے گئے جہاں جدہ میں شاہ عبد العزیز یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر کام کیا۔ اسکے بعد مختلف متعدد مناصب پر فائز رہے، فللہ الحمد۔

اوصاف وخصوصیات: آپ ایک باصلاحیت فقیہ، صاحبِ علم ،حاضر دماغ، ذہین وفطین، اخلاقِ عالیہ کے حامل، عاجزی وانکساری کے پیکر، پاکیزہ کردار،شیریں گفتاراور پاکیزہ روح کے حامل تھے۔اسی طرح آپ پیش آنے

۱؎ آپ کی کتاب ''فقہ السنۃ''عربی میں ہے،اس کا اردو ترجمہ عزیزم مولانا ولی اللہ مجید قاسمی فتحپوری نے ''فقہ السنہ'' کے نام سے کیا ہے۔ اسی کتاب کے شروع میں آپ کے حالات وکمالات اورفقہی شان کا تذکرہ کیا گیاہے،اسی سے یہ حالات ماخوذ ہیں۔(مرتب)

والے حالات وواقعات اورصورتحال سے مکمل واقف رہتے تھے۔علمائے ازہر ان کے علمی تفوق ،فہم وفراست، اوران کی جرأت و بے باکی کی وجہ سے ان کا احترام واکرام کرتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ کے ساتھی شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کو قدیم مصر کی مسجد عمرو بن العاص کے منصب خطابت سے برطرف کردیا گیا اور آپ کو شیخ غزالی کا جانشین ونائب مقرر کیا گیا،لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ شیخ سید سابق اپنے خطبوں اور تقریروں میں مداہنت اورنرمی سے کام لیں گے، کیونکہ حاکم ان کے پیش روخطیب شیخ غزالی سے ناراض ہو گئے تھے،لیکن شیخ سید سابق نے پہلا ہی خطبہ''مسلمان حاکم کے لئے مطلوبہ شرائط'' کے موضوع پر دیا،اور اس میں شرعی دلائل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں تیرہ شرائط کا تذکرہ کیا، چنانچہ خطبہ نہایت جامع ومانع تھا،موجود مشائخ میں سے ایک نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:''شیخ سابق نے اپنے خطبہ میں ہر بات کہہ دی،لیکن کسی بات پر ان کی پکڑ نہیں ہوسکی''۔

ف: یقیناً کلمۃ حق عند سلطان جائر اسی کا نام ہے اور یہ بہت بڑے کمال کی بات ہے اوراہل حق علماء ایسے ہی ہوتے ہیں کثر اللہ امثالھم۔(مرتب)

علماء ودعاۃ کیلئے نمونہ: بلا شبہ شیخ السید سابق اپنی ذات میں ایک مدرسہ، وہ داعیوں کے لیے ایک عملی نمونہ اوران معاصر ائمہ فقہ میں ایک بہت بڑے امام ہیں جو واقعاتی دنیا اور پیش آمدہ مسائل کے پہلو بہ پہلو زندگی بسر کرتے ہیں اور تمام مشکلات ومسائل کے لیے اسلامی حل پیش کرتے ہیں، باطل کا سامنا کرنے

سے کنارہ کشی نہیں اختیار کرتے، بلکہ کتاب وسنت اور اجماع سلف کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر ہر اعتبار سے اس معرکۂ کارزار کی قیادت کرتے ہیں۔

آپ کے بارے میں علماء کے اقوال: اخوان المسلمین کے پانچویں مرشدِ عالم استاذ مصطفیٰ مشہور آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''بلاشبہ شیخ السید سابق کا اخوان المسلمین کے مابین ایک اہم مقام ومرتبہ ہے آپ کی تالیفات اخوان میں نہایت مؤثر ثابت ہوئیں، ان کی وجہ سے ان کو فائدہ ہوا، خاص طور پر آپؒ کی کتاب ''فقہ السنہ'' اخوان کے اہم ترین مراجع میں شمار ہوتی ہے، اس کتاب کا اخوان کی فقہی تربیت میں اہم رول رہا ہے، کیونکہ شیخ حسن البنا شہیدؒ نے اس کتاب پر اعتماد کیا اور اس کو سنت کے مراجع میں سے اہم مرجع قرار دیا۔''

ڈاکٹر یوسف القرضاوی فرماتے ہیں:

''شیخ السید سابق کلیۃ الشریعہ سے فارغ ہونے والے علمائے ازہر میں سے تھے، امام حسن البناء شہیدؒ سے آپ کا تعلق ہوا، اسلام کے لیے کام کرنے، دعوت کو عام کرنے، امت میں اتحاد پیدا کرنے اور شریعت کا صحیح فہم پیدا کرنے پر ان سے بیعت کی اور زمانۂ طالب علمی سے ہی تحریک ''اخوان المسلمین'' کے رکن رہے۔ آپ علمائے ازہر میں سے اپنے ان باصلاحیت رفقاء کے معاصر تھے جو اخوان المسلمین کے کارواں میں شامل ہوئے، جیسے کہ شیخ محمد الغزالی، شیخ عبدالمعز عبدالستار وغیرہ۔''

مصرؔ کے سابق مفتی شیخ ڈاکٹر نصر فرید واصل فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ شیخ السید سابق کو ابنائے ازہر اور اس امت کے نوجوانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے، بلا شبہ وہ اس امت کے ایسے فقیہ ہیں جس نے اس دین کی وسطیت کو ثابت کیا اور ان فقہی پیچیدگیوں کو ختم کیا جن کو سمجھنا عوام کیلئے دشوار ہوتا تھا۔ ہم نے اپنے شباب میں ان کی عظیم کتاب ’’فقہ السنۃ‘‘ کا مطالعہ کیا۔ اس کتاب نے اسلامی مکتبہ میں ایک اہم اضافہ کیا، اور مصر اور عالمِ عربی و اسلامی میں امتِ اسلامیہ کے لئے فقہ کو نہایت آسان بنایا۔ عالمِ اسلامی میں بولی جانے والی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ سب کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔‘‘

ف: الحمد اللہ اس حقیر نے بھی کسی قدر مطالعہ کیا ہے جو آسان بھی ہے اور جامع بھی، اللہ تعالیٰ مکمل پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ (مرتب)

اقتباس از فقہ السنہ: اسلام کا پیغام محدود وقت یا کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے کی شریعتیں تھیں، بلکہ یہ ایک عمومی پیغام ہے، ہر ایک اس کا مخاطب ہے اور ہر دور اور حالت کیلئے کارآمد۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

’’نہایت بابرکت ہے وہ ذات جس نے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب کو اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لئے خبردار کرنے والا ہو۔‘‘

’’اے رسول ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لئے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

اسلامی تعلیمات کا مقصد: اسلامی تعلیمات اور پیغام کا مقصد اللہ کی معرفت اور

عبادت کے ذریعہ انسان کو پاک وصاف رکھنا اور اسے سجانا اور سنوارنا ہے اور محبت وشفقت، بھائی چارگی اور عدل ومساوات کی بنیاد پر انسان کے باہمی تعلقات کو استوار کرنا اور اسے مضبوط بنانا ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہ دنیا وآخرت کی سعادت سے ہم کنار ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

''وہ ذات جس نے امیوں کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول کو بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کے سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی باتیں سناتا ہے۔ یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔''

''اور ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کے بھیجا ہے۔''

فقہ اسلامی: اسلامی تعلیمات میں فقہ وشریعت کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے، اور خالص دینی امور میں قانون سازی وحی الٰہی کے تابع ہے، خواہ یہ کتاب وسنت کی شکل میں ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات کی صورت میں ہو، اس لئے کہ یہ تمام چیزیں رسالت سے متعلق ہیں اور تبلیغ وبیان کے فریضۂ رسالت کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''نبی اپنی خواہش کے ذریعہ کوئی بات نہیں کہتے بلکہ ان کی بات وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔''

رہی وہ چیزیں جن کا تعلق دنیاوی امور سے ہے جیسے کہ سیاسی اور جنگی معاملات تو ان چیزوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ کسی تدبیر کو مناسب خیال کرتے لیکن صحابہ کرامؓ کی رائے اس کے برخلاف ہوتی تو آپ اپنی رائے کو چھوڑ کر ان کی رائے کو اختیار

کر لیتے جیسا کہ غزوہ بدر اور احد میں ہوا۔ اور صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ جو چیزیں انھیں معلوم نہ ہوتیں وہ اس کی معرفت کیلئے آپ سے رجوع کرتے، اس کا حکم دریافت کرتے۔ اور کتاب وسنت کی کوئی بات ان کے سمجھ میں نہ آتی تو اس کے متعلق سوال کرتے، اور انھوں نے اس سے جو کچھ سمجھا ہے اسے آپ کے سامنے رکھتے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کی تائید کرتے اور کبھی ان کی غلطی پر متنبہ کرتے۔

وفات: شیخ السید سابق کی وفات اتوار کی شام ۲۳/ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۷/۲/۲۰۰۰ء میں پچاسی سال کی عمر میں ہوئی۔ پیر کے دن آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جلیل القدر شیخ ''فقہ السنہ'' کے مؤلف، فقیہ ومجتہد، خادمِ سنت شیخ السید سابق پر، اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ آپؒ کا اور ہمارا حشر ہو، آمین۔

(مقدمہ فقہ السنہ ص ۲۷)

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ المتوفی ۱۴۲۰ھ

مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز مفتی اور عالم دین تھے۔ جدید مسائل کی تحقیق واستخراج میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ مسند افتاء پر فائز ہونے کے ساتھ آپ نے شعبۂ دارالافتاء کے طلبہ کی تدریس وتربیت بھی فرمائی۔ آپ متعدد اہم علمی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

ابتدائی حالات: ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں موضع اوندرا ضلع اعظمگڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن کے مکاتب میں ہوئی۔ پھر مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور اعظمگڈھ میں پڑھا۔ بعدازاں مدرسہ عزیزیہ بہار شریف اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی میں ثانوی درجات تک تحصیل علم کی۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد علوم وفنون کی کتابیں بھی پڑھیں۔

تدریسی خدمت: فراغت اور علوم وفنون کی تکمیل کے بعد اولاً مدرسہ جامع العلوم جین پور ضلع اعظم گڈھ اور جامع العلوم دھمال ضلع گورکھپور میں تدریسی خدمت انجام دیں۔ پھر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ کے حکم پر دارالعلوم مئو میں مدرس اور مفتی کی حیثیت سے تشریف لے گئے جہاں تقریباً پچیس سال تک ان مناصب پر فائز رہے۔ یہاں فتویٰ نویسی کے ساتھ درس

وتدریس کا سلسلہ بھی رہا۔اسی مدرسہ میں حدیث،تفسیر،فقہ وغیرہ کی اہم کتابیں زیردرس رہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں: ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں دارالافتاءدارالعلوم دیوبند میں مفتی کا منصب تفویض ہوا جس پر اخیر عمر تک فائز رہے۔فتویٰ نویسی کے ساتھ آپ نے شعبۂ دارالافتاء کے طلبہ کی تدریس وتربیت بھی فرمائی۔اس طرح تقریباً ۲۵ر سال تک درس وتدریس کی مشغولیت رہی۔اس دوران تقریباً پچہتر ہزار (۷۵۰۰۰) سوالات کے جوابات تحریر فرمائے۔آپ کے فتاویٰ کی نقل تقریباً سواسوکلاں رجسٹروں میں دارالافتاء کے اندر محفوظ ہے۔

فتویٰ نویسی کا اچھا ملکہ حاصل تھا۔فتاویٰ کے جوابات مفصل دیتے تھے۔فقہی قواعد پر آپ کی گہری نگاہ تھی۔استفتاء کے لئے آئے سوالات کا باریک بینی سے مطالعہ کرتے پھر ان مسائل کے بارے میں ان کے ماہرین سے پوری جانکاری حاصل کرتے اور تب جا کر ان کے بارے میں کوئی حتمی رائے دیتے۔جدید مسائل سے متعلق آپ کے فتاویٰ اجتہادی حیثیت کے حامل ہوتے تھے۔

آپ اپنی فقہی بصیرت اور فطری صلاحیتوں کی بنیاد پر ایک طویل مدت تک رابطہ فقہ اسلامی کے رکن رہے ہیں۔حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔طبیعت میں سادگی اور وقار نمایاں تھا۔بہت خوش اخلاق اور نرم دل تھے۔طبیعت میں یکسوئی اور اختلاف وانتشار سے بے حد دوری تھی۔زندگی کے آخری لمحہ تک پوری یکسوئی کے ساتھ آپ فقہ وفتاویٰ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

تصانیف: آپ کے فتاویٰ کی اہمیت اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے آپ کے عقیدت مندوں نے بارہا ان سے اصرار کیا کہ وہ انھیں کتابی شکل میں شائع کردیں تاکہ عام لوگ بھی ان سے مستفیض ہوسکیں۔ فتاویٰ نظامیہ اور روایہ کے نام سے دوجلدیں شائع بھی ہوئیں لیکن یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اس کے بعد مفتی صاحب کے قابل فخر شاگرد مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے آپ کے منتخب فتاویٰ کو دوجلدوں میں منتخبات نظام الفتاویٰ کے نام سے تحقیق وتحشیہ کے ساتھ شائع کیا۔ آپ کے فتاویٰ کے اس مجموعہ میں بے شمار جدید مسائل پر فقہی تحقیقات اور موجودہ حالات کے پس منظر میں مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نظام الفتاویٰ کے نام سے آپ کے فتاویٰ کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو جاری نہ رہ سکا۔

فتاویٰ کے علاوہ آپ کے علمی کمالات کی ایک یادگار حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب ''فتح المنان فی اثبات مذہب النعمان'' کی تحقیق وطباعت ہے۔ آپ نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ کتاب کی دریافت، ترتیب وتدوین، اور تصحیح فرمائی اور اس کے بعض مقامات پر نوٹس بھی تحریر فرمائے۔ اس کتاب میں فقہ حنفی کی تائیدی احادیث مشکوٰۃ کے طرز پر جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ نہایت خستہ حالت میں حضرت مفتی صاحب کو ملا، چنانچہ آپ نے اس کا دوسرا صاف نسخہ تلاش بسیار کے بعد جامعہ ملیہ کی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات سے حاصل کیا۔ ڈھائی سال کی محنت شاقہ کے بعد کتاب کی ترتیب اور تحقیق مکمل ہوئی اور یہ کتاب نہایت اعلیٰ معیار کی کتابت وطباعت کے ساتھ

کلاں سائز کی تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ احادیث کا یہ معتبر ذخیرہ اور نادر مجموعہ حضرت مفتی صاحب کی کوششوں سے منظر عام پر آسکا۔

وفات: ۲۰/ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۶/فروری ۲۰۰۰ء کی شب میں ۸۶/سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ، مرتبہ مولانا محمد اللہ صاحب قاسمی: ۵۵۲)

اپنی سعادت: استاذ المکرم حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے مخصوص احباب و متعلقین میں سے تھے جیسا کہ پہلے مضمون میں لکھا جاچکا ہے۔ مزید عرض ہے کہ یہ حقیر جب دارالعلوم مئو میں طالبعلم تھا اس وقت وہ وہاں کے مدرس و مفتی تھے، اس لئے یہ حقیر ان سے شیخ سعدیؒ کی بوستاں کے درس سے مستفیض ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین

مزید سعادت ملاحظہ فرمایئے:

الحمدللہ کہ آپ نے ''تربیت اولاد کا اسلامی نظام'' پر اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے اس حقیر کے متعلق جو حسن ظن کے مطابق تحسینی وتوصیفی کلمات تحریر فرمایا ہے وہ میرے لئے انتہائی سرور کا باعث ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ لہذا اس کو بعینہ نقل کرتا ہوں۔

باسمہ سبحانہ

پیش نظر ہدیہ ''تربیت اولاد کا اسلامی نظام'' کا غور سے چیدہ چیدہ

مقامات کا مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ خوب ہے۔

سمجھ میں یوں آیا کہ تلخیص کے تمام نکات کا پورا لحاظ کرتے ہوئے ایک نہایت مربوط مدلل تصنیف ہے اور ملخص موصوف کے کامل استعداد علمی اور بچپن وابتدائے عمری میں تربیت کے کمال کا عکاس ہے۔ بہت خوشی ہوئی اور سمجھ میں یوں آیا کہ عزیز موصوف کا سالانہ سفر محض اعتکاف کے لئے یا محض نظام خانقاہ کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ تبلیغ دین اور تربیت ظاہر و باطن کے لئے ایک ذریعہ اور ایک خدمت ہے جو شرعاً محمود ومطلوب ہے۔

پس دعا ہے کہ ”اَللّٰھُمَّ زِدْفَزِدْ یَوْمًا فَیَوْمًا وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللہِ بِعَزِیْزٍ“

فقط والسلام مع الدعاء

دعا گو ودعا جو العبد نظام الدین

مفتی دار العلوم دیوبند

۲۹/۱۱/۱۴۱۶ھ

۲۰/۴/۱۹۹۶ء

حضرت مولانا عبدالصمد خان[1] صاحبؒ بہار المتوفی ۱۴۲۱ھ

نام ونسب وولادت: آپ کا اسم گرامی عبدالصمد بن میر سلطان احمد ہے۔ آپ ضلع رہتاس (صوبہ بہار) کے علماء خیز گاؤں بھٹواں کے باشندے ہیں، آپ کی پیدائش اپنے آبائی گاؤں بھٹواں ہی میں ہوئی، دیندار اور پاکیزہ ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی شمس تبریز خاں صاحبؒ مرید خاص حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے ہمراہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے جامع العلوم کانپور کا رخ کیا، پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ حصول علم میں مشغول رہے، وقت کی قدردانی اور اس کا صحیح استعمال آپ خوب جانتے تھے، چند سال برادر معظم کی صحبت اور جامع العلوم کی آغوش تربیت میں گزار کر دارالعلوم دیوبند پہنچے، وہاں کا علمی ماحول اور مخلص اساتذہ کی نگاہ شفقت نے آپ کی صلاحیت کو خوب ابھارا، آپ اپنے تمام اساتذہ کا احترام فرماتے تھے اور سبھوں سے کافی لگاؤ بھی تھا؛ لیکن شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے انسیت

---

[1] حضرت مولانا عبدالصمد صاحبؒ کے متعلق مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی ومفتی روشن علی قاسمی نے محب مکرم حافظ شہیر الدین صاحب زید لطفہ کی ایماء پر یہ مضمون لکھ کر بھیجا ہے، اس کو کسی قدر حذف واضافہ کے ساتھ درج کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

والفت کچھ اور ہی تھی۔آپ نے ان سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھی، ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس: دارالعلوم دیو بند سے فراغت کے بعد مختلف مقامات پر درس وتدریس کی خدمات انجام دینے کا سنہرا موقع ملا، جواس بات کی علامت ہے کہ آپ کا علم عنداللہ مقبول ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اگر فراغت کے بعد قاعدہ بغدادی بھی پڑھانے کا موقع مل جائے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔

درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ جمیعۃ علماء ہند کی کانفرنس ۱۹۴۸ء کے موقع پر لکھنؤ میں جناب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ابن مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مکان پر استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، حضرتؒ کے بتائے ہوئے وظیفہ کا اہتمام فرماتے رہے۔ذالک فضل اللّٰہ تعالیٰ.

اخلاق و عادات: آپ کے مزاج کے اندر سادگی، عاجزی اور انکساری کمال کی تھی، ظاہری شان وشوکت اور تکلفات سے بالکل علیحدہ تھے، خاموش طبیعت اور کم سخن تھے، ہر آنے والے سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ بارہا یہ دیکھا گیا کہ نو وارد شخص آپ سے مل کر ایسا بیخود ہو جاتا کہ گویا آپ کی پوری توجہ اسی کی جانب ہے، آپ ہمت واستقلال کے پہاڑ تھے اور اعلیٰ درجہ کے صابر تھے، صفائی معاملات کا خاص اہتمام تھا۔

عبادت و ریاضت: آپ کو دو چیزوں سے بڑا شغف تھا؛ اول نماز، دوم

تلاوت قرآن،آپ بڑے اہتمام اور اطمینان سے نماز پڑھتے تھے،کسی رکن کی ادائیگی میں عجلت نہیں کرتے تھے۔نماز پنج وقتہ کے علاوہ اشراق،چاشت اور اوابین کا خاص اہتمام فرماتے تھے،قرآن کریم سے والہانہ لگاؤ تھا،روزانہ کئی پارے تلاوت فرمانے کا معمول تھا،ماہ رمضان میں اس کی مقدار بڑھ جاتی تھی۔ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ یاد الٰہی میں مشغول ہوتے تھے۔آپ رات کا اکثر حصہ ذکر و اذکار،تلاوت قرآن کریم اور دعاؤں میں گزارتے تھے،جب خوفِ خدا غالب ہوتا تو دیوار پکڑ کر کھڑے ہوجاتے اور گریہ وزاری فرماتے تھے۔

ف: ماشاء اللہ یہ ذوق عبادت اور خوف وخشیت کا حال تھا ہمارے علماء متأخرین کا ،جو ہم سب کے لئے مزید نصیحت کا باعث ہے۔اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اسوہ پر ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔آمین!(مرتب)

وفات: ۸؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ بروز جمعہ مولائے حقیقی سے جا ملے۔**انا للہ وانا الیہ راجعون.** اور احاطۂ مدرسہ میں سپرد خاک کئے گئے،اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر رحمت کی بارش برسائے۔آمین!نور اللّٰہ مرقدہ

امیر شریعت حضرت مولانا شیخ احمد علی صاحب آسامیؒ المتوفی ۱۴۲۱ھ

خلیفۂ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

نام ونسب: حضرت شیخ کا خاندان شروع ہی سے صلاح وتقویٰ اور رشد و ہدایت کا گہوارہ تھا، زمانہ دراز سے حضرت شاہ جمال مجرد یمنیؒ جیسے صاحب بصیرت بزرگ سے تعلق رکھتا تھا۔آپ کے والد ماجد محمد نصیر علی صاحب نہایت متقی و پرہیزگار بزرگ تھے،اورآپ کی والدہ ماجدہ بی بی فریدہ بھی صلاح وتقویٰ سے متصف تھیں۔

آپ کی ولادت وتعلیم: صوبہ آسام ضلع کریم گنج کے ایک قصبہ بدر پور میں ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔آپ کی ابتدائی تعلیم محلے کے مکتب میں ہوئی۔پھر بدر پور کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے ۱۹۳۸ء میں مدرسہ سلہٹ گورنمنٹ عالیہ سے امتیازی نمبرات حاصل کرکے فائنل امتحان پاس کیا۔سلہٹ کا یہ مدرسہ پورے مشرقی ہند میں ایک امتیازی مقام رکھتا تھا اور بہت ہی شہرت کا حامل تھا۔اس لئے ملک کے گوشہ گوشہ سے علوم دینیہ کے شائقین آکر وہاں اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔

اس مدرسہ کے ممتاز اساتذہ میں حضرت مولانا شیر زماں پشاوریؒ اور حضرت مولانا ہزارویؒ بھی تھے۔حضرت شیخ صاحب حضرت مولانا شیر زماں صاحب پشاوریؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔حضرت شیخ کوآپ کی ذات

سے بہت کچھ استفادہ کا موقع ہاتھ آیا، اور حضرت شیخ نے آپ کے علمی اور عملی موتیوں سے بھی خوب ہیرے چنے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ملاقات: شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کا کئی سالوں سے یہ معمول چلا آ رہا تھا کہ وہ اپنے مریدین و متوسلین کے ہمراہ سلہٹ (جو آجکل بنگلہ دیش کا ایک ضلع ہے) میں رمضان شریف گزارتے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں حسب سابق جب رمضان شریف ۱۳۵۷ء گزارنے کے لئے آئے تو پہلی مرتبہ حضرت شیخ مولانا احمد علی صاحبؒ کو شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے شرف ملاقات کا حصول ہوا۔ پہلی ہی ملاقات میں حضرت مدنیؒ کی نظر کرم نے حضرت شیخ پر ایسا اثر کیا کہ حالت بالکل بدل گئی۔ فرط مسرت میں پھولے نہیں سما رہے تھے اور ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہوگئی۔

۱۹۴۰ء میں جب حضرت مدنیؒ سلہٹ تشریف لائے تو حضرت مولانا احمد علی صاحب دورۂ حدیث سے فارغ ہو چکے تھے۔ رمضان المبارک میں حضرت مدنیؒ ہی کی خدمت میں رہے۔ ایک مرتبہ آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا شیر زماں صاحب پشاوریؒ آپ کو لے کر حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

حضرت! آپ کی خدمت میں اپنے شاگرد کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اس جیسا خلیق، سنجیدہ، ذہین، محنتی اور نیک سیرت و پاکباز طالب علم آپ کو شاید ہی ملا ہوگا، یہ کہہ کر حضرت مولانا احمد علی صاحب کو حضرت مدنیؒ کے حوالے کر دیا، اور مولانا سے فرمایا: جاؤ، آج میں تمہیں اس دور کے

شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام، قطب عالم اور علم حدیث کے ممتاز ترین ہستی کے حوالے کرر ہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اسی رمضان میں آپ حضرت مدنیؒ سے بیعت ہو گئے۔ مولانا احمد علی صاحب کا رمضان کے بعد کا پروگرام کوئی متعین نہیں تھا۔ بعض حضرات کا مشورہ یہ تھا کہ آپ کالج میں داخلہ لے لیں، مگر مولانا کو اس بارے میں تشویش تھی۔ تو انہوں نے حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ سنایا اور مشورہ طلب کیا تو حضرت مدنیؒ نے کالج میں داخلہ لینے سے صاف انکار کیا اور کہا کہ تم دارالعلوم دیوبند چلے جاؤ اور داخلہ لے لو۔

چنانچہ آپ نے مرکز اسلام دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دارالعلوم کے یگانۂ روزگار علماء ومشائخ کے حلقہ ہائے درس میں شرکت کی، ان کے علوم ومعارف سے خوب ہی خوب اکتساب کیا اور ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں دورۂ حدیث شریف سے حدیث اور علوم حدیث میں سند فضیلت حاصل کی اور ۱۳۷۱ھ میں دورۂ تفسیر پڑھا۔ چونکہ حضرت شیخ بہت ذہین، قوی الحفظ اور محنتی تھے، مطالعہ وکتب بینی کا بہت شوق تھا، اس لئے بہت جلد حضرات اساتذۂ کرام کا اعتماد حاصل کرلیا اور ان کی نگاہوں میں قابل احترام بن گئے۔

تصنیفات: حضرت شیخ نے اپنی مختلف النوع، گونا گوں ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی مصروفیات، پھر مریدین ومعتقدین کی اصلاح وتربیت، مدرسہ وطلبہ کی نگرانی، روزانہ پابندی کے ساتھ دارالعلوم بانسکنڈی آسام میں بخاری شریف وترمذی شریف پڑھانے، اپنی مسلسل علالت اور بے حد کمزوری کے باوجود مختلف

موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

اس کے بعد مولانا مزمل صاحب نے مولاناؒ کی قومی، علمی خدمات کا مفصل ذکر کیا ہے جو قابل مطالعہ بلکہ قابل عمل ہے۔ اخیر کی چند سطور نقل کرتا ہوں:

آسام کے کچھ علاقوں کو چھوڑ کر عام طور پر دینی تعلیم کا انتظام مضبوط نہیں تھا۔ آسام کے مسلمان فطرتاً بہت دیندار ہیں مگر دینی تعلیم کی کمی کی وجہ سے بہت سی خرافات میں مبتلا ہیں۔ ناجائز رسم و رواج کے شکار ہیں، کچھ دیہی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں بوڑھے لوگ کلمے تک نہیں جانتے تھے۔ حضرتؒ کی بے پناہ کوشش کے نتیجہ میں آج حالت بالکل بدلی ہوئی ہے اور مریدین و ذاکرین کا جال پھیلا ہوا ہے۔ حضرتؒ کی محنت و مشقت اور تبلیغ و دعوت کی وجہ سے بے شمار غلط کار آدمی جیسے چور، ڈاکو، شرابی، جواری وغیرہ توبہ کر کے پکے دیندار بن گئے۔ فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

ظلم کے خلاف آواز: آزادی کے بعد آسام پر کئے گئے مظالم کے خلاف حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی خدمات ان کی زندگی کا ایک تابناک اور زریں باب ہے اور علماء و مشائخ کے لئے سبق آموز بھی۔

عبادت و ریاضت: شدید بیماری کی حالت میں بھی فرائض و نوافل کی ادائیگی کا بہت اہتمام فرماتے تھے، حتی کہ تہجد کی نماز بھی پوری مستعدی و پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے، جبکہ ذیابطیس کے مرض کی وجہ سے بعض اوقات وضو باقی رکھنا دشوار ہو جاتا تھا اور ہر دو رکعت کے بعد نیا وضو کرنا پڑتا تھا، اسی طرح ایام بیض، یوم عاشورا اور عید الفطر کے بعد چھ روزوں سمیت دیگر تمام نفلی روزے

پابندی سے رکھتے تھے اور دوسروں کو ترغیب بھی دیتے تھے۔

اس کے بعد آپ کے زہد وقناعت وغیرہ کا ذکر کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

خلعت خلافت: ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء کی تاریخ میں بعد نماز ظہر حضرت مدنیؒ آپ کو خلعت خلافت سے نوازا۔ فللہ الحمد والمنۃ.

وفات: آپ کی وفات ۸ ؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۱ ؍جون ۲۰۰۰ء بروز اتوار بمقام لیلاوتی ہسپتال بمبئی میں ہوئی۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون**. اور نماز جنازہ آسام کے باسکنڈ مدرسہ میں آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے پڑھائی۔ نور اللہ مرقدہ.

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ متوفی ۱۴۲۱ھ

اپنی انتہائی مختصر خود نوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں:

نام ونسب: ضلع لدھیانہ کے ''عیسیٰ پور'' نامی بستی آبائی وطن تھا۔تاریخ ولادت محفوظ نہیں، اندازہ یہ ہے کہ سن ولادت ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء ہوگا، والدہ ماجدہ کا انتقال شیر خوارگی کے زمانے میں ہوگیا تھا، والد ماجد چودھری اللہ بخش مرحوم حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت تھے، ذاکروشاغل اورزیرک وعاقل بزرگ تھے۔

پرائمری کے بعد ۱۳/برس کی عمر ہوگی کہ لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخل ہوئے، اگلے سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ میں داخلہ لیا، دوسال یہاں مولانا انیس الرحمٰن، مولانا لطف اللہ اور دیگر اساتذہ سے ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد چار سال جامعہ خیرالمدارس ملتان میں تعلیم ہوئی، ۷۲۔۱۳۷۳ھ میں مشکوٰۃ شریف ہوئی، ۷۳۔۱۳۷۴ھ میں دورۂ حدیث، اور ۷۴۔۱۳۷۵ھ میں تکمیل کی۔

دورۂ حدیث کے سال حضرت اقدس حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے سلسلۂ اشرفیہ امدادیہ صابریہ میں بیعت کی، اور علوم ظاہری کے ساتھ تعمیر باطن میں ان کے انوار وخیرات سے استفادہ کیا۔''

(مقدمہ ''آپ کے مسائل اوران کا حل''، جلد:۱صفحہ:۱۲)

درس وتدریس کا اندازہ: تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف جگہوں پر درس

دینے کے بعد ۱۹۷۷ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے منسلک ہوئے اور تادم شہادت یہاں اکناف واطراف عالم سے آئے ہوئے تشنگان علوم نبوت کی آبیاری فرماتے رہے۔

درس کا طریقہ: اکابر علمائے کرام سے مسلک کی وضاحت فرماتے ہوئے اکابر کی تشریح پر اعتماد کرنے کا حکم دیتے۔ ہمیشہ فرماتے کہ: اکابر علماء کے مقابلے میں اپنی تحقیق کو ایک طرف پھینک دو۔ مثالوں سے واضح فرماتے کہ اکابر کے طریق سے ہٹنے والے اکثر گمراہ ہو گئے۔ اکثر طلبہ آپ سے بیعت بھی فرماتے۔ ایسے طلبہ کو اذکار و اعمال کی تلقین بھی فرماتے۔ طلبہ کو مولوی اور فاضل یا عصری علوم پڑھنے سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے اور طلبہ میں مولویت کوٹ کوٹ کر بھرنے کوشش کرتے۔ (شہید اسلام نمبر صفحہ: ۳۸۷)

نماز تہجد و دیگر معمولات: ’’تہجد میں جب اٹھتا ہوں، تو روزانہ صلوۃ التسبیح اسی وقت پڑھ لیتا ہوں، پھر ذکر کا معمول پورا کرتا ہوں، پھر اگر وقت ہوتا ہے تو مناجات مقبول اور ذریعۃ الوصول کی منزل بھی پڑھ لیتا ہوں، اتنی دیر میں اذان فجر ہو جاتی ہے، تو دو رکعت فجر کی سنت پڑھ کر مسجد میں آجاتا ہوں اور جماعت ہونے تک تلاوت کرتا رہتا ہوں۔‘‘ (ماہنامہ ’’بینات‘‘ شہید اسلام نمبر صفحہ: ۳۳۰)

خطبات میں حضرت ؒ کی زبان و بیان کا اندازہ ان کے اصلاحی مواعظ سے لگایا جاسکتا ہے، مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کا بیان ہے:

’’جس طرح آپ کی تحریر میں بلا کی روحانی، شائستگی، شستگی اور حد درجہ خیرخواہی اور دل سوزی کا جذبہ ہے، اسی طرح آپ کے وعظ و بیان میں اس سے

کہیں زیادہ خلقِ خدا کی نفع رسانی کا عنصر ہے، اس لئے آپ کے مواعظ حددرجہ مفید، نافع اور اصلاحی ہوتے ہیں۔'' (ماہنامہ ''بینات'' شہیداسلام نمبر صفحہ:۲۶۵)

آٹھ جلدوں میں اصلاحی مواعظ شہید اسلام ہمارے آج کے ائمہ کرام کیلئے ایک عظیم اور گرانقدر سوغات ہے۔

تصوف وسلوک: زمانۂ طالب علمی ہی میں درجہ تکمیل کے ساتھ حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے سلسلۂ اشرفیہ امدادیہ صابریہ میں بیعت کی، اور علومِ ظاہری کے ساتھ تعمیر باطن میں ان کے انوار وخیرات سے استفادہ کیا۔ حضرت جالندھری نوراللہ مرقدہ کی وفات کے بعد برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ سے رجوع کیا، حضرت شیخ الحدیثؒ نے خلافت واجازت کی خلعت سے سرفراز فرمایا، ساتھ ساتھ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ نے بھی ازخود خلافت واجازت کی سند عالی عطا فرمائی۔

(شہیداسلام نمبر صفحہ:۵۰۰)

تصنیف وتالیف اور صحافتی زندگی: ماشاءاللہ آپ نے بہت ساری مفید کتابیں تحریر فرمائیں مثلاً تحفہ قادیانیت، اختلاف امت اور صراط مستقیم، آپ کے مسائل اور ان کا حل، اور معارف نبوی وغیرہ حقیقت یہ ہے کہ اس باب کو اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں تو زیادہ مناسب ہے۔ (مرتب)

محبوب خلائق: ''حضرت قدس سرہ علم کا خزانہ تھے، عمل کا نمونہ تھے، عاقل وفہیم تھے، ذکی ولبیب تھے، عابد وزاہد تھے، متقی وپرہیز گار تھے، جری وبہادر تھے، نڈر حق گو تھے، فیاض اور سخی تھے۔

انہیں اپنے اللہ پر بڑا اعتماد تھا، بڑا ناز تھا۔یقین وتوکل ایسا تھا گویا وہ لوح محفوظ سے ابھی ابھی پروانہ لے کر آئے ہیں ۔انہیں اسباب ووسائل کی پرواہ نہیں تھی، وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کیلئے اور خدا کے بھروسے پر کرتے تھے۔

حضرت قدس سرہ کا یہ فقرہ آج بھی بہت سے لوگوں کے کانوں میں گونج رہا ہوگا کہ ''زمین وآسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، اگر ہم اخلاص کے ساتھ اس کے دین کا کام کریں تو اس کے خزانوں میں کیا کمی ہے؟'' بیشک۔

(شہید اسلام نمبر صفحہ:۲۶۷)

ذاتی صفات وکمالات:

(۱) آپ ہر نماز میں اذان سے قبل ورنہ اذان کے فوراً بعد مسجد میں تشریف لے آتے اور محراب میں مصلےٰ پر تلاوت کلام میں مصروف رہتے ، یہ آپ کا عام معمول تھا، آپ کا یہ معمول مبارک ائمہ مساجد اور تکبیر اولیٰ کی پابندی کرنے کے خواہش مند حضرات کیلئے بہترین لائحۂ عمل ہے۔

(۲) آپ جمعہ کے دن کی نماز کیلئے ۱۲/ بجے سے پہلے مسجد میں آجاتے، اور بارہ بجے بیان شروع فرمادیتے، تقریباً ایک بجے تک بیان ہوتا، اس کے بعد سوالات کے جواب دیئے جاتے، سوا ایک بجے پہلی اذان ہوتی، دس منٹ سنتوں کی ادائیگی کا وقفہ، پھر دوسری اذان وخطبہ اور نماز ہوتی، اس میں جمعہ کے دن مسلمانوں کو پہلی اذان سے بھی پہلے مسجد بلانے کا حضراتِ علماء کیلئے آسان نسخہ اور جمعہ کی جلد ادائیگی کا سبق ہے۔

(۳) آپ دین کا کام کرنے والے ہر انسان کو گلے لگاتے ، اس سے خوش

ہوتے، اور اس کو اپنا سمجھتے، اس کی سرپرستی کرتے، اس میں اہل دین اور علماء کیلئے بہترین لائحۂ عمل اور وسعتِ قلبی کا بہترین سبق ہے۔

(۴) نکاح پڑھانے کیلئے دولہا کے شرعی لباس، وضع قطع، سورت وسیرت کو دیکھ کر نکاح پڑھاتے، ورنہ انکار فرمادیتے۔اس میں نکاح خواں حضرات کیلئے سبق ہے کہ شریعت کی پاسداری کیسے کی جاتی ہے؟

(۵) مہر فاطمی سے کم یا زیادہ پر نکاح نہ پڑھاتے،یعنی مہر فاطمی پر اصرار فرما کر امت کومہر فاطمی کی سنت پر لاتے۔

(٦) ہر مسلمان ومعتقدکو بڑے پیارے انداز میں داڑھی پر آمادہ کرتے۔

(۷) انگریزی محاورات اور جملوں سے سخت نفرت کا اظہار فرماتے تھے۔

(۸) اپنے کام سے اتنی لگن وشغف کہ ''جنگ'' اخبار میں ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے لئے شہادت باسعادت کے بعد تک کئی سال آگے کا کام کر گئے۔

(۹) شفقت والفت اور محبت ایسی فرماتے کہ آپ کی شفقت دیکھ کر ماں، باپ اور استاذ کی محبت بھول جاتی۔

(۱۰) سفر وحضر میں تہجد کے وقت صلوٰۃ التسبیح کا اہتمام والتزام فرماتے۔

(۱۱) فضول مجلس آرائی سے مکمل اجتناب فرماتے۔

(۱۲) آپ کی مجلس میں بولنے سے زیادہ خاموش رہ کر آپ کے چہرے کو دیکھنے میں ایک عجیب حظ اور سرور ملتا تھا۔''

شہادت اور سفر آخرت: ۱۸؍مئی ۲۰۰۰ء مطابق ۱۴۲۱ھ کو صبح کے وقت گھر سے دفتر ختم نبوت جاتے ہوئے سفاک قاتلوں نے آپ کو ڈرائیور سمیت

فائرنگ کرکے شہید کردیا تھا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا خان محمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تقریباً رات ایک بجے علم وفضل کے اس تاجدار کو جامع مسجد خاتم النبیین کے پہلو میں سپرد خاک کرکے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کے عشاق کی نظروں سے اوجھل کردیا گیا۔نور اللہ مرقدہ۔ (شہید اسلام نمبر صفحہ:۱۷۷)

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے شاید ایسے ہی موقع پر کہا تھا ؎

ہلچل زمیں پہ مچ گئی افلاک ہل گئے
یارب کسی کی آہ تھی یا نفخ صور تھا

(معارف نبوی ،جلد اول، صفحہ: ۵۸)

ف: ماشاء اللہ نہایت نصیحت آمیز آپ کے احوال واقوال ہیں اللہ تعالی ان پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے اور مولانا قدس سرہ کو ان کی خدمات عالیہ پر خوب ہی خوب جزاء مرحمت فرمائے اور اپنے قرب وقبول سے نوازے آمین۔

(مرتب)

محمد قمر الزمان الہ آبادی ۱۴ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ

حضرت مولانا علی بھائی یوسف کاویؒ گجرات المتوفی ۱۴۲۲ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۱۲/اگست ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۳۸ھ کو آپ کے وطن موضع کاوی ضلع بھروچ، گجرات میں ہوئی۔ آپ دو ہی مہینے کے تھے کہ والدہ محترمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، جس کی وجہ سے آپ کی پرورش آپ کی بہنوں میں سب سے بڑی بہن ''حور بانو'' نے کی۔ مولانا کے چار بھائی اور چار بہنیں تھیں۔

ابتدائی تعلیم: مولانا نے ابتدائی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی اور دنیوی تعلیم گجراتی اسکول میں درجہ پانچ تک پڑھی۔

اس کے بعد دارالعلوم عربیہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع نوساری میں داخلہ لیا، اور دورۂ حدیث شریف تک اسی دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ وغیرہم تھے۔ مکمل تعلیم کے حصول کے بعد ۱۹۴۰ء

---

(۱) یہ جامع تحریر عزیزم مولانا عنایت اللہ اکھروی کے واسطہ سے دستیاب ہوئی ہے جس کو مولانا ہاشم صاحب مالجی نے ترتیب دیا ہے، اس کو کسی قدر ردو بدل کے ساتھ پیش کر رہا ہوں اور مزید حالات و ارشادات کے سلسلہ میں مناسب سمجھا کہ مکرم مولانا انور صاحب نے جو تفصیل سے حالات لکھے ہیں، جس کو عزیزم مولانا عنایت اللہ سلمہ شائع کر رہے ہیں، اسی مجموعہ سے کچھ مفید و مؤثر باتیں درج کروں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

غالباً ۱۳۵۹ھ میں ڈابھیل سے ہی سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد ہی ۱۹۴۰ء مطابق ۲۴؍شعبان ۱۳۵۹ھ بروز جمعہ آپ کا نکاح ہوا۔

مولانا کے والد مکرم یوسف بھائی کی اس وقت بہت بڑے پیمانے پر تجارت چل رہی تھی اوران کے بڑے بھائی احمد سیٹھ اور دوسرے بھائی حسن سیٹھ یہ دونوں بھائی بھی والد کے ساتھ ہی تجارت میں معاون تھے، جب مولانا ۱۹۴۰ء میں فارغ ہوئے تو آپ کے بڑے بھائی احمد سیٹھ نے آپ کو بھی تجارت میں شامل کرلیا اورایک بہت بڑی دوکان جس میں ہرقسم کا مال ہوتا تھا آپ کے سپرد کی اور یوں کہا کہ علی بھائی! تجھے اس دوکان پر فقط حساب اوربل وغیرہ ہی کی ذمہ داری سنبھالنا ہوگی؛ لیکن چونکہ مولاناؒ کی زندگی تو اسی وقت سے سادہ اور خوف خداوندی اورتوکل وتقویٰ والی تھی، لہٰذا چند مہینے اس کوسنبھالا اور جلد ہی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے، اور بڑے بھائی سے کہہ دیا کہ میں تواس وقت جو مدرسہ امدادیہ شروع ہوا ہے اس میں خدمت کروں گا۔

اور یہ مدرسہ ۱۹۳۷ء میں عقائد دیوبند کے نہج پر مدرسہ امدادیہ کے نام سے آپ کے بڑے بھائی احمد سیٹھ وغیرہ نے شروع کیا تھا، چونکہ آپ کے گاؤں کاوی میں شرک و بدعت اوررسم ورواج کا بہت زورتھا، اس لئے مولاناؒ نے بہت محنت کر کے ان چیزوں کو دور کیا۔ آپ کی خدمات کی بناء پرالحمدللہ لوگ مولانا کو بہت عزت سے دیکھتے تھے، ساتھ ہی مولانا کی تجارت پورے شباب پر تھی؛ لیکن مولانا مرحوم تو اپنے دینی امور میں ہی مشغول رہتے تھے۔ مولاناؒ نے کاوی کے مکتب میں ۲۷ سال خدمت کی۔ نکاح پڑھانے کی خدمت بھی آپ ہی کے

سپرد تھی۔ اور نکاح پڑھانے کی کوئی اجرت یا ہدیہ نہیں لیتے تھے، بلکہ اگر کوئی کچھ دینا چاہتا تو یوں فرماتے کہ آپ کو جو ہدیہ دینا ہو مدرسہ میں دے دیجئے، میں آپ کو رسید بنادوں گا۔

جنازہ کی نماز بھی کاوی میں مولانا ہی پڑھاتے تھے اور مقامی تبلیغی کام کو بھی سنبھالتے تھے اور تعلیمی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

اس طرح ۸۰ سے زیادہ طلبہ وطالبات کی تعداد ان کے پاس رہتی تھی اور بنیادی تعلیم ''اشرف القواعد'' ایسا ٹھوس سمجھاتے تھے کہ ایک ہی سال میں بچے قرآن مجید ناظرہ خود بخود پڑھ لیتے تھے۔ بچوں کو سمجھانے کا اللہ نے آپ کو عجیب ملکہ دیا تھا۔

مولاناؒ تبلیغی کام میں پہلے ہی سے لگے ہوئے تھے، اس زمانہ میں جبکہ کتنے صوبوں اور اضلاع میں ابھی تبلیغ کی بو بھی نہیں پہنچی تھی آپ نے وہاں جا کر کام کیا۔ آپ نے امیر جماعت کی ذمہ داری سنبھال کر رفقائے جماعت کو لے کر بیرون ممالک مراکش، مصر آسٹریلیا، اردن وغیرہ کے سفر بھی کئے۔

دارالعلوم کنتھاریہ میں تعلیمی خدمت: اس طرح کاوی میں تعلیمی وتبلیغی کام کرتے رہے یہاں تک کہ ۶۹-۱۹۶۸ء میں موضع کنتھاریہ میں دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کا افتتاح ہوا اور تعلیم بھی شروع ہوگئی، تو ۱۸/ مارچ ۱۹۶۹ء کو اراکین دارالعلوم نے تعلیمی خدمت کے لئے آپ کو دعوت دی، اور آپ تشریف لے آئے اور آخر تک نہایت خلوص اور انہماک کے ساتھ تعلیمی وتنظیمی خدمات انجام دیتے رہے۔ ذالك فضل الله.

اپنی سعادت: خانقاہ کنتھاریہ کی ابتداء ۱۴۱۲ھ سے لیکر آخر تک مولاناؒ سے خصوصی تعلقات رہے۔ بعد نماز ظہر مجلس ذکر اور بعد تراویح بیان میں برابر بیٹھتے رہے، اور انتہائی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے اور رفقاء سے مضامین کی پسندیدگی کا اظہار بھی فرماتے تھے، جیسا کہ مجھے معلوم ہوا کرتا تھا۔

اقتباس

ازمضمون مولانا انور صاحب استاذ دارالعلوم کنتھاریہ

عارف باللہ حضرت مولانا علی یوسف صاحبؒ امت کے ان صلحاء اور اتقیاء میں سے ہیں جن کو اللہ رب العزت نے فنافی الدین کا خاص مقام عطا فرمایا تھا۔ جن کی زندگی زہد وتقویٰ، ورع اور درویشی میں اپنا کوئی نظیر نہیں رکھتی تھی، جو پیکر سنت اور اتباع کامل کا مجسمہ تھے، جن کو دیکھ کر واقعۃً خدا یاد آجاتا تھا اور دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق اور اپنی زندگی بنانے کا جذبہ دفعۃً آتا تھا، بیمار کی عیادت، جنازہ میں شرکت، مرنے والے کے پسماندگان کو نہایت باا ثر اور سادہ انداز میں تسلی دینا، مصیبت زدہ کو ہمت دلانا وغیرہ کاموں کا آخر عمر تک اہتمام رہا۔

قرآن پاک اور حدیث شریف سے والہانہ لگاؤ تھا۔ دارالحدیث تشریف لاتے تو طلبہ کو نہایت پیارے انداز میں حدیث شریف کا ترجمہ سنانے کی فرمائش کرتے اور خوب محظوظ ہوتے۔

حدیث شریف میں ہے ”الدین النصیحة“ دین خیر خواہی اور خلوص کا نام ہے۔ ہر ایک کو اپنا سمجھنا اور سینہ سے لگانا اور تعصب وگروہ بندی کے بجائے

عمومی خیر خواہی ، یہ دین اسلام کا طغرائے امتیاز ہے۔ حضرتؒ کو ہم نے مدتوں دیکھا کہ ان کی زندگی تعصب اور گروہ بندی سے کوسوں دور تھی۔ دور دور تک تعصب کی بو نہ آتی تھی۔اور دوسروں کی تربیت کا بھی خاص خیال فرماتے تھے۔

حضرت مولاناؒ طلبہ کی بابت کبھی مایوسی کی بات نہیں فرماتے تھے۔ بہت سے طلبہ جن کو ہم کمزور سمجھتے تھے، حضرت کی نظر میں وہ بڑے کام کے ہوتے تھے۔ بار بار فرماتے تھے کہ یہ بچہ اگر اس پر تھوڑی توجہ دی جائے تو بہت کام کا ہے۔ ہر ایک کی بابت یوں خیال فرماتے تھے کہ بڑے کام کا ہے ،کوئی بے کار نہیں۔

آپ کی حالت یہ تھی کہ کبھی ایک واقعہ اتنی لمبی زندگی میں مجھے ایسا نہیں ملتا جس میں اپنی زبان یا قلم سے دوسروں پر اپنی برتری یا دوسروں کی کمتری کا احساس دلایا ہو۔

خاکساری اپنی زندگی کا دائمی حال بنا رکھا تھا اور لمحہ دو لمحہ کے لئے بھی یہ ذوق آپ سے الگ ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ حسد، بغض، عداوت، انتقام، ریا، نمائش ،طول اُمل جیسے نفسانی روگ کا دھبہ حضرت کے آئینۂ دل پر نظر نہیں آتا تھا۔

حضرتؒ نہایت رقیق القلب تھے۔ قرآن شریف پڑھتے پڑھتے آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ہم نے بارہا دیکھا کہ جہری نماز میں امام صاحب کی قرأت سن کر سلام پھیر کر پھوٹ پھوٹ کر اس طرح روتے تھے جیسے کوئی چھوٹا بچہ روتا ہے۔کبھی کسی کی تقریر اور وعظ کی مجلس میں قرآن شریف کی آیت یا

حدیث شریف سنتے تو آبدیدہ ہو جاتے۔ ایک بار درس گاہ میں اشراق پڑھ رہے تھے: سلام پھیر کر اچانک گریہ طاری ہوگیا، یہاں تک کہ آواز بلند ہوگئی اور روتے روتے فرما رہے تھے، زندگی نماز پڑھتے پڑھتے پوری ہوئی مگر ابھی تک نماز کی حقیقت نہیں آئی۔ یا اللہ! نماز کی حقیقت سے نواز دے۔

وفات: آخر وقت موعود آپہنچا اور بغرض علاج سورت میں اپنے لائق فرزند مولانا اسمٰعیل صاحب (نَورنگ) کے یہاں تشریف لے گئے، ظاہر ہے کہ مولانا نے کیسا کچھ علاج کا اہتمام فرمایا ہوگا؛ لیکن جانبر نہ ہوسکے، اور ۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ بروز جمعہ سورت ہی میں قبل نماز عصر جاں بحق ہوگئے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون.**

تکفین کے لئے کنتھاریہ لائے گئے۔ چنانچہ احاطۂ دارالعلوم میں اس حقیر نے نماز جنازہ پڑھائی، اور تدفین دارالعلوم کنتھاریہ کے متصل عمومی قبرستان میں ہوئی۔ نور اللہ مرقدہ.

حضرت مولانا(۱) مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ المتوفی ۱۴۲۲ھ

ولادت: آپ کی ولادت ''نوساری'' (جو پہلے ضلع بلساڑ میں تھا، اب خود ضلع کی حیثیت رکھتا ہے) شہر کے محلہ موٹھوار میں نانا جان کے یہاں ماہ شوال ۱۳۲۱ھ مطابق ۳/دسمبر ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم جد بزرگوار مولانا سید ابراہیم صاحبؒ (م: ۱۳۲۹ھ) ابن سید عبدالرحیم (م: ۱۳۱۳ھ) سے حاصل کی۔ موصوف نے الف، ب کا قاعدہ، پارہ عم اور پانچ کلمے پڑھائے، اس وقت آپ کا قیام لاجپور میں تھا۔ اس زمانہ میں مندرجہ ذیل اساتذہ سے بھی پڑھنے کا موقع ملا۔

حضرت مولانا سید عبدالحی قاضی صاحب لاجپوریؒ، حضرت قاری عبدالستار صاحب لکھنویؒ، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ کو قرآن سنانے کا شرف حاصل ہوا۔

حفظ قرآن: مولانا سید ابراہیم صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ اپنے شفیق چچا سید حسام الدین صاحب قادری (م: ۲۶/جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ) کے ہمراہ موٹا وراچھہ (ایک گاؤں کا نام ہے) گئے۔ اس کے بعد آپ اپنے چچا حسام الدین صاحبؒ

---

(۱) مولانا فضل محمود فلاحی سلمہ نے حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحبؒ کی یہ سوانح مفصل لکھ کر بھیجی تھی، مگر اس حقیر نے بغرض اختصار ''اقوال سلف'' کے اسلوب کے مطابق اس کے اکثر حصہ کو حذف کر کے اس کے ضروری مضامین کو درج کر دیا۔ فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

کے ساتھ راندیر تشریف لائے اور دارالعلوم اشرفیہ میں داخل ہوکر ۱۳۳۹ھ میں حفظ کی تکمیل کی۔

جامعہ حسینیہ میں داخلہ اور فراغت: آپ نے جامعہ حسینیہ میں درس نظامی کی تعلیم کا سلسلہ بھی شروع فرمایا اور ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں مدرسہ محمدیہ عربیہ (جواب جامعہ حسینیہ کے نام سے مشہور ہے) میں داخل ہوئے۔ ۲۰ رشعبان المعظم ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں آپ کو جامعہ کی طرف سے سند فضیلت دی گئی۔

فراغت والے سال جامعہ کے سالانہ جلسہ میں محدث عصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ ڈابھیل سے تشریف لائے اور آپ کی صدارت میں یہ جلسہ ہوا۔ اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی تشریف لے آئے اور وعظ فرمایا، دستار بندی حضرت کشمیریؒ کے دست بابرکت سے ہوئی۔

طالبعلمی کا یہ زمانہ خوب محنت ومطالعہ اور تقویٰ وطہارت کے ساتھ گزارا۔ چنانچہ جامعہ کی سالانہ رپورٹ میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے یہ تأثر تحریر فرمایا:

''مولوی سید حافظ عبدالرحیم لاجپوری چھ سال سے اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ ان کی از ابتدا تا انتہا تعلیم اسی مدرسہ میں ہوئی، نیز سند قرأت بھی اسی مدرسہ سے حاصل کر چکے ہیں، نہایت صالح اور ذہین طالب علم ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے علم اور عمل میں برکت دے کر ان سے اہل گجرات کو فیضیاب فرمائیں۔''

ف: سبحان اللہ! حضرت مولانا مدنیؒ نے ایک طالبعلم کے لئے کس قدر توصیفی کلمات فرمائے جو آج کل کے طلبہ کے لئے یقیناً موجب عبرت ونصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے طلبہ جو علمی صلاحیت کے لئے صلاح وتقویٰ کی صفات سے

متصف ہوں تو اس سے امت کی خوب ہی خوب اصلاح ہو۔ (مرتب)

اب آگے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمات ملاحظہ ہوں۔

فتویٰ نویسی کی ابتداء: فراغت کے اخیر سالوں میں فتویٰ نویسی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مولانا محمد حسین صاحب کی عادت تھی کہ جو استفتاء آتے وہ جواب کے لئے مفتی صاحبؒ کے پاس بھیج دیتے، مفتی صاحبؒ خوب تحقیق سے جوابات لکھ کر مولانا محمد حسین صاحب کو بتاتے، وہ تصویب فرما کر مستفتی کے حوالے فرماتے۔

بیعت واصلاحی تعلق: اپنے نفس کی اصلاح کے لئے حضرتؒ کی نظر انتخاب زمانہ کے مجدد اور کامل مصلح حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ پر پڑی، چنانچہ آپ نے ۱۳۵۰ھ میں بڑی مسجد راندیر کے متولی و منتظم حاجی گلاب خاں کے ساتھ جب کہ وہ تھانہ بھون تشریف لے جارہے تھے، ایک خط درخواست بیعت پر مشتمل ارسال فرمایا۔ اس پر حضرت نے جو جواب مرحمت فرمایا، اس سے حضرت مفتی صاحبؒ کے مقام باطنی کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

حضرت تھانویؒ کا گرامی نامہ، حضرت مفتی صاحبؒ کے نام

مولانا دامت برکاتہم! السلام علیکم۔

خدمت سے عذر نہیں، مگر مخدومیت کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا اور نفع اس پر موقوف بھی نہیں ہے، اصل چیز اتباع ہے احکام کا اور مشورہ کا، سو احکام ماشاء اللہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور مشورہ کے لئے میں حاضر ہوں، جب سے آپ فرمائیں۔ والسلام دعاگو ودعاجو اشرف علی

ایک مرتبہ تھانہ بھون حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری بھی

دی، ایک رات خانقاہ میں قیام رہا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ مفتی صاحبؒ دہلی میں ہونے والے کانگریس کے تاریخی اجلاس میں تشریف لے گئے تھے۔ اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد تھانہ بھون حاضری دی تھی۔

اس خط کے بعد اصلاحی تعلق کی کیا نوعیت رہی، خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا یا نہیں؟ اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بالمشافہہ بیعت ہوئے، جبکہ حضرت مدنیؒ راندیر تشریف لائے تھے۔

شیخ الحدیث سے استفادہ: حضرت مدنیؒ کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ سے استفادہ فرمایا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت شیخ کی خانقاہ میں چند ساتھیوں کے ساتھ گیا تھا، تین روز قیام رہا۔ حضرت شیخ تراویح کے بعد ناشتہ کے موقع پر خصوصیت سے یاد فرماتے کہ مفتی عبدالرحیم صاحب اور ان کے ساتھی کہاں ہیں؟ ایک دن حضرت شیخ کے حکم سے خانقاہ میں فجر کی نماز بھی پڑھائی۔

فتاویٰ رحیمیہ: حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاوی رحیمیہ'' کے نام سے اردو میں دس جلدوں میں طبع ہوا۔ حضرتؒ کی حیات میں اسے وہ قبولیت نصیب ہوئی جو کم فتاویٰ کے حصہ میں آئی۔

فتاویٰ کے نام سے آدمی سمجھتا ہے کہ اس میں کچھ مسائل ہوں گے جس کا جواب صاحب فتاویٰ نے جائز ہے، ناجائز ہے، کے الفاظ سے دیا ہوگا، مگر فتاویٰ رحیمیہ یقیناً علوم ومعارف کا خزانہ ہے۔ اس میں کتاب اللہ کی آیات، مفسرین کے تفسیری فوائد،

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محدثین کے محدثانہ علوم، آثار صحابہؓ، اقوال تابعین و تبع تابعین، اسلاف کے ملفوظات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، صحابہؓ اور اولیائے امت کے حالات، فقہ کے اصول وقواعد، جزئیات، اہل سنت والجماعت کے صحیح عقائد، فرق باطلہ کی تردید پر مفصل وجامع مواد حضرتؒ کی شان فقاہت پر دال ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ کے متعلق بہت سے اکابر نے اپنے تأثرات کا اظہار فرمایا ہے جوخود فتاویٰ رحیمیہ میں طبع ہو چکے ہیں، اس لئے ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! اخیر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی دعا کو تبرکاً نقل کرتا ہوں۔ وھو ھٰذا:

’’فتاویٰ رحیمیہ کے لئے یہ ناکارہ دل سے دعا کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ تمتع اور انتفاع نصیب کرے، اور جناب کے لئے اور طابع وناشر اور اس میں کسی بھی نوع کی سعی کرنے والے کے لئے صدقۂ جاریہ بناوے اور آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

فقط والسلام۔ حضرت شیخ الحدیث (بقلم عبدالرحیم متالا ۲۸؍رجب المرجب ۱۳۹۰ھ)

مکتوب گرامی بنام ایں حقیر

محترم ومکرم حضرت مولانا قمرالزماں صاحب دامت فیوضہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج اقدس بخیر ہوگا۔ عرض ایں کہ آنحضرت کی طرف سے علمی قیمتی ہدیہ سنیہ ’’اقوال سلفؒ حصہ سوم‘‘ موصول ہوا (کنتھاریہ سے) یادآوری پر صمیم قلب سے مشکور ہوں۔ جزاکم اللہ خیرا لجزاء۔ بہت قیمتی اور قابل قدر اور قابل استفادہ کتاب ہے، بزرگوں کے اقوال وملفوظات سے بڑا فیض حاصل ہوتا ہے اور ان کی اشاعت کی بڑی

ضرورت ہے، یہ کام اللہ نے آپ سے لیا۔ اللہ پاک آپ کی محنت اور مساعی جمیلہ کو بارآور فرمائیں، اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

احقر سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری۔ ۷؍رجب ۱۴۱۴ھ

ف: یہ حقیر حضرت مفتی صاحبؒ کی اس تحریر کو موجب سعادت اور سرمایۂ آخرت سمجھتا ہے۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

سانحۂ وفات: ۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ سے مرض میں شدت آنی شروع ہوئی۔ آخر یکم رمضان المبارک نماز ظہر کے قریب طبیعت زیادہ خراب ہوئی؛ لیکن دوسری شب کی تراویح بھی جماعت سے ادا فرمائی۔ اس کے بعد پوری رات بے چینی میں گزری۔ آخر ۲؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ دن میں ۱۲ بجکر ۲۵ منٹ پر روح پاک عالم جاودانی کی طرف پرواز کرگئی۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون.**

جنازہ میدان میں پہنچنے سے پہلے میدان بھر گیا تھا اور صفیں بنانا دشوار ہو رہا تھا۔ حضرت کی وصیت کے مطابق مفتی عارف حسن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور راندیر کے مشہور قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا، اس طرح سوا بارہ بجے تدفین سے فراغت ہوئی۔ حضرتؒ کی قبر کی مٹی سے ایک بھینی بھینی خوشبو قبرستان کے چاروں طرف پھیل رہی تھی جس کو سارے مجمع نے محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے درجات کو بلند فرمائیں اور اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائیں۔ آمین

اپنی سعادت: اس حقیر کو مفتی صاحبؒ کی بار بار زیارت ہوئی، ہر مرتبہ نہایت محبت اور لطف و کرم کا سلوک فرمایا اور عطر کا بیش قیمت ہدیہ عنایت فرمایا۔ اور فتاویٰ رحیمیہ بھی متعدد بار کئی نسخے عطا فرمایا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مہاجر مدنیؒ المتوفی ۱۴۲۲ھ

ولادت، وطن ونسب: آپ کا وطن موضع بسی ڈاکخانہ بگراسی ضلع بلند شہر (یو، پی) ہند ہے۔ یہاں آپ کی ولادت مولاناؒ کے اندازہ کے مطابق ۱۳۴۳ھ میں ہوئی۔ والد محترم کا اسم گرامی محمد صدیق تھا جو قوم راجپوت سے تھے، چونکہ بلند شہر کا پرانا نام برن تھا، اس لئے حضرت مولاناؒ کبھی اپنے کو بلند شہری لکھتے اور کبھی برنی۔

ابتدائی تعلیم: اپنے وطن ہی میں حفظ قرآن پاک کیا اور ابتدائی فارسی عربی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ پھر مدرسہ قادریہ حسن پور ضلع مراد آباد میں داخلہ لیا، کچھ کتابیں یہاں پڑھ کر پھر آئندہ سال مدرسہ عربیہ امدادیہ مراد آباد میں داخلہ لے کر متوسط درجہ کی کتابیں پڑھیں۔ وہاں شرح جامی، کنز الدقائق ونور الانوار وغیرہ مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ: اس کے بعد ۱۳۶۰ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ یہاں تین سال قیام کر کے ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

تدریس: سب سے پہلے مدرسہ آثار الولی بٹلہ ضلع گورداس پور میں چھ ماہ پڑھایا۔ یہ مدرسہ مولانا ولی محمد صاحبؒ نے قائم کیا تھا، جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ تھے اور مدرسہ کا نام بھی حکیم الامتؒ نے ہی

رکھا تھا، اس کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اخیر میں حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ کے مدرسہ جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد میں حدیث وفقہ کی کتابیں پڑھائیں۔

اس کے بعد ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتیٔ اعظم پاکستان نے دارالعلوم کراچی کے لئے طلب فرمایا، لہٰذا ان کی خدمت میں رہ کر بارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ **ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.**

اس کے بعد شعبان ۱۳۹۶ھ میں آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں عبادت، ریاضت، تصنیف وتالیف اور افتاء کا سلسلہ جاری رکھا، چونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ سے طالبعلمی ہی کے زمانہ میں بیعت ہو چکے تھے، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی خدمت میں برابر حاضر رہتے تھے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی آپ کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے، کتابیں لکھنے کا حکم فرماتے اور اپنی جیب خاص سے خرچ کر کے اس کو چھپواتے تھے۔ انعام الباری شرح اشعار بخاری حضرت شیخ الحدیثؒ ہی کے حکم سے لکھی تھی۔

ملفوظات مفیدہ

مرتبہ صاحب زادہ مولانا عبداللہ البرنی المدنی زیدمجدہم

۱- فرمایا: مخلوق کو راضی رکھنے کی فکر نہ کرو؛ بلکہ خالق و مالک کو راضی رکھو جس نے وجود بخشا اور زندگی دی ہے، آج کل لوگ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق و مالک کی نافرمانی کرتے ہیں، صرف اس لئے داڑھی منڈاتے اور پتلون پہنتے ہیں کہ کوئی انہیں ملانہ سمجھے، بیوی کو اس لئے پردہ نہیں کراتے کہ کوئی دقیانوسی

نہ کہہ دے۔بس اتنی سی بات کے لئے اللہ کی نافرمانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ارے مخلوق کی بھی کوئی حیثیت ہے جسے اللہ کی نافرمانی کر کے راضی کیا جائے! صرف خالق و مالک کو راضی کرو، اس کو راضی رکھتے ہوئے جو راضی ہو جائے ٹھیک ہے۔

۲- فرمایا: علماءِ سابقین میں اخلاص تھا۔ان حضرات میں سے جو شخص اپنے اجتہاد کی وجہ سے کسی دوسرے کا موافق نہ ہوا اس نے دوسرا مسلک اختیار کرلیا جو اسے راجح معلوم ہوا؛ لیکن اپنے ہمعصر یا سابق مجتہدین کی عزت برقرار رکھتے ہوئے اور انہیں رحمت کی دعا دیتے ہوئے اور یہ واضح کرتے ہوئے کہ ہم نے غیر منصوص امور میں اجتہاد کیا ہے، اس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری سمجھ میں جو آیا ہے وہی صحیح ہے۔ان حضرات کے پیشِ نظر محض اللہ تعالیٰ کی رضا تھی، نہ عوام ان کے پیشِ نظر تھی کہ ان کے لئے حرام کو حلال کر دیں اور نہ حکومتوں سے ان کا گٹھ جوڑ تھا کہ ان کے لئے تحلیل حرام کا ارتکاب کریں۔ان حضرات میں اخلاص اور تقویٰ تھا اور سارا عمل ارضائے مخلوق سے بالاتر تھا، نہ انہیں دشمن استعمال کر سکتے تھے، نہ اصحابِ اقتدار خرید سکتے تھے، نہ وہ اپنی شان بڑھانا چاہتے تھے، نہ شہرت کے طالب تھے۔

۳- فرمایا: انسان کے اندر حبِ جاہ کا جذبہ یہاں تک ہے کہ جو کام نہ کیا ہو اس پر بھی اپنی تعریف چاہتا ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ (اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کئے۔) یہ بات قرآن مجید میں یہودیوں کے بارے

میں فرمائی گئی ہے،مگراس مرض میں بہت سے مسلمان بھی مبتلا ہیں۔

۴- فرمایا: عدم الریاء کے دعوے میں بھی ریاء ہوتی ہے۔تنہائی میں عمل کر کے لوگوں سے کہتے ہیں کہ الحمدللہ بڑی پابندی سے اتنے برس سے یہ عمل جاری ہے،لوگوں کو دکھانا تھوڑا ہی ہے جو سامنے کیا جائے اوراس کا ڈھنڈھورا پیٹا جائے، دیکھو ریا کاری سے بیزاری ظاہر کرنے میں دوہری ریا کاری کر گئے۔ ایک تو عمل ظاہر کر دیا کہ اتنے عرصہ سے پابندی کررہا ہوں، دوسرے یہ کہہ دیا کہ میں ریاکار نہیں ہوں (اس لئے میرے اخلاص کے معتقد بن جاؤ۔)

۵- فرمایا: حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر دیدی، اس کے لئے عذر کا کوئی موقع نہیں چھوڑا (یعنی اس عمر تک آدمی کو اپنی اصلاح ضرور کرلینی چاہئے۔)

ساٹھ سال کی زندگی بہت ہوتی ہے۔اس میں انسان دادا اور پڑدادا بن جاتا ہے۔دنیا کماتا ہے، ہزاروں کی ریل پیل میں مشغول ہوتا ہے۔دنیا کے لئے چاق وچوبند، بیدارمغز،فکرمند اورآخرت سے غفلت یہ بڑی بےوقوفی ہے۔

سورۂ فاطر میں فرمایا:﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ﴾ (اورلوگ دوزخ میں چیخ و پکار کرتے ہوئے یوں کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں نکال دیجئے،ہم جو اعمال کیا کرتے تھے اب ان کے علاوہ عمل کریں گے اور نیک عمل ہوں گے۔)

اس کے جواب میں ارشاد ہوگا'' ﴿أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ﴾ ''(کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی جس میں

نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ: ''نذیر'' (ڈرانے والا) سے سفید بال مراد ہیں، جب سفید بال آ گئے تو آخرت کی فکر بہت زیادہ کرنی چاہئے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ''نذیر'' سے اولاد کی اولاد مراد ہے۔ جب اولاد کی اولاد آ گئی تو سمجھ لو کہ اب چل چلاؤ ہے۔ اگلی زندگی کی فکر زیادہ کریں۔

٦- فرمایا: کیا ہی مبارک ہیں وہ لوگ جو قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس میں مشغول ہیں یا کسی بھی اعتبار سے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان جب دنیا میں آیا ہے تو اسے کچھ تو کرنا ہی ہے اور کسی نہ کسی کی خدمت میں تو لگنا ہی ہے۔ کوئی اپنی خدمت میں مشغول ہے، بناؤ سنگار، کپڑوں کی استری، گھر کی آرائش اور زیبائش میں لگا ہوا ہے۔ بہت سے بندے وہ ہیں جو اللہ کی کتاب پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں، نمازیں سکھاتے ہیں، لوگوں کو اللہ کی یاد میں مشغول کرتے ہیں، بہت سے لوگ حدیث وفقہ کا درس دیتے ہیں، اللہ کی مخلوق کو اسلام کے احکام اور مسائل بتاتے ہیں۔ اور بہت سے حضرات خانقاہوں میں فروکش ہیں، یہ تزکیۂ نفوس کا کام کرتے ہیں اور کثرت ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔ بہت سے حضرات مسجدوں کی امامت اور خطابت میں اور بہت سے حضرات اذان دینے کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، یہ حضرات اللہ کے دین کے خادم ہیں اور دین کی دعوت اور اشاعت میں مشغول ہیں۔

اپنی اولاد کو نصیحت: میں اپنے لڑکوں سے کہتا ہوں کہ اللہ کے دین کی

خدمت میں لگے رہو، خدمت تو کرنی ہی ہے، پھر اعلیٰ خدمت کو کیوں نہ اختیار کیا جائے جس میں دنیا اور آخرت کی خیر ہے، اور یہی مومن کا مقصود حیات ہے۔

طلبہ کو ہدایت: میں علم دین حاصل کرنے والے طلبہ سے کہتا ہوں کہ تم نہایت عمدہ مشغولیت میں ہو، اگر قرآن وحدیث کی خدمت میں مشغول نہ ہوگے تو کسی نہ کسی کی خدمت تو کرنا ہی ہوگی، بعض طالب علموں نے درمیان میں چھوڑ دیا، پھر دنیا اور اہل دنیا کی خدمت میں لگنا پڑا۔ ایسی سینکڑوں نظیریں نظروں کے سامنے ہیں۔

ف: ماشاءاللہ بڑی وضاحت سے علم دین میں مشغولیت اور اس کی خدمت کی مدح فرمائی، جزاھم اللّٰہ تعالیٰ. (مرتب)

۷- فرمایا: بعض لوگ اپنے بچوں کو قرآن وحدیث نہیں پڑھاتے اور کہتے ہیں: کیا اپنے بچوں کو ملا بنانا ہے اور مسجد کی روٹیاں کھلانا ہے؟ یہ لوگ حضرت بلالؓ کے نام پر نام رکھنے پر تو فخر کرتے ہیں؛ لیکن حضرت بلالؓ کا جو کام تھا یعنی اذان دینا اس کام میں اپنی اولاد کو لگانا عار سمجھتے ہیں۔ امامت و خطابت حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین حضرات ابوبکر وعمر وعثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا کام تھا، اس کام سے اپنی اولاد کو بچاتے ہیں اور اپنے متعلقین کو مسجد کی روٹیاں کھانے کا طعنہ دیتے ہیں، مگر سمجھ لو! مسجد کی روٹیاں کھانا رشوت، سود اور حرام کاروبار کے پیسہ سے روٹیاں کھانے سے کہیں بہتر ہے۔ جب لوگ اپنی اولاد کو مسجد سے دور رکھتے ہیں تو زندگی بھر وہ دور ہی رہتی ہے۔

ف: بالکل صحیح ہے، اور اس کا مشاہدہ دن رات ہو رہا ہے۔ (مرتب)

۸- فرمایا: ذکر وفکر، صبر وشکر مومن کی زندگی کی گاڑی کے پہیے ہیں، اللہ کی یاد میں بھی لگا رہے اور ترقئ درجات کے لئے بھی فکر مند رہے۔ تکلیف پر صبر بھی کرے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہے۔

ف: ماشاء اللہ، دین وطریق کے اعمال کا خلاصہ (صبر وشکر، ذکر وفکر کو) بیان فرمایا جو عین حق ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

۹- فرمایا: دنیا دار المصائب ہے، صبر کے بغیر زندگی گزارنے کا کوئی راستہ نہیں، بس اتنا فرق ہے کہ مومن صبر کا ثواب بھی حاصل کر لیتا ہے اور کافر کو یہ بات نصیب نہیں ہوتی، اور جو شخص مدعئ اسلام ہو؛ لیکن بے صبرا ہو، مصیبت کے وقت واویلا کرتا ہو، اجر وثواب کی امید نہ رکھتا ہو، وہ بھی ثواب سے محروم رہتا ہے، اور درحقیقت مصیبت زدہ وہی ہے جسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا۔ اسی کو فرمایا: **إنما المُصابُ من حُرِمَ الثواب** یعنی درحقیقت مصیبت زدہ وہی ہے جو ثواب سے محروم ہے۔

۱۰- فرمایا: تکلیف کے وقت صبر بہت کڑوا معلوم ہوتا ہے؛ لیکن اس کا نتیجہ میٹھا نکلتا ہے، اردو میں تو مثل مشہور ہے کہ ''صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔'' عربی میں بھی کسی نے کہا ہے۔ **"الصَبر اَمرُّ من الصِبْرِ و احلیٰ من الثَمر"** (صبر ایلوے سے زیادہ کڑوا ہے اور پھل (یعنی اجر) سے زیادہ میٹھا ہے)

درحقیقت مومن سے زیادہ کوئی آرام وراحت میں نہیں۔ وہ اللہ کی قضاء و قدر پر راضی رہتا ہے اور ہر حالت میں ثواب کا امیدوار رہتا ہے، طبعی طور پر اگر کسی بات پر رنج ہو تو عقلی اور ایمانی طور پر اس کا دفاع ہو جاتا ہے اور اس طرح

اس کی مصیبت ہلکی ہوجاتی ہے۔

ف: بیشک بہت ہی حکمت وتسلی کی بات ارشادفرمائی۔فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

۱۱- فرمایا: جب سے رواجی تصوف رہ گیا ہے اور مقاصد نظروں سے اوجھل ہوگئے تو خالص دنیادار بھی پیر بن گئے۔سلسلۂ خلافت اپنی نسل میں باقی رکھنے کی بنیاد پر داڑھی منڈے بھی خلیفہ ہونے لگے۔خلاف شرع لباس پہنے ہوتے ہیں مگر خلیفہ ہیں۔اپنے باپ کے مریدوں میں جاتے ہیں، سالانہ گشت کرتے ہیں اور اموال غصب کر کے لے آتے ہیں۔دینے والوں کا دل تلملاتا رہتا ہے اور یہ وصول کر کے لے آتے ہیں، جو نہ شریعت میں جائز ہے نہ طریقت میں، یہ طریقے ایسے لوگوں کے سلسلوں میں جاری ہیں جو خالص دنیا دار ہیں، پیسے گھسیٹنے کے لئے پیر بنے ہیں۔اعاذنا اللّٰه تعالیٰ منه.

ف: اوراب تو مزید برا حال ہے۔العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

۱۲- فرمایا: الحمدللہ، ہمارے اکابر کے یہاں ایسے سلسلے نہیں ہیں، ان کے یہاں سب کچھ شریعت ہی ہے۔طریقت شریعت پر ہی چلنے کے لئے ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خانقاہ اب تک موجود ہے۔آپ کی وفات کونوے سال ہورہے ہیں؛ لیکن گدی نہیں چلائی۔دوسروں کو خلافت دی، اپنے بیٹے کو خلافت نہیں دی، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے تو باقاعدہ وصیت نامہ میں لکھ دیا کہ میرا کوئی جانشین نہیں ہے۔

ف: حضرت مجدد الملتؒ کی یہی شان تھی۔مگر دعاوتوجہ کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت حکیم الامتؒ کے سلسلہ کو جاری وساری رکھنے کی توفیق دے۔آمین،

جب کہ اس میں قدرے فرق آرہا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

۱۳- فرمایا: دراصل طالب دنیا کا اور طریقہ ہے اور طالب حق کی زندگی گزارنے کا طریقہ اور ہے، یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ اپنی شہرت، اپنی عظمت چمکانا، اپنا معتقد بنانا مقصود نہیں ہوتا۔ جس کے سامنے حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی ہے وہ اپنی ذات کو کچھ بھی حیثیت نہیں دے سکتا۔ جو مصنوعی پیر ہیں وہ تو اپنے کو سجدہ کراتے ہیں اور اپنے باپ دادوں کی قبروں کا طواف کراتے ہیں جو سراپا شرک ہے، حالاں کہ شریعت وطریقت خالص اللہ کی توحید دل میں بسانے کے لئے اور اللہ کی عبادت اور اللہ کا ذکر قلوب میں رچانے کے لئے ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جب فارس کی جنگ میں شریک ہوئے تو فارس کے سپہ سالار نے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ بندوں کو اللہ کا بندہ بنادیں۔ جو پیر اپنے کو سجدہ کراتا ہے اور اپنی عظمت کا سکہ قائم کرتا ہے تو ایسا شخص خود ہی اللہ کا مقبول بندہ نہیں ہے وہ دوسروں کو اللہ تک کیا پہنچائے گا۔

آپ کی متعدد تصانیف ہیں، ان میں تفسیر ''انوار البیان فی کشف اسرار القرآن'' بھی ہے جو نہایت واضح وآسان زبان میں لکھی ہوئی ہے، اور حالات زمانہ کی اصلاح کا کافی مواد مذکور ہے۔

اپنی سعادت: ماشاء اللہ آپ کی زیارت ۱۹۷۸ء کے حج میں ہوئی۔ پھر بعد میں بھی ہوئی۔ اپنی تصنیفات عنایت فرمائیں۔ فجزاهم الله تعالىٰ احسن الجزاء

وفات: غرض اسی طرح دینی وعلمی خدمات کو انجام دیتے ہوئے ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۲۲؁ھ مطابق ۲۸ر نومبر ۲۰۰۱؁ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون.

اور قبل نماز وتر جنازہ مسجد نبوی میں پہنچا دیا گیا، چنانچہ نماز وتر کے بعد امام حرم نے نماز جنازہ پڑھائی، لاکھوں مسلمانوں نے نماز جنازہ ادا کی، اور حضرت سیدنا عثمانؓ کی قبر مبارک کے قریب تدفین ہوئی۔

نور اللہ مراقدھم وبرد اللہ مضاجعھم.

حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب الہ آبادیؒ المتوفی ۱۴۲۲ھ

خلیفہ حضرت مصلح الامتؒ

ولادت: آپ کی ولادت ۶؍رجب ۱۳۳۲ھ مطابق یکم جون ۱۹۱۴ء بروز دو شنبہ بمقام موضع اوجھنی ضلع الہ آباد میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: گاؤں کے ایک مکتب میں شروع ہوئی، وہیں ناظرہ پڑھا، اور حفظ شروع کیا، اور ۱۲، ۱۳ سال کی عمر میں حفظ مکمل کرلیا۔ پھر تجوید وقرأت کے لئے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں داخلہ لیا اور وہاں فن تجوید کے امام قاری محب الدین صاحبؒ سے فن تجوید کی متعدد چھوٹی بڑی کتابیں پڑھیں، جن میں سے چند یہ ہیں: معرفۃ التجوید، فوائد مکیہ، مقدمہ جزریہ، خلاصۃ البیان وغیرہ، اور درجۂ تجوید سے آپ کی فراغت ۱۳۵۳ھ میں ہوئی۔

مظاہر علوم میں داخلہ: ابتدائی عربی کتابیں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد ہی میں پڑھیں، پھر تکمیل کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے، اور وہاں مختلف فنون کی بہت سی کتابیں پڑھیں، چنانچہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد محلہ کٹرہ الہ آباد میں اپنے والد صاحب کی جگہ پر کام کا آغاز کیا، اسی مسجد میں امامت کرتے، اس میں ایک مکتب بھی قائم تھا، اس میں بچوں کو حفظ اور فارسی وعربی پڑھاتے، کچھ دنوں مدرسہ قرآنیہ حسن منزل الہ آباد

میں بھی تجوید وقرأت وغیرہ کی تعلیم دی۔

آپ کی فنا و نیستی اور خوش خلقی کے احوال: آپ نے گمنامی کی زندگی کو پسند فرمایا، خودنمائی سے ہمیشہ بچتے رہے، اپنے لئے کوئی نمایاں فرش مخصوص نہ کرتے، گرمی میں ایک بڑی چٹائی ہوتی، اور جاڑے کے دنوں میں چٹائی پر ایک کالا کمبل پڑا رہتا، جس پر آپ تشریف فرما ہوتے، اور آنے والے مہمان بھی اسی کمبل پر بیٹھتے۔

حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب سے تعلق: فراغت کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفۂ خاص مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، اور آپ کی خدمت میں آمدورفت رکھتے تھے، چنانچہ قاری صاحبؒ مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ کی بہت سی خوبیاں بیان فرماتے تھے۔

منجملہ ان خوبیوں کے ایک یہ بیان فرماتے کہ مولاناؒ نماز باجماعت کے انتہائی پابند تھے اور جس نماز سے پہلے سنت مؤکدہ ہوتی تو جماعت سے دس منٹ قبل مسجد میں تشریف لے آتے تھے۔ اور جس کے پہلے سنت مؤکدہ نہ ہوتی تو جماعت سے پانچ منٹ پہلے مسجد میں تشریف لاتے۔

حضرت مصلح الامتؒ سے تعلق: حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ کی وفات کے بعد قاری صاحبؒ نے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، اور آپ کے وطن اصلی فتحپور تال نرجا ضلع مئو برابر تشریف لے جاتے تھے، حضرت مصلح الامتؒ کو آپ پر کامل اعتماد تھا اور بہت مانتے تھے۔

ملفوظات: فرماتے: لوگ مجھ سے وظائف پوچھتے ہیں، حالانکہ سب سے بڑا وظیفہ قرآن مجید ان کے پاس موجود ہے، اس کی تلاوت کا اہتمام نہیں کرتے۔

آپ خود بھی تلاوت کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ پختہ حافظ ہونے کے باوجود صبح کی تلاوت کے علاوہ کئی کئی پارے ظہر ومغرب کے بعد دور سناتے۔ آخری ایام میں تو ہر وقت تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے۔ جب بولنے سے معذور ہو گئے تو کسی حافظ قرآن کو بلا کر سننے کا اہتمام فرماتے۔

آپ سنت کا بہت اہتمام فرماتے تھے، آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ ہماری کوئی بھی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، اور ہمارا کھانا پینا، غرض کہ کوئی بھی گزران زندگی سنت نبویہ کے خلاف نہ ہو، اسی کی لوگوں کو تاکید بھی فرماتے، اور سنت کے خلاف کوئی کام دیکھتے تو چہرہ سرخ ہو جاتا، اور ناگواری کا بھی اظہار فرماتے۔

اپنی سعادت: الحمدللہ حضرت قاری صاحبؒ سے بہت ہی خاص اور گہرا تعلق تھا۔ اپنے اکابر کے بہت سے واقعات سناتے تھے جو نصیحت آموز اور بصیرت افروز ہوتے تھے۔ یہ حقیر اپنے سفر کے حالات جب بیان کرتا تو بیحد خوشی کا اظہار فرماتے، اور حسن ظن کی بناء پر تحریری طور پر بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، فللہ الحمد و المنة

مکتوبات عالیہ

بنام ایں حقیر

حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحبؒ کے دو مکتوب گرامی

بسمہ تعالیٰ وسبحانہ

مخدومی ومکرمی جناب مولوی قمر الزماں صاحب دامت الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خدا کرے کہ مزاج گرامی بخیر ہو۔

الحمد للہ یہ عاجز بعافیت ہے، خط لکھ دیا، اور دونوں ہی ساتھ ملفوف کر دیئے، ان شاء اللہ ہفتہ عشرہ کے اندر مل جائے گا۔

جو خواب میں نے دیکھا تھا عرض کر رہا ہوں۔ ممکن ہے الفاظ روایت بالمعنی کے طور پر ہوں؛ لیکن واقعہ اَنَّہٗ ھُوَ (یعنی بالکل وہی ہے جو لکھا ہے۔)

تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزرا، میں نے دیکھا کہ میں خانقاہ میں اوپر ہوں، آپ سیڑھی کے دروازہ کی طرف سے آرہے ہیں، آپ کے پیچھے اوپر ہی کے حصہ میں کافی لوگ ہیں جن کا میلان جناب کی طرف بہت کافی دیکھ کر میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا کہ یہ سب میرے عشاق ہیں، اس پر میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی تو آپ سے محبت ہے، آپ نے میرے اس جملہ کا بہت عمدہ جواب دیا تھا جو خواب کی صبح کو تو مجھے یاد تھا؛ لیکن پھر بھول گیا، خواب میں آپ نہایت شکیل وجمیل تھے، قد وقامت یہی؛ لیکن بہت تر وتازہ، نہایت خوش رنگ، گورے، بے ریش، بشکل امرد، کافی نورانی اور باوقار چہرہ۔

بندہ نے خواب سے بے تکلف یہ سمجھا تھا کہ جناب کی ہر دلعزیزی بہت بڑھے گی اور مقبولیت عامہ نصیب ہوگی۔ مسلمانوں کو ان شاء اللہ ظاہری و باطنی فیض کافی و وافی پہنچے گا، آپ کے پیرو دیندار ہوں گے۔ شکل کے بارے میں سوچتا رہا، اچانک منجانب اللہ قلب میں یہ آیا کہ یہ تو اہل جنت کی شکل ہے۔ فللہ الحمد علی ذالك.

اس خواب سے آپ کی محبت قلب میں بہت بڑھ گئی، ان ایام کا انتظار ہے جو دیکھا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی محبت سے ہمیشہ سرشار رکھے اور اپنے دین کی

خدمت کی توفیق خوب خوب عنایت فرمائے اور ہر قسم کے رذائل سے محفوظ رکھے۔

یہ عاجز بھی جناب سے دعاؤں کا خواستگار ہے۔ والسلام۔ بندۂ عاجز

حبیب احمد غفرلہ، ذی قعدہ ۸۹ سنہ ۱۳ھ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مخدومی المکرم جناب مولانا قمر الزماں صاحب زادت الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کتاب مستطاب باعث شرف ہوئی، جناب کی محبت کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں، زبان وقلم دونوں قاصر ہیں، یہ نہ مبالغہ ہے اور نہ ہی شاعری، آپ نے بار بار ہر مرتبہ گجرات سے یاد فرمایا، اس مرتبہ بھی تحفۂ یاد فرمائی سے نوازا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ مرسلہ عطیہ سے دل باغ باغ ہوگیا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوب نوازے اور دین کی خدمت سے خوب خوب مشرف فرمائے، طریق وسلوک کی صحیح ترجمانی ہو۔ جو لوگ آپ سے مل کر آئے، بڑی مسرت کے ساتھ آپ کی خدمت دین کے حالات بیان کر رہے تھے، مبارک ہو۔ صد بار مبارک ہو۔ جو بغیر طلب اعزاز ملتا ہے وہ یقیناً منجانب اللہ ہوتا ہے۔ بارک اللہ لکم۔ دعاؤں کا متمنی ہوں۔ رعشہ وغیرہ سے پریشانی رہتی ہے۔

والسلام۔ طالب دعا۔ حبیب احمد

وفات: محرم کی ۷ ؍ تاریخ ۲۲ سنہ ۱۴ھ کو سرائے فانی سے دار باقی کی طرف کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. اور الہ آباد میں اللہ پور کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ المتوفی ۱۴۲۳ھ

نام ونسب وولادت: آپ دربھنگہ ضلع کے ایک قصبہ جالے میں ۱۹/اکتوبر ۱۹۳۶ء کو ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے، قضاء اس خاندان کی شناخت رہی ہے، اس مناسبت سے جس محلہ میں آپ کا گھر ہے وہ قاضی محلہ کہلاتا ہے۔آپ کے والد ماجد مولانا عبدالاحد قاسمیؒ بھی ایک باصلاحیت اور ممتاز عالم دین تھے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، اس کے بعد متوسطات کی تعلیم کیلئے مدرسہ محمودالعلوم دملہ، مدھوبنی میں دوسال، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں ایک سال، اور دارالعلوم مؤ ناتھ بھنجن میں ایک سال زیر تعلیم رہے یہاں آپ کے خاص استاذ حضرت مولانا قاری ریاست علی صاحب تھے، جنہوں نے آپ کے اندر مطالعہ کا ذوق پیدا کیا، قاضی صاحب ہمیشہ بہت ہی احترام کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

پھر اعلی تعلیم کے حصول کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۹۵۱ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک چار سال مستقل دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہے اور امتیازی نمبرات سے سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کا احترام: قاضی صاحب اپنے اساتذہ کے بارے میں زبان کی حفاظت کا بہت خیال رکھتے تھے اور کبھی کوئی ایسی بات زبان پر نہیں لاتے جس

سے براہ راست یا بالواسطہ ان کی شخصیت پر حرف آئے۔اگر کوئی اور شخص تنقید کرتا تو برا مانتے اور اپنے بزرگوں کی طرف سے اس کی تاویل وتوجیہ کی کوشش کرتے۔ان کے اساتذہ بھی ان پر بہت شفیق تھے۔

درس وتدریس: تحصیل علم کے بعد مولانا درس وتدریس سے منسلک ہو گئے، جامعہ رحمانی میں انہیں علیا درجات کی کتابیں پڑھانے کوملیں، جامعہ رحمانی کی علمی فضا میں ان کی تدریسی صلاحیت اور قابلیت کے جوہر کھلے۔اور اپنے وقت کے مقبول ترین اساتذہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔

امارت شرعیہ: امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کو اللہ تعالی نے جوہر شناسی کا خوب ملکہ عطا کیا تھا، انہوں نے ان کو افتاء وقضا کی ذمہ داری سونپ کر امارت شرعیہ بھیج دیا اور وہ پھر امارت شرعیہ کی تعمیر وترقی میں ایسے منہمک ہو گئے کہ امارت شرعیہ ان کی زندگی کا حصہ بن گیا اور اپنی زندگی کے تقریباً ۳۵/سال امارت شرعیہ میں گزار دیا۔اس درمیان وہ منصب قضا پر فائز ہوکر ہزاروں مشکل اور پیچیدہ مسائل کے فیصلے کیے، اللہ تعالی نے فیصلہ سازی کا بہترین ملکہ ان کو عطا کیا تھا، پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو بھی آپ منٹوں میں حل کر دیتے۔امارت شرعیہ کے نظام قضا و افتاء کو ملک و بیرون ملک پہنچایا اور ملک کے مختلف علاقوں میں دارالقضاء قائم کروائے، یہاں تک کہ قاضی ان کے نام کی شناخت بن گئی۔انہوں نے اپنی مسلسل اور مخلصانہ جدوجہد سے امارت شرعیہ کو ایک معتبر اور باوقار ادارہ بنانے میں پورا ساتھ دیا امارت شرعیہ کے پیغام کو عام کرنے اور اس کی خدمات کے دائرہ کو وسیع کرنے میں ان کا اہم رول ہے، حضرت قاضی صاحبؒ متنوع

خصوصیات کے حامل تھے، آپ بیک وقت ایک بے مثال فقیہ، نامور عالم دین، کامیاب مدرس، بابصیرت قاضی، شعلہ بیاں مقرر، مایہ ناز مفکر اور مدبر تھے۔

قضاء کے موضوع پر لٹریچر: قاضی صاحب نے نہ صرف حسن وخوبی کے ساتھ کار قضاء انجام دیا، افراد کار تیار کئے، دار القضاء کے نظام کو وسعت دی، بلکہ اس اہم موضوع پر لٹریچر کا جو خلاء تھا اس کو نہایت بہتر طریقہ پر پر فرمایا۔

تعلق مع اللہ: قاضی صاحب پر علمی مشاغل، ملی خدمات اور تقریر وتحریر کا رنگ ایسا غالب تھا، کہ ان کی نجی زندگی میں رجوع الی اللہ کا جو پہلو تھا، وہ عام لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے سینہ میں خوف خدا سے لرزنے والا دل رکھتے تھے، ان کا ایک خاص مزاج یہ تھا کہ جب بھی کسی کام کے کرنے کو کہتے تو ہمیشہ اس پر زور دیتے کہ اللہ کی رضا پیش نظر رہے، اگر کسی سلسلہ میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ اس بات پر فلاں صاحب کیا سوچیں گے اور فلاں حلقہ کا کیا ردعمل ہوگا؟ تو قاضی صاحب زور دے کر کہتے کہ اس بات کو مدنظر رکھو کہ اس سے اللہ تو ناراض نہیں ہوگا، لوگوں کی رضا اور ناراضگی کو سامنے رکھ کر کام نہیں کرنا چاہئے، فقہی آراء کے بارے میں بھی اسی پہلو پر زور دیتے، یہ بھی کہتے کہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہئے، کہ ہماری اس رائے میں اللہ کی خوشنودی کے سواء کوئی اور جذبہ تو کارفرما نہیں ہے۔

قاضی صاحب کا صبر وسکوت: اخیر زمانہ میں جب قاضی صاحب پر بعض لوگوں نے قلم اٹھایا، ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں، جنھوں نے بہت ہی رکیک لب ولہجہ اختیار کیا، قاضی صاحب ان کو سن کر بالکل خاموشی اختیار کرتے اور کہتے کہ میں اس کو اللہ ہی کے حوالہ کرتا ہوں، یہ آپ کا ایک نمایاں وصف تھا اور

اختلاف بالخصوص ناشائستہ لب ولہجہ کے مقابلہ میں صبر و رضا بہت ہی مشکل ہوتا ہے، لیکن قاضی صاحب نے اپنے لئے اس مشکل کو آسان بنالیا تھا۔

حضرت قاضی صاحب نے ان تمام مراحل میں صبر وسکوت اور تفویض الی اللہ کا راستہ اختیار کیا، اگر کسی نے پوچھ لیا تو اپنے موقف کی پوری سنجیدگی ومتانت کے ساتھ وضاحت کردی، لوگوں نے جواب لکھنے کی خواہش کی تو فرمایا کہ اللہ تعالی کے حوالے کردو، مخلوق کی رضا اور ناراضگی کو کہاں تک دیکھو گے؟ اپنے ضمیر کو مطمئن کرو اور اس کا اطمینان کرو کہ اللہ ناراض نہ ہوں اور بس۔

ان کے اندر رقت قلب کی ایک خاص کیفیت تھی، جہنم کے ذکر سے آنکھ نم ہوجاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کا ذکر نہ صرف عوامی جلسوں، بلکہ نجی مجلسوں میں بھی اتنی محبت سے کرتے تھے کہ جیسے کوئی سچا عاشق ومحب اپنے معشوق کا ذکر کرتا ہو، والہانہ اور دیوانہ وار تذکرہ۔

شوق حج وزیارت: اللہ تعالی نے ان کو بار بار حج اور عمرہ کی سعادت نصیب فرمائی، لیکن عمرہ اور مدینہ شریف کی حاضری کا اتنا اہتمام تھا کہ بعض دفعہ ریاض کا سفر ہوا، ان کی علالت کے پیش نظر لوگوں کی رائے نہیں تھی کہ وہ اس وقت حرمین شریفین کا سفر کریں، کیوں کہ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے انھیں انفکشن ہوجاتا تھا، مگر قاضی صاحب اصرار کر کے جدہ جاتے اور وہاں سے حرمین شریفین تشریف لیجاتے، ان مقدس مقامات پر بھی قاضی صاحب جہاں اپنے لئے دعائیں اور التجائیں کرتے وہیں مسلمانان ہند کیلئے بھی بلک بلک کر روتے، قاضی صاحب کے ایک رفیق سفر کا بیان ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائتانہ میں روضہ اقدس

کی دیوار سے لگے بلک بلک کر کہتے:

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے

امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کا قبلۂ محبت اللہ کے بعد اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتا ہے۔ کوئی شخص حب نبوی کی حرارت سے خالی رہ کر مومن نہیں ہوسکتا، میں نے قاضی صاحب کے اندر اس جذبہ کو بہت وافر دیکھا ہے، ان کے خطبات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہایت عشق محبت کے ساتھ ہوتا اور سیرت کو بیان کرتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں احتیاط: صحابہ کے بارے میں حضرت قاضی صاحب بہت محتاط تھے اور جن کتابوں یا تحریروں میں کوئی ایسی بات آتی جس سے دانستہ یا نادانستہ صحابہ پر حرف آئے، اسے نہایت ناپسند کرتے تھے، مشاجرات صحابہ کو اگر کبھی بیان کرنے کی نوبت آئی تو اس خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتے کہ تمام صحابہ سے حسن ظن برقرار رہے اور کسی کے بارے میں دل میں سوءظن پیدا نہ ہو، ایک بار ایک کتاب کا ذکر آیا جس میں عہد صحابہ میں حدود قائم کئے جانے کا ذکر تھا، قاضی صاحب نے اپنے خطاب میں عظمت صحابہ پر بڑی عمدگی کے ساتھ روشنی ڈالی، پھر فرمایا کہ صحابہ کی نیکیاں تو اسوہ ہیں ہی، اگر ان سے کہیں کوئی لغزش ہوئی تو اس میں بھی امت کے لئے اسوہ ہے، پھر حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ کے واقعہ کو نہایت پر اثر انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں امت کے لئے کتنا بڑا اسوہ ہے، اگر انسان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے،

تو اسے اللہ تعالی کے دربار میں کتنا شرمسار ہونا چاہئے اور کس طرح توبہ کرنی چاہئے؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی توبہ واستغفار کے لئے کوئی اسوہ ہوسکتا ہے؟ پھر قاضی صاحب نے بڑی عمدگی سے واضح فرمایا کہ اگر صحابہ سے کہیں بھول چوک ہوئی ہوتو اس میں بھی امت کے لئے رحمت ہے۔

اعانت و امداد: یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ وہ خاموش طریقہ پر بہت سے علماء، اہل ضرورت، اقارب اور دینی اداروں کی مدد فرمایا کرتے تھے، کئی یتیم لڑکیوں کی شادی، کئی غریب لڑکوں کی تعلیم یا بیرون ملک کے سفر برائے معاش میں تعاون، بیواؤں کا خیال اور دیہات وقریہ جات میں کام کرنے والے اداروں کا تعاون شخصی طور پر کرتے تھے۔

قاضی صاحب کا حال رفیع: وفات سے دوڈھائی ماہ پہلے سے ان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ اکثر مختصر بخاری کا نیا مطبوعہ، چھوٹا نسخہ اور ریاض الصالحین ان کے سرہانے ہوتی تھی، آخرت، مغفرت اور قبر وغیرہ سے متعلق حدیثوں کو خاص انداز پر پڑھتے اور کہتے کہ نہ جانے کتنی بار انھیں پڑھا ہوگا لیکن اب جو پڑھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے پہلی بار پڑھ رہا ہوں، اسی میں وہ حدیث آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن اللہ تعالی سے اپنے امتیوں کے لئے شفاعت فرمائیں گے، تو اللہ تعالی کا ارشاد ہوگا کہ جس نے ایک دفعہ بھی اخلاص کے ساتھ کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ پڑھا ہو، اسے دوزخ سے نکال لیں، اس کو خاص انداز سے قاضی صاحب نے کہا کہ: آقا ہم گناہ گار غلاموں کے لئے رب کے دربار میں سفارش کریں گے، اللہ تعالی فرمائیں گے، آپ بھی اپنی امت کے لئے بہت پریشان رہتے ہیں،

چلیے، جایئے، جس نے ایک دفعہ بھی کلمہ طیبہ پڑھا ہوا سے نکال لے جایئے۔

پھر کہنے لگے کہ اتنا تو یقین ہے کہ میں نے کم سے کم ایک بار تو اخلاص سے کلمہ شہادت پڑھا ہوگا۔

اس بات کو بار بار دہراتے کہ الحمدللہ موت کا کچھ خوف نہیں ہے، اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے وقت پر اسے آنا ہی ہے، نہ اور کسی بات کی فکر ہے، البتہ اپنے گناہوں کی فکر ہے۔ بس دعا کرو کہ اللہ تعالی معاف کردیں، کہ اللہ کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے سواء کوئی اور سرمایہ اپنے پاس نہیں پاتا ہوں۔

وفات: جمعرات کو شام کے چار بجے سے حالت میں زیادہ گراوٹ آنے لگی، ایسا لگتا تھا کہ مسافر تھک چکا ہے اور غروب آفتاب کا منتظر ہے، کہ جوں ہی سورج کی تمازت انگیز کرنیں اپنی آنکھیں موند لیں، وہ بھی اپنی بساط حیات لپیٹ کر دنیائے فانی کو الوداع کہے، بالآخر ۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق ۴؍اپریل ۲۰۰۲ء کو سات بجکر پانچ منٹ پر مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور ۵؍اپریل ۲۰۰۲ء کو اپنے قصبہ جالے ضلع دربھنگہ مکان کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ (انتخاب: از بحث ونظر وحیات مجاہدؒ)

اپنی سعادت: ماشاءاللہ آپ جب کہ دارالعلوم مئو میں غالباً ۱۹۵۰ء میں زیر تعلیم تھے، یہ حقیر بھی وہاں مقیم تھا، وہاں یہ حقیر مبتدی طلبہ میں سے تھا اور مولانا متوسط۔ مولانا تکمیل تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور یہ حقیر حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں آ گیا۔ مگر اپنی رفاقت کو ہم دونوں تاحیات یاد رکھتے تھے اور محبت وملاطفت کا سلوک فرماتے تھے۔ ایک

مرتبہ اس حقیر نے عرض کیا کہ میرا ایک لڑکا عزیز احمد ریاض میں رہتا ہے، فرمایا تھا کہ تمہارا ہی لڑکا نہیں میرا بھی وہ لڑکا ہے۔ ایک مرتبہ مولانا عمار احمد صاحبؒ سے کہلایا کہ قمرالزمان سے کہہ دو کہ اپنی حفاظت کا خیال رکھیں۔ اخیر میں جامعۃ الرشاد کے ناظم وبانی حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ کے مدرسہ جامعۃ الرشاد میں فقہی سیمینار میں حاضر ہوا تھا جس سے وہ بیحد خوش ہوئے بلکہ یہاں تک فرمایا کہ کوئی آئے یا نہ آئے تمہارے آنے سے مجھے بہت ہی تسلی ہوئی۔ نیز مولانا جو یقیناً علمی وفقہی کمالات کے حاملین میں سے تھے ان کی شفقت ومحبت اپنی سعادت ہی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مولاناؒ کو اپنی خاص خوشنودی اور جنت الفردوس میں مقام سے نوازے۔ آمین

محمد قمرالزمان الہ آبادی

حضرت مولانا عبدالحق عمرجی سورتیؒ المتوفی ۱۴۲۳ھ

ولادت: مولانا عبدالحق عمرجی کے والد کا نام اسمٰعیل موجی عمرجی ہے، جو ضلع سورت کے کٹھور(۱) گاؤں کے باشندے تھے۔ مولانا کی ولادت ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۷؍ستمبر ۱۹۲۷ء بمقام امرنٹو صوبہ نٹال افریقہ میں ہوئی۔

نسب وخاندان: مولانا کے والد محترم نیک اور صالح تھے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت تھے، افریقہ کے شہر دربن میں تجارت کرتے تھے۔ علم اور اہل علم سے محبت کی وجہ سے ہر سال دارالعلوم دیوبند کے لئے چندہ کرکے بھیجتے تھے۔ جامعہ حقانیہ کٹھور کے اصل بانی مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ سے تعلیم حاصل کیا تھا اور یہ ارادہ کیا تھا کہ اگر میرے یہاں لڑکا پیدا ہوگا تو اس کا نام اپنے استاذ مکرم کے نام پر عبدالحق رکھوں گا، اور حافظ، عالم بناؤں گا۔ الحمدللہ ان کی یہ مراد پوری ہوئی۔

---

(۱) تاپتی ندی کے کنارے یہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی آبادی ہے، جہاں والد محترم کے بہت سے دینی احباب و متعلقین ہیں، خاص طور سے مکرم الحاج قاسم بھائی جو والد صاحب کے مجاز بیعت ہیں اور بہت ہی مخلص دوست مکرم شبیر بھائی ڈوبھابھی ہیں۔ اسی کے بالمقابل کھولوڈ بھی مسلمانوں کی مشہور بستی ہے جہاں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تشریف لے جاچکے ہیں، اس وقت وہاں والد صاحب کے ایک خاص متعلق مولانا غلام اللہ صاحب دیولوی ہیں جو مسجد کے امام اور مکتب کے مدرس ہیں، اور مکرم احمد بھائی، محمد بھائی، ایوب بھائی اور سلیمان بھائی کارا وغیرہ وہاں کے باشندے ہیں جو والد صاحب سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ محمد عبداللہ قاسمی

تعلیم : ابتدائی تعلیم افریقہ میں حاصل کرنے کے بعد اپنے چچا احمد عمر جی کے یہاں کٹھور تشریف لائے، چچا صاحب نے جامعہ حسینیہ راندیر، سورت میں داخلہ کرا دیا۔ چند سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کرایا۔ بڑی مستعدی سے تعلیم و تعلم میں منہمک رہے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کے رفیق درس تھے۔ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہے۔ ذہین ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام انہی سے عبارت پڑھاتے تھے، اور خصوصی توجہ رکھتے تھے۔

افریقہ واپسی : ۱۹۵۲ء میں افریقہ واپس ہوئے، وہاں کا ماحول بدعت کا تھا اور لوگوں کا رجحان دین کی طرف کم تھا۔ مولانا نے سخت انداز میں بیانات شروع کئے، بعد میں اپنے انداز کو بدل کر نرمی اختیار کیا اور اپنے انداز وعظ و نصیحت سے لوگوں کو مستفیض کرتے رہے۔ اپنے والد صاحب کے ساتھ دوکان میں کام کرتے تھے، اور ایک مسجد میں امامت کے فرائض بغیر معاوضہ کے انجام دیتے تھے۔

مولانا نے لوگوں کو ترغیب دیا کہ اپنے بچوں کو ہندوستان دینی تعلیم کے لئے بھیجیں، چنانچہ مولاناؒ کامیاب ہوئے اور بہت سے لوگوں نے اپنے بچوں کو دیوبند، جلال آباد، ترکیسر، ڈابھیل اور راندیر وغیرہ بھیجنا شروع کیا، جس کے نتیجہ میں الحمدللہ اچھی خاصی تعداد علماء کرام کی افریقہ میں تیار ہوگئی۔

جامعہ حقانیہ کٹھور : ان علماء کرام میں کچھ کٹھور کے بھی تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ کٹھور میں ایک دارالعلوم چل رہا تھا، جو آج کسی وجہ سے بند ہے، تو ان علماء نے مشورہ کیا کہ اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے، اسی دوران کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت

مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ فرمارہے ہیں کہ کٹھور یتیم ہوگیا ہے، اس کی فکر کرو۔

ہندوستان تشریف آوری: مولانا عبدالحق صاحبؒ اسی فکر میں ہندوستان تشریف لائے اور علماء کرام سے مشورہ کر کے جامعہ حقانیہ کو جاری کرنے کا ارادہ کیا، اور اپنے رفیق حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کو یہ کام سپرد کیا جو خود پہلے سے متفکر تھے، ان حضرات کی کوشش سے ۱۹۸۷ء میں یہ مبارک سلسلہ ازسرنو قائم ہوا، اور ایک بہت بڑا مکان افریقہ والے احمد بھائی دوکڑا کامل گیا جس میں مکتب اور حفظ کی تعلیم شروع ہوگئی، اور طلبہ کی رہائش کا نظم بھی معقول ہو گیا۔ یہ مبارک سلسلہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کے ہاتھوں انجام پایا جس میں اور بھی بہت سے علماء کرام موجود تھے۔ اس وقت حضرت قاری صاحبؒ نے مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی سے فرمایا کہ گاؤں کے باہر بڑی زمین خرید کر اس پر نئی تعمیر شروع کرو۔

الحمدللہ دس بیگھا زمین گاؤں سے باہر خریدی گئی اور اس جگہ جامعہ حقانیہ کی تعمیر ہوئی اور اس وقت تعلیم اس جگہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قائم ودائم رکھے۔ آمین!

اپنی سعادت: آپ سے پہلی ملاقات ۱۹۹۵ء میں دربن میں ہوئی، جب مولانا علی آدم صاحب اور حافظ ایوب صاحب کڑوا اور حاجی عبدالوہاب صاحب ملا کی دعوت پر افریقہ پورٹ شیفسٹن جانا ہوا، اس کے بعد سفر میں متعدد بار ملاقات ہوئی۔ بہت ہی لطف وکرم کا معاملہ فرمایا۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ اپنی تقریروں میں اہل افریقہ کو اردو زبان سیکھنے اور لکھنے پڑھنے کی ترغیب دیا کرو، اس لئے کہ زیادہ تر دینی کتابیں اردو ہی میں ہیں، اگر

اردو سے تعلق رہے گا تو ہندو پاک کے علماء کی تقاریر اور کتابوں سے استفادہ آسان ہوگا، اور دین پر قائم رہنا بھی آسان ہوگا؛ کیونکہ ان علماء کرام کی تقاریر اردو میں ہوتی ہیں۔

الحمدللہ مولاناؒ کے قائم کردہ جامعہ حقانیہ کٹھور میں برابر حاضری کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اور وعظ ونصیحت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور کثرت سے لوگ یہاں مرید بھی ہیں، خاص طور سے ناظم جامعہ حقانیہ مکرم الحاج قاسم عمر جی[1] بہت ہی خاص تعلق رکھتے ہیں۔ اس حقیر نے ان کو بیعت کی اجازت بھی دی ہے اور آپ ہی کی معیت میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کی مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ رحمه الله رحمة واسعة ونور الله مرقده.

وفات: ۲۰۰۳ء میں ہندوستان کا آخری سفر کیا اور ۱۹ دن تک جامعہ حقانیہ میں ہی قیام فرمایا، اور ۲۱/ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۶/جنوری ۲۰۰۳ء کو جمعہ کے دن ایک بج کر پندرہ منٹ پر اس دار فانی کو الوداع کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون.**

آپ کے جنازہ میں اکثر مشہور علماء کرام موجود تھے، تقریباً پانچ ہزار سے زیادہ لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی اور حضرت مولانا اسمٰعیل صاحبؒ سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر نے نماز جنازہ پڑھائی اور کٹھور کے عام قبرستان میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ کی قبر کے قریب سپرد خاک کئے گئے۔ نور اللہ مرقدہ، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

---

[1] افسوس کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب پالنپوریؒ المتوفی ۱۴۲۳ھ

ولادت، وطن ونسب: حضرت کے والد کا اسم گرامی مولانا محمد عثمان صاحبؒ تھا۔آپ کا وطن مڑانہ (گڈھ) تحصیل پالن پور ضلع بناس کانٹھا گجرات تھا۔آپ کی ولادت بمقام مڑانہ بتاریخ ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۲ء مطابق ۱۳۵۱ھ کو ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم ناظرہ، درجات فارسی اپنے بڑے بھائی مولوی عبداللہ صاحب رونق سے مقام مڑانہ میں حاصل کر کے درجات عربی کی تعلیم کے لئے مدرسہ تعلیم الاسلام آنند میں ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں داخلہ لیا اور چھ سال میں عالم کا نصاب مکمل فرما کر ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں فراغت حاصل کی۔ بعد فراغت تکمیل فنون کے لئے مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں قیام فرما کر کمال حاصل کیا۔

تدریس: بعد فراغت فتح گڈھ اور نواح کے بعض مکاتب میں تدریسی خدمت انجام دی۔مگر چونکہ آپ کو عربی کتابیں پڑھانے کا شوق تھا اس لئے دارالعلوم وڈانی میں جا کر عربی کتابوں کی تدریس میں مشغول ہو گئے، مگر یہ سلسلہ آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے صرف چار ماہ رہا۔اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث کے امر سے اپنے وطن مڑانہ میں مکتب قائم فرمایا، جس کا نام مدرسہ خلیلیہ رکھا۔

موضع ماہی میں خانقاہ و مدرسہ کا قیام ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں شہر پالنپور سے معتکفین کے ایک قافلہ کے ساتھ آ کر ۸ر رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ کو

صبح گیارہ بجے خانقاہ زکریا مسجد کی بنیاد رکھی اور اسی رمضان میں دعاؤں کے لئے عمرہ کا سفر فرمایا اور یہ خانقاہی نظام بخیر وخوبی ان کے صاحبزادوں کی وساطت سے اب تک جاری وساری ہے۔ ادامھا اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد ۷/شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ کو حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھولیویؒ کے دست مبارک سے مدرسہ خلیلیہ کی بنیاد رکھی جو اب تک الحمدللہ قائم ہے اور شب وروز ترقی پذیر ہے۔

اس مدرسہ وخانقاہ کے متعلق اس حقیر سے فرمایا کہ میں نے اس مدرسہ کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے مدرسہ کی طرح چلانے کا ارادہ کیا ہے۔ یعنی مدرسہ کے ساتھ خانقاہی نظام بھی رہے گا یعنی تعلیم کے ساتھ تربیت اور اصلاح اخلاق وتزکیۂ نفوس کی بھی سعی کی جائے گی۔

اس زمانہ کے کچھ ہی دنوں بعد اس حقیر کا پالنپور کا سفر ہوا تو مدرسہ چھاپی میں بیان ہوا، اور خانقاہ و مدرسہ خلیلیہ ماہی میں بھی حاضری ہوئی۔ ماشاءاللہ مولانا نے بڑی شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا۔ فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ.

وہاں خود حضرت مولانا تقریباً ہر سال خانقاہ دارالعلوم کنتھاریہ میں ضرور تشریف لاتے تھے۔ بعض دفعہ بیان کی درخواست کی تو بیان بھی فرمایا۔

فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء.

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم کے ساتھ الہ آباد شیخ المشائخ حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ کی خدمت میں بھی تشریف لائے تھے تو ملاقات ہوئی تھی۔

سفر آخرت کی تیاری: یوں آپ کا سفر برابر ملک کے مختلف مقامات پر ہوتا رہتا تھا، چنانچہ ۹ر جنوری ۲۰۰۳ء شمالی گجرات کے قصبہ موڈاسا الجمعیت کے جلسہ میں شرکت کے لئے گئے تھے، اجلاس کے ختم کے بعد انکلیشور تشریف لے گئے، وہاں افضل بھائی میڈیکل والے کے مکان پر قیام کے دوران ہلکا سا بخار آیا۔ بخار چونکہ معمولی تھا، اس لئے حضرت نے زیادہ تکلیف نہ ہونے کی وجہ سے اسپتال جانے سے انکار فرمایا مگر تکلیف بڑھتی گئی، جس کی بناء پر سورت کے مہابیر اسپتال میں داخل کئے گئے، ہر چند کوشش کے باوجود کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی اور تقدیر الٰہی تدبیر انسانی پر غالب آکر رہی اور جمعہ کی شب ڈیڑھ بجے ۱۳ر ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۳ء کو دار آخرت کی طرف رحلت فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعد ازاں سورت ہی میں شیخ محمود منیار کے مکان پر علماء وصلحاء نے غسل و کفن کی خدمت انجام دی اور صبح قبل فجر ماہی کے لئے روانگی ہوئی۔ ۲ بجے ماہی پہنچ گئے۔ اور بروز جمعہ مدرسہ خلیلیہ کے وسیع میدان میں نماز جنازہ ہزاروں سوگواروں کے ساتھ ادا کی گئی۔ امامت کی خدمت حضرت مولانا احمد خانپوری نے انجام دی اور ماہی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ و نور اللہ مرقدہ.

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ؒ المتوفی ۱۴۲۴ھ

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

آبائی وطن: حضرت مفتی صاحب ؒ کا آبائی وطن ہاپوڑ ضلع غازی آباد سے قریب موضع بٹالہ ہے۔ وہاں سے اس خاندان کے مورث اعلیٰ خواجہ علی احمد صاحب کے فرزند جناب لعل محمد خاں صاحب کے پوتے جناب ثناء اللہ خاں صاحب نے منتقل ہو کر قصبہ اجراڑہ ضلع میرٹھ کو اپنا وطن بنا لیا اور یہیں ان کی اولاد رہنے لگی، اس طرح اس خاندان کا وطن اجراڑہ ہو گیا۔

مفتی صاحب ؒ کے والد ماجد: آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مفتی سعید احمد تھا، جو علم دین کی تحصیل کی غرض سے ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور درس نظامی کے مطابق کتب درسیہ پڑھ کر ۱۳۴۲ھ میں فارغ ہوئے، مزید سعادت کی بات یہ ہوئی کہ اپنی عمدہ لیاقت وصلاحیت نیز فقہی مہارت وحذاقت کے باعث مدرسہ مظاہر علوم ہی میں ۱۳۴۳ھ میں تدریسی خدمت کے لئے آپ کا تقرر ہو گیا اور تاحیات تجوید وقرأت اور علوم وفنون کی مختلف کتب کے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ، فقہ وفتاویٰ اور مظاہر علوم کی مسند صدارت اور اس کے نظم ونسق میں مشغول رہ کر ۲؍صفر المظفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۹؍اگست ۱۹۵۷ء کو جمعرات کے دن وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ولادت باسعادت: ۱۱؍ربیع الاول ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۷؍اگست ۱۹۲۹ء

بروز جمعرات آپ کی ولادت ہوئی جبکہ حضرت مفتی صاحب کے گھر کا چپہ چپہ علم وعرفان کی نورانیت اور والد ماجد حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کی فرشتہ صفت شخصیت کی وجہ سے گھر میں دینی ماحول تھا۔

ماشاءاللہ آپ کی والدہ ماجدہ ایک مفتیٔ اعظم اور فقیہ دوراں کی رفیقۂ حیات اور علمی و دینی ذوق رکھنے والی خاتون تھیں، اس لئے اپنے نور نظر کی تعلیم و تربیت پر خوب ہی خوب محنت فرمائی۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر تقریباً ڈھائی برس کی تھی اور آپ ابھی والدہ ماجدہ کی آغوش سے جدا بھی نہ ہوئے تھے اسی وقت عم پارہ کا چوتھائی حصہ آپ کو حفظ ہو گیا تھا اور بہشتی زیور سے مختلف نیک بیبیوں کے قصے اپنی والدہ ماجدہ سے سن سن کر آپ نے زبانی یاد کر لئے تھے، اس لئے اسے سوائے موہبت الٰہیہ کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ذالك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء.

ابتدائی تعلیم وتربیت: جب آپ عمر کے چوتھے سال میں تھے، آپ کو مدرسہ مظاہر علوم کے مکتب خصوصی میں بٹھا دیا گیا جہاں مختلف باصلاحیت اساتذۂ کرام کی تعلیم وتربیت سے ماشاءاللہ صرف گیارہ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم کی تکمیل تو کر ہی لی، مزید حفظ قرآن پاک بھی مکمل کر لیا۔

درس نظامی کی تکمیل: مظاہر علوم کے مکتب خصوصی کی تعلیم مکمل کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے یکم محرم الحرام ۱۳۶۱ھ کو مدرسہ مظاہر علوم میں باقاعدہ داخلہ لیا، ابتدائی فارسی وغیرہ پڑھ کر ۱۳۶۲ھ میں نصاب نظامی کے مطابق کتب درسیہ کی تعلیم میں مشغول ہو گئے اور ۱۳۶۹ھ میں صحاح ستہ نیز طحاوی شریف وموطاین

(مؤطاامام مالکؒ ومؤطاامام محمدؒ) پڑھ کراعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

درجۂ فنون میں داخلہ: درس نظامی سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے درجۂ تکمیل علوم میں ۱۳۷۰ھ میں داخلہ لیا اور تفسیر مدارک التنزیل، ملاجلال، رسم المفتی، مقدمہ فارسی وغیرہ پڑھیں۔

تجویدوقرأت: حضرت مفتی صاحب تجویدوترتیل کے ماہر بڑے خوش الحان قاری تھے۔اس دولت کے حصول کے لئے انہوں نے اپنے زمانہ کے سیدالقراء حضرت مولانا قاری سید محمد سلیمان صاحب دیوبندیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اوران سے تجویدوقرأت میں ایسی مہارت حاصل کی کہ اکابرواصاغر میں قاری صاحب کے لقب سے مشہور ہوگئے۔

مشق افتاء: حضرت مفتی صاحبؒ نے جن کتابوں کواپنے اساتذہ سے پڑھا تھا ان میں سے فقہ وفتاویٰ کی کتابوں پر خصوصیت سے محنت کی تھی۔ فارغ اوقات میں اپنے مشفق والدمحترم کی زیرنگرانی افتاء کی مشق کرتے رہے اوراچھی لیاقت حاصل کرلی۔جس کی بناء پر دارالافتاء کے مفتیان کرام کوآپ پر اعتماد ہوگیا، چنانچہ فراغت کے بعد ہی ۱۳۷۰ھ میں آپ معین مفتی بنادیئے گئے،اور ۱۳۷۱ھ میں مدرسہ مظاہرعلوم کے نائب مفتی مقرر کئے گئے۔اور ۱۳۷۷ھ میں آپ صدرمفتی کی مسند پرجلوہ افروز ہوئے۔پھر ۱۳۸۵ھ میں آپ نائب ناظم بنائے گئے اور ۱۳۹۹ھ میں مولانا اسعداللہ صاحبؒ کے وصال کے بعدآپ قائم مقام ناظم، پھرناظم اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے اوراس منصب پرتا وصال ۲۸؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ تک فائز رہے۔ فللہ الحمدو المنة۔

آپ کے اوصاف حمیدہ: حضرت مفتی صاحبؒ جس طرح علمی رفعتوں اور عملی وسعتوں میں کمال رکھتے تھے، اسی طرح زہد وعبادت، تقویٰ وطہارت اور سلوک ومعرفت کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز تھے۔

بیعت وخلافت: اولاً آپ نے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ سے بیعت وارادت کا رشتہ استوار کیا؛ لیکن چونکہ آپ کو باطنی طور پر اپنے مشفق وکرم فرما استاذ محترم حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ خلیفۂ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے زیادہ مناسبت تھی اس لئے ان سے بھی اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور ان کی جانب سے اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، چنانچہ مرشد گرامی منزلت حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے اجازت نامہ کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً ومصلیاً

مورخہ ۵؍محرم الحرام ۱۳۹۶ھ بروز پنجشنبہ قبل اذان عصر حضرت مفتی مظفر حسین صاحب نائب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کو اجازت بیعت وتلقین کی گئی۔ حضرت تھانویؒ کی تصانیف کا مطالعہ کیا کریں۔

محمد اسعد اللہ (ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

ملفوظات

فرمایا: اہل دل اور کامل بندوں کے تذکرے اسلام کی عملی زندگی کا راستہ آسان بنانے میں بڑے مؤثر اور مددگار ثابت ہوتے ہیں، ان کے مطالعہ سے

آدمی کے اندر صفات ذمیمہ مغلوب و مضمحل ہوتی ہیں اور صفات حمیدہ قوی و مستحکم ہوجاتی ہیں۔ نفس اور شیطان کا تسلط کمزور ہوجاتا ہے اور فکر آخرت کے ساتھ زندگی گزارنے کا شوق پختہ ہوجاتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی قلب ونظر میں سماجاتی ہے اور رضائے الٰہی تمام کاموں کا مقصد ومنشاء بن جاتی ہے۔

فرمایا: ''مقرباں رابیش بود حیرانی'' جتنا قرب خداوندی زیادہ ہوتا ہے اسی قدر حیرانی اور پریشانی بڑھ جاتی ہے (اپنے قول وفعل پر نظر رکھنی پڑتی ہے) ہر ہر قدم پر سوچنا پڑتا ہے کہ منہ سے کیا بات نکل رہی ہے اور جو کام ہو رہا ہے وہ جائز ہے یا ناجائز۔

فرمایا: آج کل مدارس میں یہ بیماری پیدا ہوگئی ہے کہ مدرسین وملازمین اپنے فرائض کی پابندی نہیں کرتے۔ مہتمم صاحب نے مدرسین اور ملازمین کے لئے جو اوقات (جن کاموں کے لئے) مقرر کردیئے ہیں ان کی پابندی تو ملازمین کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بڑے مدارس کا حال بھی یہ ہے کہ مدرس جب سبق پڑھانے جاتا ہے تو مقررہ وقت سے پہلے پندرہ بیس منٹ ضائع کرکے درسگاہ پہنچتا ہے۔ خوب یاد رکھو! مدرسہ کے اوقات مقررہ کی خلاف ورزی خیانت ہے، مہتمم مدرسہ کچھ کہے یا نہ کہے، عنداللہ تو خیانت ہو رہی ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب تقویٰ وطہارت پر ابھارنے والے ملفوظات ہیں جو عوام وخواص سب کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! یوں آپ کے بہت سے ملفوظات مستقل کتاب میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (مرتب)

اپنی سعادت: ماشاءاللہ آپ سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جس سے

بہت سرور وانبساط میسر ہوا۔ ایک مرتبہ یہ حقیر مدرسہ مظاہر علوم میں حاضر ہوا تو بہت ہی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم وقت نکال کر یہاں ایک ہفتہ کے لئے آجاتے تو خانقاہی سلسلہ جاری ہوجاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ کی غایت تواضع کی بات ہے۔ ورنہ تو آپ خود ہی طالبین وسالکین کے مرجع ماوی تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (مرتب)

وفات: چند سال قبل دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی، اس وقت سے آپ کی حالت تشویشناک بتائی جاتی رہی؛ لیکن حیرت انگیز طور پر اللہ تعالیٰ نے اس بیماری سے آپ کو شفا عطا فرمائی۔ جبکہ اس بیماری میں مبتلا کم ہی لوگ شفا یاب ہو پاتے ہیں؛ لیکن امراض کے متواتر حملوں سے روز بروز نقاہت وکمزوری اور ضعف واضمحلال بڑھتا ہی رہا اور ۲۸؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۴؍نومبر ۲۰۰۳ء کو اس سرائے فانی سے رحلت فرما کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے بعد مولانا محمد سعیدی صاحب سلمہ، مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے ناظم مقرر ہوئے۔

آپ کی نماز جنازہ مولانا سعیدی ابن مولانا اطہر حسین صاحب متوفی ۱۴۲۸ھ نے پڑھائی اور آپ کو سہارنپور کے کمال شاہ نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللھم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ۔

الحمد للہ آپ کی مزار پر حاضری کی توفیق ہوئی ہے۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

حضرت مولانا شاہ علی احمد صاحب بوالویؒ بنگلہ دیش المتوفی ۱۴۲۴ھ

نام ونسب: نام علی احمد، والد کا نام صنعت علی صاحب ہے۔

والد کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا اس لئے تعلیم وتربیت والدہ کی آغوش میں ہوئی۔

ولادت: آپ کی ولادت کے سلسلہ میں مختلف اقوال ملتے ہیں ظن غالب ہے کہ ولادت ۱۳۲۵ھ یا ۱۳۲۶ھ میں بنگلہ دیش چاٹگام کے تھانہ چنا پارہ بستی کے ایک درمیانی گھرانے میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: اپنے محلہ کے پڑوس میں دکھن پوروا پارہ مسجد کے تابع فرقانیہ مکتب میں ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی، جناب مولانا حافظ آفتاب الدین اس وقت مکتب کے ذمہ دار تھے، انہی سے آپ نے قرآن مجید پڑھا، ناظرہ قرآن مجید اور کچھ ابتدائی دینیات پڑھنے کے بعد آپ کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا، کیونکہ دادا سے پہلے والد کا انتقال ہو چکا تھا، اس کے بعد کچھ دنوں میں بڑے بھائی نور احمد کا بھی انتقال ہوگیا، اب بھائیوں میں آپ ہی سب سے بڑے رہے، اس لئے معاش کی فکر دامن گیر ہوئی، ان دنوں آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہوگی۔

انقطاع کے بعد پھر تعلیم کا آغاز: طلب روزی میں چند سال گزارنے اور مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد دست غیب نے پھر آپ کی دستگیری کی، پھر تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہوا، مدرسہ جیری بنگلہ دیش میں ۱۳۵۰ھ میں داخل ہوئے

اور ۱۳۵۹ھ میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ ماشاء اللہ تعالیٰ

مدرسہ ضمیریہ پٹیہ میں حضرت کا تقرر: اطراف میں حضرت مفتی عزیز الحق صاحبؒ کے وعظ کا پروگرام تھا، حضرت بوالویؒ ان دنوں ددکانداری سے علیحدہ ہو چکے تھے، اس علاقہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر استفادہ کرنے لگے، اور جب حضرت مفتی صاحبؒ پروگرام ختم کر کے پٹیہ واپس جانے لگے تو حضرت مفتی صاحب کو پہنچانے کے لئے ساتھ چلے، دوایک روز صحبت میں گزارنے کے بعد جب واپسی کے لئے اجازت چاہی تو حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: علی احمد تم یہاں رہ جاؤ تو کیسا ہو؟ حضرت بوالویؒ فرماتے ہیں اس جملہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مجھے مدرسہ پٹیہ میں رہنے کا حکم فرما رہے ہیں، کچھ زبانی جواب نہ دیا، بس رہ گیا اور تدریسی خدمت سپرد کی گئی وہ انجام دیتا رہا۔ (بروایت صاحبزادہ مولانا محمد امین صاحب)

بیعت اور اجازت: پہلے آپ کسی شیخ سے بیعت تھے، ان کے انتقال کے بعد آپ نے اپنے استاد مشفق حضرت مولانا مفتی عزیز الحق صاحبؒ سے رجوع فرمایا اور حضرت مفتی صاحبؒ کی زیر تربیت بہت جلد سلوک کی راہ طے کر کے فائز المرام ہوئے۔ آپ کو اجازت بیعت سے نوازا۔

افادات کا سلسلہ: روحانیت میں ترقی کرنے کی وجہ سے حضرت بوالویؒ خلق اللہ کو نفع پہنچانے میں بہت آگے بڑھ گئے تھے، اور جیسا کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے فرمایا: ”بخلق اللہ نفع دینی رسانیدن طریق اقرب وصول الی اللہ است“ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو دینی نفع پہنچانا وصول

الی اللہ کا قریب ترین راستہ ہے۔

تواضع کی حقیقت: حضرت بوالویؒ اپنے خاص انداز میں تواضع کی حقیقت بیان فرماتے تھے جو قرآن وحدیث اور بڑوں کے ملفوظات کا خلاصہ ہے، فرمایا کہ: تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو لاشئی سمجھے، کسی بلندی اور عزت کا اہل نہ سمجھے، انسان کے اندر کمالات ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوتی ہیں، ان کا انکار اور بے قدری مقصود نہیں، بلکہ ان سب کو اپنا کمال اور اپنا جوہر نہ سمجھے، ایسا سمجھے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔

تواضع کی علامت: تواضع پیدا ہونے کی علامت یہ ہے کہ کوئی برا بھلا کہے تو جذبۂ انتقام پیدا نہ ہو، بلکہ اپنے نفس کو یہ کہہ کر سمجھائے کہ تم تو واقعی ایسے ہی ہو، تو پھر کیوں برا مانتے ہو؟ اگر کوئی برا سلوک کرے تو دل پر اثر نہ ہو، یہ تواضع کا اعلیٰ مقام ہے، تواضع حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کا استحضار کرے، تب اپنے آپ کو لاشئی سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ بیشک حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی مناجات میں ہے ؎

کچھ نہ سوجھے تیری ہستی کے سوا ❊ تیرے اوج اور اپنی پستی کے سوا

تواضع کی خاصیت یہ ہے کہ لوگوں کے دل میں عزت وتوقیر اور محبت ڈال دی جاتی ہے، ”من تواضع للہ رفعہ اللہ“ جو اللہ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے، جو کوئی عداوت رکھے اس سے محبت ومدارات سے پیش آنا تواضع کا اثر ہے، اس سے دشمن کو ہدایت مل جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ

وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ" یہ خاصیت پیغمبری ہے۔(ترجمہ: آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے، پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔)

سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: بندہ گندا ہے، وہ کسی وقت بے عیب نہیں ہوسکتا، اپنے عیب کا احساس ہونا بندہ کے لئے کمال ہے، کمالات کو ذاتی سمجھنا اور خوش فہمی میں مبتلا ہونا سخت غلطی ہے، کیونکہ تمام اچھائیوں کا مالک وخالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اس میں کسی کا دخل نہیں، بندہ کی مثال کوئلہ کی سی ہے، کوئلہ کبھی سفید نہیں ہوسکتا، بندہ کی پیدائش ایک قطرۂ منی سے ہے جو سراسر ناپاک ہے، ہاں اس ناپاک قطرہ سے پیدا کیا ہوا انسان ریاضت، مجاہدہ اور اعمال حسنہ سے کسب کمالات کرسکتا ہے، یہاں تک کہ فرشتوں سے آگے بڑھ سکتا ہے، لیکن حصول کمالات کے بعد اس کو یہ سمجھنا پڑے گا کہ یہ سب کچھ حق تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، کمالات اللہ تعالیٰ کی ہیں، انسان خدائی کمالات کا مظہر اور دروازہ ہے۔

قیام اللیل: قیام اللیل (شب بیداری) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا وہ محبوب مشغلہ تھا جس کو اللہ پاک نے قرآن مجید میں خاص انداز سے ذکر فرمایا ہے "یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا۔ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ"۔(اے کپڑے میں لپٹنے والے! کھڑا رہ رات کو، مگر کسی رات آدھی رات یا اس میں سے کم کردے تھوڑا سا، یا زیادہ کر اس پر)

حضرت بوالویؒ قیام اللیل اور تہجد کا اہتمام بہت شدومد کے ساتھ کرتے تھے، شب خیزی کے لئے بعد عشاء دیر تک جاگنا مانع ہوتا ہے، اس لئے

حضرت والا بعد عشاء وعظ وغیرہ نہیں کرتے تھے، اور جلدی سو جانے کی عادت زندگی بھر رہی، اپنے متعلقین اور طلبہ و مدرسین کے لئے بھی یہی پسند فرماتے تھے کہ وہ جلدی سو جائیں اور تہجد کے وقت جاگیں، اگر کبھی رات کو جاگنے میں تاخیر ہو جاتی تو بہت ہی پریشان ہو جاتے تھے، جیسا کہ شیخ فریدالدین عطارؒ نے فرمایا۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود　　　گر ز باغ دل خلالے کم بود

سالک طریقت کے دل پر ہزاروں غم کا بوجھ پڑتا ہے اگر دل کے روحانی باغ میں ایک خلال کے برابر بھی کمی نظر آئے۔

مدرسین اور مہتممین کے لئے تازیانۂ عبرت: جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں ہر سوموار کو حضرتؒ کی تقریر کا نظام بنایا گیا تھا۔

ایک دفعہ سوموار کی تقریر شروع فرمائی، جامعہ کے تقریباً تمام اساتذہ وطلبہ موجود تھے، اس دور کے مہتمم حضرت مولانا محمد ہارون اسلام آبادیؒ بھی تشریف رکھتے تھے، سلسلۂ نصیحت میں قیام اللیل کا ذکر آیا تو فرمایا: جس مدرسہ کے مدرسین تہجد اور شب بیداری کا اہتمام نہیں کریں گے اس مدرسہ کے طلبہ بھی تہجد گزار نہیں ہوں گے، اور جس مدرسہ کے مہتمم تہجد نہیں پڑھیں گے اس مدرسہ کے مدرسین بھی تہجد نہیں پڑھیں گے۔

ف: بہت ہی اہم مضمون ہے، ہم جملہ اصحاب مدارس کو نماز تہجد کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

احیائے سنت کا اور ایک عمل سلام کی اہمیت: حضرت کے صاحبزادہ مولانا محمد امین صاحب کا بیان ہے کہ حضرت والد صاحب کو مردہ سنت کو زندہ

کرنے کی فکر بہت زیادہ تھی، خود بہت اہتمام کے ساتھ سنت پر عمل کرتے تھے اور اہل وعیال کو عمل کرنے پر زور دیتے تھے، دوسروں کو اس کی دعوت دیتے تھے، اور اس کی اشاعت کے لئے تدبیر کرتے تھے، فرماتے تھے سلام کا چرچہ نہیں رہا، علماء وطلبہ کے اندر بھی افشائے سلام میں کوتاہی بری طرح محسوس ہو رہی ہے، حالانکہ قرآن وحدیث سلام کی اہمیت اور فضائل سے بھری ہوئی ہے، والد صاحب اختصار کے ساتھ یوں بیان فرماتے تھے کہ سلام کرنا خود اللہ تعالیٰ کا دستور ہے، فرشتوں کی بھی عادت ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی عادت ہے، یہ بہشتیوں کا تحیہ ہوگا، اسلام کے اندر ایسا کوئی عمل نہیں ہے سلام کے سوا جس کا اہتمام اللہ تعالیٰ سے لے کر تمام اخیار کے اندر ہے، قرآن کریم میں ہے ”**سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ**“ حدیث میں ہے کہ اللہ پاک جنت میں جنتیوں کے دیدار کے لئے آئے گا تو سلام کرے گا، حدیث یہ ہے کہ ”**بینما اهل الجنة فی نعیمهم اذ طلع علیهم نور فاذا الرب تبارک وتعالیٰ قد اشرف علیهم ویقول یا اهل الجنة سلام**“ یعنی جنتی لوگ بہشت کے ناز ونعمت میں ہوں گے یکایک وہ دیکھیں گے کہ ایک نور نمودار ہوا دیکھتے کیا ہیں رب العالمین ان کو تاکنے لگا ہے اور کہتا ہے اے بہشتیو! تم کو سلام۔

اسی طرح فرشتوں کی جب آپس میں ملاقات ہوتی ہے تو سلام کرتے ہیں، اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں تو سلام کریں گے، قرآن کریم میں آیا ہے، ”**لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّ لَا تَأْثِيمًا اِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا**“ یعنی وہاں لغو اور واہیات کی باتیں نہیں ہوں گی، پس ہر طرف سے سلام کی آوازیں آئیں گی۔

(جنتی ایک دوسرے کو اور فرشتے جنتیوں کو سلام کریں گے اور رب کریم کا سلام پہنچے گا۔ (تفسیر عثمانی)

سلام کے فوائد حضرت کی زبانی: فرماتے تھے۔(۱) سلام کرنے سے نفس کے تکبر وعجب کا علاج ہوتا ہے۔(۲) سنت پر عمل ہوتا ہے۔(۳) سلام کے تین کلمات ہیں ہر کلمہ پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔(۴) دشمن کے دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔(۵) دوستوں اور بزرگوں کے اندر محبت بڑھتی ہے۔(۶) اپنی طرف سے دوسرے کو امن دینا پایا جاتا ہے، یعنی سلام کے اندر یہ پیغام ہے کہ میری طرف سے کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہے۔(۷) ایک مسلمان کا جو حق ہے دوسرے مسلمان پر وہ ادا ہوتا ہے۔(۸) اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکات کی دعا دونوں طرف سے پائی جاتی ہے۔(۹) حدیث کے اندر ہے کہ اگر کوئی سلام کا جواب دینے والا نہ رہے تو فرشتے جواب دیتے ہیں، فرشتوں کی دعا مل جاتی ہے، کس قدر خوش نصیبی کی بات ہے۔(۱۰) اگر روزانہ ستر بار سلام دے تو بہشتیوں کی فہرست میں اس کا نام آتا ہے۔(۱۱) ایک مسلمان کی طرف سے دوسرے کے لئے تحیہ واکرام کے ساتھ دعا بھی ہے اور دعا عبادت ہے۔(۱۲) سلام میں ذکر اللہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت ہے۔

حضرت کا عمل: حدیث میں ہے "السلام قبل الکلام"(جامع الصغیر: ج۲/ح۴۸۴۳) اور "البادی بالسلام بریٔ من الکبر"(جامع الصغیر: ج۱/ح۳۱۹۱) (یعنی پہلے سلام کرنے والا تکبر سے بری ہے) اس پر حضرت والا پورے طور پر عمل کرتے تھے، کسی زائر کے لئے حضرت کو آگے سلام

کر دینا بہت دشوار تھا، حضرت خود ہی اونچی آواز سے سلام کرتے تھے، "سلامک علی من عرفت وعلی من لم تعرف" (بخاری شریف:ح/۱۲) جانے پہچانے اور انجان سب کو سلام کرنے کے متعلق جو حدیث ہے اس پر کما حقہ عمل کرتے تھے۔ اور جتنی دفعہ ملاقات ہوتی اتنی دفعہ سلام کرنے کی عادت تھی۔

ہمارے یہاں مشائخ مریدوں کو سلام نہیں کرتے، اساتذہ طلبہ کو سلام نہیں کرتے، باپ بیٹوں کو سلام نہیں کرتا، افسر لوگ نوکروں کو سلام نہیں کرتے، شوہر بیوی کو سلام نہیں کرتے، تونگر غریبوں کو سلام نہیں کرتے۔

ف: سلام کا عام حکم ہے، اس لئے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، اس لئے اس کی سبقت پر سب کو عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی چاہئے اور داخل بہشت ہونا چاہئے۔ (مرتب)

دوسروں کی ترغیب: حضرت فرماتے تھے کہ حدیث میں "افشوا السلام" کا لفظ ہے، مراد سلام کا چرچہ کرنا، اس لئے سلام کی اشاعت اور اس کا چرچہ عام کرنے کے لئے طریقہ یہ ہے کہ خود سلام کرے، دوسرے سے کروائے، تقریر وتحریر میں اس کی ترغیب دی جائے، فوائد وفضائل بیان کئے جائیں، حضرت کے یہاں اگر کوئی اپنے خاندان کا فرد یا کوئی طالب علم بلاسلام داخل ہوتا تو بہت ناراض ہوتے۔

ف: حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا بھی یہی حال تھا، بلکہ بعض اپنے خاص عزیز کو اپنے حجرہ سے واپس کرتے کہ سلام کر کے داخل ہو۔ (مرتب)

تفسیر قرآن کا خاص رنگ: حضرت بوالویؒ کی تفسیر قرآن میں ایک خاص

رنگ تھا، آپ کی تلاوت کی بھی ایک خاص کیفیت تھی، ایسا لگتا تھا کہ قرآن کریم سے آپ بلا واسطہ معنی ومطلب اخذ کررہے ہیں۔ بطور نمونہ عبرت ونصیحت کے لئے چند آیات کی تفسیر نقل کرتا ہوں۔

(۱) ”فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ“ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور کرم ہے کہ ایماندار اگر نماز نہیں پڑھتا ہے تو فوراً اس کا ایمان سلب نہیں کرتا، ہاں ترک صلوٰۃ پر مداومت میں سلب ایمان کا خطرہ ہے، اور فرمایا کہ نمازی کو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا، صورۃ عذاب ہوگا حقیقۃ اس کی تطہیر ہوگی، کافر کے لئے صورۃ بھی عذاب ہوگا حقیقۃً بھی، ظاہراً بھی، باطناً بھی، جیسا کہ لکڑی کو اگر آگ میں ڈالا جائے تو جلا کر خاکستر کردی جاتی ہے، اس کے برعکس اگر سونے کو آگ میں ڈالا جائے تو جلا کر راکھ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کو صاف کرکے خالص اور قیمتی بنایا جاتا ہے، کافر گویا خشک لکڑی اور ایندھن ہے اور مومن زرخالص۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

ف: اس آیت کے تحت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بعد والوں کی نالائقی بیان کرتے ہوئے ”اتبعوا الشھوات“ سے پہلے ”اضاعوا الصلوٰۃ“ لائے تاکہ اضاعت صلوٰۃ کو جملہ شہوات کا اصل قرار دیا جائے جس سے اس کی مذمت اضعافا مضاعفا ہوجائے۔ (مرتب)

(۲) اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ“ سورۂ بقرہ کی آیت مذکورہ کی تفسیر اور خلاصہ کا مطلب یوں بیان فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کا تعارف کرایا ہے کہ یہ تین صفات جس

کے اندر پائی جائیں وہ متقی ہے، پہلی صفت ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ''، یعنی جس کا من ٹھیک ہو، دوسری صفت ''یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ'' یعنی جس کا تن ٹھیک ہو، تیسری صفت ''مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ'' جس کا دھن ٹھیک ہو، یعنی مال کا استعمال صحیح طریقہ پر ہو، وہ متقی ہے۔ من، تن، دھن تینوں کو اطاعت خداوندی میں استعمال کرے تو وہ مومن متقی ہے۔

(۳) کلمہ طیبہ کی تشریح میں فرماتے تھے کہ اس کلمہ کے دو جزو ہیں۔ جزء اول ''لاالٰہ الااللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ایمان لانا، اور دوسرا جزء ''محمد رسول اللہ'' یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا، جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید میں شرک منافئ ایمان ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شرک بھی منافئ ایمان ہے، کسی ایک جزء کے فقدان سے مومن نہیں رہتا ہے۔

(۴) ''وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، ان سے تعلق قائم کرو، اہل صدق میں شامل ہو جاؤ گے، لیکن آج کل صادقین بہت کمیاب ہیں، اکثر مفاد پرست اور خود پرست ہیں، ظاہر و باطن میں تفاوت بہت زیادہ ہے، جو صادقین کی شان نہیں، ہاں اب یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ پیرومرشد کیسے اختیار کیا جائے، اکثر مشائخ میں نقص اور مرض ہے، اس کا حل یہ ہے کہ نسبتاً جو صالح ہیں ان کو اختیار کرنا، صالحین وصادقین کا وجود کم ہے اس لئے صحبت صالح کو ترک نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ بازار میں خالص چیز کم ہی ملتی ہے مگر خریدنا نہیں چھوڑتے، بلکہ جو چیز نسبتاً اچھی ہے اسی کو

خریدتے ہیں، اس طرح ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ'' پر عمل درآمد کرنا ممکن ہوگا۔

ف: سبحان اللہ! اچھی تشریح فرمادی جس سے اطمینان ہوا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

(۵) ''لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ شکر کے چار ارکان ہیں، ارکان اربعہ کے بغیر حقیقی شکر کا وجود متحقق نہیں ہوسکتا، شکر کہتے ہیں حصول نعمت پر دل، زبان اور جوارح (اعضاء) سے منعم کی ثنا کرنے کو، اس کے چار ارکان ہیں۔

(۱) نعمت کو پہچاننا۔ (۲) منعم کو پہچاننا۔ (۳) جس کے لئے یہ نعمت دی گئی ہے اس کو پہچاننا۔ (۴) جس غرض کے لئے یہ نعمت ہے اسی میں استعمال کرنا۔ (معرفت نعمت، معرفت منعم، معرفت محل استعمال، اسی محل اور موقع میں استعمال) مثلاً زبان کو لیجئے، پہلے سوچنا چاہئے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے، پھر سوچنا چاہئے کہ یہ نعمت کس کی طرف سے ہے، اس کے بعد جاننا چاہئے کہ کس کام کے لئے اس کو عطا کیا اب اسی کام میں اس کو لگانا چاہئے، تب جا کر نعمت زبان کا شکر پایا جائے گا۔

(۶) ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پر فرمایا: انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کو جن وانسان کے شرور سے حفاظت کرنے کے لئے تین صفات ضروری ہیں، وہ سب خالق کائنات میں موجود ہیں۔ (۱) ربوبیت۔ (۲) قدرت۔ (۳) حکومت۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں صفت ربوبیت کا ذکر ہے، اور مَلِکِ النَّاسِ میں صفت قدرت کی طرف اشارہ ہے، اور اِلٰهِ النَّاسِ میں اس کی الوہیت حاکمہ کی طرف، سو باری تعالیٰ شان ربوبیت سے شفقت فرمائے گا انسان پر، اور اس

کی حفاظت کرے گا شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ سے بھی اپنی قدرت کاملہ اور حاکمانہ اختیار سے۔

(۷)''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' کے بارہ میں فرمایا کہ خلق کا اطلاق واحد وجمع دونوں پر ہوتا ہے، یہاں جنس مراد ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنس اخلاق میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے، اوراخلاق کے تمام جوانب کے حاوی، صاحب خلق کا مصداق اورکوئی نہیں، اس لئے تاکیددرتاکید اِنَّ اورلام کے ساتھ فرمایا''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''۔

نصائح

عبادات کا اہتمام اور معاصی سے اجتناب: حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شریعت میں چار کام کرنے کے ہیں۔فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات۔ان میں سے کسی کو بھی چھوڑنا نہیں چاہئے، اورتین کام ایسے ہیں جن سے پرہیز ضروری ہے۔حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ان میں سے کسی کو بھی کرنا نہیں چاہئے۔ایک موقع پر یہ بھی ارشادفرمایا کہ فرض، واجب اورسنت، مستحب، اسی طرح حرام اورمکروہ وغیرہ یہ فقہی اصطلاحات ہیں، اصل بات یہ ہے کہ شریعت میں کچھ کام کرنے کے ہیں اور کچھ کام چھوڑنے کے۔ان کا درجہ جو بھی ہو، اوامرونواہی کا اہتمام ہی شریعت ہے، اوریہی عبادت وبندگی ہے، مگر افسوس کہ علماء بھی فتوی پرعمل کرنا چاہتے ہیں، جواز وعدم جواز میں فرق مراتب کا بہانہ کرتے ہیں۔

نوافل ومستحبات کی اہمیت پرایک دفعہ ارشادفرمایا کہ مستحب کیا کم ہے، جو

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے،نوافل فرائض وواجبات اگر ترک ہوجائیں تو ان کی تلافی ہوتی ہے،محشر میں نوافل ومستحبات دیکھے جائیں گے،ان کے ذریعہ فرائض کے جبرنقصان کا حکم ہوگا۔

علماء کی لغزش کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ علمائے دین قوم وملت کے پیشوا ہیں، یہ فقہی مسئلہ ہے(جس میں کسی امام مذہب کا اختلاف نہیں) کہ اگر امام کی نماز فاسد ہوجائے تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے علماء کو بہت چوکنا رہنا چاہئے، اگر ان کے پاؤں صحیح راستہ سے پھسل جائیں تو عوام بھی گر جائیں گے،ان کا ایمان وعقیدہ خطرہ میں پڑ جائے گا۔

(اس موقع پر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ساتھ ایک بچہ کا واقعہ قابل ذکر ہے، جو مشہور ہے کہ ایک دفعہ امام صاحب کسی راستہ سے گزر رہے تھے، ایک بچہ کو دیکھا کہ وہ بے احتیاطی سے چل رہا ہے، امام صاحب نے کہا کہ بیٹا! سنبھل کر چل، کہیں گر نہ جائے، اس پر اس لڑکے نے عجیب عقل کی بات کہی، جو پوری امت کے لئے درس عبرت ہے، کہا کہ آپ ذرا سنبھل کر چلئے کیونکہ میرا پھسل جانا کوئی بڑی بات نہیں، مگر آپ کا پھسل جانا ساری ملت کے لئے نقصان دہ ہوگا۔)

غصہ کبر سے ناشی ہے: فرمایا کہ غصہ تکبر سے ناشی ہے، تکبر جس کے اندر زیادہ ہوتا ہے اس کو غصہ زیادہ آتا ہے، اپنے کو زبان سے حقیر، فقیر کہنا تو آسان ہے، مگر واقعہ حقیر وفقیر سمجھنا اور سب کو اپنے سے بہتر جاننا مشکل کام ہے۔

صحبت شیخ کی ضرورت: فرمایا: علم حقیقی صرف کتابیں پڑھنے اور بہت سی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا ہے، شیخ کامل کی صحبت سے یہ چیز ملتی

ہے، بغیر صحبت شیخ کے علم حقیقی اور معرفت الٰہی کی دولت نہیں ملتی، عالم وہ ہے جو متقی اور متبع سنت ہو، کثرت مطالعہ اور کثرت معلومات کا نام علم نہیں، علم حقیقی جاننے کا نام نہیں، ماننے کا نام ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ؎

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینے میں

نفس کے ساتھ مقابلہ تصوف ہے: فرمایا جس عبادت وطاعت میں نفس غفلت کرے، جی گھبرائے اور اس کا کرنا نفس پر شاق ہو، ہمت کر کے اس کا بجا لانا اور نفس سے مقابلہ کرنا، اسی طرح جس گناہ کا تقاضا پیدا ہو اس کی طرف نفس کا میلان بہت ہو، ہمت کر کے نفس کی مخالفت کرنا اور اس معصیت سے بچنا یہی بندگی کا خلاصہ اور تصوف کا مغز ہے، جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

ف: بہت خوب مغز تصوف بیان فرمایا جو پیش نظر رکھنے کے قابل ہے۔ واللہ الموفق (مرتب)

اہم ملفوظ: فرمایا نجات منحصر ہے تین چیزوں کے اندر۔ حلال کھانا، فرائض ادا کرنا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع کرنا، دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ چار قسم کے گنہگاروں کو جنت کی کسی نعمت کا مزہ نہیں چکھائے گا اور ان کو جہنم میں داخل کرے گا۔ ایک ''مدمن الخمر'' (یعنی بار بار شراب پینے والا) دوسرا ''آکل الربوا'' (سود کھانے والا) تیسرا ''آکل مال الیتیم'' (یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے والا) چوتھا ''عاق

الوالدین‘‘ (ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا)۔

ف: اے اللہ! ان گناہوں سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما، تاکہ اس کے وبال وعذاب سے رہائی نصیب ہو۔ (مرتب)

مدارس دینیہ کے خدمتگاروں کو پریشان نہ ہونا چاہئے: ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مدارس دینیہ کے مدرسین ومہتمین اکثر پریشان حال نظر آتے ہیں، وہ اپنے کو بدحال سمجھ کر رنج وفکر میں مبتلا رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دینی خدمت کو دنیوی نوکری پر قیاس کر بیٹھے ہیں، دنیوی ملازمت اور عہدوں میں مال وجاہ مطلوب ہیں، منصب اور تنخواہ کی بالاتری اور اضافہ کے لئے مسابقت چلتی ہے، اضافۂ تنخواہ اور ترقی کے لئے تحریک اور تدبیر چلائی جاتی ہے، یہاں تو مال وجاہ مطلوب نہیں، دین کی خدمت اور مولیٰ کی رضامندی مقصود ہے، ان کو اجر اور انعام تو اللہ تعالیٰ کے پاس ملے گا۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ’’اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ‘‘ [توبہ] یعنی اللہ تعالیٰ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔

حضرت بوالوی صاحبؒ سے ایک عالم نے پوچھا کہ حضرت مدرسہ میں پڑھا کر پیسہ لینا کیسا ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ پڑھا کر پیسہ لینا جائز ہے، مگر پیسہ کے لئے پڑھانا جائز نہیں، (یعنی دینی تعلیم تو آخرت کا کام ہے، رضائے الٰہی کی نیت سے پڑھائے اور ضرورت کی بنا پر تنخواہ لے۔ فقہائے متاخرین کے فتویٰ کے مطابق جائز ہے، اور اگر کسب دنیا مقصود ہو تو ناجائز۔

فرمایا: پرائے کی زمین غصب کر کے اولاد کے لئے چھوڑ جانا بڑی حماقت ہے، ان لوگوں کی اولاد و وارثین تو غصب کردہ جائداد کا غلہ کھائیں گے، اور یہ غاصب قبر میں فرشتوں کی مار کھائے گا۔

علم اور عبادت کا ثمرہ: فرمایا تعلم وتعبد (علم وعبادت) تو کچھ نہ کچھ موجود ہیں لیکن ان دونوں کا نتیجہ اور ثمرہ مفقود نظر آتا ہے، الا ماشاء اللہ، وہ ثمرہ کیا ہے دل کی رقت، تواضع وفروتنی اور عجز وانکسار کا پیدا ہونا، اپنے کو سب کے مقابلہ میں حقیر وذلیل، گنہگار روسیہ کا رخیال کرنا، غرض عبدیت کی حقیقت پیدا ہونا۔

اکثر مواعظ میں بڑی حسرت سے یہ بات بار بار فرماتے تھے کہ "علم در کتابم وعالماں در گور" یعنی علم صحیح معنی میں کتابوں کے اندر، قرآن وحدیث میں تو موجود ہے، لیکن علم کے حاملین جو واقعی اہل علم تھے وہ سارے گورستان چلے گئے، اب جو رہ گئے وہ نام کے عالم ہیں۔

ف: الحمدللہ ملفوظات نہایت مفید اور مؤثر ہیں، یاد رکھنے کے لائق ہیں اور ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے ثمرات دنیا وآخرت میں نصیب ہوں۔ (مرتب)

وفات: ۲۵/ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۷/فروری ۲۰۰۴ء بروز منگل وفات ہوئی، اور غسل سے فراغت کے بعد آپ کو جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں پہنچایا گیا اور وہیں نماز جنازہ ادا کی گئی اور مقبرہ عزیزی پٹیہ چاٹگام بنگلہ دیش میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدہ۔ (تذکرہ حضرت مولانا شاہ علی احمد بوالوی)

حضرت مولانا محمد یار صاحب پرتا پگڈھیؒ المتوفی ۱۴۲۵ھ

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۳ھ میں اپنے آبائی گاؤں اُگئی پور میں ہوئی۔آپ کے والد محترم کا اسم گرامی محمد عمر قریشی تھا جو نیک دل، خدا پرست اور حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ کے خصوصی متوسلین ومریدین میں سے تھے۔

تعلیم وتربیت: علاقہ میں دینی مدارس ومکاتب نہ ہونے کی وجہ سے آپ باسو پور ہندی اسکول میں پڑھنے جاتے تھے، ایک دن موضع ہنڈور کی جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ حضرت مولانا محمد سعید صاحب نصیر آبادیؒ بیان فرمارہے تھے۔ دوران خطاب مجمع کو مخاطب کر کے سوال کیا: ’’سب سے اچھا آدمی کون ہے‘‘ سب لوگ خاموش رہے،تو مولانا نے جواب دیا کہ ’’جو اللہ کو پہچانتا ہو۔‘‘ مولانا محمد سعید صاحبؒ یہ جواب سن کر مسرت سے اچھل پڑے اور والد محترم محمد عمر صاحب کی اجازت سے آپ کو دینی تعلیم کے لئے اپنے ہمراہ نصیر آباد لے گئے اور اپنے مدرسہ میں داخل فرمادیا۔ وہاں ابتدائی دینیات اور حفظ قرآن کریم کر کے دار العلوم دیوبند پہنچے، اور میزان سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم مکمل کر کے ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ، علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ جیسے اساطین علم شامل ہیں۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ کے حکم سے ادارہ محمودیہ قصبہ محمدی لکھیم پور بحیثیت مدرس تشریف لے گئے۔ وہاں سے کچھ دنوں کے بعد اپنے وطن تشریف لائے اور مدرسہ رشیدیہ (جسے ۱۹۵۲ء میں قائم کر چکے تھے) اس کی ذمہ داری سنبھال لی۔ اس کے بعد سینکڑوں مدارس ومکاتب کی بنیاد رکھی۔ جو الحمد للہ علوم دینیہ کی نشر واشاعت میں مشغول ہیں، بلکہ روز بروز ترقی پذیر ہیں۔ فللہ الحمد و المنة.

دعوت وتبلیغ: ماشاء اللہ آپ کے اندر دعوت وتبلیغ کا زبردست جذبہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہت داعیہ تھا، اس لئے رسوم وبدعات کی بیخ کنی کے لئے ''جمعیۃ اصلاح المسلمین'' قائم فرمائی۔ جس کے تحت گاؤں گاؤں سائیکل سے اور کبھی پیدل جاکر وعظ فرماتے اور رسوم و بدعات سے لوگوں کو منع کرتے تھے۔

معمولات: نماز تہجد، اشراق، ذکر، بارہ تسبیح نیز طریقۂ چشتیہ کے مطابق پاس انفاس کا معمول تھا، قرآن پاک سے بیحد شغف تھا۔ اکثر اوقات تلاوت کلام اللہ اور ذکر اللہ سے زبان سیراب رہتی۔

وفات: ۱۶/صفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۷/اپریل ۲۰۰۴ء بروز بدھ زندگی سے مایوس یہ مرد مجاہد اللہ اللہ کہتے ہوئے بحالت سفر انتہائی سکون واطمینان کے ساتھ اپنے رب حقیقی سے جاملا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون.**

اور اگئی پور پرتا بگڈھ میں مکان کے سامنے ہی سپرد خاک کیا گیا۔ برد اللہ مضجعه ووسعه.

اپنی سعادت: ماشاءاللہ حضرت مولانا اس حقیر سے بیحد محبت فرماتے تھے، مجھے بھی آپ سے کافی محبت وعقیدت تھی اور ہے، چنانچہ آپ کے جملہ متعلقین سے خاص تعلق ہے، وہ حضرات بھی اس حقیر سے تعلق رکھتے ہیں۔فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

ماشاءاللہ آپ کی خصوصیت ہے کہ جملہ صاحبزادگان وصاحبزادیاں بلکہ پوتیاں ونواسیاں حافظ قرآن ہیں۔ صاحبزادے بھی اکثر عالم ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے۔ہاں بعض صاحبزادے سخت بیمار ہیں اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے، آپ کی اہلیہ بھی ماشاءاللہ باحیات ہیں اللہ تعالیٰ ان کو تادیر سلامت رکھے۔آمین (مرتب)

محی السنہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ ہردوئی[1] المتوفی ۱۴۲۶ھ

وطن ونسب وولادت: آپ کا وطن اصلی نواح دہلی میں مقام پلول ہے۔ آپ کے اجداد وہیں رہتے تھے۔آپ کے والد محترم نے ہردوئی میں قیام فرمایا اور ہردوئی ہی کو اپنا وطن ومسکن بنالیا اور ہردوئی ہی میں ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں حضرت والاؒ کی ولادت ہوئی، اور ہردوئی کو ہی آپ نے مرکز رشد وہدایت بنایا، اوراسی سرزمین کو آپ کے وطن اصلی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔اوراسی کو آپ کی مرقد بننے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔

والد ماجد: آپ کے والد ماجد جناب وکیل مولوی محمودالحق صاحبؒ گو پیشہ کے اعتبار سے وکیل تھے؛ لیکن انتہائی نیک صالح، فرائض کے علاوہ سنن ومستحبات کے پابند، صدق وامانت، تقویٰ وطہارت میں ممتاز ومشہور تھے۔خلاف حق کسی معاملہ میں کوئی ان سے تعاون کی امید نہیں کرسکتا تھا۔

والدہ ماجدہ: والدہ ماجدہ کے بارے میں حضرت مولانا عبدالقوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت قدس سرہ کی والدہ محترمہ بھی نہایت رقیق القلب، ملنسار اور خوش مزاج خاتون تھیں، مصیبت زدوں کی مصیبت میں شرکت

---

(۱) آپ کی سوانح مکرم مولانا مفتی محمد فاروق صاحب خلیفہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ ناظم جامعہ محمودیہ میرٹھ نے بنام ''حیات ابرار'' لکھی ہے۔اس سے زیادہ تر مضامین لکھے جارہے ہیں۔(مرتب)

اوران کی دلداری میں پیش پیش رہتی تھیں۔

حفظ قرآن پاک: حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والاؒ کو بچپن ہی سے علمی و دینی اور روحانی ماحول عطا فرمایا تھا اور حضرت والاؒ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، جس کی وجہ سے بچپن ہی سے حضرت والا قدس سرہ اس شعر کے مصداق تھے ؂

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

ایسے مبارک نورانی ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں، پھر فطری وخداداد صلاحیتیں جس کی وجہ سے بچپن ہی سے دین آپ کی رگ رگ میں سرایت کرگیا۔ اور بچپن ہی میں آپ کے قلب میں حب الٰہی، حب نبوی ﷺ کا تخم جم گیا، جو برابر پھولتا پھلتا رہا۔ کھیل کود اور تفریح سے بچپن ہی سے آپ کو کوئی رغبت نہ تھی۔ حصول علم کا شوق قلب میں بھرا ہوا تھا۔ یہ اثر اس نسبت کا تھا جو آپ کو اپنے جد اعلیٰ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے حاصل تھی۔ چنانچہ آپ نے ماشاء اللہ صرف آٹھ سال کی عمر میں مکمل کلام پاک حفظ کرلیا۔

ابتدائی تعلیم: حفظ کلام پاک کے بعد حضرت والا قدس سرہ نے ابتدائی تعلیم اردو لکھنا پڑھنا، نقل واملا وغیرہ، اس کے بعد فارسی کی کتابیں اور ابتدائی عربی کی تعلیم ہردوئی ہی میں انجمن اسلامیہ کے مدرسہ میں حاصل کیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ: ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں دس سال کی عمر میں آپ نے مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور نحو میر، شرح مأۃ عامل، تیسیر المبتدی، کبریٰ، کافیہ وغیرہ کی تعلیم سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا اور ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت پائی؛ آپ کے دورہ کے اساتذہ یہ حضرات تھے:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ صدرالمدرسین وغیرہم۔

تکمیل تجوید: اللہ رب العزت نے حضرت والا قدس سرہ کو ابتداء ہی سے قرآن پاک کو صحت، عمدگی اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ حضرت والاؒ نے فن تجوید کو اپنے زمانہ کے مشہور ومعروف قاری عبدالخالق صاحبؒ سے حاصل کیا۔ اس لئے آپ کو فن تجوید میں خاص کمال حاصل ہو گیا تھا۔

تکمیل فنون: دورۂ حدیث اور تجوید سے فراغت کے بعد حضرت والاؒ نے مدرسہ مظاہر علوم ہی میں دو سال میں منقولات کی کتابیں پڑھ کر معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھ لیں اور ان میں بھی امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل فرما کر گرانقدر کتابوں کے مجموعہ کے ساتھ پانچ سو روپئے کا نقد انعام بھی حاصل فرمایا۔

حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت وخلافت: حضرت والا ہردوئیؒ کے والد محترم وکیل محمود الحق صاحبؒ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے وابستہ وفیض یافتہ بلکہ مجاز صحبت تھے۔ جس کی وجہ سے گھر کے ماحول میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ رہتا تھا اور آپ کے مواعظ وملفوظات پڑھے اور سنے جاتے تھے، پھر حضرت ہردوئیؒ کے مزاج میں بچپن ہی سے حق تعالیٰ شانہ نے دیگر اوصاف وکمالات کے ساتھ اصول پسندی اور نظم وضبط کی

خاص شان رکھی تھی، جس کی وجہ سے حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے فطری مناسبت تھی، ان سب وجوہات کی بناء پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو اپنا شیخ و مرشداور روحانی معالج منتخب فرمالیا اور بچپن ہی میں بزمانۂ طالبعلمی اپنے اصلاح نفس کا سلسلہ شروع فرمادیا، اور آپ سے بیعت بھی ہوگئے۔

اس لئے حضرت مولاناؒ نے مظاہرعلوم کے طالب علمی کے زمانہ ہی سے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضری شروع فرما دی تھی، اور حضرت حکیم الامتؒ نے حضرت ہردوئی قدس سرہ کو کمسنی ہی میں اجازت وخلافت سے نوازدیا تھا۔ ذالك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء.

نکاح: حضرت قدس سرہ کا نکاح ڈاکٹر احمد شاہ کی صاحبزادی کے ساتھ ہوا۔ جنہوں نے ماشاءاللہ جدید تعلیم یافتہ اور نہایت ہی متمول خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو خالص دیندار اور ایک عالم و مصلح کے مزاج کے موافق بنایا اور رفاقت کا واقعی حق ادا کیا۔ فجزاها اللّٰه تعالیٰ.

درس وتدریس: مظاہرعلوم کے حضرات اکابر آپ کے کمال استعداد تقویٰ و طہارت اور اوصاف حمیدہ سے بخوبی واقف تھے، اس لئے ارباب مدرسہ مظاہرعلوم نے باہمی مشورہ سے ۱۳۵۷ھ میں تکمیل فنون سے فراغت کے بعد آپ کا معین مدرس کے عہدہ پر تقرر فرمالیا۔ اور حضرت والاؒ نے دوسال تک بحسن وخوبی فرائض تدریسی انجام دیئے۔ جس سے طلبہ اور ارباب مدرسہ بہت خوش ومطمئن رہے۔

جامع العلوم کانپور میں: چنانچہ حضرت مولانا تھانویؒ کے حسب خواہش

ارباب جامع العلوم کانپور نے حضرت ہردوئی کا جامع العلوم کانپور میں تقرر فرما لیا۔ اور حضرت مولانا ہردوئی اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا تھانویؒ کے حسب ایماء ومشورہ مظاہرعلوم سے جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے اور تقریباً دوسال جامع العلوم میں بحسن وخوبی تدریسی خدمات انجام دیں۔

مدرسہ اسلامیہ فتحپور ہنسوہ میں قیام: حضرت مولانا تھانویؒ ہی کے مشورہ سے آپ جامع العلوم کانپور سے فتحپور ہنسوہ کے عربی مدرسہ میں تدریس کے لئے آئے اور تقریباً دوسال یہاں بھی قیام رہا۔ اور یہیں آپ کو حضرت مولانا تھانویؒ کی طرف سے خلافت ملی۔

مدرسہ اشرف المدارس کا قیام: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت ہردوئی کو مدرسہ کے قیام کا حکم فرمایا، اس لئے حضرت والا ہردوئیؒ نے اپنے شیخ و مرشد کے حکم کے مطابق اپنے وطن ہردوئی میں حضرت تھانویؒ کے نام سے ماہ شوال ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ ''اشرف المدارس'' کی بنیاد رکھی۔ جس میں علم و تعلیم اور تزکیہ کی ایسی شمع روشن ہوئی جس کی روشنی سے آج نہ صرف ہندوستان وایشیا بلکہ افریقہ و یورپ کے طالبین صادقین کے قلب و دماغ بھی منور ہورہے ہیں۔

طلبہ کے ساتھ شفقت: طلبہ کے لئے دوا دارو اور علاج کا باقاعدہ انتظام فرماتے، نیز روشنی بجلی اور سردی کے موسم میں گرم پانی کا انتظام فرماتے اور گرمی میں کولر اور ٹھنڈے پانی کا بھی نظم فرماتے ۔غیرملکی طلبہ کے لئے اس کے علاوہ مزید سہولت وراحت کا انتظام فرماتے تھے۔

بعد عصر مجلس: عصر بعد حضرت والا قدس سرہ کی مجلس ہوتی،جس میں تمام حضرات اساتذہ اورطلبہ ومہمانان کرام شرکت فرماتے۔

اصول برائے اساتذہ کرام: حضرت ہردوئی قدس سرہ بہت اصول پسند تھے۔ان کے مدرسہ اشرف المدارس اورآپ کے زیرنگرانی دیگر مدارس اور شاخوں میں جتنے اساتذہ کاتقرر ہوتا تھا، چاہے کسی بھی عہدہ پر ہو،اس کے لئے نورانی قاعدہ کاامتحان اورمشق ضروری تھی۔

نیزآپ فرماتے کہ اساتذہ ومدرسین کاکسی نہ کسی بزرگ شخصیت سے تعلق اورروحانی واصلاحی رابطہ ضرور ہونا چاہئے۔اس لئے کہ ایسے لوگوں سے مدرسہ کے اصول وقانون کی خلاف ورزی کاامکان کم ہوتا ہے۔اوردوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگراس سے خلاف قانون کوئی امرسرزدہواتواس کے پیرومرشد سے رجوع کیاجاسکتا ہے۔

مہمانوں کااکرام: حدیث پاک میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ.** (ترمذی شریف:۱/۱۸)یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کےدن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنے مہمانوں کااکرام کرے،اسی لئے حضرات مشائخ اولیاء کرام کاہمیشہ مہمانوں کی تعظیم واکرام کامعمول رہاہے۔حضرت والا قدس سرہ کے یہاں بھی مہمانوں کی ضیافت واکرام کاخاص خیال تھا۔اپنی انتہائی علالت اورضعف کے باوجود ہرہر مہمان کووقت دینا،اس کی بات سننا،مہمان کے شایان شان اوراس کے حسب حیثیت اس کی ضیافت کااہتمام اورمہمان کی واپسی تک برابرمہمان کاخیال رکھنا

اوران کے لئے فکر مند رہنا، بلکہ مہمان واپس ہو کر جب تک اپنے مقام پر پہنچ کر بخیریت رسی کی اطلاع نہ کرے؛ حضرت والا قدس سرہ برابر فکر مند رہتے، اور بخیریت اپنے مقام پر پہنچنے کی اطلاع سے انتہائی خوش ہوتے۔

حج، عمرہ اور زیارت مدینہ: حضرت اقدس قدس سرہ کو حق تعالیٰ شانہ نے یہ عظیم دولت بار بار نصیب فرمائی کہ شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ تقریباً ۳۵ مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ پاک علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء.

حضرت مولاناؒ کے مصلحانہ ارشادات

۱- ارشاد فرمایا کہ: بیماری کی دو قسمیں ہیں: اصلی اور عارضی، جیسے قبض سے دردسر ہو، تو اصلی بیماری قبض ہے اور دردسر عارضی ہے۔ اسی طرح قلب کی غفلت اور خرابی و سختی اصلی بیماری ہے، پھر اس کی خرابی سے اعمال میں خرابی عارضی بیماری ہے۔ پس اصلی بیماری کا علاج کرنا چاہئے یعنی دل کا علاج اللہ والوں سے کرانا چاہئے۔ پھر دل کی درستی سے اعمال اور اخلاق کی درستی خود بخود ہونے لگے گی۔

۲- ارشاد فرمایا کہ: ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے لڑکے نے داڑھی رکھی تھی، پھر منڈا دی ہے۔ میں نے اس وجہ سے بولنا چھوڑ دیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ ماجور ہوں گے۔ اور جو حضرات ایسے شخص سے بولنا ترک نہیں کرتے، اس مصلحت سے کہ کہیں اور زیادہ نہ خراب ہو جائے تو یہ لوگ معذور سمجھے جائیں گے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب فیصلہ فرمایا۔ فجز اہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

۳- ارشاد فرمایا کہ: تربیت اور اصلاح کے لئے صرف صلاح کافی نہیں بلکہ اصلاح کے فن سے واقفیت بھی ضروری ہے، اسی سبب سے ہر صالح مصلح نہیں ہوتا۔

ف: اسی لئے بہت سے صالحین کو مشائخ اجازت نہیں دیتے، کیونکہ اصلاح کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ (مرتب)

۴- ارشاد فرمایا کہ: حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے حقیقی بھانجے مولانا سعید احمد مرحوم ڈھائی سال کے تھے۔ اسی عمر سے ان کی پرورش حضرت کے گھر میں ہوئی؛ لیکن جب بارہ سال کے ہوئے تو ایک دن حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ کیوں جی مولوی سعید احمد! تمہاری عمر کیا ہے؟ عرض کیا ۱۲ سال۔ پھر دریافت کیا کہ ممانی محرم ہیں یا کہ نامحرم؟ پس خاموش ہو گئے۔ اسی دن سے حضرت کے گھر جانا بند کر دیا اور حضرت پیرانی صاحبہ سے پردہ شروع کر دیا۔ اسی طرح حقیقی چچی، سالی اور بھاوج سے شرعاً پردہ ہے۔ چچی، ممانی اور خالہ کی لڑکیوں سے بھی پردہ ہے۔ تو ٹیلی ویژن پر ان نامحرم عورتوں کو دیکھنا جو رشتہ دار بھی نہیں، کیسے جائز ہو جائے گا۔ جس کا اصل دیکھنا حرام ہے اس کی نقل دیکھنا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خاندان، برادری، محلہ اور بستی کا رواج نہیں دیکھنا چاہئے، یقیناً مقابلہ کے وقت ہی پتہ چلتا ہے کہ محبت اللہ کی زیادہ ہے یا خاندان اور برادری کی؟

ف: افسوس کہ ایسے امور نامرضیہ میں عام ابتلا ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (مرتب)

۵- ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ سے محبت وخشیت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل محبت وخشیت سے تعلق رکھا جائے۔ ان کی خدمت میں آمد ورفت رکھی جائے، اور حق تعالیٰ کے احسانات کو سوچا جائے۔

ف: ماشاء اللہ، نہایت سہل نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (مرتب)

۶- ارشاد فرمایا کہ: منہ پر تعریف کرنا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی منہ پر تعریف کرے تو اس کے منہ میں دھول ڈال دو۔

مگر دو شرطوں سے جائز ہے۔ ایک یہ کہ ممدوح کے اندر عجب وغرور پیدا ہونے کا خوف نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کی حوصلہ افزائی مقصود ہو۔

ف: کیونکہ بعض لوگوں کے ازدیاد ایمان کا یہ سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک ہے: إذا مدح المؤمن في وجهه ربا الايمان في قلبه. (عن عثمان بن زید، منتخب کنز العمال بحاشیہ مسند امام احمد: ۱/۸۶) یعنی جب مومن کی اس کے منہ پر تعریف ہوتی ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ (مرتب)

۷- ارشاد فرمایا کہ: کھانے کے وقت کسی رنج وفکر کی بات نہ کریں اور کسی حادثہ اور غم کی خبر بھی نہ دیں۔ اسی طرح پاخانہ، پیشاب، قے اور کسی ایسی چیز کا ذکر نہ کریں جس کو سن کر طبیعت میں کراہت اور متلی کا رجحان پیدا ہو۔ علماء نے تو کھانے کے وقت سلام تک کو منع کیا ہے کہ اچانک جواب دینے میں کہیں لقمہ ہوا کی نالی میں پھنس کر موت کا سبب نہ ہو جائے۔ اسی طرح ایسے مسائل اور علوم کا بھی ذکر نہ چھیڑیں جس میں دماغ میں فکر اور مشغولی ہو۔ البتہ سرسری لطیفہ اور

ہلکے درجہ کی خوش مزاجی میں مضائقہ نہیں، بلکہ مفید و معین ہضم ہے۔

۸- ارشادفرمایا کہ: پردہ شرعی کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔خواہ دل کتنا ہی صاف اور نظر کتنی ہی بےلوث ہو،اس لئے کہ بجلی کے آتے دیر نہیں لگتی،اچانک آجاتی ہے۔یہی حال شہوت کا ہے۔ اس لئے پردہ کا اہتمام ضروری ہے۔

۹- ارشادفرمایا کہ: ہرعمل کا مدار نیت پر ہے۔ایک شخص اختلاط سے بچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مجھ سے اذیت نہ پہنچے؛اوردوسرا یہ نیت کرتا ہے کہ لوگوں سے مجھے اذیت نہ پہنچے۔اول نیت پر اجر ہے۔دوسری نیت پر زجر ہے؛ کیونکہ دوسری نیت میں اپنے ساتھ حسن ظن اور مخلوق خدا کے ساتھ بدگمانی ہے۔اوراول نیت میں اپنے ساتھ بدگمانی اور مخلوق خدا پر شفقت ہے۔

ف: سبحان اللہ،کیا خوب نکتہ بیان فرمایا۔فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ.(مرتب)

۱۰- ارشادفرمایا کہ: اگر ہر روز اشراق نہ پڑھے تو جب توفیق ہوجائے پڑھ لیجئے۔اگر پلاؤ ہر روز کھانے کو نہ ملے تو جس دن ملے اسی دن کھالیجئے۔اس میں کیا مضائقہ ہے۔یعنی جس دن پڑھیں گے اس دن کا ثواب تو ملے گا ہی،پھر کیوں نہ ایسا کریں۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب حقیقت کا انکشاف فرمایا۔جس سے مزید عمل کا داعیہ پیدا ہوگا۔واللہ الموفق (مرتب)

۱۱- ارشادفرمایا کہ: جس طرح جسم کی نشوونما اورتربیت کے لئے کتنے انواع واقسام کی غذائیں ہیں،اسی طرح روح کی ترقی وتربیت کے لئے انواع

واقسام کی عبادتیں ہوں تو کیا اشکال ہے۔

ف: ماشاء اللہ کیا خوب ارشاد فرمایا جو نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہے۔(مرتب)

۱۲- ارشاد فرمایا کہ: حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنے ایک رسالہ ''جزاء الاعمال'' میں گناہوں کے سترہ قسم کے نقصانات بیان کئے ہیں، اس لئے اس رسالہ کو کثرت سے سننا اور سنانا چاہئے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ حقوق العباد کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے اس کی ادائیگی کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ مولانا تھانویؒ نے آخری وقت میں یہ وصیت فرمائی۔

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو — بری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وہ آج آن کر مجھ سے لے انتقام — قیامت کے دن پر نہ رکھے یہ کام
کہ خجلت بروز قیامت نہ ہو — خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

ف: سبحان اللہ، یہ ہے خوف آخرت جو ہمارے اکابر کو ہر وقت پیش نظر رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

۱۳- ارشاد فرمایا کہ: لوگوں نے مالی تعاون بند کر دیا تو کیا غم؟ لوگوں پر نظر نہ رکھئے، جن کے قبضہ میں دل ہے ان پر نظر رکھئے، کام میں لگئے اور تجویز کو فنا کیجئے، یہ نہ سوچئے کہ کام اس طرح کرنا ہے اور اس طرح ہونا چاہئے بلکہ اس وقت جو اختیار میں ہو وہ شروع کیجئے۔ کیا نتیجہ ہوگا، کس طرح ہوگا، کیونکر ہوگا، ان باتوں سے ہمت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

ف: ماشاء اللہ خوب فیصلہ فرمایا جس سے کام میں آسانی ہوئی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

حضرت خواجہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

کام کر اور جس کا ہے کام اس پہ تو انجام چھوڑ　　کیا نتیجہ ہوگا کیونکر ہوگا یہ اوہام چھوڑ
وقت ہے جدو جہد کا راحت و آرام چھوڑ　　اجر لے ناکام ہوکر بھی، نہ رب کا کام چھوڑ

اختیاری محنت اور کوشش کے باوجود اگر ناکامی ہوتی ہے تو یہ ناکامی عرفی ناکامی ہے، حقیقی ناکامی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی رضا اور ثواب عطا ہونے کے باوجود پھر ناکامی کیسی؟ محنت اور کوشش کی ضرورت ہے وہ جاری رکھنا چاہئے۔

۱۴- حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ: جو لوگ بزرگوں کے آخری زمانہ کو اپنا نمونہ بناتے ہیں وہ گمراہ ہوجاتے ہیں اور عیش و جاہ کے طالب ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ بزرگوں کے ابتدائی زمانے جو سخت مجاہدات کے گزرتے ہیں وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ تو آخری زمانہ کے حالات یعنی معتقدین کا ہجوم، تحائف اور ہدایا کی فراوانی اور خدام کی راحت رسانی وغیرہ کو دیکھتے ہیں، اس لئے یہ ان کو تن پروری اور تن آسانی کا طالب بنا کر دین کی محنت اور جدو جہد کی عرق ریزی سے محروم کر دیتی ہے۔ لہذا ہمیشہ بزرگوں کی ابتدائی زندگی کے مجاہدات اور ریاضات کو اپنا طریقۂ کار اور نمونۂ عمل بنانا چاہئے۔ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ تمام دینی و دنیوی ترقیات قدموں کے نیچے ہوں گی۔

۱۵- ارشاد فرمایا کہ: علماء و اہل مدارس کو بھی حسب حیثیت کچھ چندہ دینا چاہئے، اس لئے کہ جس وقت علماء کرام انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل بیان فرماتے ہیں اگر اس وقت کوئی عامی کھڑا ہوکر یہ دریافت کرے کہ مولانا! آپ

اپنی آمدنی سے کتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں؟ تو کیا جواب دیں گے؟ شرم سے گردن جھک جائے گی۔اس لئے ہر عالم اور اہل مدرسہ کو خواہ قلیل رقم ہی ہو انفاق مالیہ کی سعادت ضرور حاصل کرنی چاہئے۔نیز اس عمل سے عوام کا حوصلہ بھی بلند ہوتا ہے اور وہ بھی اس عمل میں شریک ہوتے ہیں۔

۱۶- ارشاد فرمایا کہ: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرتے تھے۔

ف: ماشاءاللہ کیا ہی خوب بات معلوم ہوئی۔اس لئے تمام مسلمانوں کو خصوصاً حضرت مولانا تھانویؒ کے منتسبین کو اس عمل خیر میں مرشد کی اقتداء ضرور کرنی چاہئے۔چوتھائی نہیں تو دسواں حصہ یا جو بھی آسانی سے ہو سکے صدقہ خیرات دیا کریں؛ تا کہ صحیح معنوں میں مرشد کے متبع قرار پائیں۔(مرتب)

۱۷- ارشاد فرمایا کہ: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں مشائخ کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنے کو مستغنی نہ سمجھیں۔اپنے لئے وہ بھی کسی بڑے سے مشورہ لیتے رہیں اور اگر بڑے نہ ہوں تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ لے لیا کریں۔احقر نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ سے تعلق قائم کیا، پھر ان کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ سے تعلق قائم کیا، جن کو حضرت تھانویؒ کامل پورے فرمایا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے تعلق قائم کیا۔

ف: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد احمد

صاحب پرتا بگڈھیؒ کی خدمت میں نہایت عقیدت سے ساتھ اخیر تک برابر تشریف لاتے رہے جو ہم سب کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔آمین (مرتب)

ملفوظات شنیدہ

اس حقیر نے آپ سے جو ملفوظات سنے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱- فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی، اس لئے اپنی حاکمیت کی بناء پر جو حکم کریں ان کو اختیار ہے، اور ان کے حکیم ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی بھی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

مالک ہے وہ جو چاہے کرے تصرف — کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے
بیٹھا ہوں مطمئن کہ یا رب — حاکم بھی ہے تو، حکیم بھی ہے

۲- فرماتے تھے کہ: بچپن میں تربیت کرنا آسان ہوتا ہے، جیسے ترٹہنی کو سیدھا کرنا آسان ہوتا ہے۔مگر خشک ہونے کے بعد سیدھا کرنے میں دشواری ہوتی ہے، بلکہ اس کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔اس لئے بچوں میں چونکہ رذائل راسخ نہیں ہوتے، اس لئے اصلاح آسان ہوتی ہے مگر رسوخ کے بعد اصلاح بہت دشوار ہوتی ہے۔اس لئے بچپن ہی سے اصلاح کی فکر رکھنی چاہئے۔

۳- فرماتے تھے کہ: سنت پر عمل کرو اور اس کی تعلیم واشاعت میں محنت کرو، جس کی وجہ سے ایک نہ ایک دن سنت کی روشنی عام ہوجائے گی۔جیسے کہ کوئی کالونی تعمیر ہوتی ہے تو ابتداءً نہ وہاں پانی ہوتا ہے اور نہ روشنی، مگر جب اس کے

لئے محنت وسعی کی جاتی ہے تو پانی بھی آ جاتا ہے اور بجلی وروشنی بھی آ جاتی ہے۔

۴- فرماتے تھے کہ: طاعت کرو اور معصیت سے بچو۔ اس لئے کہ معصیت کا اثر طاعت کے اثر کو ضائع کر دے گا۔ جیسے کہ پنکھا چل رہا ہو، اس کے ساتھ انگیٹھی رکھ دو گے تو انگیٹھی کی سوزش اور گرمی پنکھے کی ٹھنڈی ہوا کو گرم کر دے گی۔

۵- فرماتے تھے کہ: دسترخوان پر کوئی لذیذ اور پسندیدہ کھانا ہو تو دسترخوان پر بیٹھے ہوئے اور لوگوں کا لحاظ کر کے اپنے حصہ کے بقدر کھائے۔ ایسا نہ ہو کہ اگر اپنے پسند کی چیز ہو تو اپنے حصہ سے زیادہ کھالے۔ کیونکہ یہ انصاف کے خلاف ہے۔

ف: حضرت سیدنا احمد رفاعیؒ نے اپنے خواص کے لئے ''دستور العمل'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''جب تم کھانے کے لئے مجتمع ہو تو باہم انصاف وایثار سے کام لو۔ کوئی دوسرے پر غلبہ کا قصد نہ کرے۔ کیونکہ کھانے میں جو غالب ہے وہ شرافت میں مغلوب ہے۔ اور جو ایثار کرتا ہے اس کی تعریف کی جاتی ہے، اس سے محبت کی جاتی ہے، اس کو زیادہ دیا جاتا ہے۔ ایثار کے ساتھ کھانا بلند ہمتی کا بھی پتہ دیتا ہے اور اس کے برعکس پست ہمتی کا بھی۔'' (کمالات نبوت: ۲۲۸)

۶- نیز فرماتے تھے کہ خواص کی نماز اور عوام الناس کی نماز میں فرق رہنا چاہئے، یعنی تعدیل ارکان اور خشوع وخضوع میں امتیازی شان ہونی چاہئے۔

وفات: وفات کا سانحہ ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۸ مئی ۲۰۰۵ء کو قبل

نمازعشاء پیش آیا۔

اس کے بعد تکفین وتدفین عمل میں آئی اور جنازہ کی نماز مکرم قاری امیر حسن صاحب مدظلہ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مہاجر مدنیؒ نے پڑھائی۔اور ہردوئی میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ

بہر حال آج حضرت والاؒ ہمارے درمیان نہ رہے؛ لیکن حضرتؒ کی تعلیمات، ہدایات وارشادات اوراصلاحی خدمات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی قبر مبارک کونور سے منور فرمائے، اپنا قرب خاص نصیب فرمائے اور بلند درجات سے سرفراز فرمائے۔آمین! نور اللہ مرقدہ وجعل الجنة مثواه.

خلفاء ومجازین: حضرت والا قدس سرہ کے دست حق پرست پر ہزاروں لوگوں نے بیعت اور توبہ کی سعادت حاصل کی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اتباع میں حضرت والا قدس سرہ کے یہاں بھی خلفاء و مجازین کی دوقسمیں تھیں۔

(۱) مجازین بیعت (۲) مجازین صحبت۔ حضرت والا قدس سرہ کے مجازین بیعت کی تعداد ۱۰۳، اورمجازین صحبت کی تعداد ۳۶ ہے۔ان کے اسماء بالتفصیل ''حیات ابرار'' کے آخر میں درج ہیں۔جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ تمام پسماندگان اور متعلقین کوصبر جمیل عطا فرمائے۔اور حضرت والا قدس سرہ کے نقش قدم پر خلوص اورفہم وفراست کے ساتھ چلائے اور پوری پوری حفاظت ونصرت فرمائے۔آمین یارب العالمین!

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ المتوفی ۱۴۲۶ھ

(بانی وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی، گنگوہ)

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت باسعادت ۲۶؍صفر المظفر ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۳؍اگست ۱۹۲۸ء بروز دوشنبہ قصبہ گنگوہ محلہ سرائے میں ہوئی۔جو اقطاب ثلاثہ یعنی حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ ،شاہ ابوسعید صاحب گنگوہیؒ،اورامام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا محلہ ہے۔

زمانۂ طفولیت: بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو رشد وصلاح سے نوازا تھا، آپ اسم بامسمیٰ تھے۔آپ پر اپنے نام (شریف) کا نمایاں اثر تھا۔ زمانۂ طفولیت سے ہی سعادت وشرافت کے آثار چہرہ پر نمایاں تھے۔

بالائے سرش زہوش مندی می تافت ستارۂ بلندی

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم قصبہ گنگوہ کے معروف ومشہور مکتب میں ماہرفن استاذ حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ سے حاصل کی،جو ہزاروں حفاظ کے استاذ تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ قرآن کرانے میں عظیم الشان ملکہ عطا فرمایا تھا۔

مظاہرعلوم سہارنپور میں داخلہ: ۱۳ سال کی عمر تھی کہ آپ کے دادا جان (متوفی ۱۳۶۱ھ) نے مظاہرعلوم سہارنپور میں داخلہ کرایا،ابھی یہاں تین ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ جذبۂ تحصیل تجوید وقرأت ابھرا،اور یہ شوق آپ پر اس قدر غالب ہوا کہ آپ نے مظاہرعلوم سے وقتی طور پر جدائی اختیار کرلی اور تحصیل وتکمیل قرأت

کے لئے قاری عبدالخالق صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان کے مدرسہ تجوید القرآن محلہ قاضی سہارنپور میں داخلہ لے لیا۔ استاذ محترم نے نووارد بچے کی چمکدار پیشانی کو پڑھ کر آپ کی فطری شرافت وذکاوت کو تاڑ لیا اور آپ کو بڑی محنت اور عنایت کے ساتھ قریب بٹھایا اور غایت درجہ توجہ کے ساتھ تعلیم دی۔ قلیل ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپ کی سلیقہ مندی کو دیکھ کر گھر اور مدرسہ کے بہت سے کام آپ کے سپرد کر دیئے، جن کو آپ نہایت حسن وخوبی اور پابندی کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے۔

شاگرد رشید کی بے لوث خدمت کو دیکھ کر قاری صاحب کا دل بھر آتا اور فرمایا کرتے تھے کہ شریف احمد! تیرے لئے تہجد میں دعا کرتا ہوں، اللہ اکبر، یہ کس قدر سعادت کی بات تھی کہ ایک ولی کامل اور پھر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متوسل نے تہجد میں آپ کے لئے دعائیں کیں، جن کی بدولت آپ نہ صرف ایک شہرۂ آفاق قاری بلکہ ایک عظیم الشان ادارہ کے بانی و ناظم اور باکمال مدرس، عالم باعمل اور صفات حمیدہ سے متصف تھے۔

اس کے بعد ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں دوبارہ مظاہر علوم میں کافیہ کی جماعت میں داخل ہوئے اور مسلسل تین سال گزارے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ: مظاہر علوم میں تین سال گزارنے کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں داخلہ لیا اور یہاں بھی تین سال گزار کر سند فراغت حاصل کی، دارالعلوم کے زمانۂ قیام میں بھی آپ اپنی فطری طبیعت کے موافق اکابر اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، جس کی بدولت آپ کو یہاں کے اکابر کا قرب حاصل ہوا۔ خصوصاً

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہاں برابر حاضر ہوتے اور ان کے مہمانوں کی خدمت کرتے، نیز عصر بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی خدمت میں جاتے اور استفادہ کرتے، اسی مدت میں آپ نے قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے پاس سبعہ عشرہ کی تکمیل کی۔

ذکر اللہ کا معمول: حضرت قاری صاحبؒ جملہ مشاغل و مصروفیات کے باوجود یاد الٰہی سے غافل نہ رہے؛ بلکہ اپنے پیر و مرشد شیخ زکریاؒ کے بتائے ہوئے اذکار و اوراد، اشغال و وظائف کے پابند رہے۔ بعد نماز فجر اشراق تک ذکر جہری فرماتے، دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی ہی میں آپ شیخ زکریا صاحبؒ کے سلسلہ میں داخل ہو گئے تھے اور آپ سے باقاعدہ بیعت فرما کر راہ سلوک میں بھرپور استفادہ کیا۔

خلافت و اجازت: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمود حسن صاحبؒ ایک مرتبہ گنگوہ مدرسہ میں حضرت قاری صاحبؒ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ دفتر اہتمام میں حضرت قاری صاحبؒ نے ضیافت فرمائی۔ دوران گفتگو سید محمود حسن صاحبؒ نے فرمایا کہ قاری صاحب! آج میں ایک خاص مقصد سے حاضر ہوا ہوں، وہ یہ کہ اللہ پاک نے آپ سے ایسی خدمت لی جس کا جواب نہیں، میرے پاس ایک نعمت ہے جس کے مستحق حقیقت میں آپ ہیں۔ میری تمنا ہے کہ آپ اس کو قبول فرمالیں۔ حضرت مدنی قدس سرہ سے جو نعمت مجھ کو حاصل ہوئی ہے، وہ میں آپ کو سپرد کرتا ہوں، اور اس سلسلہ کی اجازت و خلافت دیتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت قاری صاحبؒ پر خاص کیفیت طاری ہوگئی۔

اپنی سعادت: آپ کی زیارت متعدد بار ہوئی، ہر مرتبہ بہت ہی شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا۔ اخیر میں وفات سے چند یوم قبل ہی حاضری ہوئی تھی، تو بہت مسرور ہوئے اور محبت کے کلمات ارشاد فرمائے۔ فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء.

اس حقیر کا وہاں مدرسہ کی مسجد میں عمومی بیان ہوا، جس کے متعلق ان کے صاحبزادے عزیزم مولانا خالد سیف اللہ سلمہ یوں تحریر فرماتے ہیں۔ بعینہ اس کو نقل کرتا ہوں:

''شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم تشریف لائے، آپ کی آمد سے قاری صاحب کو بیحد خوشی و مسرت ہوئی۔ اور شدید نقاہت وضعف کے باوجود حضرت مولانا دامت برکاتہم کا بیان پورے ذوق وشوق کے ساتھ دفتر سے باہر تخت پر بیٹھ کر تا اختتام سماعت فرمایا اور بیان کے بعد بڑی تعریف فرمائی، نیز فرمایا کہ مولانا کا بیان مؤثر اور مفید ہوتا ہے۔''

ف: یہ اس حقیر کے لئے بڑی بشارت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے بیان کو ایسا ہی مؤثر فرمادے، اور میرے لئے اس کو زادِ آخرت بنائے۔ آمین!

وفات: ۲۴/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۴/مئی ۲۰۰۵ء بروز چہارشنبہ بعد اذان فجر آپ کی حالت شدید بگڑی۔ اس حال میں بھی آپ ذکر اللہ فرما رہے تھے۔ ذکر اللہ فرماتے فرماتے سوا آٹھ بجے آپ کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. بعد نماز مغرب نماز جنازہ احاطہ جامعہ اشرف العلوم جدید میں ادا کی گئی جس میں بڑے بڑے علماء وفضلاء وصلحاء نے شرکت کی، اور احاطۂ جامعہ ہی میں مدفون ہوئے۔ نور اللّٰہ مرقدہ.

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی اعظمیؒ المتوفی ۱۴۲۶ھ

بانی وناظم ''جامعۃ الرشاد'' اعظم گڈھ

ولادت: آپ کی ولادت ۴؍جنوری ۱۹۱۸ء مطابق ۱۳۳۶ھ میں قصبہ گھوسی ضلع مئو میں ہوئی، جبکہ آپ کے والد محترم جناب حبیب اللہ صاحب وہاں کے تھانہ پر بسلسلۂ ملازمت تعینات تھے، چنانچہ آپ کے والد صاحب نے ایک کارخیر یہ فرمایا کہ گھوسی تھانہ سے متصل ایک چھوٹی سی مسجد بنوائی، جواب ماشاءاللہ جامع مسجد گھوسی کے نام سے مشہور ہے جس کی نہایت وسیع تعمیر کردی گئی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء. بفضلہٖ تعالیٰ کثیر تعداد میں لوگ وہاں نماز کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اللھم زدفزد.

وطن: آپ کا آبائی وطن موضع برسڑا ضلع غازی پور ہے، مگر آپ کے والد کی شادی غازی پور کے موضع کسمی خورد میں ہوئی اور چونکہ آپ کی والدہ اپنے والد کی تنہا اولاد تھیں اس لئے ان کی پوری جائداد کی مالک ہوئیں، اس لئے موضع کسمی ہی میں اقامت اختیار کرلی۔

ابتدائی تعلیم: چونکہ آپ کے والد محکمۂ پولیس میں ملازم تھے اور برابر تبادلہ ہوتا رہتا تھا، جس کی وجہ سے آپ کی تعلیم کسی ایک جگہ مستقل طور پر نہ ہوسکی۔ آخر میں آپ کے والد نائب داروغہ ہوکر ۱۹۳۰ء میں جبّین پور تھانہ میں تعینات ہوگئے۔ یہاں قریب میں مکرم مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کے قائم کردہ مدرسہ جامع العلوم میں

حفظ قرآن کے لئے داخل ہوئے۔

اور تقریباً ایک سال تعلیم حاصل کی؛ لیکن یہاں حفظ مکمل نہ ہوا۔ یہیں آپ کے والد نے رٹائرمنٹ لے لیا، اور سب کو لے کر گاؤں کسمی خورد چلے گئے، اس کے بعد موضع اکہنی میں حافظ عبدالعزیز صاحبؒ سے ۱۹۳۵ء میں آپ نے حفظ قرآن پاک مکمل کرلیا۔

عربی و فارسی کی تعلیم: اس کے بعد آپ مدرسہ مظہر العلوم بنارس چلے گئے، جہاں آپ نے گلستاں، بوستاں، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح وقایہ وغیرہ پڑھیں۔

دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں داخلہ: ۱۵؍نومبر ۱۹۳۹ء کو مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور اکتوبر ۱۹۴۴ء میں فارغ ہوئے۔

دارالمصنفین کی حاضری: ندوہ سے فراغت کے بعد حضرت سید سلیمان ندویؒ کی خواہش پر دارالمصنفین اعظمگڈھ آئے اور ان سے تصنیف وتالیف اور تحقیق و تدقیق کے سلسلہ میں کمال حاصل کیا، جس کی وجہ سے مختلف النوع موضوعات پر تقریباً دو درجن علمی و تحقیقی کتابیں اور متعدد مقالات تحریر فرمائے۔

مولاناؒ کی شخصیت میں بڑی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی تھی، وہ محض مصنف اور اہل قلم ہی نہ تھے، بلکہ یہ ان کی متنوع شخصیت کا محض ایک پہلو ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے منتظم بھی تھے، ان میں انتظام و انصرام کی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، انتہائی نامساعد حالات میں جامعۃ الرشاد کا قیام و انتظام اور اس کو ترقی دینے میں انہوں نے اپنی جن صلاحیتوں سے کام لیا وہ ان کی علمی اور انتظامی زندگی کا روشن ترین باب ہے۔

ان کا تعلق مسلمانوں کی مختلف تنظیموں اور جماعتوں سے مختلف اوقات میں رہا، ان کی یہ بہت بڑی خوبی تھی کہ وہ جہاں رہے انتہائی فعال، متحرک اور سرگرم عمل رہے۔ دور آخر میں تو وہ اس بات کے قائل تھے کہ جہاں جس سے جو ہو سکے دین کی خدمت کرے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر طبقہ اور ہر مسلک کے افراد سے بلا تکلف ربط ضبط رکھتے اور ان سے محبت کا معاملہ کرتے۔

آپ کی سادگی: مولاناؒ نے بڑی سادہ زندگی گزاری۔ مدرسہ سے ایک پیسہ نہ لیتے، ان کی تصنیفات کی رائلٹی ہی سے ان کا گزر بسر ہوتا۔ جامعۃ الرشاد کی تعمیر وترقی میں مدت العمر منہمک رہے، مگر اپنے لئے یا اپنے بچوں کے لئے ایک چھپر بھی نہ بنایا۔ اس سے ان کی شخصی عظمت و بلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تصوف وسلوک سے تعلق: آپ نے تصوف وسلوک کے مراحل بھی طے کئے، پہلے مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اور ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھیؒ سے اس کی تعلیمات حاصل کیں، اور اس پر عمل پیرا ہوئے، اس لئے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے آپ کو اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔

(منقول از ''الرشاد'' ماہ ربیع الثانی تا جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ)

حضرت سید سلیمان ندویؒ کی تنبیہ: مولانا مجیب اللہ صاحبؒ ''نقوش زندگی'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں: ایک دن حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت آمنہ (والدہ ماجدہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک مضمون لکھ کر دکھاؤ۔ ایک ہفتہ محنت کر کے طبقات ابن سعد، ابن ہشام، اور سہیلی وغیرہ میں جو مواد ملا وہ لکھ کر

حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں لے گیا، ایک تو میرا خط اچھا نہیں تھا، ساتھ ہی کئی جگہ کٹا کُٹا تھا۔ سب سے پہلے حضرت سید صاحبؒ نے کاٹ کوٹ دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مصنف بننے کی صلاحیت ہے۔ میں نے حضرت عبداللہ (والد ماجد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذکر میں یہ لکھا تھا کہ شادی کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر ۲۳ برس تھی۔ اس جملہ پر حضرت سید صاحبؒ کی جب نظر پڑی تو فرمایا کہ اس کا حوالہ نہیں دیا، کہاں سے لیا ہے؟ میں نے جواب میں کہا کہ ''طبقات ابن سعد'' میں ہے، فرمایا کہ لاؤ، میں نے طبقات ابن سعد کو الٹا پلٹا تو نہیں ملا، اس دن میں ٹال گیا۔ حضرت سید صاحبؒ کے سامنے نہ گیا۔ دوسرے دن حضرت سید صاحبؒ نے پوچھا کہ حوالہ ملا؟ میں خاموش رہا، فرمایا کہ ''آپ تاریخ نویسی کرتے ہیں یا تاریخ سازی'' اگر قیاس سے کسی بات کو لکھنا ہو تو حتمی بات نہ لکھنا چاہئے؛ بلکہ یوں لکھنا چاہئے کہ فلاں فلاں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر اتنی رہی ہوگی۔

ف: حضرت سید صاحبؒ جو بہت بڑے مصنف تھے ان کی یہ نصیحت ہر مصنف کے لئے قابل عمل ہے؛ کیونکہ حوالہ لکھنے سے مضمون کی وقعت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ (مرتب)

سید صاحب کا مشورہ: حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ۱۹۴۵ء کی ابتداء میں ابھی مجھے آئے ہوئے چار پانچ مہینے گزرے تھے، میں نے حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں ایک درخواست دی، میں ایک سال کے لئے پھر ندوۃ واپس جانا چاہتا ہوں۔ سید صاحبؒ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں

نے عرض کیا کہ بعض چیزیں میں نے پڑھی نہیں ہیں، چاہتا ہوں پوری توجہ سے پڑھ ڈالوں؛ ورنہ تصنیف و تالیف میں اس کا موقع نہیں ملے گا۔ انہوں نے پوچھا: کیا نہیں پڑھا ہے؟ میں نے کہا: اصول فقہ، سید صاحب نے پھر پوچھا کہ اصول فقہ میں کیا کوئی کتاب نہیں پڑھی ہے؟ میں نے کہا کہ نورالانوار پڑھی ہے مگر وہ اس لئے اچھی طرح سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کے متن اور حاشیہ میں اتنا لمبا وقفہ ہوتا ہے کہ اصل بات ذہن نشین نہیں ہو پاتی۔ انہوں نے فرمایا کہ ''مسلم الثبوت'' نکال کر لاؤ، میں کتاب لے کر آیا، سید صاحبؒ نے اس کا کچھ حصہ دو دن مجھے پڑھایا اور کچھ اصولی باتیں بتائیں۔ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ شریعت کے چار ماخذ ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور اجتہاد و قیاس، مگر یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ کتاب و سنت او راجماع مثبِت اور اجتہاد و قیاس مظہِر ماخذ ہے، دیکھو اس روشنی میں اصول فقہ کا مطالعہ کرو۔ استاذ سے پڑھتے رہنے سے اعتماد نہیں پیدا ہوتا، جب مطالعہ کرو گے تب اعتماد پیدا ہوگا، سید صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق میں نے اصول فقہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا جس سے بہت فائدہ ہوا۔ اس موضوع پر اللہ تعالیٰ نے جو تھوڑا بہت کام لیا ہے وہ سید صاحبؒ کی انہی ہدایات کا نتیجہ ہے۔ سید صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عام طور پر اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کو چوتھا ماخذ قرار دیا جاتا ہے، مگر چوتھا ماخذ اجتہاد ہے، قیاس اس کا ذریعہ ہے۔ اصول فقہ میں دو طرح کا بیان ہوتا ہے؛ ایک یہ کہ جو الفاظ کتاب وسنت میں آئے ہیں، اس پر اس حیثیت سے بحث ہوتی ہے کہ یہ عام ہیں یا خاص، مقید ہیں یا مطلق وغیرہ، اس کو اجتہاد بیانی کہا جاتا ہے اور جو کتاب و سنت کے الفاظ

سے مسائل مستنبط کئے جاتے ہیں اس کو اجتہادقیاسی کہتے ہیں۔غرض یہ کہ دودن میں حضرت سید صاحبؒ نے اسی طرح کی اصولی باتیں بتائیں۔ بعد میں جب میں نے علامہ فخرالاسلام بزدوی (متوفی: ۴۸۲ھ) کے اصول فقہ کی شرح کشف الاسرار مصنفہ شیخ علاء الدین عبدالعزیز بخاری (متوفی: ۷۳۰ھ) پڑھی اور پھرعبدالوہاب خلاف اور شیخ مصطفیٰ زرقاء کی کتابوں کے پڑھنے سے ذہن میں مزید وسعت پیدا ہوئی، بہرحال ذہن میں دوبارہ ندوہ جانے کا جو جذبہ پیدا ہوا تھاوہ سرد پڑ گیااور یکسو ہوکر دارالمصنفین کے کاموں میں لگ گیا۔

خدمات: آپ نے ''جامعۃ الرشاد'' ۱۹۶۲ء میں قائم فرمایا تھا جس کی تعمیر وترقی میں تاحیات ہمہ تن مصروف رہے۔اسی طرح مولاناؒ نے ایک ماہنامہ ''الرشاد'' بھی اپنے مدرسہ سے جاری کیا تھا جس میں مولاناؒ ملی ودینی مضامین لکھتے تھے جو پسند کئے جاتے تھے۔خصوصاً آپ کے رشحات نہایت محققانہ اور جرأت مندانہ ہوا کرتے تھے جس کو عوام وخواص سبھی پسند کرتے تھے، بلکہ آپ کے مرشد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی بھی اس کو پڑھتے تھے اور بہت پسند فرماتے تھے۔

اپنی سعادت: الحمدللہ اس حقیر کا تعلق مولانا سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے زمانہ ہی سے تھا اور اخیر تک رہا۔مولانا جب بھی الہ آباد تشریف لاتے تھے تو اکثر وبیشتر احقر ہی کے مکان پر قیام فرماتے تھے،کبھی کبھی اپنی حقیقی بھتیجی زوجہ مکرم نہال بھائی گارڈ سے ملنے ضرور جاتے تھے۔

اب اخیر میں مولانا ندویؒ کا ایک مکتوب نقل کرتا ہوں جس سے اس حقیر کے ساتھ مولانا کی محبت وعنایت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔وھو ھذا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ ۱۶؍۸؍۲۰۰۲ء

مخدوم مکرم! ادام اللہ فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے آپ مع متعلقین بخیر و عافیت ہوں۔

خواہش کی تھی اس پر (یعنی شفائے دل پر) اور تفصیل سے لکھوں، مگر دو دن سے جسمانی کمزوری بیحد بڑھ گئی ہے، جس کی وجہ سے چند سطریں لکھ دی ہیں اگر آپ اس میں کچھ ترمیم کر کے شائع کرنا مناسب سمجھتے ہوں تو شائع فرمائیں ورنہ نہ کریں، مجھے اس سے کوئی ادنیٰ تکلیف بھی نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو تا دیر سلامت رکھے اور عام لوگوں کو آپ کی ذات سے فیض پہنچتا رہے۔ قبولیت کی صلاحیت دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے، اگر بروقت میرے انتقال کی اطلاع مل جائے تو نماز جنازہ آپ آکر پڑھا دیجئے گا، ایک سال پہلے جامعۃ الرشاد کی ہماری مجلس انتظامیہ نے آپ کو اس کا صدر منتخب کیا تھا مگر شاید دفتر والوں نے آپ کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ ان شاء اللہ جلد ہی مجلس عاملہ کا جلسہ ہوگا تو آپ کو زحمت دی جائے گی۔ فقط

خادم

مجیب اللہ ندوی

وفات: آپ کی وفات ۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۲؍مئی ۲۰۰۶ء کی شام کو لکھنؤ کے سحر نرسنگ ہوم میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اعظمگڈھ میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا اطہر حسین صاحب[1] سہارنپوریؒ المتوفی ۱۴۲۸ھ

نام، ولادت وتعلیم: ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ جمعرات کی شب میں سہارنپور میں پیدا ہوئے، والد ماجد حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ نے اطہر حسین نام تجویز فرمایا، چار سال کی عمر میں دینی تعلیم میں لگائے گئے، والد ماجد حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ نے قرآن مجید حفظ شروع کرایا البتہ تکمیل حضرت حافظ عبد الکریم مرزاپوریؒ کے پاس بارہ سال کی عمر میں کی۔

درس نظامی کے ابتدائی درجات کی اہم ترین کتابیں حضرت والد ماجد اور برادرِ اکبر فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ سے پڑھنے کے بعد ۱۵/ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ م ۱۱/اگست ۱۹۵۹ء میں پندرہ سال کی عمر میں مظاہر علوم میں داخل ہوئے۔ ۱۳۷۳ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔

تدریسی خدمت: فراغت کے فوراً بعد ۱۳۷۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں معین مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۷۷ھ میں مستقل استاذ عربی مقرر کئے گئے۔

یوں تو درس نظامی کی تقریباً ساری کتب کے پڑھانے کا ملکہ ومہارت رکھتے تھے لیکن عربی ادب بالخصوص قدیم عربی پر گہری بصیرت اور درک حاصل تھا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی بعض عربی تحریرات کو پڑھ کر

---

[1] آپ کے حالات وارشادات تفصیل کے ساتھ عزیزم مولانا ناصر الدین مظاہری سلمہ نے تحریر کیا تھا، اسی کو سامنے رکھ کر یہ مضمون پیش خدمت ہے۔ مرتب

نامور عالم دین اور عربی ادب کے معروف ادیب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور اپنی خصوصی مجلس میں فرمایا کہ تعجب ہے! اس جدید دور میں قدیم عربی ادب کا اتنا بڑا عالم موجود ہے۔

ف: سبحان اللہ! حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کا یہ فرمانا یہ ان کی ادبی استعداد کی شہادت ہے۔ (مرتب)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قیافہ شناسی اور تعبیرات کا بھی علم عطا فرمایا تھا، کشف وکرامات کے تو بہت سے واقعات عوام وخواص کی زبان زد ہیں، حاضر جوابی اور دانائی وفطانت میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔

اپنے اکابر واسلاف خاص کر حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات کے عاشق تھے، ہم لوگوں کو حضرت تھانویؒ کی کتابوں، مواعظ وملفوظات اور قلمی تبرکات کے پڑھنے کا حکم عموماً دیتے رہتے تھے۔

زہد وقناعت: زہد وقناعت کی تصویر مجسم، صبر ورضا کے پیکر، خلوص وایثار کے کوہِ گراں، عبادت وریاضت میں بے مثال، ذکر وتلاوت میں لاثانی اور آہِ سحر گاہی میں اپنی مثال آپ تھے، آپ کی زاہدانہ زندگی، فقیرانہ شان، سادہ اور بے تکلف غذا ولباس کو دیکھ کر اکابر کی یادتازہ ہوتی تھی، آپ کے پرنور چہرے کو دیکھ کر حقیقت میں خدا یاد آتا تھا۔

ف: یہ علامت ہے اولیاء اللہ کی۔ چنانچہ حدیث پاک ہے "اذا رؤوا ذکر اللہ"۔ (ابن ماجہ: ح/۴۱۱۹) (مرتب)

تقویٰ: تقویٰ کی زندگی گزارتے تھے اور ہر کسی کو متقیانہ زندگی بسر کرنے کی

ہدایت فرماتے تھے، دفتر مدرسہ قدیم کی سہ دری میں پوری زندگی تعلیم دیتے رہے لیکن کبھی بھی مسجد کا پنکھا استعمال نہ کیا، مشکوک اور مشتبہ مال سے ہمیشہ اجتناب کیا، اپنے بچوں کو بھی اپنے نقش قدم پر چلنے کا خوگر بنایا۔

معمولات: قرآن کریم کی تلاوت کا کثرت سے معمول تھا، میں نے فرصت کے لمحات میں آپ کو عموماً قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا ہے، ذکر وعبادت آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، فرض نمازیں، تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنے کا معمول تھا اسکے علاوہ تہجد، چاشت، اوابین، اشراق، صلوۃ التسبیح حتی کہ تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، صلوۃ الحاجۃ اور دعاومناجات بھی پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے۔

ہدیہ لینے میں احتیاط: ہدایا اور تحائف کے قبول کرنے میں بہت محتاط تھے۔ گرم مزاجی اور سختی مشہور تھی لیکن راقم الحروف نے ریشم کی طرح نرم ہی پایا، بہت شفقت فرماتے تھے، کبھی کبھی نقد ہدیہ بھی عنایت فرماتے تھے لیکن اصولوں کے بڑے پابند تھے اور بے اصولی کو ناپسند فرماتے تھے۔

آپ کے ارشادات

ایک مرتبہ فرمایا ''دنیاوی زندگی میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات اقدس کے علاوہ کسی سے کبھی کسی خیر کی توقع نہ کرنا اور نہ کسی پر کلی اعتماد اور بھروسہ کرنا ورنہ نہ صرف پچھتاؤ گے بلکہ عدم تکمیل کی صورت میں سوائے خسران وناکامی کے کچھ اور نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ''علم اور تربیت دونوں لازم وملزوم ہیں کتابی علم کے ساتھ تربیت کی طرف دھیان دینا چاہیے اگر صحیح تربیت مل گئی تو کامیاب کیونکہ اصل چیز اعمال واخلاق ہیں اس کے بغیر علم بیکار ہے۔

ف: بیشک بہت ہی اہم ارشاد ہے جو عمل پیرا ہونے کے عین لائق ہے۔(مرتب)

مخالفت نفس: فرمایا: کہ اگر آدمی تن پروری میں مبتلا رہے اور نفس کی مخالفت نہ کرے تو روحانی ترقی نہیں کرسکتا کیونکہ روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ نفس کی مخالفت کی جائے۔ ؎

یعلم اللہ تا بجاناں دو قدم راہ دور نیست
آں یکے بر نفس خود نہ واں وگردر کوئے دوست

فرمایا کہ لوگ بزرگوں کے اقوال کو اکثر ملفوظ کہتے ہیں لیکن یہ مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ لفظ کے معنی عربی زبان میں پھینکنے کے آتے ہیں عرب کہتے ہیں اکلت التمرۃ ولفظت النواۃ اس لحاظ سے بزرگوں کے اقوال کو ملفوظ کہنے کا مطلب یہ ہوجاتا ہے کہ وہ اقوال گویا پھینکے ہوئے ہیں اس سے ان کا بے وقعت اور غیر محترم ہونا مترشح ہوتا ہے اس لئے بجائے اس کے ارشاد یا فرمان وغیرہ الفاظ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

سری سقطیؒ کا مجاہدہ: فرمایا کہ سری سقطی اکابر مشائخ میں سے ہیں آپ کے بارے میں حضرت جنیدؒ نے فرمایا ما رأیت اعبدمنہ یعنی میں نے آپ سے زیادہ عبادت گذار نہیں دیکھا آگے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ما أتت علیہ سبعون سنۃ ماروی مضطجعا الاّ فی علۃ الموت یعنی آپ کی عمر ستر سال کی ہوگئی تھی لیکن کبھی آپ کو بجز مرض الموت کے لیٹا ہوا نہیں دیکھا گیا حسب ذیل شعر آپ ہی کا ہے۔

لا فی النہار ولا فی اللیل لی فرح
فلا ابالی أطال اللیل أم قصرا

یعنی رات و دن میں میں نے کبھی آرام نہیں کیا، میں اس کی پرواہ نہیں کرتا

کہ رات لمبی ہو یا چھوٹی۔

تہجد کے سبب مغفرت: فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی کو وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو دریافت کیا ما فعل اللہ بک (اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا) جواب **ملا ضاعت العبارات وطاحت الاشارات وما نفعنی الارکیعات نؤدیھا عند الاسحار** یعنی ہماری تمام تحریرات، تقریرات اور اسرار ورموز سب ضائع ہو گئے کسی نے کوئی فائدہ نہیں دیا سوائے ان چند ٹوٹی پھوٹی رکعتوں کے جو ہم سحر کے وقت ادا کیا کرتے تھے۔

غیر حق سے مدد: فرمایا کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے بعض لوگوں کو لکھا تھا کہ غیر حق سے مدد نہ چاہنا ورنہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کے سپرد کر دیں گے۔

دین کی چار مخصوص باتیں: یوں تو دین کی ہر بات عمدہ اور بہتر ہے لیکن چار باتوں کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) شبہات سے بچنا۔ (۲) زہد اختیار کرنا۔ (۳) لایعنی کو ترک کرنا۔

(۴) اخلاص نیت یعنی ہر کام کو خالص رضائے الٰہی کیلئے کرنا۔

ذکر اللہ کی تاثیر: ایک قصہ کسی کتاب میں حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے بارے میں دیکھا تھا کہ آپ کسی حجرہ کے اندر خلوت میں ذکر فرما رہے تھے، دروازہ بند تھا اور لا الہ الا اللہ کی آواز مسلسل باہر مسموع ہو رہی تھی جس وقت آپ لا الہ الا اللہ کہتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی چیز اپنے سر کو زمین پر پٹخ رہی ہو کسی نے جھانکا تو دیکھا کہ ایک سانپ ہے جو آپ کے الا اللہ کہتے وقت اپنا سر زمین پر مارتا ہے گویا وہ آپ کے ذکر سے متأثر تھا، اللہ کے ذکر سے

خصوصاً جب کہ بزرگوں کی زبان سے ہواس طرح کی تاثیر رونما ہوتی ہے نہ صرف انسانوں پر بلکہ حیوانات اور جمادات پر بھی اس طرح کی تاثیر کا ظہور ہوتا ہے۔

حلاوت تین چیزوں میں ہے: قشیری نے اپنے رسالہ قشیریہ میں فرمایا ہے:

تفقدوا الحلاوۃ فی ثلاث یعنی حلاوت تین چیزوں میں تلاش کرو ”فی الصلاۃ وتلاوۃ القرآن والذکر“ ایک نماز دوسرے تلاوت قرآن اور تیسرے ذکر میں فان وجدتموھا والا فاعلموا الباب مغلق اگر تم کو ان چیزوں میں حلاوت مل جائے تو فبہا ورنہ سمجھ لو کہ تم پر دروازہ بند ہے۔

ان تینوں چیزوں کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں بھی موجود ہے ”اُتْلُ مَآاُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔

ف: خوب استدلال ہے اس کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان تینوں عمل میں حلاوت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین (مرتب)

ذریعۂ رفعت: تواضع انسان کی رفعت کا ذریعہ ہے اس لئے وہ لائق اختیار ہے حضور اقدس اکا ارشاد ہے۔

”من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ“ یعنی جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو رفعت عطا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی معصیت بھی آدمی کے مزاج میں تذلل وانکساری کا سبب ہو تو وہ اس طاعت سے بہتر ہے کہ جس سے طبیعت میں تکبر پیدا ہوتا ہو، حضرت عطاء اسکندرانی کا قول ہے ”رب معصیة أورثت

ذلا و افتقارا خیر من طاعةٍ أورثت استکبارا"۔

درجات عبادت: فرمایا عبادت کے تین درجے ہیں، اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ خالص حق جل مجدہٗ کے لئے کی جائے، جنت کی امید اور دوزخ کا خوف اس کا منشاء نہ ہو یہ درجہ کاملین کی عبادت کا ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ جنت کی امید اور دوزخ کے خوف سے عبادت کی جائے یہ درمیانی درجہ ہے۔

تیسرا درجہ عبادت کا یہ ہے کہ حصول معاش اور دنیا میں آسانی وسہولت کی خاطر عبادت ہو، یہ ادنی درجہ کے لوگوں کی عبادت ہے۔

ف: ماشاءاللہ ارشادات نہایت مفید ومؤثر ہیں ان کو ضرور پڑھنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے، اور عمل کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: آپ نے ۷۶ سال کی عمر پائی (آپ کے برادر اکبر اور مشفق استاذ ومربی فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے بھی ۷۶ سال کی عمر پائی تھی) پیرانہ سالی کے علاوہ کوئی مرض نہیں تھا، انتقال سے ایک دن پہلے بھی باقاعدہ اسباق پڑھائے، عصر کے وقت سر میں درد محسوس ہوا اور یہی درد چند گھنٹوں کے بعد دماغی رگ پھٹنے کا باعث ہوا۔ ۲۶/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲/ جولائی ۲۰۰۷ء جمعرات کی شب فجر سے قبل غروب ہو گیا۔ قبرستان حاجی شاہ کمال الدین کے وسیع میدان میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ ونور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب گوالیاویؒ [1] (ترکیسر) متوفی ۱۴۳۱ھ

نام ونسب وولادت: آپ کا نام ذوالفقار احمد بن حافظ مختار احمد بن حافظ ریاض احمد ہے۔

آپ حسنی سادات میں سے ہیں، آپ ۱۴/دسمبر ۱۹۴۰ء مطابق ۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ میں نرور سے چالیس کیلومیٹر دور تحصیل ''کرپرا'' (مدھ پردیش) میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ماجد مقیم تھے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ناظرہ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم کا کچھ حصہ وطن ہی میں مکمل کرلیا تھا۔آپ نے دنیوی تعلیم مڈل تک حاصل کی تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی توجہ خاص کی برکت سے آپ تحصیلِ علم کیلئے دارالعلوم دیوبند پہنچے۔

درس وتدریس: آپ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مزید تعلیم کے ذوق میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، ابھی کچھ روز ہی ہوئے تھے کہ دارالعلوم فلاح دارین (گجرات) کے مہتمم حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ متوسطات کے استاذ کی تلاش میں دیوبند پہنچے، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کے مشورہ سے آپ کا نام

---

[1] آپ کے حالات عزیزم قاری ناظر حسین سلمہ نے لکھا ہے اسی کو یہاں نقل کردیا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

تجویز ہوا اور آپ حضرت مولانا محمد ارشد صاحب کے حکم سے اسی وقت گجرات تشریف لائے ، اور پھر گجرات ہی کے ہو کے رہ گئے ۔اور آپ کی ذاتِ گرامی سے جو فیض اہل گجرات کو پہنچا وہ کسی ذی شعور پر مخفی نہیں ،آپ کا قیام دارالعلوم فلاح دارین میں تقریباً پینتالیس (۴۵) سال رہا۔اس طویل مدت میں آپ نے ابتدائی کتب سے لیکر انتہائی کتب تک کا درس بہت انہماک سے دیا۔

آپ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ برسوں نظامت تعلیم کے نازک منصب پر بھی فائز رہے اور آپ نے اس منصب کا خوب حق ادا فرمایا۔

جزاک اللہ تعالیٰ احسن الجزا۔

اخلاق وعادات : آپ نہایت ذکی ذہین، حاضر جواب، بذلہ سنج، معاملہ فہم اور شیریں بیان واقع ہوئے تھے۔طبیعت میں حد درجہ مروت اور شرافت تھی، آپ کو منجانب اللہ تحریر وتقریر کا بہترین ملکہ حاصل تھا آپ نے کئی تصنیفات وتالیفات یادگار چھوڑیں ۔اسکی فہرست مولانا کے صاحبزادے کی لکھی ہوئی کتاب سے بخوبی مل سکتی ہے۔

آپ کو ذکر وشغل اور عبادت وتلاوت کا بھی خاص ذوق تھا۔تہجد گزاری اور آہ سحر گاہی آپ کا بچپن سے معمول تھا جو نہ سفر میں ناغہ ہوتا نہ حضر میں، تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رہتی، اور دل وزبان ذکر الٰہی میں مشغول ،آپ کے یہاں اخفاء حال کا بڑا اہتمام تھا۔آپ نے اپنے جملہ کمالات پر ظرافت وخوش طبعی کا پردہ ڈال رکھا تھا،طبیعت بڑی سادہ اور بے تکلف پائی تھی ۔مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔آپ کو تربیت کا بڑا اعالی ذوق حاصل تھا، کمزور طلبہ کی حوصلہ افزائی

فرما کر انہیں آگے بڑھاتے تھے۔آپ سراپا شفقت ورافت تھے،آپ کا علم وضبطِ نفس مثالی تھا۔آپ کو کسی نے غصہ ہوتے نہیں دیکھا۔

وفات: ۱۹؍ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ مطابق ۵؍اپریل ۲۰۱۰ء بروز دوشنبہ دوپہر بارہ بجے قلب کا جان لیوہ حملہ ہوا اور آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اہل خانہ کے اصرار پر جنازہ آبائی وطن نرور منتقل کیا گیا اور وہاں آبائی قبرستان میں والد مرحوم کے جوار میں باچشمِ گریاں ودلِ بریاں،مؤرخہ ۲۰؍ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ بوقت ساڑے نو بجے اس علم وعمل اور شرافت ونجابت کے پیکر کو سپرد خاک کیا گیا۔

ہائے! زمیں کھائی گئی آسماں کیسے کیسے

رحمه الله رحمة واسعة ونور الله مرقده وبرّد مضجعه۔

سعادت: الحمد اللہ اس حقیر سے مولاناؒ بہت محبت فرماتے تھے، مدرسہ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کی مسجد میں ہمیشہ ہمارے بیان سے پہلے ایسے تعارفی کلمات فرماتے تھےجس کو سن کر میں شرمندہ ہوجاتا تھا۔اللہ تعالی ان کو جزائے خیر مرحمت فرمائے اوران کے حسن ظن کے مطابق اللہ تعالیٰ مجھ سے معاملہ فرمائے۔اوران کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔آمین (مرتب)

حضرت مولانا حکیم محمد شفیع اللہ صاحب مظاہری الہ آبادیؒ المتوفی ۱۴۳۱ھ

نام ونسب: محمد شفیع اللہ بن عبیداللہ جو مورث اعلیٰ مخدوم الہند مولانا شاہ عمادالدین محمد اسماعیل بن صدرالدین حضرت مولانا شاہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔

ولادت: حضرت مولانا حکیم محمد شفیع اللہ صاحبؒ کی ولادت ماہ مارچ ۱۹۱۶ء مطابق ۱۳۳۵ھ میں ہوئی۔

مظاہر علوم: اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، جہاں فراغت فضیلت ۱۳۵۳ھ میں حاصل کرلیا۔

حاضری تھانہ بھون: اکثر آپ تذکرہ کرتے کہ جب مدرسہ میں چند یوم کی چھٹی ہوتی تو میں زیادہ تر اوقات تھانہ بھون میں گذارتا۔ مجلس میں شریک ہوتا۔ جب مدرسہ کی چھٹی ختم ہوتی تو حضرت مولانا تھانویؒ سے اجازت لے کر مدرسہ آجاتا۔ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد الہ آباد واپس آئے، کچھ ہی عرصہ کے بعد علم طب میں داخلہ لیا۔

یونانی میڈیکل کالج ہمت گنج الہ آباد: یونانی میڈیکل کالج ہمت گنج الہ آباد میں ۱۹۴۱ء میں داخلہ لیا جو کہ چار سالہ کورس تھا۔ سال اول ختم ہونے کے بعد استاد محترم حکیم شفاء الملک احمد عثمانیؒ کے حکم سے فلسفہ، منطق وعربی کی تعلیم دینا شروع کردیا۔ علم طب سے فراغت ۱۹۴۴ء میں ہوئی۔

تقرری: فراغت کے فوراً بعد ہی مستقل بحیثیت معلم یونانی میڈیکل کالج ہمت گنج الہ آباد میں ہوئی۔ جو موجودہ وقت میں اسٹیٹ یونانی میڈیکل کالج کہا جاتا ہے۔اس طرح ۱۹۴۴ء سے ۱۹۷۸ء تک تدریسی خدمت انجام دیا۔

سفرحج بیت اللہ شریف: دوران سروس ۱۹۵۹ء میں حج بیت اللہ شریف کے شرف و مدینہ منورہ روضۂ اطہر کی زیارت ہوئی۔

سفر فتح پور تال نرجا مئو وتزکیۂ نفس: حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحبؒ کٹرہ الہ آباد کے ہمراہ تزکیۂ نفس کے لئے فتح پور تال نرجا کا سفر کیا۔ جہاں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے ملاقات کی، اسی سفر میں حضرتؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔تقریباً دس یوم قیام کیا۔

ف: ماشاءاللہ بہت ہی خوب سفر کیا، جس کا اثر بفضلہٖ تعالیٰ ہوا۔(مرتب)

حضرتؒ کی خدمت میں حاضری: جب حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ نے اپنے مکان روشن باغ میں مستقل قیام فرمایا تو یہاں یونانی میڈیکل کالج سے رخصت ہونے کے بعد حضرتؒ کے یہاں ن برابر حاضری دیتے۔ نیز اتوار کی مجلس میں شریک ہوتے۔

علم طب سے متعلق: ایک عرصۃ گذرنے کے بعد حضرتؒ نے ان سے فرمایا کہ یہاں کے طلبہ کو علم طب پڑھائیں۔لہذا حضرتؒ کے حکم سے بعد نماز عصر یا قبل نماز عصر طلبہ کو علم طب پڑھانا شروع کیا، جو طلبہ علم طب میں شریک ہوتے۔ منجملہ ان طلبہ کے یہ حقیر قمر الزمان بھی تھا، چنانچہ حکیم صاحب نے شرح اسباب تک پڑھایا جو علم طب کی اہم کتاب ہے۔

حضرت مصلح الامتؒ کی محی الدین پور آمد اور قیام: حضرتؒ اپنے چند رفقاء ومحبین کے ساتھ محی الدین پور تشریف لائے، اور شب میں قیام فرمایا۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا اس لئے مکان کے باہری حصہ میں قیام فرمایا، اور آم کے درخت تھے جو باغ کی شکل میں تھا، چاندنی رات تھی، موسم بھی خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی ہوائیں چلتی تھی۔

مطب تالاب تیواری: تالاب تیواری شاہراہ شیر شاہ سوری پر واقع ہے جو کہ موجودہ جی ٹی روڈ کہلاتی ہے، یہیں پر ذاتی مطب تھا، علاج کے سلسلہ میں لوگ قرب وجوار اور دور دراز سفر کرکے آتے اور علاج کراتے۔

ف: اہلیہ یعنی والدہ محمد عبداللہ سلمہ کافی بیمار ہوگئی تھیں تو ان کو دکھلا کر نسخہ لکھوایا جس کے استعمال سے الحمدللہ شفایاب ہوئیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

وفات: چھ ماہ کی مدت میں شدید علالت رہی جب کہ دماغی توازن بالکل کام نہیں کرتا تھا، اور زبان بھی بند ہوگئی، اسی حالت میں دیکھا گیا کہ جب نماز کا وقت آتا تو بغیر کسی کے کہے یا بتلائے خود نماز اشارہ سے پڑھ رہے ہیں۔

۳؍جون ۲۰۰۹ء مطابق ۱۴۳۱ھ کو وہ آخری وقت جو کہ مقررہ تھا آپہنچا جو کہ نماز ظہر کا وقت تھا، کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اس دار فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ محترم مولانا مقبول الدین احمد صاحبؒ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ ۴؍جون ۲۰۰۹ء کو گیارہ بجے دن محی الدین پور کی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ المتوفی ۱۴۳۱ھ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

فضل وکمال: حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین تھے۔ آپ نے دارالعلوم میں چھ دہائیوں سے زائد تدریسی خدمات انجام دیں اور تقریباً ۳۲؍سال تک بخاری شریف کا درس دیا۔ اس دوران صرف دورۂ حدیث کے تقریباً بیس ہزار طلبہ آپ سے بخاری شریف کا درس لے کر فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کا درس حدیث کافی مقبول تھا۔ آپ کی درسی تقریریں عام فہم، مربوط اور مدلل ہوتی تھیں۔ فن ہیئت میں آپ کو بڑا درک حاصل تھا۔ طبیعت میں سادگی، تواضع وانکساری اور ظاہر وباطن میں یکسانیت پائی جاتی تھی۔ خوش مزاج اور خوش خلق تھے۔

ابتدائی حالات: ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۳۷ھ ۲۲؍جنوری ۱۹۱۹ء کو ضلع بلند شہر کے موضع بسئی میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مجید کے بعد فارسی اور عربی کی جملہ درسیات شروع سے آخر تک مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں پڑھیں۔ دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں دورۂ حدیث میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۲ھ میں فراغت حاصل کی۔ آپ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ کا زیادہ حصہ ہے جو اولاً مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں اور بعد میں دارالعلوم دیوبند میں استاذ ہوئے۔ ان دنوں جنگ

آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہونے کی پاداش میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نینی جیل الہ آباد میں قید تھے، اس لئے مولانا نصیر احمد خاں صاحب نے اس سال بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے پڑھی تھی، مگر حضرت مدنیؒ سے استفادہ کی لگن اور خواہش برقرار تھی، اس لئے اگلے سال ۱۳۶۳ھ میں حضرت مدنیؒ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف کی سماعت کی۔ نیز اپنے علم وفن میں مزید جلا پیدا کرنے کی خاطر کچھ دیگر فنون کی کتابیں بھی پڑھیں۔ اس کے بعد مزید دو سال علوم میں پختگی پیدا کرنے کی غرض سے مختلف کتابیں پڑھتے رہے۔ اسی دوران تجوید میں حفص وسبعہ اور عشرہ کی تکمیل بھی کی۔

دارالعلوم دیوبند میں مسند تدریس پر: ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق نومبر ۱۹۴۶ء میں اعزازی ابتدائی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔ آپ نے تدریس کا آغاز بالکل ابتدائی کتابوں سے کیا اور میزان سے لے کر آخر تک درس نظامی کی تقریباً تمام کتب آپ سے متعلق رہیں۔ آپ نہایت محنت اور دلچسپی سے پڑھاتے اور آپ کے بعض کتابوں کے درس کو کافی مقبولیت ملی۔ مقامات حریری، میبذی، مسامرہ، شرح جامی، جلالین شریف، الفوز الکبیر اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ مختلف کتابوں کا درس تو آپ سے کافی طویل عرصہ تک متعلق رہا۔ مختلف فنون کے ساتھ علم ہیئت کا درس بھی آپ سے متعلق رہتا، اس فن کی کتاب ''الصریح'' ہمیشہ آپ کے زیر درس رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس فن میں آپ کو مخصوص ملکہ اور مہارت عطا فرمائی تھی، ہیئت کے رسالہ فتحیہ پر حاشیہ بھی لکھا تھا۔

نہایت پابندی کی وجہ سے آپ ابتدائی درجہ سے ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا تک پہنچ گئے اور ۱۳۹۱ھ میں دورۂ حدیث شریف کی کتابوں کی تدریس بھی آپ سے متعلق ہوگئی۔ ۱۳۹۱ھ سے ۱۳۹۷ھ تک آپ طحاوی شریف، مسلم شریف ثانی، موطا امام مالک کا درس دیتے رہے، اور طالبان علوم نبوت کو فیضیاب کرتے رہے۔

بخاری شریف کا درس: ۱۳۹۷ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ وفات پا گئے تو بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق ہوگیا۔ اس کے بعد سے آپ مسلسل بخاری شریف کا درس دینے لگے۔ ایک سال مکمل بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق رہا، اس کے بعد ہمیشہ آپ بخاری شریف جلد اول پڑھاتے رہے۔ آپ بڑی شان وشوکت سے بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ اخیر عمر تک اسی فریضہ کو انجام دیتے رہے اور ہزاروں فرزندان توحید کو سیراب کرتے رہے۔ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء میں مختلف عوارض کی وجہ سے درس اور مدرسہ کی حاضری سے معذوری ظاہر فرمادی۔ اس طرح ۱۳۹۱ھ سے ۱۴۲۹ھ تک تقریباً ۴۰؍سال تک آپ مسند حدیث پر رونق افروز ہوکر تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔ اس دوران آپ سے ہزاروں طلبہ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

آپ کی شخصیت میں علمی اور انتظامی دونوں صلاحیتوں کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ درس وتدریس کے ساتھ انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ نے بحسن وخوبی انجام دیں۔ ایک طویل عرصہ تک آپ ناظم دارالاقامہ رہے۔ ۶؍صفر ۱۳۹۱ھ کو مجلس

شوریٰ نے آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم تجویز فرمایا اور ایک عرصہ تک آپ اس منصب پر کام کرتے رہے۔ حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند کی وفات کے بعد ۱۴۱۲ھ میں آپ کو باتفاق اراکین شوریٰ صدرالمدرسین منتخب کرلیا گیا۔ ایک طویل عرصہ تک آپ نے اس منصب کو بھی زینت بخشی اور اخیر عمر میں تدریس سے معذرت کے ساتھ اس منصب جلیل سے بھی سبک دوش ہوگئے۔

اوصاف حمیدہ: حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ فطرتاً انتہائی نیک وصالح انسان تھے، بزرگوں کے علم واخلاق کا نمونہ اور ان کی علمی یادگار تھے۔ آپ بہترین مدرس اور بے مثال عالم تھے۔ آپ کے اوصاف میں ایک خصوصی وصف یہ تھا کہ آپ انتہائی متواضع اور منکسرالمزاج تھے۔ شفقت ورحم دلی، خیرخواہی اور محبت واخلاص جیسے جذبات کوٹ کوٹ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بھر دیئے تھے۔ آپ کے یہاں کوئی چھوٹا بھی چھوٹا نہیں تھا، سب کا احترام بڑوں کی طرح فرماتے تھے، آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ نماز باجماعت کے انتہائی پابند تھے۔ جمعہ کو کافی پہلے مسجد پہنچتے اور صلوٰۃ التسبیح وغیرہ کا معمول تھا۔ نماز اس طرح خشوع وخضوع اور رکوع اور سجود کامل طمانینت کے ساتھ پڑھتے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ اس سے بہتر کوئی نماز نہیں ہوسکتی۔ باطنی کمالات کے ساتھ حسن ظاہری، حسن صوت سے بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔ آواز آپ کی بلند وبالا مگر انتہائی دل کش تھی، گفتگو کا لب ولہجہ نہایت عمدہ تھا۔ وقار وسنجیدگی اور متانت آپ کے درس کا خصوصی امتیاز تھا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے آپ کو والہانہ تعلق تھا۔
احسان وسلوک میں آپ کو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔

وفات: آپ نے ۹۶ر برس کی طویل عمر پائی اور تقریباً پینسٹھ سال دارالعلوم دیوبند میں تدریسی وانتظامی خدمات انجام دیں۔ ۱۹ر صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴ر فروری ۲۰۱۰ء جمعرات کی شب میں آپ کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے دن آپ کو مزار قاسمی دیوبند میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

نور اللہ مرقدہ۔

(دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ، مرتبہ مولانا محمد اللہ صاحب قاسمی: ۵۴۵)

حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش ؒ المتوفی ۱۴۳۱ھ

کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب گجراتی معروف عالم دین، داعی الی اللہ اور صاحب عزیمت وتقویٰ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے کارگزار مہتمم تھے۔

ابتدائی حالات: مولانا غلام رسول خاموش ابن الحاج حبیب اللہ صوبہ گجرات کے بناس کانٹھا ضلع میں واقع مشہور قصبہ چھاپی کے قریب ایک گاؤں میتا کے باشندے تھے۔ جہاں ۹/جمادی الثانیہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۶/جون ۱۹۴۰ء بروز شنبہ پیدا ہوئے۔ فارسی وعربی کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم چھاپی میں حاصل کی، آپ اس مدرسہ کے اولین طلبہ میں تھے۔ مشکوٰۃ شریف کی تکمیل کے بعد آپ اپنی والدہ کے ساتھ کراچی (پاکستان) تشریف لے گئے، وہاں الجامعۃ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ بخاری وترمذی حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا یوسف صاحب بنوریؒ سے پڑھیں، مسلم شریف حضرت مولانا لطف اللہ صاحب پشاوریؒ سے، ابوداؤد حضرت مولانا فضل حق صاحبؒ سے اور طحاوی شریف حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانیؒ صاحب لغات القرآن سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے ہندوستان واپس ہوئے۔

فراغت کے بعد بمبئی گئے جہاں حصول معاش کے ساتھ مدرسہ دارالعلوم امدادیہ ممبئی میں بلا معاوضہ تدریسی خدمت انجام دیں۔ تدریس کا سلسلہ نو سال تک قائم رہا جس میں آپ نے درجات علیا کی اہم کتابیں بھی پڑھائیں۔ ممبئی میں آپ نے چائے کی تجارت شروع کی جس میں اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی اور رفتہ رفتہ ایک بڑے تاجر بن گئے۔

مولانا کو مسلمانوں کی اصلاح اور دینی ترقی کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی تھی۔ جماعت تبلیغ سے وابستگی کے ساتھ علاقہ میں مقامی سطح پر دینی کام کے لئے اصلاحی کمیٹیاں قائم کر رکھی تھیں۔ دینی مراکز و معاہد کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیتے۔ تازندگی آپ نے دارالعلوم چھاپی کی خدمت کی۔ آپ کو دارالعلوم چھاپی کے ذمہ داران کا اتنا اعتبار و اعتماد حاصل تھا کہ کسی عہدہ پر نہ ہوتے ہوئے بھی مہتمم کی موجودگی میں اہتمام و انصرام کے تمام امور خود ہی انجام دیتے تھے۔ مولانا خاموش کے خلوص وللّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ سارا کا سارا کام آپ انجام دیتے اور نام مہتمم صاحب کا رہتا۔ دارالعلوم چھاپی کے مہتمم مولانا حبیب اللہ صاحب کے بعد آپ کو دارالعلوم چھاپی کا مہتمم بنایا گیا۔

دارالعلوم دیو بند سے تعلق: ممبئی کے حضرت حاجی علاء الدین صاحب دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، ۱۰؍جون ۱۹۸۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ حاجی صاحب کی جگہ پر مجلس شوریٰ صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ دارالعلوم کے مفاد کے پیش نظر مسلسل پابندی کے ساتھ مجلس شوریٰ کی تمام مجالس میں شرکت فرماتے تھے اور حسب موقع مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔

مولانا خاموش صاحبؒ کی دارالعلوم کے امور سے گہری دلچسپی اور تعلق خاطر سے متأثر ہوکر مجلس شوریٰ نے ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ضعف و پیرانہ سالی کی پیش نظر آپ کو دارالعلوم کے بااختیار کارگزار مہتمم کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز فرمایا۔ گومولانا دارالعلوم دیوبند سے علمی ورسمی طور پر فیض یافتہ نہیں تھے، مگر آپ کے اندر موجزن دارالعلوم کی بے پناہ محبت اور بے لوث جذبۂ خدمت کی برکت تھی کہ درجنوں لائق وفائق ابنائے دارالعلوم دیوبند کی موجودگی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا۔

خصوصیات وکمالات: مولانا کی خصوصیت تھی کہ بڑی سے بڑی ذمہ داریوں کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ خاموشی سے انجام دیا کرتے تھے۔ مولانا بڑوں چھوٹوں سب کا خیال رکھتے، ہر ایک کی ضروریات، مسائل اور شکایتیں سنتے اور نہایت سنجیدگی سے ان کا حل ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے۔ تمام معاملات میں صبر وتحمل، وسعت نظری اور حکمت ومصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم اٹھاتے اور کبھی کسی معاملہ میں جذباتی نہ ہوتے۔ ستائش کی تمنا اور صلہ کے پرواہ کئے بغیر اپنے کاموں میں لگے رہتے۔ بڑے صاف گو تھے اور سیدھی سادی بات پسند بھی کرتے۔ چاپلوسی، تملق اور لاگ لپیٹ کو پسند نہ فرماتے۔

مولانا کی دوسری بڑی خصوصیت ان کی پرہیزگاری اور تقویٰ شعار زندگی تھی۔ رجوع الی اللہ اور تقویٰ وانابت کا خاص ذوق تھا۔ پنج وقتہ نمازوں میں اذان کے فوراً بعد مسجد میں حاضر ہوجاتے اور نماز کے بعد دیر تک نوافل، تلاوت اور ذکر میں مشغول رہتے۔ ہمیشہ صف اول میں جگہ لیتے اور ساری نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا فرماتے۔

سفر وحضر میں ہمیشہ نماز باجماعت کا اہتمام کرتے۔قرآن کریم کی تلاوت کا خاص شغف تھا۔روزمرہ کے معمولات انتہائی پابندی کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر ادا کرتے۔

وفات: ۲۸ رشوال ۱۴۳۱ھ مطابق ۸ را کتوبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ بعد نماز عصر دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں محض چند گھنٹے کی علالت کے بعد انتقال ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔اگلے دن مزار قاسمی میں دفن کئے گئے۔نوراللہ مرقدہ

(دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ:۵۴۲)

اپنی سعادت: الحمدللہ ۱۹۹۶ء میں حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں جب کہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیت الابرار میں مولانا غلام رسول صاحب مقیم تھے اس حقیر کا ساتھ رہا،حسن اتفاق کہ ہماری معیت میں اہلیہ اور مولوی محمد عبداللہ سلمہ بھی تھے۔حضرت مولانا خود عورتوں کی مجلس کا انتظام فرماتے تھے،بعض اعزہ کو خاص طور سے اپنے صاحبزادے کو مرید بھی کرایا۔اور اس حقیر سے باصرار خاص وظیفہ طلب فرمایا تو اس حقیر نے یہ عرض کیا کہ سومرتبہ ذکر قلبی اس طرح کرلیا کریں کہ آنکھ وزبان بند کر کے یہ تصور کریں کہ میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔اس کی انھوں نے بڑی قدر فرمائی،اور فرمایا یہ وظیفہ ہم کو کسی نے نہیں بتلایا تھا۔چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں ملاقات ہوئی تو معاً فرمایا کہ میں آپ کا بتلایا ہوا وظیفہ ادا کر رہا ہوں۔اور وفات سے کچھ پہلے رتن پور میں مولانا عبدالاحد صاحب سلمہ کے مدرسہ کے جلسہ میں ملاقات ہوئی تو بھی اسی وظیفہ کا ذکر فرمایا۔اور اس حقیر سے فرمایا کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہ بنائے،اور دین کا کام کرتے کرتے موت آئے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔**

شیخ الحدیث حضرت مولانا عزیز الحق صاحب بنگلہ دیشیؒ المتوفی ۱۴۳۲ھ

ولادت، وطن اور طفولیت: آپ کی ولادت ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۳۸ھ کے لگ بھگ بھِرِچ خان ضلع بکرمپور (منشی گنج) بنگلہ دیش میں ہوئی، والد ماجد کا نام حاجی ارشاد علیؒ ہے۔ چار پانچ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کی وفات ہوگئ تو اپنی نانی کی آغوش شفقت میں آگئے۔ حضرت کا ننھیال اسی ضلع کے محلہ ''کُلما'' میں تھا، لہذا یہیں بچپن کا زمانہ گزرا۔ سات آٹھ سال کی عمر میں اپنا وطن چھوڑ کر ضلع برہمن باڑیہ کے مرکزی شہر میں آگئے، کیونکہ والد ماجد حاجی ارشاد علی صاحب اپنی تجارت اور کاروبار کے سلسلے میں یہیں مقیم تھے۔

آغاز تعلیم: محلہ ''کلما'' ہی کی مسجد میں آپ کی بسم اللہ ہوئی اور وہیں قرآن شریف ناظرہ پورا ہوا، اس کے بعد جامعہ یونسیہ میں حضرت علامہ شمس الحق فرید پوریؒ کے زیر نگرانی با قاعدہ عربی تعلیم کا آغاز ہوا۔ یہ حضرت کے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی اور ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہوا کہ ان کو با قاعدہ طالب علمی کی ابتداء ہی سے حضرت علامہ شمس الحق فرید پوریؒ جیسے شیخ ومربی کی صحبت ونگرانی نصیب ہوئی، جو طلبہ کی تعلیم وتربیت میں اپنی مثال آپ تھے، اور جب تک حضرتؒ باحیات رہے شیخ کو ان کے سایۂ عاطفت کی یہ دولت ملتی رہی، بلکہ ضابطہ کی طالب علمی کے بعد طویل مدت تک حضرتؒ نے انہی کے زیر تربیت ترقی کے منازل طے کئے۔

الغرض حضرت شیخ جامعہ یونسیہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے لیکن چند ہی سال کے بعد مختلف اسباب کی بناء پر حضرت فرید پوریؒ جامعہ سے الگ ہو گئے اور اپنے دونوں رفیقوں حضرت حافظ جی حضورؒ اور حضرت عبدالوہابؒ سمیت ڈھاکہ تشریف لے آئے اور یہاں کے مشہور علاقہ ''بڑا کٹرہ'' میں مدرسہ اشرف العلوم قائم کیا۔

لہذا اب شیخ الحدیثؒ مدرسہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ میں داخل ہو گئے اور دورۂ حدیث تک یہیں تعلیم حاصل کی۔

اس زمانے میں شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانیؒ ڈھاکہ میں فروکش تھے اور ڈھاکہ یونیورسٹی و مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے علاوہ مدرسہ اشرف العلوم میں بھی وہ شیخ الحدیث وصدرالمدرسین تھے۔ چنانچہ ۱۳۶۱/۱۹۴۰ء میں حضرت علامہ کے پاس تفسیر بیضاوی، جامع ترمذی اور صحیح بخاری شریف پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں: مدرسہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ میں دورۂ حدیث کے سال جو کتابیں اور شروح حدیث حضرت شیخ کے زیر مطالعہ رہیں ان میں ''فتح الملہم'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ نے انہیں مؤلف کتاب حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا عاشق بنا دیا، لہذا دل میں حضرت علامہ کے پاس دوبارہ بخاری شریف پڑھنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہوا۔ اس وقت علامہ عثمانیؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں ان کا شہرۂ آفاق درس بخاری ہوتا تھا۔ چنانچہ شیخ الحدیثؒ طویل سفر کر کے ڈابھیل تشریف لے گئے اور

۶۳۔ ۱۳۶۲ھ میں حضرت علامہ کے پاس بخاری شریف پڑھنے کا عظیم شرف حاصل کیا۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب علم کی طلب تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے علمی وعملی کمالات سے نوازا۔ (مرتب)

ڈھاکہ سے ڈابھیل جاتے ہوئے حضرت شیخ نے مظاہر علوم سہارنپور میں چند روز قیام فرمایا، اس دوران حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق پیدا ہو گیا اور حضرتؒ نے انہیں مسلسلات کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند میں دورۂ تفسیر میں شرکت: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس بخاری شریف پڑھنے کے دوران شیخ الحدیث نے حضرت علامہ کی تقریر بخاری ضبط کرنے کا اہتمام فرمایا، ختم سال کے بعد ضبط کردہ تقریر کی تبییض اور اس پر نظر ثانی کے لئے حضرت علامہؒ نے انہیں اپنے پاس دیوبند میں مزید ایک سال ٹھہرایا، قیام کی سہولت کے لئے حضرت شیخ نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے دورۂ تفسیر میں داخلہ لے لیا، اس طرح شیخ التفسیر علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ سے بھی تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔

خدمات کے چند گوشے: یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو ملک وملت اور اپنے دین کی متعدد ومختلف خدمات کے لئے موفق فرمایا، اسی وجہ سے ان کا شمار ملک بنگال کے ان کبار علماء میں ہوتا ہے جن کے احسانات سے بنگال کے کروڑوں مسلمانوں کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں، البتہ کئی خاص میدان ان کی

توجہات کے اصل مراکز رہے ہیں: (۱) درس وتدریس۔ (۲) تصنیف وتالیف۔ (۳) دعوت وارشاد۔ (۴) اسلامی تحریکوں اور نفاذِ شریعت واعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں بھرپور شرکت اوران کی سربراہی وسرپرستی۔

درس وتدریس اور مدارس کی تاسیس: ضابطہ کی طالب علمی سے فراغت کے بعد ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں مدرسہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ، ڈھاکہ ہی میں (جہاں سے دوسال پہلے فراغت حاصل کی تھی) حضرت شیخ کو تدریس پر مقرر کیا گیا، اور اکابر علماء واساتذہ کی موجودگی میں اونچے درجوں کی کتابیں پڑھانے کے لئے دی گئیں۔ حضرت نے یہاں آٹھ سال تدریس کی خدمات انجام دیں، اس کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔

حضرت شیخ الحدیث اور درس صحیح بخاری: حضرت شیخ نے اپنی طویل تدریسی زندگی میں علوم آلیہ وعالیہ کی بہت سی کتابوں کا درس دیا ہے، جن میں منطق، نحووصرف، ادب عربی اور فقہ، اصول فقہ، ترجمہ وتفسیر اور حدیث کی کتابیں شامل ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں خاص طور پر صحیح بخاری شریف کا درس اور اس عظیم کتاب کی خدمت کے لئے قبول فرمایا تھا، چنانچہ آپ نے ۱۹۵۵ء سے ۲۰۱۰ء تک یعنی نصف صدی سے بھی زیادہ مدت تک بخاری شریف کا کامیاب درس دیا۔

تالیف وتصنیف: عنفوان شباب اور زمانۂ طالب علمی ہی سے حضرت شیخ تحقیق وتصنیف کا ذوق رکھتے تھے، چنانچہ ضابطہ کی طالب علمی کے دوران ہی کئی کتابوں کی شرحیں لکھ ڈالیں، اور بخاری شریف، ترمذی شریف جیسی حدیث کی

بنیادی کتابوں پر تحقیقی و تصنیفی کام اسی دور کی یادگار ہے۔

مدرسہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ میں حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ سے ترمذی شریف پڑھنے کے زمانے میں اس کتاب پر شرح لکھنی شروع کی، یہ صرف درسی تقریر پر مشتمل کتاب نہیں تھی، بلکہ تقریر کے ساتھ متعلقہ حدیثی وفقہی کتب ومصادر کی مراجعت اوران سے مواد جمع کر کے دونوں کی روشنی میں لکھنے کا التزام کیا گیا۔افسوس ہے کہ یہ کتاب مکمل نہ ہوسکی۔

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے دوبارہ بخاری شریف پڑھنے کے دوران ان کی تقریروں کونہایت جامعیت اور حسن خوبی کے ساتھ جمع کیا،اور بخاری شریف کی یہ عظیم شرح تیار ہوئی جوقارئین کے سامنے ہے۔

پھر جب فراغت کے بعد میدان عمل میں آئے تو تالیف وتصنیف کا یہ سلسلہ حضرت شیخ کا اہم ترین مشغلہ بن گیا، البتہ اخیر میں حضرت کی تمام تر توجہ بنگلہ زبان میں کام کرنے پر مرکوز ہوگئی تا کہ ان کروڑوں عوام کواپنی مادری زبان میں دینی لٹریچرز فراہم کئے جاسکیں جن کی زبان بنگلہ ہےاور جواس وقت تک ان سے تقریباً محروم تھے۔

اہل بنگال کے لئے شیخ کا تحفہ: بنگلہ زبان میں ترجمہ وشرح بخاری شریف حضرت شیخ نے بالکل جواں عمری میں شروع فرمائی جب کہ بنگلہ زبان میں مشکوٰۃ شریف کے چند اجزاء کے ترجمہ کے علاوہ حدیث کی کسی اہم کتاب جومصدر اصلی کی حیثیت رکھتی ہو، کی طباعت نہیں ہوئی تھی ، نہ ہی بنگلہ زبان میں قرآن شریف کی تفسیر پر کوئی مبسوط کتاب موجود تھی۔ پھر سولہ سال کی طویل مدت تک انتہائی

محنت اور انہماک کے ساتھ وہ اس کام میں لگے رہے، یہاں تک کہ بنگلہ زبان میں حدیث کی ایک عظیم کتاب تیار ہوگئی جو اولاً سات جلدوں میں طبع ہوئی، لیکن بعد کے زمانوں میں بھی کتاب پر نظر ثانی اور ترمیم واضافات کا سلسلہ برابر جاری رہا، یہاں تک کہ کتاب کی ضخامت اتنی بڑھ گئی کہ آخر میں دس جلدوں میں اس کی طباعت ہوئی۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے وہ قبولیت عطا فرمائی کہ بہت کم کسی دینی بلکہ بنگلہ کتاب کو ایسی قبولیت حاصل ہوئی ہو۔

کتاب کی چند خصوصیات: کتاب کی اہم خصوصیت اور نمایاں امتیاز اس کا ''حسن عرض'' ہے، چنانچہ اس میں دینی وعلمی مباحث غامضہ اور مسائل مشکلہ پر اس انداز سے کلام کیا گیا ہے کہ عوام بھی اس سے پوری طرح مستفید ہوسکیں، اور یہی کتاب کا وہ وصف ہے جس کی وجہ سے عوام اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے بھی ایک بہت بڑی دینی رہنما ثابت ہوئی جس نے ان کے درمیان عقائد اہل سنت والجماعت، اکابر دیوبند کے افکار وخیالات اور دین کی بنیادی تعلیمات کی نشر واشاعت کے سلسلے میں بڑا کردار ادا کیا ہے اور کر رہی ہے۔

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عقائد، سیرت نبویہ، تاریخ اسلام، اصلاح وتزکیۂ نفس اور ترغیب وترہیب سے متعلق احادیث کی شرح کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے جب کہ بیشتر عربی اور اردو شروح میں ابواب فقہیہ سے متعلق احادیث کی شرح پر زیادہ زور دیا گیا۔

اس کے علاوہ بخاری میں جو احادیث مکرر ہیں اور کئی جگہوں میں متفرق طور پر آئی ہیں ان کے مختلف ٹکڑوں کو جمع کر کے ایک ہی جگہ پوری حدیث کا

ترجمہ اس طرح کر دیا گیا ہے کہ احادیث اپنے تمام پس منظر و پیش منظر کے ساتھ سامنے آ گئی ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ''فہم حدیث'' کے سلسلے میں بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔

وعظ وارشاد اور دعوت وتبلیغ: درس وتدریس، تعلیم وتربیت اور تصنیف وتالیف ہی حضرت شیخ کے کاموں اور سرگرمیوں کے اصل میدان تھے، لیکن طبیعت وفکر کی ہمہ گیری کی وجہ سے وہ ان میں محصور نہ رہ سکے، بلکہ ملک کے ان کروڑوں عوام کی دینی ضرورت پر بھی ان کی خاص توجہ رہی جو باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں، اسی وجہ سے حضرت نے اپنے مشاغل کثیرہ علمیہ کے باوجود زندگی کا ایک معتدبہ حصہ عوام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی اسی دینی ضرورت کے پورا کرنے پر صرف کیا، اور جب تک صحت اور قُوی نے ساتھ دیا وعظ وارشاد اور دعوت ونصیحت کے ذریعہ انہیں دین کی طرف مائل کرنے اور ان میں دین کی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لئے کوشاں رہے۔

اس غرض کے لئے ملک بھر میں حضرت کے دینی ودعوتی اسفار ہوتے رہے، اور لوگ ان سے مستفید ہوئے، اس طرح ہزاروں کی زندگی میں صالح انقلاب برپا ہوا، اور وہ اپنے اللہ اور ان کے رسول کے لائے ہوئے دین سے متعارف ہوئے اور اسی کی روشنی میں اپنی زندگی استوار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

نفاذ شریعت کی عملی جدوجہد میں حضرت کی خدمات: اس میدان میں بھی حضرت شیخ کی خدمات اور کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ ان کے دل ودماغ میں ''اینقص الدین وانا حی'' کا صدیقی جذبہ بھی پوری طرح کارفرما تھا،

اسی وجہ سے انھوں نے علمی خدمات کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اسلامی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا، بالخصوص حکومت اور دین بیزار مکاتب فکر کی جانب سے برپا شدہ فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں رہے۔

۱۹۷۱ء میں جب پاکستان تقسیم ہوکر بنگلہ دیش وجود میں آیا تو ملک میں اسلام کی سربلندی اور اس کے دفاع کے لئے ہونے والی عملی جدوجہد اور تحریکات میں حضرت نے وہ خدمات انجام دیں جن کی بناء پر انہیں بجا طور پر ملک وملت کا عظیم قائد اور سپہ سالار تسلیم کیا گیا ہے۔ جب بنگلہ دیش میں علمائے کرام کی سب سے پہلی سیاسی جماعت ''جمعیۃ علمائے اسلام بنگلہ دیش'' کے نام سے قائم ہوئی تو وہ اس کے صدر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۸۱ء میں حضرت کے شیخ حضرت اقدس مولانا حافظ جی حضورؒ (خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) نے خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرنے کی ملک گیر تحریک چلائی اور اس کے لئے ''تحریک خلافت بنگلہ دیش'' کے نام سے جماعت قائم کی تو اس میں حضرت شیخ الحدیث ہی حافظ جی حضورؒ کے دست راست اور ترجمان تھے، اور اس حیثیت سے اس موقع پر انھوں نے بڑا کردار ادا کیا، الغرض قیام بنگلہ دیش کے بعد سے لے کر جب تک صحت نے ساتھ دیا مسلمانوں کی تمام اجتماعی وملی جدوجہد میں حضرت نے سرگرم حصہ لیا۔

ضعف کی انتہاء: حضرت شیخؒ کی عمر تقریباً ۹۵ سال کی تھی، اور بات چیت بھی تقریباً بند تھی، صرف ''اللہ'' کا نام تھا کہ وہ اچھی طرح یاد تھا۔ اور جب بستر پر لیٹے لیٹے حضرت شیخؒ کی زبان سے ''اللہ اللہ، اللہ اللہ'' کی پاکیزہ آواز سنائی دیتی

تھی تو یہ شعر یاد آتا تھا ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم　　الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

ف: یہ حقیر ۲۲/ ۲۳/فروری ۲۰۰۷ء میں جب آپ انتہائی مرض وضعف کے شکار تھے، آپ کے مدرسہ جامعہ عربیہ اسلامیہ جیری چاٹگام بنگلہ دیش میں حاضر ہوا تھا، اکثر علماء نے سند حدیث لی، ان کے صاحبزادے سے ملاقات ہوئی۔ مگر حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کے شرف سے محرومی رہی، خیر اللہ تعالیٰ اس کی بھی جزا مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

وفات: حضرت شیخ کی وفات ۸/اگست ۲۰۱۲ء مطابق ۱۴۳۲ھ بروز بدھ ڈھاکہ بنگلہ دیش میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے صاحبزادے مولانا محفوظ الحق نے نماز جنازہ پڑھائی، محمد پورہ کے قریب ڈھاکہ کے قبرستان گھٹا چرس میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات علماء کرام کی اقتداء میں ہم ناکاروں کو بھی دینی وعلمی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنے قرب وقبول سے مشرف فرمائے۔ آمین

محمد قمر الزمان الہ آبادی

۸/ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ

بیت الاذکار وصی آباد الہ آباد

پروفیسر نجم الدین اربکان ترکیؒ متوفی ۲۰۱۱ء ۱۴۳۲ھ

ولادت وتعلیم : سابق وزیر اعظم ترکی ، بڑے سائنسداں ، مشہور داعی اسلام اور ترکی کو اسلام کے راستہ پر واپس لانے والی عظیم شخصیت پروفیسر نجم الدین اربکانؒ ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۵ھ میں پیدا ہوئے ، ترکی میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں جرمنی کی آخن یونیورسٹی سے انجینئرنگ اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

ترکی میں اسلام کی نشاءۃ ثانیہ کا کارنامہ : پروفیسر نجم الدین اربکانؒ ترکی میں اسلامی فکر کے سب سے بڑے داعی اور مفکر شیخ بدیع الزماں سعید نورسیؒ کی فکر سے بڑے متأثر تھے ، جنہیں ترکی میں اسلام کی نشاءۃ ثانیہ کا روح رواں سمجھا جاتا ہے ، آپ نے ترکی میں اسلامی رجحانات کو تازہ کرنے میں اور اسلام مخالف رجحانات کو دور کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے ، اپنی مؤثر شخصیت اور معتدل طریقہ کار کے ذریعہ ترک قوم میں اسلام سے وابستگی کو مضبوط کیا اور ترکی قوم کے لئے اسلام پر عمل کرنے کی راہ ہموار کرنے میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں حتی کہ اس کے لیے ان کو اپنے ملک سے دربدر ہونا پڑا ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے ذہنی فکری ہم آہنگی رکھتے تھے ، اور مولاناؒ کے طریقۂ کار کو ترکی کی نئی نسل کو اسلامی بنیادوں پر کھڑا کرنے میں مفید تر سمجھتے تھے ، ان کی کوششوں کے ثمرات آج ہم ترکی میں دیکھ رہے ہیں۔

ترکی میں پروفیسر نجم الدین اربکان کی اسلام نواز پارٹی کے برسراقتدار آنے سے اسلام کو وہاں پر بہت تقویت ملی، اس سے ترکی کے مذہب مخالف رویہ میں جو کئی دہائیوں سے سختی کے ساتھ قائم تھا، تبدیلی شروع ہوئی، نجم الدین اربکان اپنے مذہبی پس منظر کے ساتھ ایک معتدل سیاسی لیڈر تھے، اور مذہب کے فروغ کے لیے وہ دستوری اور جمہوری طریقہ کار کو صحیح سمجھتے تھے، انہوں نے اپنے سلامتی طبع، اور جمہوری طریقہ کار سے ترکی کے لیے یہی طریقہ اپنایا، وہ ایک موقع پر نائب وزیر اعظم رہے، پھر مذہب مخالف عناصر نے ان کو ہٹوا دیا تھا۔

مولانا علی میاں ندوی نے جب ترکی کا سفر کیا تھا اس وقت نجم الدین اربکان حکومت میں نہ تھے صرف ممبر پارلیمنٹ تھے، وہ مولانا کی آمد سن کر ملنے آئے اور ترکی میں اسلام دشمنی کے فضا دور کرنے کے لیے اپنی کوششوں سے باخبر کیا اور اچھی توقعات کا اظہار کیا تھا، مولانا کے معاملہ میں ان کا یہ رویہ عام طور پر مولانا کی مختلف تصانیف کے مطالعہ کی بناء پر تھا، جو ایک صاحب خیر اور ندوہ کے پڑھے ہوئے جناب یوسف قراجہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے، یوسف قراجہ وہاں کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر رہ چکے ہیں اور موجودہ صدر مکرم رجب طیب اردوغان صاحب کے استاد بھی ہیں، انہوں نے وہاں مولانا کی کتابوں کے ترجمہ اور اس کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور وہاں کے ارباب حل وعقد تک مولانا کا پیغام ان کی کتابوں کے ذریعہ پہنچایا۔

کارنامے: پروفیسر نجم الدین ایک بڑے سائنسداں تھے، انہوں نے ہی ٹینکوں کے جدید انجن ایجاد کئے، اور موجودہ ترکی میں تیار ہونے والے جدید جنگی آلات میں ان کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے ۱۹۶۰ء میں ملک کی سیاست میں قدم رکھا،

۱۹۷۰ء میں پہلی مرتبہ اسلامی رجحانات رکھنے والی سیاسی پارٹی قائم کی ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۸ء کے درمیان ترکی کے نائب وزیر اعظم رہے ، ۱۹۸۰ء میں حکومت کی اسرائیل نواز پالیسی کے خلاف ایک زبردست احتجاجی ریلی نکالی جس کے نتیجہ میں ان کو جیل میں ڈال دیا گیا، جیل سے رہائی کے بعد ۱۹۸۳ء میں رفاہ پارٹی قائم کی اور اپنی سیاسی کوششیں تیز کردیں ۱۹۸۹ء میں ترکی کے پانچ بڑے شہروں کے میونسپلٹی الیکشن میں زبردست کامیابی حاصل کی ،اور ۱۹۹۶ء میں تانسوچیلر کی پارٹی سے اتحاد کر کے حکومت قائم کی اور ملک کی معاشی حالت سدھارنے کے لئے ٹھوس ایجابی اقدامات کیےاورقرض کے بوجھ کوکم کیا، ترکی کے موجودہ قائدین (صدر رجب طیب اردوغان، عبداللہ گل، بن علی یلدرم وغیرہ) انہی کے تربیت یافتہ ہیں، انہوں نے ترکی میں جدید اسلامی تحریک میں جوکردار ادا کیا ہے اس کوکبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔)

وفات: پروفیسر صاحب کا ۲۳؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۷؍فروری ۲۰۱۱ء کو دل کا دورہ پڑنے سے انقرہ کے ایک اسپتال میں انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون، اربکانؒ نے ۸۵ سال کی عمر پائی ، جنازہ میں لاکھوں سوگ واروں نے شرکت کی، پندرہویں صدی میں تعمیر ہونے والی فاتح مسجد کے صحن میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں اس وقت کے وزیر اعظم رجب طیب اردوغان اور صدر عبد اللہ گل نے قوم کی قیادت کی، بعد ازاں ان کا جنازہ نعروں کے درمیان شاہی اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی تدفین میں فوج کے اعلی افسران نے بھی شرکت کی جبکہ فوج نے ہی ان کی حکومت کا خاتمہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔آمین یارب العالمین (یادوں کے چراغ ص۹۹؍۲)

حضرت شیخ صالح حصین سعودیؒ المتوفی ۱۴۳۴ھ

نام وولادت: شیخ صالح حصین جومملکت سعودیہ عربیہ کے ایک دینی اوراسلامی جذبہ کے حامل بڑے دانشور شخص تھے، ان کی دینداری ان کا خاندانی ورثہ تھا، جو نجد کے خاندانوں میں عام طور پر وہاں کے اسلامی جذبہ کے حامل مقامی علماء کے طریقہ تعلیم سے حاصل ہوتی تھی، جس میں عقیدۂ توحید کواسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس کی طرف وہاں خاص توجہ کا مزاج رہا ہے، اس مزاج کے اثرات برابراب بھی قائم ہیں، ان میں شیخ صالح الحصین ایک جامع ذہن کے شخص رہے ہیں، جن کا تعلق قبیلہ بنوتمیم سے تھا۔ شیخ کی ولادت ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔

عملی میدان: وہ وقت کے دینی اورعلمی تقاضوں کوسمجھتے تھے اوراس میں فہم وصلاحیت کے مطابق طریقہ کار اختیار کرتے تھے، ان کی اس جامعیت اور دانشوری نے مملکت سعودیہ میں ان کوخصوصی عزت کا مقام عطا کیا تھا، وہ حکومت کے ایک بڑے عہدہ پر رہنے کے بعداس سے علاحدہ ہوگئے تھے لیکن ان کا مرتبہ وزیر کی حیثیت کا سمجھا جاتا تھا، انہوں نے اپنی زندگی کے اس مرحلہ میں مدینہ منورہ میں قیام اختیار کیا تھا، اورذہنی وعملی طور پراپنی صلاحیت کوعمل میں لاتے تھے، پھر ان کوحرمین شریفین کی نگرانی کا بڑا عہدہ دیا گیا، جس کوانہوں نے تقریباً آخری وقت تک انجام دیا، حتیٰ کہ وہ علیل ہوکرعلاج کیلئے یورپ بھیجے گئے اور پھراس

علالت کے نتیجہ میں آخرت کی طرف رحلت کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اخلاق فاضلہ: زہد وقناعت ،تواضع وغیرہ ان کی نمایاں صفات تھیں بڑے عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود وہ ایک عام آدمی کی طرح رہتے تھے، جب ان کی حیثیت وزیر کی رہی تب بھی وہ اسی طرح رہے،اور جو تنخواہ ان کو ملتی اس میں جو زائد محسوس کرتے اس کو کم کرا دیتے ،شیخ کو رئیس شوؤن الحرمین کا عہدہ سپرد کیا گیا تھا،اور فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا۔

علمی مقام: ان کی تعلیمی لیاقت بھی بڑھی ہوئی تھی اور کئی زبانوں کے ماہر تھے اور عصری علوم سے بھی اچھی واقفیت رکھتے تھے،اس کے ساتھ اچھا دینی فہم اور علماء سے مربوط تھے اور اس عہد کے علماء میں ان کو عالی مقام حاصل تھا، ان کی تعلیم مقامی بھی تھی اور بیرونی بھی، یورپ میں انہوں نے عصری تعلیم حاصل کی تھی،اس طرح وہ مذہبی فکر کے معاملات کو بھی سمجھتے تھے ، اور عصر حاضر کے تقاضوں کو بھی جانتے تھے،اس سے ان میں جامعیت پیدا ہوئی تھی ، ان کے تعلقات میں محبت اور موانست کا اظہار ہوتا تھا۔

وفات: شیخ کی وفات ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء میں ہوئی انا للہ و انا الیہ راجعون ،ان کے انتقال سے ایسی خوبیوں والے شخص کا اپنے معاشرہ کو داغ مفارقت دینے پر وہاں کے اہل فکر کے درمیان ایک کمی پیدا ہوئی ،اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی خوبیوں کا اجر عطا فرمائے ، اور ان سے جو خلا ہوا ہے،اس کو پُر فرمائے،آمین۔ (یادوں کے چراغ ص ۲/۳۴)

حضرت امام حرم علامہ محمد بن عبداللہ السبیّل مکیؒ متوفی ۱۴۳۴ھ

ولادت و امامت: ایک عرصہ تک حرم مکی کے مؤقر امام اور حرمین شریفین کے انتظامی امور کے صدر رہنے والے شیخ علامہ محمد بن عبداللہ السبیل کی ولادت ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۳ھ شہر بکیریہ قسیم میں ہوئی، صغرسنی میں ہی قرآن حفظ کر کے اپنے والد اور شیخ سعدی، عبدالرحمٰن الکرید جیسے ائمہ سے علم کی تحصیل کی، ۱۳۸۵ھ سے ۱۴۲۹ھ تک مستقل امام حرم کے منصب پر فائز رہے، وہ بڑے جلیل القدر عالم دین اور اہم خصوصیات کی حامل شخصیت کے مالک تھے، حرمین شریفین کے امور کے طویل مدت تک رئیس (صدر) رہے، اور اس کے ساتھ انہوں نے حرم مکی کی امامت کی ذمہ داری بھی انجام دی، امامت کی ذمہ داری میں ان کے ساتھ فرزند جلیل شیخ عمر السبیل بھی شریک کار رہے۔ علامہ محمد بن عبداللہ السبیل دین وملت کی نصرت کے کام سے بھی خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، اس کے لئے انہوں نے دنیا کے مختلف حصوں اور خطوں کے بار بار سفر بھی کیے۔ ہندوستان و پاکستان میں بھی ان کے سفر ہوئے اور یہاں کے عوام وخواص نے ان کے لئے زبردست اظہار عقیدت کیا۔

ندوۃ العلماء میں تشریف آوری: ہندوستان میں ندوۃ العلماء کی دعوت پر وہ دو بار تشریف لائے، دونوں بار ان کے ساتھ مملکت سعودی عرب کی متعدد اہم شخصیات بھی ہمراہ تھیں، ان کا آخری سفر ندوۃ العلماء کی طرف سے بلائی گئی انٹرنیشنل

دعوتی کانفرنس کے موقع پر ہوا، جو اصلاً فرق ضالہ محرفہ ومنحرفہ (قادیانیت وغیرہ) کے فتنہ اور خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے منعقد ہوئی تھی اور یہ کانفرنس امام حرم علامہ محمد بن عبداللہ السبیل کے زیر صدارت منعقد ہوئی، انہوں نے اس پیش کش پر تواضع اختیار کرتے ہوئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو صدر بنانے کا مشورہ دیا لیکن حضرت مولاناؒ کے اصرار پر امام حرم نے اس کو قبول کیا۔

آپ کی تواضع: علامہ سبیل متواضع اور سادگی پسند عالم دین تھے، اپنے کونمایاں کرنے سے بچتے تھے، متعدد بار ان کو حرم شریف میں دیکھا گیا کہ وہ نماز پڑھا کر جارہے ہوتے تو رکن یمانی کی طرف بیٹھے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے پاس آجاتے، اور ان کی مزاج پرسی کرتے اور کچھ دیر ان کے پاس بیٹھتے، اس کے علاوہ بھی جہاں کہیں کسی پروگرام میں ساتھ ہوا تو بڑی تواضع سے پیش آئے اور عقیدت واحترام کا معاملہ ظاہر کیا، اور جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، تو حرمین شرفین میں ان کی نماز جنازہ (غائبانہ) کا نظم بنانے میں انہوں نے حصہ لیا، اور حرم مکی میں خود نماز جنازہ (غائبانہ) پڑھائی اور ان کے مقام اور کام کا اظہار کر کے اس کا اعلان بھی کیا، ایسے خصوصی معاملات میں بادشاہ کی منظوری ضروری ہوتی ہے، لہذا اس کے لئے دیوان ملکی سے اجازت حاصل کرنے کا اہتمام کیا، اس وقت مملکت سعودی عرب کے بادشاہ اور دونوں حرموں کے خادم شاہ فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے۔

اخلاق فاضلہ: تقویٰ وطہارت، تدین، پاکیزگیٔ اخلاق، تواضع، ملت کا درد وسوز، اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ، توحید وسنت کی اشاعت کی فکر اور اس کے لیے کوشش،

عالمانہ مقام و وقار اور داعیانہ کردار نے ان کو اپنے عہد کے علماء میں ممتاز کر رکھا تھا، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بڑا عالمانہ، داعیانہ اور مصلحانہ خطبہ دیا، اور الگ سے عوام کو خطاب بھی کیا، اس کے علاوہ فجر کی نماز کی بعد درس قرآن بھی دیا، جس میں دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ کے علاوہ، وہ علماء اور خواص بھی شریک تھے جو ان کے دیدار و ملاقات اور ان کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لیے دور دور سے آئے تھے، توحید خالص تقویٰ، صحیح دینداری، فرائض وحقوق کا خیال اور کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے کے ساتھ وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین کی۔ امام حرم نے اپنے فاضلانہ ومحققانہ مقالہ کے ساتھ شرکت فرمائی تھی، جو ردقادیانیت پر تھا، اور اس میں عقیدہ ختم نبوت کو بڑے مدلل انداز میں پوری قوت وصراحت کے ساتھ پیش کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ کو بڑا دینی منصب عطا فرمایا تھا، ان میں حق پرستی، حق شناسی، تواضع، ملی مسائل سے دلچسپی اور حسن اخلاق کی جو صفات تھیں، ان سے وہ لوگوں میں بڑے محبوب بن گئے تھے، اور دیوان ملکی میں بھی ان کو بڑی عزت اور مقام حاصل تھا، اور حرمین شریفین کی خدمت کی ان کو جو طویل عرصہ خدمت اور امامت کی توفیق ملی، وہ ان کی عنداللہ مقبولیت کے لیے کافی ہے۔

وفات: امام صاحب کی وفات مکہ مکرمہ میں دوشنبہ کے دن ۴؍صفرالمظفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۲ء میں ہوئی انا للہ و انا الیہ راجعون، لوگوں میں مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ ان کے جنازے میں شریک ہونے والوں کی کیفیت سے لگایا جا سکتا ہے جو دیکھی گئی، اور مکہ مکرمہ کے مقبرہ ''العدل'' میں مدفون ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ (یادوں کے چراغ، مرتبہ مولانا محمد رابع صاحب: جلد ۲ صفحہ ۷۸)

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ المتوفی ۱۴۳۴ھ

نام ونسب: حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ ۱۹۲۳ء میں اپنے آبائی وطن پرتا بگڈھ کے اٹھیہ نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد محمد حسین صاحب سلطان پور میں سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے۔

تعلیم: حکیم صاحبؒ اولاً ابتدائی تعلیم ساتویں جماعت تک گاؤں کے اسکول میں حاصل کی، اس کے بعد تین سال طب کی تحصیل میں طبیہ کالج الہ آباد میں گذارا۔ اس زمانہ میں وقت کے بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کی خدمت میں آمدورفت رہا کرتی تھی۔ حکیم صاحب روزانہ عصر کے بعد طبیہ کالج سے حضرت پرتا بگڈھیؒ کی قیام گاہ ''صابری منزل'' آتے اور دس گیارہ بجے دن تک حضرتؒ کی خدمت میں رہتے۔

۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے۔ اپنے وطن پرتا بگڈھ سے چل کے اعظم گڈھ پھولپور پہلی حاضری اور ملاقات ٹھیک عیدالاضحیٰ کے روز ہوئی۔ حضرت مرشدؒ کی خانقاہ پھولپور دیکھتے ہی عجب خوشی ومسرت کے عالم میں یہی شعر پڑھا ؎

۱؎ بہت سے علمائے کرام نے حضرت حکیم صاحبؒ کے متعلق مضامین لکھے ہیں۔ اس میں مولانا خطیب الرحمٰن صاحب ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ اور سید عشرت جمیل میر صاحب نے بھی لکھا ہے اسی سے اخذ کر کے کچھ باتیں لکھنے کی سعی کر رہا ہوں۔ (مرتب)

شہرِ تبریز است و شہرِ شاہ من　　نزد عاشق ایں بود حب الوطن

سلام مسنون کے بعد عرض کیا "میں اختر ہوں" پرتا بگڈھ سے اصلاح کی غرض سے آیا ہوں، چالیس دن قیام کا ارادہ ہے" پہلی ہی گفتگو میں حضرت مرشد تھانوی قدس سرہ کے اصول وآداب کی جھلک دیکھ کر حضرت پھولپوریؒ کی نظر کرم اور توجہِ خاص نے ایسا اسیر کیا کہ تادم آخر جدائی کی بات تک دل میں نہ آئی، سولہ سال مسلسل ان کی خدمت میں رہ کر خادم خاص کا مرتبہ حاصل کیا۔ حکیم صاحب نے آپ ہی کی خدمت میں رہ کر عربی درسیات کی تعلیم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں حاصل کی۔ حضرت پھولپوریؒ نے ۱۹۶۰ء میں جب ناظم آباد کراچی (پاکستان) ہجرت فرمائی تو یہ خادم خاص بھی شریک سفر ہو گئے۔ حضرت پھولپوریؒ کے وصال (۲۱ /ربیع الاول ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۲ /اگست ۱۹۶۳ء) کے بعد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ سے بیعت واسترشاد کا تعلق قائم کیا اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

تصنیفات وتالیفات: آپ نے کثرت سے کتابیں لکھیں اور سب ہی مؤثر ومقبول ہیں۔ حضرت پھولپوریؒ کی طویل صحبت اور خدمت کے اثر سے ان کے متنوع علوم ومعارف کا مجموعہ "معرفت الٰہیہ" کے نام سے مرتب کیا، جب یہ مجموعہ کتاب کی شکل میں طبع ہو کر حضرت پھولپوریؒ کی خدمت میں پہنچا تو بیحد خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا ہردوئیؒ سے والہانہ طور پر اس کا ذکر فرمایا۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کی شرح "معارف مثنوی" کے نام سے لکھی، جب یہ طبع ہو کر منظر عام پر آئی تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ

کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا، حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا ''مضامین نافعہ ماشاءاللہ بہت اچھے ہیں''۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ ''اس سے مسرت ہوئی کہ آپ کا تعلق اولاً حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ سے رہا ہے اور آخراً حضرت مولانا ابرارالحق صاحب سے ہے''۔(صفحہ:۲۳۱)

مجاہدات اختیاریہ: حضرت مولانا حکیم اختر صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ: حضرت شیخ کی خدمت میں جو طویل عمر گذری اس میں مجاہدۂ اختیاریہ کا حق تو احقر سے ادا نہ ہوسکا لیکن الطاف حق نے میری باطنی ترقی کے لئے غیب سے مجاہدۂ اضطراریہ کا سامان فرمادیا، جس کی بدولت کلیجے منہ کو آگئے اور انہیں مجاہدات کی بدولت آج سینہ میں ایک ٹوٹا ہوا درد بھرا دل رکھتا ہوں جو میرے نزدیک اتنی عظیم ہے کہ اس کے بدلے میں سلطنت ہفت اقلیم مجھے قبول نہیں مگر میں ان مجاہدات کی تفصیل بیان کرنا خلاف مصلحت سمجھتا ہوں۔(فغان اختر:۵۲۵)

چنانچہ ایسے ہی واقعات وحالات کو دیکھ کر حضرت حبیب الحسن خاں صاحب شیروانی خلیفہ ومجاز حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نے فرمایا کہ ''مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے جس طرح سولہ سال شیخ کی خدمت میں گذارے ہیں، ہم جیسا ایک دن بھی نہیں گذار سکتا تھا۔'' (ان کا یہ فرمانا بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔) مگر اللہ تعالیٰ تو جانتے ہی تھے کہ میرا بندہ میرے لئے کیا کیا اذیتیں اور ذلتیں اٹھا رہا ہے، آخر کار اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ان موذی حاسدین کا پتہ ہی نہیں چلا کہ کہاں چلے گئے۔

حضرت شیخ عبدالغنی صاحبؒ کی علالت: حضرت مولانا عبدالغنی

صاحب پھولپوریؒ پر فالج کا حملہ ہوا، اس کے بعد چھ ماہ تک حضرت پھولپوریؒ صاحب فراش رہے۔اور حضرت حکیم صاحبؒ اپنے شیخ پھولپوریؒ کی دن رات خدمت میں مصروف رہے۔ حضرت حکیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری طبیعت ایسی تھی کہ اپنے بچوں کا پیشاب پاخانہ دیکھنے کا بھی تحمل نہیں تھا اگر کبھی دیکھ لیتا تو قے ہوجاتی تھی، لیکن اپنے شیخ کا پیشاب پاخانہ چھ ماہ تک اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔ جب حضرت پھولپوریؒ کا انتقال ہوا تو حضرت ہردوئیؒ نے حضرت حکیم صاحبؒ کو تحریر فرمایا کہ ''از ابتداء تا انتہاء خدمت شیخ مبارک ہو''۔

ف: ان حالات رنج وغم کو معلوم کر کے خود اپنے کو بیحد حزن وغم ہوا، غالباً ایسے ہی حالات حضرت حکیم صاحبؒ کے شیخ اول حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کو بھی پیش آئے تھے جس کی وجہ سے یہ شعر فرمایا ہے ؎

جوروستم سے جس نے کیا دل کو پاش پاش — احمد نے اس کو بھی تہِ دل سے دعا دیا

چنانچہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ طریق ہی کلفت ومشقت کا ہے بغیر اس کے کوئی کسی مقام عالی تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ عموماً یہ شعر پڑھتے تھے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو — یہ غذا ملتی ہے جاناں تیرے دیوانے کو

مزید وضاحت کے لئے یہ آیت مبارکہ اور اس کی تشریح بیضاوی شریف سے نقل کرتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ

قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ۔

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم کو ابھی تک ان لوگوں کے سے واقعات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گذرے ہیں ان کو بڑی سختی اور تکلیف پہنچی اور مصائب کی کثرت سے وہ ہلا ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی ایمان لانے والے کہہ اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی، آگاہ رہو بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

(تفسیر کشف الرحمٰن، مرتبہ مولانا احمد سعید سحبان الہند: ج/۱ ص/۳۱۵)

حضرت قاضی بیضاویؒ اس آیت کے تحت یوں رقمطراز ہیں:

وفيه اشارة الى ان الوصول الى الله تعالىٰ والفوز بالكرامة عنده برفض الهوىٰ واللذات ومكابدة الشدائد والرياضات كما قال عليه الصلوٰة والسلام "حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات۔

(بيضاوى شريف: ج/۱ ص/۱۸۵ مطبوعه بيروت)

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا اور ان کے نزدیک عزت وکرامت سے بہرہ ور ہونا، خواہشوں اور فانی لذتوں کے چھوڑنے اور مجاہدات اور ریاضات کی سختیوں کو برداشت کرنے پر موقوف ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے جنت کو ناپسندیدہ چیزوں سے اور جہنم کو شہوات نفسانیہ سے گھیر رکھا ہے۔

پس جو شخص نفسانی خواہشوں کو ترک کرے گا وہی اللہ تعالیٰ کی رضا اور

مقام رضا جوکہ جنت ہے اس میں داخلہ کا مستحق ہوگا اور جہنم سے نجات پائے گا۔

اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ **"مااستنارت القلوب بمثل الاحزان"** یعنی حزن وغم سے زیادہ کسی چیز سے قلوب میں نورانیت نہیں آتی۔ (مقدمہ دلیل الفالحین)

مزید ایک بات ذہن میں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا **"اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ"** کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کے سینہ کو علم وحلم سے کشادہ نہیں کردیا۔

یعنی علم بھی وسیع عطا فرمایا اور تبلیغ میں مخالفین کی مزاحمت سے جو ایذاء پیش آتی ہے اس میں تحمل اور حلم بھی عنایت فرمایا۔ (بیان القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ شرح صدر کے لئے علم کے ساتھ حلم کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اور حلم اخلاق حسنہ میں بہت ہی عالی مقام رکھتا ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ "اخلاق میں حلم کا وہی مقام ہے جو ملح یعنی نمک کا کھانے میں۔ کسی نے عجیب نکتہ بیان فرمایا کہ حلم کو اگر پلٹ دو تو ملح (یعنی نمک) ہوجاتا ہے۔

پس اس حقیر کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم ومعارف کی برتری سے نوازا ہے اسی طرح مصائب وبلیات پر حلم وبردباری کی نعمت سے بھی مشرف فرمایا ہے۔ جس کی بناء پر آپ کے کمال علم کو دیکھ کر جیسے یہ کہا جاسکتا ہے کہ **"فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ"** ویسے ہی آپ کے مصائب وبلایا پر صبر کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ **"فَوْقَ کُلِّ ذِیْ حِلْمٍ حَلِیْمٌ"**

شرح صدر کا مقام: شرح صدر کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز

صاحب دہلویؒ اپنی تفسیر عزیزی میں یوں رقمطراز ہیں:

یہ وہ مقام ومرتبہ ہے جو کسی فرد بشر کو (سوائے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے) حاصل نہیں ہوسکا، البتہ اسی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس کی امت کے بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا کچھ تھوڑا سا حصہ ملا ہے۔ اسی وجہ سے وہ تمام دلوں کے محبوب ومرجع خلائق ہوگئے۔ جیسے حضرت غوث اعظمؒ اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اسرارہم ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جس نے آپ کو بہت ایذاء پہنچائی تھی، اس کی آپ برابر مالی مدد فرماتے تھے۔ اور یہ اہل اللہ کا خاص شعار ہے۔ چنانچہ یہ شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا　　اگر مردی اَحْسِنْ الی من اسا

یعنی برائی کا بدلہ برائی سے دینا تو آسان ہے، مگر مردانگی اور بزرگی کی بات تو یہ ہے کہ جس نے آپ کے ساتھ برائی کیا اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کریں۔ (مرتب)

آپ کے ملفوظات عالیہ

فرمایا: حضرت پھولپوریؒ نے جب بھی مجھ سے فرمایا کہ پانی لے آؤ تو میں خود ہی حضرت کی خدمت میں لے کر گیا، میں نے کسی اور سے نہیں کہا کہ پانی لے آؤ، چاہے وہ میرا شاگرد ہی کیوں نہ ہو۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ایک لمحہ ایک سیکنڈ بھی نہ کریں اور خطا ہو جائے تو فوراً توبہ کرلیا کریں۔

فرمایا گناہ چھوڑنے کا عزم کرکے توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوتی ہے، گناہ بھی کرتے رہو اور استغفار بھی کرتے رہو ایسی استغفار و توبہ قبول نہیں۔

فرمایا: گناہ سے بچنے کا علاج سوائے ہمت کے کچھ اور نہیں۔ تقاضائے گناہ کا علاج گناہ کرنا نہیں ہے بلکہ گناہ کو ترک کرنا ہے، جو تقاضے کو دبانے سے نصیب ہوتا ہے۔ گناہ کرتے رہو گے تو تقاضے اور بڑھتے رہیں گے۔ جس طرح کھارے پانی سے پیاس اور بڑھتی ہے، اسی طرح گناہ کرنے سے گناہ کے تقاضے اور تیز ہوجاتے ہیں۔

فرمایا: آنکھیں سرحد ہیں، دل دارالخلافہ ہے۔ آنکھوں کو بدنظری سے بچا کر سرحد کی حفاظت کرو۔ اور دل کو گندے خیالات اور ماضی کے گناہوں کے تصورات سے بچا کر دارالخلافہ کی حفاظت کرو، جس کی آنکھوں کی سرحد اور دل کا دارالخلافہ محفوظ ہے اس کا ملک یعنی ایمان و اسلام محفوظ ہے۔ (فغانِ اختر: ۹۹۴)

ایک دفعہ ہمارا اور حضرت حکیم صاحبؒ کا ساتھ شہر ممبئی میں ہوا تھا۔ ہم لوگ کچھ احباب کے ساتھ چوپاٹی جو سمندر کے کنارے ممبئی کی مشہور خوبصورت جگہ ہے، اس کے کنارے کھڑے تھے، دیکھا کہ ساحل پر بڑی بڑی چٹانیں پتھر کی پڑی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ دیکھئے عمدہ عمدہ خوبصورت عمارتیں یہاں سے کافی فاصلہ پر ہیں، مگر انھیں کی حفاظت کے لئے یہ چٹانیں رکھی ہیں تاکہ سمندر کی جب موجیں آئیں تو ان سے ٹکرا کر واپس چلی جائیں ان عمارات تک وہ نہ پہنچ سکیں، جس کی وجہ سے ان عمارات کو نقصان نہ پہنچے۔

اسی طرح یہ آنکھ، کان اور زبان کو مثل چٹان کے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے تاکہ گناہ کی موجیں جب آئیں تو آنکھ، کان اور زبان تک پہنچ کر واپس ہوجائیں دل تک نہ پہنچیں تاکہ دل کی عمارت کو نقصان نہ پہنچے۔

اب بتلائیے کہ ان اعضاء یعنی آنکھ، کان، زبان کی کیسی کچھ حفاظت کی ضرورت ہے تاکہ دل کی عمارت کو نقصان نہ پہنچے۔ واللہ الموفق

ف: ماشاءاللہ اس مثال سے حکیم صاحبؒ نے اس معنوی شئی کو حسی مثال سے خوب ہی خوب واضح فرمایا، اور اس مضمون کو ایسے انداز سے سنایا کہ جملہ سامعین بیحد محظوظ ہوئے۔ (مرتب)

آپ کی زیارت: آپ سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب آپ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کے ساتھ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں الہ آباد تشریف لائے تھے۔ دوسری دفعہ جب کہ حکیم صاحبؒ مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کی خدمت میں تقریباً دو ماہ کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس دوران احقر کو آپ کی معیت میں وقت گذارنے کا طویل موقع ملا تھا۔ مختلف مقامات پر آپ کے وعظ ہوئے جس سے ہم سب کو علمی وقالی وحالی نفع عظیم حاصل ہوا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

اس اثناء میں ہمارے مدرسہ عربیہ بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد میں اکثر قیام رہا۔ ماشاءاللہ اکثر عبداللہ کی والدہؒ ان کے طعام کا خاص طور سے اہتمام کرتی تھیں، کھانا نہایت سادہ ہوتا تھا مگر حضرت حکیم صاحبؒ بہت پسند فرماتے اور پسندیدگی کا اظہار بھی فرماتے اور ان کو دعائیں بھی دیتے تھے۔ آپ

کے بعض متعلقین سے سنا ہے کہ اس کا تذکرہ اپنے بیان میں بھی فرماتے تھے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

چونکہ حضرت کی طویل مصاحبت رہی، جس سے بعض باتوں کا احساس لازمی طور سے ہو ہی جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت الشیخ مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ سے فرمایا، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ''حضرت بعض دفعہ ان کے جیب میں چار آنہ بھی نہیں رہتا کہ رکشہ سے چوک تک جاسکیں۔ اوکما قال۔

اس کے بعد تیسری دفعہ حضرت حکیم صاحبؒ حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ کی وفات ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء کے بعد بغرض تعزیت حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ کی خدمت سے ہوتے ہوئے الہ آباد تشریف لائے، تو حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ کے حسب ارشاد ہمارے مدرسہ ''بیت المعارف'' بخشی بازار میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ کے حجرۂ خاص میں قیام فرمایا، اور مجھ سے معاً فرمایا کہ آخر کیا بات ہے کہ سبھی بزرگ تم کو بہت مانتے ہیں، میں نے معاً یہ شعر پڑھا ؎

بندۂ عیب دار کس نخرد با ہزاراں گناہ خرید مرا

یہ سن کر حضرت حکیم صاحبؒ خاموش ہو گئے۔

دوسرا سوال یہ فرمایا کہ کیا حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے آپ کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ تمہارے بغیر جنت میں نہ جاؤں گا، میں نے عرض کیا کہ متعدد لوگوں کے سامنے یہ بات فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت میں یکجا فرمائے۔ آمین

چند یوم کے مختصر قیام میں کئی جگہ وعظ فرمایا جس سے لوگ بہت متأثر ہوئے، اور آپ کا وعظ ہی ایسا ہوتا تھا کہ آدمی مسحور ہوجاتا تھا۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اس اثناء میں محب مکرم محمد عاشق صاحب نے حضرت حکیم صاحبؒ کی بڑی قدر ومنزلت فرمائی۔ اور ضیافت ومہمان نوازی کا حق ادا فرمایا۔ اپنی کار سے جہاں جہاں جانا ہوا لے گئے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

سفر سلون: اسی سفر میں حضرت حکیم صاحبؒ نے اپنی بہن جو مکرم عقیل صاحب کی والدہ تھیں اور سلون میں رہتی تھیں ان کی خدمت میں جانے کا عزم فرمایا تو مکرم محمد عاشق صاحب ہی کی کار پر وہاں تشریف لے گئے، اور کئی دن قیام رہا۔ (اس سے پہلے بھی بہن سے ملنے جاتے تھے اور کئی کئی دن قیام فرماتے تھے) یہ حقیر اور مولوی مقصود احمد سلمہ اور عزیزم محمد عبداللہ سلمہ بھی وہاں حاضر ہوئے۔ عظیم جلسہ کا انتظام عزیزم محمد اشرف سلمہ اور ان کے والد محترم نے کیا۔ جس میں حکیم صاحبؒ نے بیان فرمایا۔ سلوک وتسلیک کی اہمیت اور صحبت مشائخ کی ضرورت وفضیلت پر خاصا[1] کلام فرمایا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

پھر وہاں سے ہم لوگ رائے بریلی حضرت مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی خدمت میں گئے۔ اس کے بعد کے سفر کی تفصیل معلوم نہیں، اس

---

[1] اس سلسلہ میں خاص طور پر مولانا ابرارالحق صاحبؒ، قاری صدیق احمد صاحبؒ اور اس حقیر کی صحبت اور ان سے ربط کی طرف ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس لائق بنائے کہ حضرت حکیم صاحبؒ کے حسن ظن کے مطابق ہوجاؤں۔ وباللہ التوفیق (مرتب)

لئے اس کے لکھنے سے معذور ہوں۔ محمد قمر الزمان الہ آبادی

۱۶/رمضان ۱۴۴۱ھ

بیت الاذکار وصی آباد الہ آباد

خاص تنبیہات: بدنظری کی مذمت اور اس کی مضرت پر شد و مد سے کلام فرماتے تھے جس سے عام نفع ہوا۔ اور اس سلسلہ میں یہ حدیث پاک بیان فرماتے تھے۔

عن بریدة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لعلی یا علی لا تتبع النظرة النظرة فان لک الاولیٰ ولیست لک الآخرة۔ رواه احمد والترمذی وابو داؤد (مشکوٰۃ شریف: ج/۲ ص/ ۲۶۹، حدیث/ ۳۱۱۰)

دوسرا عمل جس سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے وہ اسبال ازار یعنی ٹخنوں کے نیچے لنگی یا پائجامہ کا استعمال کرنا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک نقل فرماتے تھے۔ وہ یہ ہے۔ "**ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار**"۔ (بخاری شریف، کتاب الادب باب/ ۴ باب ما اسفل من الکعبین فھو فی النار، حدیث/ ۵۷۸۷)

تیسرا عمل داڑھی کی مقدار اور اس کے احکام کے سلسلہ میں وعظ فرماتے اور اس کی تشریح فرماتے جس سے بصیرت و معرفت ہوتی تھی، اور نفع ہوتا تھا۔ فجز اہم اللہ تعالیٰ

نیز مندرجہ ذیل وظیفۂ نبوی پر عمل کی خاص ہدایت فرماتے تھے۔ وہ یہ کہ صبح و شام تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص اور معوذتین (یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کو ضرور پڑھا کریں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ قال خرجنا فی لیلة مطر وظلمة شدیدة نطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فادرکناہ فقال قل قلت ما اقول قال "قل ھو اللہ احد والمعوذتین حین تصبح وحین تمسی ثلاث مراتٍ تکفیک من کل شیءٍ۔ (مشکوٰۃ شریف، فضائل القرآن:۱۸۸، حدیث/۲۱۶۳)

ترجمہ: عبداللہ بن خبیبؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم برسات کی سخت تاریک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے تو ہم نے آپ کو پالیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کہو'' میں نے کہا میں کیا کہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم صبح وشام تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص، سورۂ الفلق اور سورۂ الناس پڑھا کرو وہ ہر چیز کے لئے کافی ہوجائے گی۔ (یعنی ہر شر سے حفاظت رہے گی)

مجھے یاد ہے کہ حضرت حکیم صاحبؒ کے ساتھ ہم لوگ سفر میں تھے، مغرب کی نماز ایک باغ میں پڑھی گئی تو اعلان فرمایا کہ سب لوگ اس وظیفہ (یعنی مندرجہ بالا وظیفہ) کو پڑھ لیں۔

حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ بھی اس وظیفۂ نبوی کے پڑھنے کی تاکید وتلقین فرماتے تھے۔

آپ کے مکتوبات بنام ایں حقیر

(۱) باسمہ تعالیٰ

محترم جناب مولانا قمرالزمان صاحب زید فضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — مزاج گرامی!

آپ کے گرامی نامے ملتے رہتے ہیں، آپ کے رسائل اور تصانیف بھی موصول ہوتے رہتے ہیں، ماشاء اللہ تعالیٰ مفید خدمات کی سعادت سے نوازے جارہے ہیں۔ اللھم زد فزد و بارک فیه و تقبل اللہ تعالیٰ

آپ پر بزرگوں کی نظر خاص ہے جو عظیم الشان نعمت ہے۔

ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　بیاد آر حریفاں بادہ پیما را

طالب دعا محمد اختر عفہ عنہ

(۲)

مکرمی و محترمی جناب حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دامت فیوضہم وعمت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　مزاج گرامی!

آپ کا محبت نامہ باعث سرور ہوا، اور آپ کی ترقیات کی خبروں سے خاص کر گجرات کے علاقہ کے احباب کا آپ کی طرف رجوع یہ نعمت بھی نہایت باعث مسرت ہیں۔ اللھم زد فزد و بارک فیه

حق تعالیٰ شانہ مرکز محبت بنانے کے لئے گجرات کے اہل محبت کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین، اور شرف قبول عطا فرمائیں۔ آمین

طالب دعا جان شما

محمد اختر عفی عنہ

۱۱/ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ ۲۳/ مئی ۱۹۹۴ء

(۳)

مکرمی و محبی مولانا قمرالزمان صاحب زید لطفہ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

محبت نامہ نے قلب کو مسرور کیا۔ مولانا تقی الدین صاحب سے ''العین'' میں ملاقات ہوئی تھی۔ آپ کے دارالعلوم جدید کے لئے کلمات سفارشی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی تھی۔ احقر دل سے مشتاق اور متمنی ہے کہ اس زمین پر تعمیرات مکمل ہوکر حق تعالیٰ شانہ اس کو معرفت اور محبت الٰہیہ کا مخزن اور مرکز بنادیں۔ آمین

آپ کی محبت کا کرشمہ ہے جو اس ناکارہ کی گذارشات سے آپ حضرات محظوظ ہوتے ہیں ؎

از محبت دیو حورے می شود از محبت شیر موشے می شود

آپ کے ساتھ مجالس بیت المعارف کی یاد آتی ہیں، آپ کی عنایات بدون استحقاق آپ کے کریم ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید آپ کی عنایات اور دعاؤں سے احقر کو نوازش فرمائیں۔ آمین

سفر گجرات کی کامیابی سے مسرور ہوں، اللہ تعالیٰ آپ سے فیض عظیم جاری فرمائیں۔ آمین، مجھے اور آپ کو تمام مقاصد حسنہ میں بامراد فرمائیں آمین، مجلس بعد مغرب کی روز بروز کامیاب ہو۔

ف: اس مجلس کا افتتاح مولوی محبوب احمد سلمہ کے مکان کے شمالی کمرہ میں فرمایا تھا، جواب بھی الحمدللہ جاری وساری ہے۔ادامہا اللہ تعالیٰ (مرتب)

اس عبد حقیر کی صحت اور عمر میں برکت کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔

جزاکم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء

العارض محمد اختر عفی عنہ

۲۰/صفر المظفر ۱۴۱۴ھ

اب ہم علالت ووفات کے متعلق مکرم سید عشرت جمیل میر صاحب کے مرقوم مضامین سے مختصراً نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ یوں رقمطراز ہیں:

علالت ووفات: حکیم صاحب اکثر دعا فرماتے تھے کہ میری موت پیر کے دن ہو، یہ جذبۂ عشق رسول تھا اور سنت غیر اختیاری کی درخواست تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی پیر کے دن ہوئی تھی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کی مراد پوری فرمائی اور حضرت کا انتقال فالج کے مرض میں تیرہ سالہ طویل علالت کے بعد پیر ہی کے دن ۲۲/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۲/جون ۲۰۱۳ء بعد نماز مغرب ہوا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے جنازہ میں شرکت کے لئے مجمع کثیر حاضر ہوا، اور صبح ۹/بجے صاحبزادہ حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب نے رقت کے ساتھ درد بھری آواز میں نماز جنازہ پڑھائی، اور انہی کو حق بھی تھا۔فجزاہم اللہ تعالیٰ

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات کو ساعۃً فساعۃً بلند فرمائے

اورجنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطافرمائے۔آمین یارب العالمین۔

اب ہم اخیر میں چنداحادیث مبارکہ نقل کرتے ہیں تاکہ یہ مضمون کے لئے خیرختام ہو۔

(۱) اذامدح المومن فی وجھہ ربی الایمان فی قلبہ۔

(۲) خیار امتی من دعاالی اللہ وحبب عبادہ الیہ۔

ان دونوں حدیثوں کے متعلق عرض ہے کہ حضرت حکیم صاحبؒ کے پہلے سفرمیں جب پہلی حدیث پیش نظرہوئی توفرمایااس حدیث کواپنے ملک میں بطور تحفہ لے جارہاہوں۔اسی طرح دوسری حدیث کواس حقیر سے سناتو بہت مسرور ہوئے اورفرمایا اس حدیث کو اس سفرمیں بطور برکت اپنے ملک میں لے جارہاہوں۔

اب یہ تیسری حدیث وہ ہے جوحضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو بہت پسند تھی، برابرسنایا کرتے تھے بلکہ ایک مرتبہ مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی نے حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں نصیحت کے لئےلکھا تو اس حقیر سے اسی حدیث کونقل کرواکے ارسال خدمت فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے:

مالک بلغہ ان عیسیٰ بن مریم کان یقول لاتکثروا الکلام بغیر ذکراللہ فتقسوا قلوبکم فان القلب القاسی بعید من اللہ ولکن لاتعلمون۔ ولاتنظروافی ذنوب الناس کأنکم ارباب، انظروا فی ذنوبکم کأنکم عبید فانما الناس مبتلی ومعافی فارحموا اھل البلاء

واحمدوا اللہ علی العافیۃ۔ (جمع الفوائد: ج۲/ ص۲۷۸)

جمع الفوائد جلد ثانی کتاب الخوف والرقائق میں سے ایک حدیث نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا (دوسرے) کلام کی کثرت نہ کرو کیونکہ اس سے دل سخت ہوجاتے ہیں اور قلب قاسی اللہ تعالیٰ سے بڑی دور ہوجاتا ہے، لیکن (چونکہ یہ دوری ایک امر معنوی ہے اس لئے) تمہیں اس کا علم بھی نہ ہوگا۔

اور لوگوں کے گناہوں کو اس طرح نہ دیکھو گویا تم ہی رب ہو (یعنی اس طرح نظر نہ کرو جس کا منشاء کبر وتحقیر ہو) اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھو کہ گویا تم بندے خطاوار ہو (اور یہ) اس لئے کہ لوگ مبتلاء (معاصی بھی) ہیں اور اہل عافیت بھی (یعنی اہل طاعت وحفاظت بھی) پس تم کو چاہئے کہ اہل بلاء پر رحم کرو اور اپنی عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔

ف: اس حدیث میں اہل عصیان پر کبر کرنے کی ممانعت نکلی بلکہ ترحم کی فضیلت ثابت ہوئی، یہ خلق ہے حضرات انبیاء کرام کا، پس ان کے متبعین کو اس خلق سے انحراف کا کیا حق ہے۔ (وصیۃ الاخلاق:۶۹)

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ المتوفی ۱۴۳۴ھ

استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ

نام ونسب وولادت: مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ بن مولانا سید محمد الحسنی مرحوم ۲۷؍رجب المرجب ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۹؍جنوری ۱۹۵۷ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (برادر اکبر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) دادا اور مولانا ڈاکٹر سید حسن مثنی حسنی نانا تھے۔ آپ دادا سے بہت مانوس تھے، چار سال تک ان کی شفقت میں رہے۔ آپ نے بیعت وارادت کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے قائم کیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تربیت حاصل کی اور رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ میں ان سے خلافت حاصل ہوئی۔ ایک موقع پر مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا کہ عبداللہ کو ہم نے اجازت دی ہے اور وہ اس کے اہل ہیں۔ پھر حضرت مولانا کے حکم پر ایک علاقہ میں کچھ لوگوں کو بیعت کیا اور اسی سال حج کی سعادت حاصل کی۔ حرم شریف میں بھی بہت سے خواہش مند حضرات بیعت کے ذریعہ سلسلہ میں داخل ہوئے۔

تدریس: تدریس کا سلسلہ ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شروع کیا، اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی وفات کے بعد دعوت وارشاد اور مردان کار کی تربیت پیام انسانیت کی تحریک میں پوری قوت صرف کی۔ آپ کے ہاتھ پر بے

شمار غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ لکھنؤ میں واقع رہائش گاہ خاتون منزل میں بعد نماز عصر مجلس کا معمول تھا، جس میں اہل اللہ کی سیر وسوانح اور ملفوظات وارشادات کی تعلیم دی جاتی تھی، جس سے لوگوں کو بہت نفع ہوتا تھا۔ آپ کو ہر وقت امت کی اصلاح کی فکر رہتی تھی، جس بناء پر اخیر میں باوجود شدید بیماری کے دعوتی دورے جاری رکھے۔

آپ کے چند ملفوظات وارشادات

۱:۔ فرماتے تھے کہ ہمارے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں: مخلص کا سفینہ ڈوبتے ڈوبتے بھی پار لگ جاتا ہے اور غیر مخلص کا سفینہ پار لگتے لگتے بھی ڈوب جاتا ہے۔

۲:۔ فرماتے تھے کہ صحبت صالحین ضروری ہے جو شخص اہل اللہ کی صحبت اختیار نہیں کرتا چاہے وہ بڑے بزرگ ہی کیوں نہ ہوں شیطان ان کو اوپر لے جا کر چھوڑ دیتا ہے اور وہ اوپر سے نیچے گرتے ہیں اور چور چور ہوجاتے ہیں۔

۳:۔ فرماتے تھے کہ بطن کا باطن سے بڑا تعلق ہوتا ہے، پیٹ میں اگر حرام لقمہ جائے گا تو دل بری عادتوں کی طرف مائل ہوگا اور حلال لقمہ جائے گا تو باطن اچھا ہوگا، اور نیک کاموں کی طرف مائل ہوگا۔

۴:۔ فرماتے تھے کہ جو اپنے بڑوں کے ساتھ رہے گا اس کو اپنی کم علمی اور چھوٹے پن کا احساس ہوگا اور اپنی کمی دور کرنے کی کوشش کرے گا، اور جو اپنے چھوٹوں کے ساتھ رہے گا وہ تکبر میں مبتلا ہوگا اور جو اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ رہے گا وہ لاابالی پن میں مبتلا ہوگا۔

ف: بالکل صحیح بات ہے۔(مرتب)

۵:۔ فرماتے تھے کہ ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس لئے دور ہوگئے ہیں کہ ہم میں صفت احسان باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’’اِنَّ رَحۡمَةَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔

وفات: ۳۰؍جنوری ۲۰۱۳ء مطابق ۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ کو سحر نرسنگ ہوم میں وفات پائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور تکیہ کلاں رائے بریلی میں حضرت شاہ علم اللہ حسنی صاحبؒ کے بیٹے مولانا سید محمد ہدیٰ صاحبؒ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

آپ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب مدظلہ کے خویش بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی وفات سے مولانا کو کس قدر رنج ہوا ہوگا۔اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو صبر وسکون سے نوازے۔آمین

اپنی سعادت: ماشاءاللہ آنعزیز سے اخیر تک خاص تعلق رہا۔ والد محترم سید محمد حسنیؒ سے بھی خصوصی ربط وتعلق رہا۔ان کی سوانح کے متعلق بار بار عزیزم مولانا محمد عبداللہ حسنی سے عرض کیا انھوں نے نہایت جامع مضمون لکھا جو پہلے اقوال سلف میں درج ہو چکا ہے۔

خصوصی تعلق کی بناء پر آپ نے ہمارے داماد فہیم خان (زوج صدیقہ خاتون) خرم نگر لکھنؤ کے مکان کی بنیاد رکھی، جس سے اس حقیر کو غایت درجہ خوشی ہوئی۔فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

ماشاءاللہ آپ نے جو پیام انسانیت کی تحریک انتہائی جدوجہد سے شروع کی تھی اس کو آپ کے بھائی سید بلال صاحب سلمہ بخوبی انجام دے رہے ہیں اور کامیاب بھی ہیں۔ اللھم زدفزد۔

خوشی کی بات ہے کہ ماشاءاللہ خاندان نبوت کے چشم و چراغ مولانا سید حمزہ حسنی ابن حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ دوسرے مولانا محمود حسن حسنی ابن سید حسن حسنیؒ نواسہ حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کی خدمت میں رہتے ہیں اور تحریری کام انجام دیتے ہیں۔

جزاہم اللہ احسن الجزاء

حضرت مولانا ابوالحسن علی ؎۱ صاحب گڈاویؒ بہار المتوفی سنہ ۱۴۳۴ھ

(شیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات)

ولادت وابتدائی حالات: آپ کی ولادت سرمد پور گاؤں (ضلع گڈا صوبہ جھارکھنڈ) میں ۲۷/رمضان سنہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۰/مارچ سنہ ۱۹۲۹ء میں ہوئی تھی، آپ شفقت وسایۂ مادری وپدری سے بچپن ہی میں محروم ہوچکے تھے۔

ابتدائی تعلیم: اولاً آپ سمریا گاؤں جہاں مدرسہ محمودیہ قائم تھا وہاں کے صدر مدرس سے تعلق پیدا کیا اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

حصول علم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں: سمریا میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہاں کے صدر مدرس صاحب نے آپ کو دارالعلوم دیوبند بھیج دیا، اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے نام ایک خط لکھا جس میں اس طالب علم کی حالت، صلاحیت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ پر خصوصی توجہ کی سفارش کی گئی تھی، اور حضرت شیخ الادب والفقہ نے اس سفارش کو قبول کرتے ہوئے خصوصی توجہ بھی دی۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ،

؎۱ عزیزم مولانا اقبال محمد ٹنکاروی مہتمم دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات نے آپ کے حالات وعلمی کمالات کو مرتب کیا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

حضرت مولانا محمد حسن صاحبؒ ،حضرت مولانا فخرالحسن صاحبؒ، حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحبؒ، علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ وغیرہم ہیں۔آپ کی محنت کا عالم یہ تھا کہ بعض کتابیں پڑھانے کے لئے بعض اساتذہ قلت وقت کی وجہ سے فارغ نہ تھے تو ان سے بوقت تہجد کتابیں پڑھیں، حضرت شیخ الادب سے آپ کو لگاؤ اور حضرت شیخ الادب کی آپ سے محبت کا یہ حال تھا کہ حضرت مولانا اعزازعلی صاحبؒ پڑھانے کے لئے درسگاہ جاتے تو درمیان میں ''احاطہ باغ'' اپنے اس محبوب شاگرد کے کمرہ میں تشریف لاتے، پھر درسگاہ کی طرف قدم رنجائی ہوتی، یہ شاگرد بھی استاد کے انتقال کے بعد ان کی ۲/نرینہ اولاد قاری احمد میاں اور حامد میاں کو نقد عطیہ ارسال فرماتے رہتے تھے۔

زمانۂ طالب علمی میں اپنے خرچ کے لئے کبھی اہل خانہ کو تکلیف نہ دی،خود ٹوپی بنانے کا کام کرتے تھے اور اسی کی آمدنی سے اپنا گذران چلاتے تھے۔

آپ کی گجرات آمد: ۱۹۵۲ء میں فراغت کے بعد اپنے محبوب استاذ حضرت مولانا اعزازعلی صاحبؒ کے ایماء پر چھاپی تشریف لائے،آپ ایک مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، دارالعلوم چھاپی میں اس وقت کے ذمہ دار حضرت مولانا عبدالرحمٰن پالن پوری صاحب تھے، یہاں آپ نے تقریباً ۱۸/سال مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، مشکوٰۃ شریف اور ابوداؤد شریف جیسی حدیث کی کتابیں بھی آپ سے متعلق رہیں۔

اس کے بعد دارالعلوم ماٹلی والا کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا

عبدالغفور صاحب نقشبندیؒ کی سعی ومحنت کے نتیجہ میں آپ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم ماٹلی والا میں تشریف لائے، پہلے سال مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف اور ہدایہ جیسی کتابیں پڑھائیں، دوسرے سال شوال ۱۳۹۳ھ میں درجۂ عربی ہفتم کا آغاز ہوا، ابتدائی وافتتاحی مجلس میں حضرت مولانا عبدالحنان صاحب سیتامڑھیؒ (بہار) نے موقع کی مناسبت سے وعظ فرمایا، اس کے بعد شیخ الحدیث صاحبؒ نے درس کا آغاز کیا، بعدہ ۴۰ رسال تک آپ اس مسند مشیخت پر رونق افروز رہے۔

درس وتدریس کا انداز: آپ کو حدیث، تفسیر، فقہ اور عربی ادب میں کافی مہارت وتجربہ تھا، لیکن حدیث سے آپ کو خاص قلبی تعلق تھا، صبح میں ڈیڑھ گھنٹہ اور محرم تا شعبان مغرب سے عشاء تک پابندی سے سبق حدیث بلاناغہ پڑھانے کے عادی تھے، درمیانی اونچی آواز سے اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھاتے تھے کہ لکھنے والا طالب علم آسانی سے آپ کی درسی تقریر لکھ سکتا تھا، حدیث کے تمام متعلقات پر کلام فرماتے، کسی کا قول نقل کرتے تو وکالت کرتے، تعصب نہ برتتے تھے، مشکل مقامات پر تمہیدی گفتگو کے بعد وضاحت سے روشنی ڈالتے۔

اخلاق وعادات حسنہ: آپ اور مولانا عبدالحنان صاحبؒ دونوں بزرگوں کا حال یہ تھا کہ اذان سے پہلے ہی مسجد میں تشریف لے آتے اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوجاتے، تہجد کے بھی پابند تھے، اذان ہونے پر سنتوں میں مشغول ہوجاتے، پھر اقامت تک تلاوت میں مشغول رہتے اور تکبیر اولیٰ کا اہتمام فرماتے، زندگی کے آخری سالوں میں کمزوری کے باوجود بھی تکبیر اولیٰ کا

اہتمام اور نماز بحالت قیام ادا فرماتے۔

طریقت وتصوف میں آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بیعت تھے، رمضان المبارک میں سہارنپور خانقاہ میں حاضری ہوا کرتی تھی۔استاذ محترم حضرت مدنیؒ سے قلبی محبت ولگاؤ ہونے کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند اور اس کی تحریکات سے خصوصی ربط وتعلق تھا، اسی لئے تادم حیات جمعیت کے ہر کام وتحریک میں شرکت کی۔

دوران سال کبھی حالات وتقاضوں کے مطابق کسی خاص یا عام موضوع پر انجمنوں کے تحت اجلاس ہوتے تو موقع وحالات کے مطابق خاص انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے اور اس موضوع سے متعلق ابحاث پر گفتگو کرتے ہوئے نتائج بیان فرماتے۔

آپ کے علمی ذوق کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ کئی ایک اساتذہ ایسے ہیں جو کوئی فقہی مقالہ یا فتویٰ آپ کے سامنے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے تو آپ اس کو خوب غور سے پڑھتے، حوالہ جات بھی برابر دیکھتے، اس کے بعد جو مقام محلِ نظر ہوتا وہاں خوب علمی بحث کرتے اور ضروری مباحث یا حوالہ جات کی طرف بھی متوجہ کرتے، اخیر میں ہمت افزائی کرتے ہوئے دعاؤں سے نوازتے۔

قصہ مختصر یہ کہ آپ خلوص وللّٰہیت، جدوجہد، خدمت کے لئے مستعد، ہر دل عزیز، مہمان نواز، خدمت کے لئے ہر وقت پابرکاب، بہت خوبیوں اور امتیازات کے مالک تھے۔

باوجود ضعف قیام کا اہتمام: آخری سالوں میں بھی نحیف وناتواں ہونے

کے باوجود پوری تراویح بھی قیام ہی کی حالت میں پڑھی، یہ ہمارے لئے خصوصاً نوجوانوں کے لئے قابل رشک ہے۔ رمضان میں اعتکاف بھی فرماتے تھے، اس وقت قرآن کی تلاوت میں بھی اضافہ ہوجاتا تھا، تلاوت کی کثرت کی وجہ سے قرآن مجید کا کافی حصہ انہیں یاد ہوگیا تھا، اسی طرح نفل روزوں کا بھی خاص اہتمام تھا۔

وفات: ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۲۰۱۳ء صبح فجر کے بعد پھر کچھ آرام کیا، ظہرانہ تناول کیا، بطریق سنت قیلولہ کیا، ظہر کے لئے خود ہی وضو کیا، نماز پڑھی اور چارپائی پر آرام کے لئے پہنچے لیکن سوتے ہی حالت میں تبدیلی محسوس ہوئی، آخری حالت تھی، اللہم اللہم کی آواز آرہی تھی، اور تھوڑی دیر میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ **اللهم اغفرله وارحمه واسكنه في الجنة۔**

اپنی سعادت: ماشاءاللہ اس حقیر کے ساتھ بہت شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ میں جب اس حقیر کا وعظ ہوتا تو بالکل سامنے بیٹھتے اور بہت متأثر ہوتے تھے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیه من یشاء**

اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں داخل فرمائے۔ آمین (محمد قمرالزمان)

حضرت مولانا شیر علی صاحب افغانی قندھاریؒ المتوفی ۱۴۳۶ھ

استاذ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات

نام ونسب وولادت: آپ کا نام شیر علی ملا پیر شاہ اخوند بن عمر ہے۔آپ قندھار (افغانستان) کے اصل باشندہ تھے،آپ کی پیدائش ۱۹۲۵ء مطابق ۴۴/۱۳۴۳ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ناظرہ قرآن کریم اور وضو،نماز وغیرہ کے مسائل اپنے والد ماجد سے پڑھے۔آپ کی ابتدائی تعلیم (نحو،صرف اور فقہ) قندھار ہی میں ہوئی۔

آپ نے اکیس سال کی عمر میں طلب علم کے شوق میں ہندوستان کا سفر کیا۔آپ ۱۹۴۶ء میں ہندوستان تشریف لائے ، دوران سفر وقیام ہندوستان میں آپ نے بہت زیادہ تکالیف برداشت فرمائیں ۔آپ کا ابتدائی قیام دہلی اور بانس بریلی میں رہا،لیکن وہاں اس جویائے علم کی خاطر خواہ تسلی وتشفی نہ ہوسکی تو اس نے اپنا رخت سفر از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کیلئے باندھا اور وہاں چھ سال قیام فرما کر تکمیل فنون، افتاء، دورہ تفسیر وحدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ نے دورۂ حدیث شریف ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں پڑھا۔

تعلیم وتدریس: آپ نے فراغت کے بعد با قاعدہ تعلیم وتدریس کا آغاز

مرقومہ: عزیزم قاری ناظر حسین سلمہ استاذ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات۔

منبع العلوم ،گلاؤٹھی ضلع بلند شہر سے کیا۔ پھر حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ سابق مہتمم دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کی پراصرار دعوت پر دارالعلوم فلاح دارین تشریف لے گئے اور وہیں کے ہوکے رہ گئے ۔ ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۰/فروری ۱۹۶۹ء کا وہ یوم سعید تھا جس دن آپ ترکیسر کی سر زمین پر قدم رنجہ ہوئے اور ۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۴/ستمبر ۲۰۱۵ء جمعہ المبارک کا وہ مسعود ومیمون دن تھا جس میں آپ نے داعی اجل کولبیک کہا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اخلاق وعادات : آپ نہایت سادہ مزاج،سادگی پسند، جفاکش اورمرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے، ظاہری شان وشوکت اور تکلفات سے کوسوں دور تھے، انتہائی خلیق اور خاکسار وملنسار تھے۔ پختہ علم اور فقہی بصیرت کے حامل اور جزئیات فقہیہ کے حافظ تھے،عوام وخواص دونوں میں یکساں مقبول ومحترم تھے نہایت بہادر ودلیر اورعلی الاعلان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خوگر تھے۔ آپ صف اول کے پابند اوراتباع سنت کے دلدادہ تھے۔نماز نہایت اطمینان اورخشوع وخضوع سے ادافرماتے تھے۔

آپؒ کی سب سے زیادہ نمایاں صفت ایک کامیاب مدرس ہوناتھی۔آپ اوقات درس کے نہایت پابند تھے مدرسہ کی جائز رخصت بھی حتی الوسع استعمال نہ فرماتے ، وقت سے پہلے درس گاہ میں تشریف لاتے ۔افہام وتفہیم کا بہترین ملکہ آپ کومنجانب اللہ عطا ہوا تھا۔مشکل ترین مباحث کو بہت آسانی کے ساتھ ذہن نشین کرادیتے تھے۔

اجازت وخلافت: آپ نے اخیر عمر میں اپنا اصلاحی تعلق حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ (ہردوئی) سے قائم فرمایا تھا اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے تھے، باوجود پیرانہ سالی کے پابندی سے حضرت والاؒ کی خدمت میں ہردوئی حاضر ہوتے تھے، حضرت والاؒ آپ کا بہت احترام فرماتے تھے اور شیخ الحدیث کے لقب سے خطاب فرماتے تھے۔

وفات: مؤرخہ ۹/ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۴/ستمبر ۲۰۱۵ء شب جمعہ تقریباً ۴/بجے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور بعد نماز جمعہ ایک جم غفیر نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور ترکیسر کے مشہور قبرستان میں اس آفتاب علم وعمل کو سپرد خاک کیا گیا۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فی الجنة۔**

سعادت: اس حقیر سے غایت درجہ محبت فرماتے تھے اور حسن ظن رکھتے تھے۔ مجلس وعظ میں ضرور شرکت فرماتے تھے اور خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

حضرت مولانا اسماعیل صاحب[۱] منوبریؒ گجرات المتوفی ۱۴۳۶ھ

مہتمم دارالعلوم عربیہ اسلامیہ محمودنگر، کنتھاریہ بھروچ گجرات

نام وولادت: نام اسماعیل بن احمد بن عبداللہ بن عمر جی ہے۔آپ کی ولادت ۱۱/ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ، مطابق ۲۷/ستمبر ۱۹۲۸ء منوبر، ضلع بھروچ، گجرات میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: مکتب کی تعلیم منوبر میں ہوئی، اور حفظ کی تعلیم کنتھاریہ میں ہوئی۔ اور درس نظامی کے لئے جامعہ حسینیہ راندیر میں ۱۹۴۵ء میں داخلہ لیا، ۱۹۵۱ء میں سند فضیلت حاصل فرمائی۔

خدمت دین: بعد فراغت آپؒ اپنے گاؤں کے مکتب میں خدمت دین میں بڑی جانفشانی سے مصروف رہے، نیز ان دنوں ضلع بھروچ میں بدعت کا دوردورہ تھا جس کی اصلاح کے لیے حضرتؒ بڑی جدوجہد کے ساتھ سعیٔ پیہم فرماتے رہے، حتی کہ پورے علاقے کو شرک و بدعت کی مذمت سے باخبر کرنے، سنت نبوی کی محبت پیدا کرنے اور لوگوں کو سنت پر عمل پیرا کرنے کے لیے آپؒ نے لوگوں کی گالیاں سنیں، پتھر کھائے؛ لیکن حضرتؒ کے عزم وارادے میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کوئی کمی اور لڑکھڑاہٹ کا اثر ظاہر نہیں ہوا، بلکہ آپؒ کی اس محنت و جانفشانی میں روزافزوں ترقی ہوتی رہی۔

---

[۱] مرقومہ: عزیزم مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی زید مجدہ مہتمم دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات

۱۹۷۱ء میں یو- کے (برطانیہ) تشریف لے گئے اور بلیک برن کی مسجد توحید الاسلام میں امامت اور درجۂ حفظ کی خدمت انجام دیتے رہے اور لوگوں میں دینی بیداری پیدا فرماتے رہے۔

دارالعلوم کنتھاریہ کے مہتمم اول اور آپؒ کے برادر بزرگ حضرت مولانا آدم صاحب منوبریؒ کی ۱۹۷۷ء مطابق ۱۳۹۷ھ میں وفات کے بعد دارالعلوم کے اہتمام کے منصب جلیل پر آپؒ کو نامزد کیا گیا، تو موصوفؒ ۱۹۷۹ء میں برطانیہ سے واپس ہندوستان کنتھاریہ تشریف لائے اور دارالعلوم کے نظم و نسق کوسنبھالا اور اسے بام عروج تک پہنچایا۔

اس وقت دارالعلوم میں تقریباً تین سو طلبۂ کرام زیر تعلیم تھے اور آج الحمدللہ تقریباً دو ہزار چار سو طلبۂ کرام زیر تعلیم ہیں۔اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے اوران کودین کی اشاعت کی توفیق دے۔آمین

اوصاف حمیدہ: خالق اضداد و مالک ارض و سماء نے آپؒ کو بہت سے اوصاف حمیدہ سے متصف وآراستہ فرمایا تھا،جن میں سے چند یہ ہیں:

عقیدۂ توحید میں بہت ہی پختہ اوراس کی اشاعت کی غیر معمولی فکر ولگن، آپؒ کی مجالس غیبت سے بہت پاک، وقت کی قدردانی، توکل، جود وسخا، قرآن کریم سے گہری وابستگی، چھوٹوں اور بڑوں سب کا اکرام واعزاز، ہمدردی، ایفائے عہد، طلبہ پر شفقت ومحبت میں اپنی مثال آپ تھے، وقف کے مال میں غایت درجہ احتیاط فرماتے، جوآج کل عنقاء ہوتی جارہی ہے، ۳۶/سالہ طویل عرصے تک رضاکارانہ خدمت اس طور پر انجام دی کہ دارالعلوم کے مال

میں سے ایک روپیہ کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا، حتی کہ ادارے میں اگر کوئی صاحب، حضرتؒ کے پاس عطیہ لے کر حاضر ہوتے تو آپ ان روپیوں کو بھی ہاتھ نہ لگاتے اور کسی خادم کے ذریعہ انہیں دفترِ محاسبی میں بھیج دیتے۔

شہرت و نام وری سے بیزاری، دیگر جامعات، مدارس عربیہ اور مکاتب قرآنیہ سے گہری وابستگی، طالبان علوم نبوت سے صلبی اولاد کی طرح محبت فرماتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی مکمل فکر فرماتے، کسی ادارے کے ذمہ دار سے نظریاتی اختلاف کے باوجود اس ادارے اور اس شخص کے احترام واکرام میں ذرہ برابر کمی نہ فرماتے، یہ آپ کی وسعت ظرفی کی علامت ہے۔

کثر اللہ امثالھم۔

مولانا اسماعیل صاحب منوبریؒ کے اوصاف حمیدہ میں سے جو وصف ان کی لوگوں میں مقبولیت عامہ، ہر دل عزیزی اور عظمت اور عقیدت کا راز ہے وہ ان کا خلوص اور للّٰہیت ہے، آپؒ إن أجرِيَ إلّا عَلَى اللهِ کی عملی تصویر تھے اور إیماناًوإحتساباً امور کی انجام دہی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ اخلاص کی بابت معلومات جمع کرنا اور ان کو جاننا اور اس کے فضائل اور افادیت سے واقف ہونا یہ تو بہت آسان ہے مگر عملی طور پر اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مقام پر پہنچنا آسان نہیں، یہ مقام نبوت کا پَرتَو ہے۔

مولانا کی توحید، توکل اور اعتماد علی اللہ کی صفت اتنی مضبوط تھی کہ اللہ تعالی کی ذات وصفات اور عبادت واستعانت میں ذرہ برابر کا شرک بھی ناقابل برداشت تھا، عمر کے آخری حصے میں باوجود علیل و بیمار اور کمزور ہونے کے گاؤں

گاؤں جا کر توحید اور صحیح عقائد کی کتابیں خود لکھ کر پہنچاتے رہے۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی سراپا نصیحت اور دوسروں کی خیر خواہی سے لبریز تھی اور دور دور تک تعصب تو کیا، تعصب کی بو تک نہیں آتی تھی۔ اتنا بڑا ادارہ لے کر چلتے تھے مگر کبھی بھی تھوڑی دیر کے لیے بھی دوسروں کے مقابلے میں اپنے کام اور ادارہ پر فخر نہ فرماتے۔

عفوو درگذر کا وصف انسانی کمالات میں بہت بڑا کمال ہے۔ حضرت مولانا اسماعیلؒ میں یہ وصف اس حد تک پایا جاتا تھا کہ عفوو درگذر کی صفت ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، چنانچہ ان کے ۳۶ / سالہ دور اہتمام میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ لغزش کرنے والے نے معافی مانگی ہو اور مولاناؒ نے اسے معاف نہ کیا ہو۔

سفر وحضر میں ہمیشہ رجوع الی اللہ کی عادت رہی، دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے اپنی تمام حاجات مانگا کرتے تھے، طلبۂ عزیز وعلمائے دین کے بہت زیادہ قدردان تھے، راستہ میں کہیں بھی طالب علم ملتے سلام میں پہل فرماتے، خیر خبر پوچھتے، پوری توجہ کے ساتھ طلبۂ عزیز کی بات سنتے ان کی ضروریات پوری فرماتے، بڑی شفقت ومہربانی سے پیش آتے۔

خاص ملفوظ: پاکستان کے کسی بڑے عالم نے عصری علوم کی فضلیت میں نصوص شرعیہ بیان کیں، تو حضرت نے کہا کہ اب تک تو ٹہنیاں بگڑی ہوئی تھیں، اب تو تنہ بھی بگڑ گیا، مراد علماء بگڑ گئے اور فرمایا کہ نصوص شرعیہ میں جتنی بھی فضیلتیں ہیں وہ سب علوم دینیہ کے لیے ہیں نہ کہ علوم عصریہ کے لیے۔

اوصاف حمیدہ: حضرت مولانا منوبریؒ کی کتاب زندگی کا ہر باب، حیات نو کا پیام، ہر فصل جہد مسلسل سے عبارت، ورق ورق درس محبت واخوت سے معمور اور سطر سطر یقین محکم اور ایمان وآگہی سے لبریز ہے۔ ''خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ'' کے تحت لوگوں کے کام آنا آپ کا شعار زندگی تھا، تو ''اَلسَّاعِيْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ'' کے تحت ارامل ومساکین کی حاجت براری آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ ''اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ'' کے تقاضے کے خاطر یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا آپ کو بہت پسند تھا تو ''مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا ...الخ'' کے خاطر دکھ درد کے ماروں کو ڈھارس بندھانا آپ کے درد آشنا دل کو تسکین فراہم کرتا تھا، وحی کی پہلی بول ''إقرأ'' نے آپ کو شمع علم کا پروانہ اور اشاعت علم کا مستانہ بنادیا تھا تو ''باسم ربك الذی خلق'' کی بامعنی شرط وقید نے دینی تعلیم کی ترویج و توسیع کا عاشق وشیفتہ، ''إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا'' کے نبوی اعلان نے آپ کو معلمین کی صف میں لا کھڑا کیا تھا تو ''إِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ'' نے آپ کو اخلاق فاضلہ کا پیکر اور صفات حمیدہ کا خوگر بنادیا تھا، ''اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ'' کے فرمان نبوی نے آپ کو رحمت وشفقت کا دلدادہ بنادیا تھا تو ''صِلُوْا بِالْاَرْحَامِ'' کے نبوی ارشاد نے آپ کو صلہ رحمی کا گرویدہ بنادیا تھا، ''بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً'' کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے قریہ قریہ الفاظ قرآنیہ کی تعلیم کے مراکز یعنی جامعات اسلامیہ قائم کرنا آپ کے لیے حاصل حیات تھا، تزکیہ کے مراکز خانقاہیں زندہ کر کے عقیدۂ حقہ کی حفاظت کا سامان کرنا آپ کو

بہت پسند تھا، تو بنات کے علمی ادارے قائم کر کے نئی نسل کو تعلیم یافتہ گود میں پروان چڑھانا آپ کے دینی پروگرام کا اہم حصہ تھا۔

خانقاہی نظام[1]**:** مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالعلوم محمود نگر کنتھاریہ بھروچ گجرات کے مہتمم مولانا اسماعیل صاحب منوبریؒ خانقاہ کے نظام میں بنفس نفیس شریک ہوتے اور افطار وسحری کے انتظامات کی نگرانی فرماتے تھے۔ اگر نظام میں کوئی خلل محسوس کرتے تو اس کی اصلاح فرماتے تھے۔ ماشاءاللہ آپ جب خانقاہ میں لوگوں کو تلاوت، ذکر وفکر اور صوم وصلوٰۃ میں مشغول دیکھتے تو خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ نیز خانقاہ میں آنے والے حضرات کی راحت وسہولت کی بہت فکر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحبؒ کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

خانقاہ کی ابتداء حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروفیؒ کے ذریعہ سنہ ۱۴۰۸ھ میں ہوئی، پھر حضرت مولانا معین الدین صاحب کی نگرانی میں یہ سلسلہ

انتباہ: ابتداءً یہ اہم اجتماع اعتکاف کے نام سے موسوم تھا لیکن جب اس حقیر نے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ کا یہ واقعہ سنا کہ حضرتؒ کی خدمت میں کوئی شخص ملاقات کے لئے آئے اور روانگی کے وقت حضرت نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ تو انھوں نے کہا فلاں جگہ اعتکاف کے لئے جارہا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا اعتکاف تو اپنی مسجد میں بھی ہوسکتا ہے، ہاں تزکیۂ نفس اور اصلاح کے لئے سفر کی گنجائش ہے۔

اس واقعہ کے سننے کے بعد اس حقیر کے دل میں خیال ہوا کہ اس اجتماع کو اعتکاف کے بجائے خانقاہ کا نام دیا جائے، کیونکہ خانقاہ میں تزکیۂ نفوس اور اصلاح وتربیت کا ہی کام ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ نظام خانقاہ سے مشہور ومعروف ہوگیا۔

جاری رہا۔ پھر حضرت مولانا اسماعیل صاحب منوبریؒ نے ۱۴۱۲ھ میں اس حقیر کو رمضان کی خانقاہ چلانے کی دعوت دی۔ آپ کے اصرار کی وجہ سے احقر نے دعوت قبول کرلیا، اور ہر سال خانقاہ میں شرکت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

مگر جب حضرت مہتمم صاحبؒ کی ۱۴۳۶ھ میں وفات ہوگئی تو آپ کے بڑے صاحبزادے خالد بھائی دارالعلوم کے اہتمام پر فائز ہوئے ویسے ہی خانقاہ کے نظام کی ذمہ داری کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ چنانچہ انتہائی حسن وخوبی کے ساتھ خانقاہ کا نظم وانتظام جاری رکھا اور محترم حافظ داؤد صاحب نے خانقاہ کے انتظام میں خاص طور سے حصہ لیا اور مکرم خالد بھائی کے معاون رہے اور ہم خانقاہیوں کی راحت کا پورا پورا خیال رکھا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

رفقائے سفر: احقر انتیس سال یعنی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء سے ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء تک خانقاہ میں مسلسل حاضر ہوتا رہا۔ ماشاءاللہ عزیزم مولوی محمد عبیداللہ سلمہ کی معیت میں اول رمضان المبارک میں سفر ہوتا رہا، پھر رمضان کے اخیر دنوں میں عزیزم مولوی محمد عبداللہ سلمہ اور مولوی مقصود احمد سلمہ خانقاہ آجاتے۔ عید کے بعد جب ہماری وطن واپسی ہوتی اس اثناء میں اطراف کے بہت سے گاؤں اور شہروں کا سفر ہوتا۔ ماشاءاللہؒ خانقاہ کی مجلسوں میں مقامی واطراف کے بہت سے علماء شریک ہوتے، اور متأثر ہوتے تھے۔

اب ہم نمونہ کے طور پر ایک دعوت نامہ درج کرتے ہیں جو رمضان المبارک میں نظام خانقاہ کے لئے مہتمم صاحب ارسال کرتے تھے۔

دعوت نامہ

دارالعلوم عربیہ اسلامیہ محمودنگر کنتھاریہ بھروچ گجرات

محترم المقام، ذوالعزوالشرف، پیر طریقت، مرشدی ومربی حضرت اقدس مولانا محمد قمرالزمان صاحب زیدمجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آں محترم اپنے جملہ متعلقین کے ساتھ خیروعافیت سے ہوں گے۔

الحمدللہ آپ بزرگوار کی دعاؤں اور خصوصی توجہات سے ہم سبھی کارکنان بخیروعافیت ہیں اور اب دارالعلوم کا تعلیمی سال بھی جلد پورا ہونے والا ہے۔ عرض یہ ہے کہ حسب دستور امسال بھی عنقریب آنے والے رمضان المبارک میں دارالعلوم کی خانقاہ کے لئے آں مخدوم کو بصد خلوص دعوت پیش کررہے ہیں۔

خانقاہی نظام سے متعلق آں موصوف اپنے سرپرستی اور سربراہی میں جو بھی نظام طے فرمائیں گے وہ ہمیں قبول اور منظور ہوگا۔ ان شاءاللہ۔

امید ہے کہ ہماری اس حقیر دعوت کو شرفِ قبول عطا فرما کر تشریف آوری کے نظام سے آگاہ فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے، عین کرم ہوگا۔

ہم سبھی محترمہ خالہ اماں کی علالت کی خبر سے مغمومِ خاطر ہیں، رب کریم وقدیر کی بارگاہ میں صحت وتندرستی اور عافیت کے لئے دعا گو ہیں۔ باری تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے شفائے عاجلہ، دائمہ، مستمرہ عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین!

نیز آں مخدوم کے بڑے صاحبزادہ محترم مولانا مقبول احمد صاحب مدظلہ

کی بھی علالت کی خبر ہے اور شدتِ مرض کی وجہ سے ان دنوں ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ موصوف کی بیماری وتکلیفوں سے ہم سبھی دکھی ہیں اور مسلسل خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں۔ نیز دعا گو ہیں کہ باری تعالیٰ صحت، عافیت اور شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

اخیر میں [1] ادارہ کے لئے اور ہم سب کے لئے جملہ امور میں خیر وعافیت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ والسلام مع الاحترام

خالد بن مولانا اسماعیل منوبری

خادم: دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کنتھاریہ بھروچ

۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ

۲۸/ مارچ ۲۰۱۶ء

اکھر: الحمدللہ خانقاہ کنتھاریہ کی برکت سے دوسری متعدد خانقاہوں کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں ایک **اکھر** کی خانقاہ ہے، جس میں عزیزم مولوی محبوب احمد سلمہ نے اصول خانقاہ کے مطابق طریق کی اشاعت کی۔

سانسرود: پہلے یہاں مولانا آدم صاحب پھر مولانا عبدالرحیم صاحب نظام خانقاہ سنبھالتے تھے اب ان کے بھائی مولانا عمران صاحب خانقاہ کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں۔

مانگرول: جس کو مولانا مفتی آدم صاحب پالنپوری نہایت ضبط واصول سے چلاتے ہیں۔

---

[1] اس سے پہلے مہتمم حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب کی طرف سے دعوت نامہ آتا تھا۔ (قمرالزمان)

گلبرگہ: جس کو اخیر عشرہ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب برادر خورد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ بحسن وخوبی چلا رہے ہیں۔

مکرانی اکل کوا: جس کو مولانا شیر محمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ زکریا جوگواڑ بحسن وخوبی چلا رہے ہیں۔

وفات: ۱۶ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰ر نومبر ۲۰۱۴ء میں آپ کی وفات ہوئی اور اپنے آبائی گاؤں منوبر میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

مکرم محمود خاں صاحب رائے بریلویؒ المتوفی ۱۴۳۶ھ

(ازخودنوشت سوانح حیات)

نام ونسب وتعلیم: میرانام محمود خاں اور میرے والد بزرگوار کا اسم مبارک عبدالعزیز خاں تھا۔ اسکولی اعتبار سے میری تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۲۰ء ہے جوشاید میری صحیح عمر سے دوڈھائی سال پسماندہ معلوم ہوتی ہے۔ میرا وطن اور جائے پیدائش محلہ سید راجع، شہر رائے بریلی ہے۔ میرا الہ آباد میں قیام ۱۹۴۶ء سے اب تک محلہ احمد گنج میں ہے اور میں الہ آباد کو بمنزل وطن سمجھتا ہوں کیونکہ رہائش کے اعتبار سے اسے رائے بریلی پر سبقت حاصل ہے۔ اہلیہ کے انتقال کے بعد سے اب میں زیادہ تر رائے بریلی میں رہنے لگا ہوں جہاں میرے تمام اعزہ نیز اپنا خس وخاشاک کا جھونپڑا اور کچھ کھیتی بھی ہے۔ اردو سے ایم۔اے۔کیا ہے۔ میں ۱۹۷۷ء کے آخر میں ٹیلیگراف ماسٹر کی حیثیت سے اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔

شاعری: شعرگوئی سے بچپن سے مناسبت ہے اور موزونیت خداداد ملی۔ صحیح طور پر یاد نہیں غالباً ۱۹۵۰ء کے نواح میں ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی جانشین حضرت داغ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل ہوا جوان کے آخری لمحات تک قائم رہا اور حضرت والا کی شعری اصلاحات اور روزمرہ کی صحبتوں سے فیضیاب ہوتا رہا۔ ہندوستان کا ہر معتمد شاعر اور ادیب حضرت نوح ناروی کی ادبی شخصیت سے بخوبی

واقف ہے اور ان کے فنی کمالات، صاف وشستہ زبان اور سہل ممتنع میں امتیازی انداز کی شاعری کا قائل بھی۔ ہیچمدان نے اسی باکمال ذاتِ اعلی صفات سے بقدر اپنی استعداد وصلاحیت رموز شاعری کے چند پھول اپنے دامن میں بھی ڈال لئے ہیں اور استاد والا ہی کے نقش قدم پر آج تک گامزن ہوں۔ حضرت والا کی شاعری کی اعلیٰ قدروں کی من وعن ہمسری کرنا تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ یہ خوبی تو حضرت کے کسی ارشد شاگرد کو بھی میسر نہ ہوئی تو میری کیا بساط ہے۔ ناچیز کے لئے تو یہی شرف کیا کم ہے اگر اس کا بے مایہ کلام سن کر کسی کو حضرت نوح ناروی کی یاد آجائے۔ اس بدلتے دور میں زبان کی درستگی اور اس کے زریں اصولوں کی حفاظت بھی ایک اہم فریضہ ہے۔ فقط

احقر العباد

محمود خاں رائے بریلوی

یکم مارچ ۲۰۱۳ء

مکرم جناب شمس الرحمٰن صاحب فاروقی نے آپ کا خوب سے خوب تر تعارف کر دیا ہے، جس کا اخیر حصہ پیش نظر ہے۔

محمود رائے بریلوی کی غزل: ہمارے برادر عزیز ومحترم جناب محمود رائے بریلوی عرصہ ساٹھ سال سے رائے بریلی اور پھر الہ آباد میں شعر وسخن کی محفلوں کو گرم کرتے رہے ہیں۔ میں ان سے ملاقات کا شرف اس وقت سے رکھتا ہوں جب وہ سینٹرل ٹیلی گراف آفس الہ آباد میں سینئر ٹیلی گراف ماسٹر کے عہدے پر فائز تھے۔ شعر کی روانی اور مضمون کی شوخی کے علاوہ لطف یہ بھی ہے کہ ایک شعر میں پانچ

جملے مکمل موجود ہیں۔ اسے استادانہ انداز نہ کہیں تو کیا کہیں۔ پیاس اور لب دریا کا مضمون پرانا ہے، لیکن محمود خاں صاحب نے کس خوبی سے اسے نئے پہلو سے باندھا ہے ؎

ڈوب جائے گی انا شرم سے اے تشنہ لبو
ایک جرعہ جو کسی نے لب دریا مانگا

''لب دریا'' اور ''ڈوب جائے'' کی مناسبت سے کس قدر برجستہ اور لطیف ہے۔ اسی مناسبت کو ایک اور جگہ اسی خوبی سے استعمال کیا ہے ؎

مائل جام کیوں تشنگی ہو گئی   غرق دریا ہماری خودی ہوگئی

اسی غزل میں اور شعر یاد رکھنے کے لائق ہیں ؎

میرے آنے سے دنیا کو کیا مل گیا   اور جانے سے بھی کیا کمی ہو گئی
وہ ابھی ہی گئے ہیں مرے پاس سے   ایسا لگتا ہے گویا صدی ہو گئی

سبحان اللہ کیا شگفتگی ہے۔ ایک اور شعر ہے ؎

سنا دیئے تھے کچھ اشعار حور وغلماں پر   اسی گھڑی سے کوئی مجھ سے بدگمان بھی ہے

محمود رائے بریلوی نے اپنے استاد حضرت نوح ناروی کے فیض صحبت اور فیض اصلاح کا حق جگہ جگہ ادا کر دیا ہے ؎

اتنی نسبت بھی کم نہیں محمود   میں ہوں تلمیذ نوح طوفانی

دعا ہے کہ یہ طوفان شعر وسخن یوں ہی موج زن رہے۔ آمین

شمس الرحمٰن فاروقی

الہ آباد

۱۴/۱/اپریل ۲۰۱۳ء

الحمدللہ مکرم محمود خاں صاحب نے خود اپنے ابتدائی حالات رقم فرمائے جو کافی وافی ہے۔ بقیہ آپ کے شعری کمالات کو جناب شمس الرحمٰن صاحب فاروقی نے مکمل فرمادیا۔

اب اس حقیر کی باری ہے کہ کیا لکھے اور کیسا لکھے، بس دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مختصراً اچھا لکھادے۔ وہ یہ کہ:

آپ ماشاءاللہ دیندار بزرگوار تھے، حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی مجلس تزکیہ واصلاح میں بالالتزام شریک ہوتے تھے اور فیض یاب ہوتے تھے۔ یہ شیخ سے جذبۂ محبت اور طلب اصلاح کی علامت ونشانی تھی۔ اس حقیر کی مجلس میں جب کہ حضرت والا سفر عارضی میں ہوتے، یا جب سفر آخرت سدھار گئے تو بھی اس حقیر کی مجلس میں مکان نمبر ۲۳ بخشی بازار میں شریک ہوتے اور متأثر ومسرور ہوتے۔ گمان غالب ہے کہ یہ حقیر ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا ہے۔

اب ہم ان کے حمد باری تعالیٰ کے متعلق چند اشعار درج کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

حمد باری تعالیٰ

تو ہر جگہ موجود ہے اے مالک ہر دوسرا
ہو وہ زمیں یا آسماں یا بحر و بر تحت الثریٰ
سب تیرے ہی محتاج ہیں پیر و جواں شاہ وگدا
مجھ پہ بھی رحم و کرم، میں ہوں غریب و بے نوا

(صدق وصفا:۱۹)

وہی ہے خالق و معبود سارے عالم کا
عبادتوں کا سزاوار برملا ہے وہی
الٰہی بخش دے تو سارے اہل ایماں کو
جو مومنوں کی ہے محمود کی دعا ہے وہی

(صدق وصفا: ۲۴)

اسی طرح نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار بھی درج ذیل ہیں۔

نعت

ابر گوہر بار کی ارزانی پیہم ہیں آپؐ
رحمۃ للعالمیں ہیں مونس و ہمدم ہیں آپؐ
آفتابِ دین و ایماں رونقِ عالم ہیں آپؐ
منبع اعلان حق ہیں دین کے پرچم ہیں آپؐ
فطرتاً یوں تو ہر اک زخم کا مرہم ہیں آپؐ
ہاں صف اعدا میں رشک پنجۂ ضیغم ہیں آپؐ
آپؐ ہیں شمعِ ہدایت سارے عالم کے لئے
ہر بشر کے رہنما ہیں، رہبر عالم ہیں آپؐ
ناتوانوں اور معذوروں کی خدمت ہے شعار
دوست دشمن کوئی ہو، ہر شخص کے ہمدم ہیں آپؐ
شب میں رب سے گفتگو دن میں عدو سے دوبدو

درسِ مومن کے لئے شعلہ کبھی شبنم ہیں آپؒ
آپ سلطانوں کے سلطاں کیا کمی تھی آپؒ کو
بیشتر نانِ شبینہ پر خوش و خرم ہیں آپؒ
ہے ضرور اپنے نبیؐ سے عشق محمودؔ آپؒ کو
ان کا دم بھرتے ہوئے دیکھے گئے ہر دم ہیں آپؒ

(صدق وصفا:۳۵)

ف: بفضلہٖ تعالی آپ کے جملہ اشعار خواہ حمد ونعت سے متعلق ہوں یا منجملہ غزلیات کے ہوں ان سب کی تعریف وتحسین مکرم جناب شمس الرحمٰن صاحب فاروقی نے فرمائی۔جن کے سامنے ہم جیسوں کی رائے کا کیاوزن ہے۔

ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ ماشاءاللہ سبھی اشعار عشق ومحبت سے ناشی ہیں جن کے پڑھنے سے یقیناً کیف وسرور نصیب ہوتا ہے بلکہ بہت سے اشعار تو خاص تصوف کے رنگ سے رنگین ہیں اوراسی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

ماشاءاللہ مکرم محمود خاں صاحب آپ نے جو اشعار اقوال سلف کی تحسین کے سلسلہ میں لکھے ہیں، بہت ہی خوب ہیں ہم سب خورد وکلاں کو پسند ہیں۔ خاص طور سے اخیر شعر تو اس حقیر کے لئے مزید وجد وکیف کا باعث ہے۔وہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

تاثر براقوال سلف

نوراقوال سلف، رشکِ مہ وخورشید ہے — ہر ورق ہر باب اس کا قابل تقلید ہے
اس کی صحت میں کسے یارائے شبہات وشکوک — کیونکہ احکامِ خداوندی کی یہ تائید ہے

غور سے پڑھیئے اسے حسن عمل کے واسطے — شمع ایمان ویقین ہے داعی توحید ہے
ہر جگہ بدعات وکفر وشرک کی رد میں کلام — ہر ورق میں اہتمام دعوتِ توحید ہے
شاذ ونادر ہی ملے گی اس قدر جامع کتاب — عید نظارہ برائے طالبان دید ہے
اس کا دلدادہ نہ کیوں بن جائے حقدار بہشت — رہنمائے شاہراہِ منزل توحید ہے
سر بسر اقوال زریں سے بھری ہے یہ کتاب — ہر عمل میں جذبۂ اخلاص کی تاکید ہے
اس کی تدوین واشاعت مژدۂ صد انبساط — اپنے دامن میں لئے یہ سو طرح کی عید ہے

بارور ہو کر رہے گی کاوشِ قمرالزماں
اور کوئی ہو نہ ہو محمودؔ پُر امید ہے

ماشاءاللہ جملہ اشعار محبت وعقیدت بلکہ حقیقت کے غماز ہیں۔خصوصاً اخیر شعر تو اس حقیر کے لئے آبِ حیات ہے۔فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اب سرسری مطالعہ سے جو اشعار پسند آئے وہ پیش خدمت ہیں۔

سرِ محشر چھڑا ہے تذکرہ عصیاں میں سبقت کا
بہت ممکن ہے اس میں ہو اشارہ مجھ پہ رحمت کا
حقوق شہریت کی جستجو ہو گی جنھیں ہو گی
یہاں تو مسئلہ ہے اپنی جانوں کی حفاظت کا
ترشح ہو رہا ہے یہ تری باتوں سے اے زاہد
کہ تیرے ما سوا کوئی نہیں حقدار جنت کا

(گلہائے پریشاں:۱۵)

ے

وہ کچھ ہو جائے لیکن عارفِ یزداں نہیں ہوتا

بشر جب تک مکمل پیکر انساں نہیں ہوتا

(گلہائے پریشاں:۲۰)

پیدا تو پہلے کیجئے وہ پیاس وہ تڑپ　　کیا حیثیت کنویں کی، سمندر بھی آئے گا

اب اتباعِ عالمِ دیں ہم پہ فرض ہے　　کیا ان کے بعد کوئی پیمبر بھی آئے گا

(گلہائے پریشاں:۱۹)

محمود میرا نفس، عبادت کی راہ سے　　شاطر بہت ہے، بھیس بدل کر بھی آئے گا

(گلہائے پریشاں:۱۹)

اسے شکستگیٔ دل پسند ہے محمودؔ　　شکستگی سے نہ ڈریئے شکستگی ہے تو کیا

(گلہائے پریشاں:۲۱)

انسانیت کا دور نہ آئے گا کیا کبھی　　کرتے ہیں یہ سوال ہر اک آدمی سے ہم

(گردراہ:۴۲)

ہے آہ وہی جس کی نہ لب تک ہو رسائی　　ہے اشک وہ پلکوں پہ جو لرزاں نہیں ہوتا

(گردراہ:۱۷)

وہ غم کیا جو غمِ دنیا سمیٹے ہو نہ دامن میں
وہ آنسو کیا کہ جس کے قطرہ میں دریا نہیں ہوتا

(گردراہ:۱۸)

وفات: آپ اس دارفانی سے ۲ر نومبر ۲۰۱۴ء مطابق ۸ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ کو شہر الہ آباد میں دار آخرت کی طرف سفر کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ رائے بریلی اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب بھٹکلیؒ المتوفی ۱۴۳۸ھ

ولادت: ڈاکٹر علی بن شہاب الدین ۱۹/ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۵/اگست ۱۹۲۰ء کو بھٹکل میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم انجمن حامی مسلمین بھٹکل کے اسکول میں حاصل کی، اور اساتذہ میں محترم محتشم محمد میرانؒ وحضرت مولانا عبدالحمید ندویؒ جیسے اسلام پسند دیندار حضرات تھے، ان حضرات کے زیرنگرانی ڈاکٹر صاحب نے تعلیم حاصل کی، اس لئے آپ کی زندگی پر اسلامی نقوش بچپن ہی سے قائم ہوئے، بچپن ہی سے صلاح وفلاح کے آثار نمایاں تھے۔اللہ تعالیٰ کو آپ سے اپنے دین کا کام لینا منظور تھا اس لئے آپ کی تربیت کے اسباب بھی اسی انداز کے مہیا کئے، بچپن سے اسلامی رجحان رہا، کھیل وکود سے دوری رہی، بیس سال کی عمر سے برصغیر (ہندوپاک) کے اکابر علماء سے تعلق قائم کیا، مسلسل خطوط لکھ کر ان حضرات سے رہنمائی حاصل کرتے رہے، ان حضرات کی توجہ ودعا سے آپ کے اندر ایمانی وعلمی صلاحیت پیدا ہوئی اور اپنی اور مسلمانوں کی اصلاح کی فکر پیدا ہوئی۔

آپ کی خدمات: ۱۹۵۴ء کو تکیہ محلہ بھٹکل میں ہومیو پیتھک دواخانہ قائم کیا، جس میں مریضوں کے لئے دوا کے ساتھ ساتھ دینی رہنمائی کا سلسلہ شروع ہوا، اسی دواخانہ کی برکت سے بہت سے جسمانی وروحانی مریض شفایاب ہوئے،

کتنے بے نمازی نمازی بن گئے، کتنے بے ریش باریش بن گئے اور بہت سے منکرات کے مرتکب تائب ہو گئے۔ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۶۱ء میں اپنے حلقہ احباب میں ایک خالص اسلامی مدرسہ کے قیام کی تحریک شروع کی،جس میں لڑکوں اورلڑکیوں کے لئے الگ الگ اسلامی مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا،اور مدرسہ کا نام ''جامعہ اسلامیہ بھٹکل'' طے پایا۔اور ۲۰/اگست ۱۹۶۲ء کو حضرت مولانا ارشاد احمد قاسمیؒ خلیفہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادیؒ و مبلغ دارالعلوم دیوبند کے ہاتھوں افتتاح ہوا۔ مدرسہ کے تعلیمی قائد حضرت مولانا عبدالحمید صاحب ندویؒ بنے، اور پہلے ناظم (جنرل سکریٹری) حضرت ڈاکٹر علی صاحب ملپا منتخب ہوئے۔آپ کی زیر نظامت یہ مدرسہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن کرابھرا، ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۲ء تک آپ ناظم کے عہدہ پر فائز رہے، پھر ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۲ء تک نائب ناظم رہے، جنوری ۱۹۸۸ء سے اخیر تک صدر کے عہدہ پر فائز رہے۔آپ ہی کے دور نظامت میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ جامعہ کے سرپرستان منتخب ہوئے۔

آپ کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

آپ (ڈاکٹر علی ملپا صاحب) کا وجود اس پورے علاقے کے لئے باعث برکت وغنیمت ہے''۔

چنانچہ آپ کے رفیق کار محترم ڈی اے، اسماعیل بن حسین صاحب لکھتے

ہیں ''حضرات! ہماری جامعہ کی بنا میں سب سے بڑا دخل جناب ڈاکٹر علی ملپا کی ذات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینی تعلیمی تحریک کا بہانہ موصوف کی ذات کو بنایا، آپ ہی کی برکت اور فکر و کاوش کے بعد دینی تعلیم کا تخیل ان کے حلقہ احباب میں پیدا ہوا''۔(روداد اجلاس اول: ص ر ۴۳)

خلافت: اللہ تعالیٰ نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو بڑی خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے، ان ہی خوبیوں اور کمالات کے پیش نظر برصغیر کی دو عظیم شخصیات مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ نے آپ کو خلافت واجازت بیعت کی سند فاخرہ سے نوازا۔ ۱۹۶۲ء میں مجلس اصلاح وتنظیم بھٹکل کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ اپنی زندگی کا بڑا حصہ اداروں کی خدمت میں صرف کیا۔

بھٹکلی لوگوں میں حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحب واحد شخص ہیں جن کو برصغیر کے اکابر علماء سے عقیدت مندانہ تعلق رہا، اور مسلسل خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

آپ کے اوصاف

۱۔ آپ کا بڑا وصف اخلاص وللّٰہیت ہے، بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کا خوف غالب رہا اور ہمیشہ اسی میں بے چین رہتے تھے۔ اسی طرح نام ونمود سے دور رہنے میں حضرت اوروں سے بہت ممتاز رہے، نیکی کر سمندر میں ڈال کے مقولے پر ہمیشہ عمل رہا۔

۲۔ دوسرا نمایاں اور امتیازی وصف جو بڑے بڑے اکابر اور مشائخ کے اندر بھی شاذ ونادر پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ دین کی دعوت وتبلیغ میں صرف اللہ تعالیٰ کی

طرف بلانا مقصد رہا اس کے پیچھے کسی تحریک یا جماعت یا مکتب فکری کی طرف وابستہ کرنے کی فکر نہیں رہی۔ یا کسی تحریک کو وسعت دینا نہیں رہا، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور عمل صالح کی ترغیب دلانا مقصود رہا۔ یہ آپ کا بہت ممتاز وصف ہے۔

آپ کے اقوال

۱۔ فرماتے: ''الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'' موت ایک پل ہے، ایک واسطہ ہے، ایک محبوب کے دوسرے محبوب سے ملنے کا ذریعہ ہے، محبوب حقیقی سے مل جانا ہے یہ کوئی گھبرانے کی چیز نہیں ہے۔

۲۔ تواضع اور خاکساری اختیار کرو اور نام ونمود اور طلب جاہ سے دور رہنے کی کوشش کرو۔ حدیث میں ہے: ''من تواضع للہ رفعہ اللہ'' (شعب الایمان) جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کو بڑا کر دیتے ہیں۔

۳۔ ہر خیر کا کام کرتے وقت نیت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہونی چاہئے۔ نام ونمود کے لئے کرنے سے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے: ''انما الاعمال بالنیات'' (صحیح بخاری:۱) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے نیت جیسی ہوگی اعمال کا بدلہ اسی طرح دیا جائے گا۔ نیت اچھی ہوگی تو اعمال قبول ہوں گے ورنہ ثواب کے بجائے عذاب ہوگا اس لئے ہر کام میں نیت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہونی چاہئے اس سے دونوں چیزیں حاصل ہوں گی۔ دنیا میں بھی عزت ملے گی اور آخرت میں بھی کامیاب ہوگا۔

۴: علم دین حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل ضروری ہے۔ عمل کے بغیر صرف علم بے کار ہے۔ عمل ہی کے لئے علم حاصل کیا جاتا ہے، عمل اصل

اورمطلوب ہےاورعلم ذریعہ ہے،علم کے بغیرعمل نہیں کرسکتے۔اسی طرح اخلاق وتربیت اصل چیز ہے، اچھے اخلاق سے انسان انسان بنتا ہے۔ اورفرماتے ”تخلقوا باخلاق اللہ“ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جاؤ۔

۵۔ ہمیشہ سادہ زندگی اختیار کرو اور عیش وآرام سے دور رہو۔ حدیث پاک میں ہے: ”لاعیش الا عیش الآخرة“ (بخاری،مسلم،ترمذی،مسنداحمد) عیش وآرام نہیں ہے مگرآخرت میں۔

۶۔ ہمیشہ خرچ میں میانہ روی اختیار کرو اس سے تنگی کے وقت پریشانی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے: ”والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما“ (الفرقان:۶۷)

ترجمہ: اور جوخرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا طریقہ اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال کا طریقہ ہے۔

۷۔ دنیاعارضی جگہ ہےاورآخرت باقی رہنے والی جگہ ہے: ”الدنیا فانیة والآخرة باقیة“ اس کا باربارتکرارکرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”قل متاع الدنیا قلیل“ اوردوسری جگہ ارشاد ہے: ”والآخرة خیر وابقیٰ“۔

۸۔ تہجد کی ابھی سے عادت ڈالو اگرچہ دورکعت کیوں نہ ہو اس کی بڑی فضیلت ہے اس سے زندگی پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۹۔ لڑائی جھگڑے سے بہت دور رہو، یہ دین کو برباد کردیتی ہے اگرچہ کوئی آپ سے الجھے تو بھی درگذر کرو معاملے کو نہ بڑھاؤ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ

یحب المحسنین"(آل عمران:۱۳۴)

ترجمہ: اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کردینے کے عادی ہیں اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

۱۰۔جو اللہ والوں اور نیک لوگوں کے خلاف اپنی زبان کو استعمال کرتا ہے اور ان کی بے عزتی کرتا ہے اور ان کا مذاق اڑاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا ہی میں پریشان اور برباد کرتا ہے اور سوء خاتمہ کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ حفاظت کرے۔ ایسے لوگوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:"**من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب**"(صحیح بخاری: باب التواضع) جو میرے دوست کے ساتھ دشمنی رکھے گا میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ حفاظت کرے۔آمین

ف: ماشاءاللہ بہت ہی مفید اور کارآمد اقوال ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے، اور حضرت ڈاکٹر علی ملپا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر مرحمت فرمائے کہ ایسے ملفوظات سے ہم سب کو محظوظ و متأثر فرمایا۔(مرتب)

اپنی سعادت: بفضلہٖ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے خصوصی تعلق رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کا نفع آخرت میں نصیب فرمائے۔آمین

وفات: آپ کی وفات ۱۰/ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق یکم ستمبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن ۱۱/بجے مسجد ملیا نوایت کالونی بھٹکل میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔اور نوایت کالونی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔نوراللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کاپودروی[1] گجرات المتوفی ۱۴۳۹ھ

نام وولادت: نام عبداللہ بن اسماعیل بن حسین قاسم پٹیل ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں برما میں شان اسٹیٹ نامی صوبہ کی ہیھو نامی بستی میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: حضرت مفکر ملت اپنی مختصر سرگذشتِ حیات میں رقمطراز ہیں کہ:

بندہ کی ابتدائی تعلیم کاپودرا تحصیل انکلیشور ضلع بھروچ کے ''مدرسہ اسلامیہ'' نامی مدرسہ میں شروع ہوئی، مکرم جناب حافظ ابراہیم بن اسماعیل ملّاؒ جو عمرواڑہ کے باشندے تھے سب سے پہلے استاذ تھے، الف با سے قرآن مجید مکمل اور اردو قاعدے سے تعلیم الاسلام، بہشتی ثمر کے دو حصے اور چہل سبق تک ان کے پاس اسباق ہوئے، اسکول کی تعلیم درجہ پانچ تک ہوئی، جو گاؤں کے اسکول میں ہوئی تھی، ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ ہوا۔ سند فضیلت حاصل کی، اس کے بعد دو سال دیوبند میں عربی ادب پڑھا۔ ۱۹۶۱ء تک دیوبند میں قیام کے بعد حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ کی دعوت پر ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں خدمت کے لیے حاضر ہوا، پانچ سال ڈابھیل میں قیام کرکے جنوری ۱۹۶۶ء میں ترکیسر ''دارالعلوم فلاح دارین'' تدریس کے لیے حاضر ہوا۔ مارچ ۱۹۶۶ء میں اہتمام کی

---

[1] عزیزم مولانا اقبال صاحب ماٹلی والا نے مولانا کی کسی قدر مفصل سوانح لکھی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔ اسی سے اخذ کرکے اس حقیر نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ مفید بنائے۔ آمین۔ قمرالزمان

ذمے داری سپرد کی گئی، جو ۱۹۸۵ء تک نبھائی، پھر ۱۹۸۹ء تک صرف سرپرستی کی۔

حضرت مفکر ملت نے ''فلاح دارین'' کے نصاب کی تعیین میں جس فکری اعتدال اور عصر حاضر کی ضروریات ومقتضیات کا لحاظ فرمایا اور طلبۂ عزیز کو مختلف فنون کی کتابیں پڑھانے والے متبحر وتجربہ کار اساتذۂ کرام کو تلاش کرکے جمع کیا۔

حضرت مفکر ملت کی ایک بہت بڑی خصوصیت افراد سازی کی ہے، آپ نے فلاح دارین میں قیام کے دوران اس بات کا بہت خیال رکھا کہ جس طالب علم میں جس فن کی صلاحیت ہو اس کے مطابق اس کو آگے بڑھایا جائے، دیوبند، سہارن پور، ندوہ وغیرہ میں طلبۂ عزیز کو ان کی فنی صلاحیت وذوق (حدیث، تفسیر، فقہ، ادب) کے اعتبار سے بھیجنے کی کوشش کی؛ تاکہ ہمارے مدارس کے لیے رجال کار تیار ہوں۔

بزرگوں کی صحبت کی ضرورت: حضرت مفکر ملت رحمہ اللہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں ''بزرگوں کی صحبت میں رہنا اور ان سے خط وکتابت کرنا ہر وقت بہت ضروری ہے اور فرمایا کہ جب آدمی اپنے آپ کو کتابوں کے لیے وقف کرتا ہے اور اکابر کی کتابیں دیکھتا ہے اور پھر اللہ والوں سے تعلق پیدا کرتا ہے تو اس میں صلاحیت اور صلاح دونوں باتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک تو ہے دماغ کو روشن کرنا، یہ کتابوں سے ہوگا، آپ پڑھیں گے تو آپ کا دماغ روشن ہوگا، معلومات کا ذخیرہ بڑھے گا اور ایک ہے دل کا روشن ہونا، دل کی روشنی اللہ والوں کے پاس ملے گی، حضرات صحابۂ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ دونوں چیزیں ملتی تھیں، آپ کی زبان مبارک سے جو علم ملتا تھا اس سے ان کے دماغ روشن ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ان کے قلوب پاکیزہ ہوتے تھے۔''

تعلیم وتربیت کے سلسلے میں حضرت کے ملفوظات عالیہ

اساتذہ شفقت کے ساتھ ذہن سازی کریں: میرے دوستو! طلبہ یوں نہیں بنا کرتے، طلبہ بنتے ہیں اساتذہ کی پوری توجہ سے، اساتذہ اگر دل لگا کر طالب علم کے پیچھے پڑ جائیں اور ہر جماعت میں اگر ۲۵ یا ۳۰/طالب علم ہیں تو ہر ایک کا جائزہ لیں کہ اس کی ذہنی سطح کیسی ہے؟ اس کے حالات کیسے ہیں، یہ کس علاقہ کا ہے، گھر کی پوزیشن کیا ہے؟ اور یہ طالب علم پیچھے کیوں رہ رہا ہے؟ اس کو بات کیوں سمجھ میں نہیں آرہی ہے؟ کس پہلو میں یہ کمزور ہے اور اس کے پیچھے وہ مسلسل محنت کرتے رہیں، اس کے بارے میں مشورہ کریں، دعائیں کریں تو تجربہ ہمارا بتارہا ہے کہ طالب علم پھر بن جاتا ہے۔

اساتذہ بیدار مغز ہوں: اگر اساتذہ بیدار مغز ہیں اور وہ طالب علم کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور ان کی ہر ہر لفظ پر گرفت کرتے ہیں تو ان کی زبان درست ہوتی ہے، ان کا املا بھی درست ہوجاتا ہے اور وہی طلبہ کچھ بن کر قوم کے خادم بن جاتے ہیں۔اور دینی وعلمی کام کرتے ہیں۔

مقصد تربیت ہے مال نہیں: ہم مدرسوں میں اس لیے نہیں گئے کہ ہماری زندگی کی گاڑی چل جائے، ہم کچھ پیسے کمالیں، تین ہزار مل جائیں، ہم اپنے بچوں کو پالیں، یہ علمِ دین تحصیلِ مال وزر کے لیے نہیں، اگر یہ مقصد ہے تو نیت کا بگاڑ ہے، ہماری ترقی میں سنگِ گراں ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے۔آمین

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرائیے: سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں بچے بالکل نہیں پڑھتے، سیرت کی کتابوں سے

بالکل ناواقف ہیں، دورہ کے بعد بھی کسی واقعہ پر ہمارے طالبِ علم تجزیہ نہیں کر سکتے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیرت رسول پڑھے بغیر کوئی صحیح معنی میں کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ (بیشک)

حسن بیان کی نعمت: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن بیان کی خوبیوں سے خوب نوازا تھا، آپ کے سحر آفریں، دل آویز اور حلم ووقار سے لبریز خطابات کو عوام و خواص بہت شوق سے سنتے تھے، تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی آپ اپنی افہام وتفہیم اور حکیمانہ اسلوب بیان کی وجہ سے خاص ممتاز ومقبول تھے، حضرت مولاناؒ کے بیان ومواعظ میں بظاہر نہ جوش وخروش ہوتا تھا اور نہ پُر تکلف لسانی، نہ لہجہ وترنم، نہ خطیبانہ ادائیں مگر اس کے باوجود خطابات اس قدر مؤثر اور مسحور کن ہوتے تھے کہ ان سے عوام وخواص یکساں طور پر مستفید ہوتے تھے۔''

(مرقومہ مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی)

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کی زیارت وملاقات

مکرم حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ سے پہلی ملاقات الہ آباد میں ہوئی جب کہ حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ سخت بیمار تھے اور مکرم ڈاکٹر ابرار احمد صاحبؒ کے مکان میں تشریف فرما تھے، اسی دوران حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کے ساتھ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ اور مکرم یوسف جسات صاحب عیادت کی غرض سے تشریف لائے۔ اس کے بعد مدرسہ عربیہ بیت المعارف بخشی بازار تشریف لائے، اس حقیر نے آپ حضرات کے کھانے کا انتظام کیا۔ کھانا کھانے کے لئے بخشی بازار

کے مکان کے شمالی کمرہ میں تشریف لائے جس میں عزیزم محبوب احمد سلمہ رہتے ہیں تو اس کمرے میں جو کتابیں موجود تھیں ان کو دیکھ کر آپ بہت مسرور ہوئے بلکہ متاثر ہوئے۔ الحمدللہ آپ حضرات خوش وخرم وطن گجرات واپس تشریف لے گئے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

ابھی کچھ ہی دن گذرے تھے کہ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات سے جلسۂ دستار بندی میں شرکت کے لئے دعوت آئی۔ اس بات پر تعجب بھی ہوا کہ اس حقیر کو اتنے بڑے مدرسہ سے اس عظیم خدمت کے لئے دعوت دی گئی ہے۔ مگر امتثال امر میں سفر کا عزم کرلیا اور یہ حقیر عزیزم مولانا مقصود احمد سلمہ استاذ حدیث مدرسہ بیت المعارف کے ساتھ عازم سفر ہوگیا۔

چونکہ اس نااہل کا اس ادارۂ علمیہ (یعنی فلاح دارین ترکیسر گجرات) کا ایک اہم مقصد کے لئے پہلا سفر تھا اس لئے غلطاں وپیچاں تھا کہ دیکھئے اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ غرض ہم لوگ سورت اسٹیشن پر پہنچے تو پلیٹ فارم پر عزیزم مولوی محمد ابراہیم سلمہ صاحبزادے مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ سے اولاً ملاقات ہوئی، جو اطمینان اور خوشی کا سبب ہوا۔ دوسرے دن جلسۂ دستار بندی ہوئی، اس حقیر نے دستار بندی کی خدمت انجام دی اور اس کے مناسب بیان بھی کیا۔ ماشاءاللہ حاضرین جلسہ جس میں علماء وطلبہ کی اکثریت تھی سب بہت مسرور ہوئے اور دعائے خیر سے نوازا۔ اس کے بعد دوسرے مدارس میں دستار بندی کی خدمت انجام دینے کے لئے جانا ہوا۔ اخیر میں مدرسہ جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ ضلع بھروچ میں حاضر ہوا، وہاں بھی بہت سے علماء جمع تھے، جن میں مولانا علی صاحب

کاوی نائب مہتمم دارالعلوم کنتھاریہ، مولانا غلام محمد وستانوی صاحب اور مولانا ابراراحمد صاحب دھلیویؒ شامل تھے۔ جب بیان ہو چکا تو مولانا غلام محمد وستانوی صاحب نے کہا، مولانا! دارالعلوم کنتھاریہ میں رمضان میں خانقاہ چلتی ہے، اس کے لئے لوگوں نے آپ کو تجویز کیا ہے۔ اگر آپ قبول کرلیں تو خوشی ہوگی۔ اس حقیر نے عرض کیا، یہ تو میرے لئے نئی بات ہے اس لئے کہ میں خانقاہ میں عرصہ دراز تک رہا ضرور ہوں، مگر خانقاہ چلائی نہیں ہے، مجھے اس کا بالکل تجربہ نہیں ہے، لہذا اس خدمت کے لائق نہیں ہوں۔ مگر یہ حضرات مجھ کو دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کنتھاریہ بھروچ لے گئے، اوراس سلسلہ میں بات کی مگر مکمل بات نہ ہوئی تھی۔

اس کے بعد یہ حقیر بسلسلۂ دستار بندی مدرسہ ہدایت الاسلام عالی پور نوساری کے لئے روانہ ہوگیا، تو حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب منوبریؒ مہتمم دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کنتھاریہ بھروچ اور نائب مہتمم مولانا علی صاحب کاویؒ غالباً بارہ بجے شب میں وہاں پہنچے اور خانقاہ کی خدمت کے لئے فرمائش کی تاہم یہ حقیر عذر پیش کرتا رہا۔ مگر مولانا مفتی احمد خانپوری اور مولانا غلام محمد وستانوی صاحب نے بھی اصرار کیا تو اس حقیر نے قبول کرلیا، پھر وہاں سے ممبئی قاری ولی اللہ صاحبؒ کی مسجد ''النور'' جانا ہوا، جس کے دوسرے روز مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ شیخ الحدیث فلاح دارین ترکیسر وہاں تشریف لائے اور الگ لے جاکر دریافت کیا کہ کیا اہل گجرات نے آپ کو خانقاہ کے لئے مدعو کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ تو انھوں نے کہا یہ کیسے ہوا، تو میں نے کہا، میں نہیں جانتا فرمایا کہ بہت اچھا ہوا، اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ آپ کے ذریعہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علوم

ومعارف گجرات پہونچیں۔اور مولانا نے بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ بیان آسان کرنا پھراس کے بعد کسی موقع پر یہ بھی فرمایا کہ جب کوئی تم سے تعلق رکھنا چاہے تو ضرور قبول کرنا تکلف نہ کرنا۔

چنانچہ اس کے بعد سے نہایت بشاشت اور مستعدی سے ہر سال قیام خانقاہ کے لئے کنتھاریہ حاضر ہوتا رہا، کثیر تعداد میں لوگ حاضر ہوتے تھے، یہ حقیر روزانہ دوتین بیان تفسیر وحدیث اور تصوف پر کرتا رہا۔اس طرح ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء سے ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء تک ہر سال خانقاہ کا نظام جاری وساری رہا۔فللہ الحمد والمنہ ،اب ۱۴۴۱ھ سے موجودہ حالات کی بناء پر معذوری ہوگئی، جس کا عموماً لوگوں کو غم ہے اور مجھے بھی۔

اپنی سعادت: آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی محمد صاحب اولاً بیعت ہوئے، اس کے بعد چھوٹے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم صاحب بیعت ہوئے، اور ابھی کل ۲۰ ؍رمضان ۱۴۴۱ھ کو مولوی محمد اسماعیل صاحب اس سلسلہ میں داخل ہوئے یہ میرے لئے بھی سعادت کی علامت ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سلاسل سے فیض یاب ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین

عظیم الشان سیمینار

آپ سے متعلق عظیم الشان سیمینار میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، جس میں ملک وبیرون ملک کے علماء شرکت کے لئے آئے تھے۔صبح سے مولانا کے کمالات اور علم وغیرہ کا ذکر ہورہا تھا۔اس حقیر کی باری تقریباً ۹ ؍بجے شب میں آئی۔اور وقت بیس پچیس منٹ دیا گیا۔تو اس حقیر نے بعد خطبہ مسنونہ عرض کیا

کہ اب تک مولانا کے کمالات کا ذکر ہورہا تھا جس کے ہم سب مقر ومعترف ہیں، جس سے ہم مسرور ومحظوظ ہورہے تھے۔

مگر دل میں یہ بات آئی کہ یہ اخیر بیان ہے اس میں کچھ نصیحت کی بات ہوجائے تو عین مناسب ہوگا۔

چنانچہ یہ حقیر عرض پرداز ہے کہ اب تک ہم لوگ گویا مولانا کے کمالات سن کر بزبان حال اس شعر سے مترنم تھے ؎

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مگر اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے اندر ان بزرگان دین کے علمی وعملی کمالات کو پیدا کریں تاکہ یہ بزرگان دین خود بزبان قال یا حال بطور استحسان وامتنان اس شعر سے مترنم ہوں۔ ؎

اولئک ابنائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یعنی یہ ہمارے باکمال شاگرد ہیں، لہذا اے مخاطب ایسے باکمال مریدوں وشاگردوں کو پیش کرسکتے ہوتو کرو۔

جیسا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی دستار بندی کے موقع پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ اس لائق نہیں کہ ہماری دستار بندی ہو تو حضرت استاذ المکرم مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تک ہم ہیں تو تم لوگوں کی یہ حالت ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم نہیں رہیں گے تو پھر تم ہی تم لوگ رہوگے۔

اسی طرح میں نے یہ بھی بیان کیا کہ:

”لا یکون العالم عالما حتی یکون فیه ثلاث خصال: لا یحتقر من دونه، ولا یحسد من فوقه، ولا یأخذ علی علمه ثمناً۔

(العقد الفرید، احمد بن محمد الاندلسی: ج۲/ ص۸۷)

ترجمہ: عالم اس وقت تک عالم نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے اندر یہ تین خصلتیں نہ ہوں۔ اپنے سے کم درجہ شخص کو حقیر نہ سمجھے، اپنے سے عالی شخص سے حسد نہ کرے، اور اپنے علم پر اجرت نہ لے۔

یعنی اپنے سے کم درجہ شخص کو حقیر سمجھ کر اسے علم سے محروم نہ کرے بلکہ اس کو علم سکھائے اور ہمت افزائی بھی کرے۔ دوسرے اپنے سے اونچے شخص سے حسد نہ کرے بلکہ اس کے سامنے جھکے اور اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرے، ورنہ اس کے علوم ومعارف اور خصوصیات سے محرومی ہی نصیب ہوگی۔ تیسرے یہ کہ اپنے علم پر ثمن کا طالب نہ رہے اس لئے کہ علم کی کوئی قیمت نہیں جس کو ادا کیا جاسکے۔

اب ہم ایک حدیث پاک سناتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت جنت میں داخل ہونے کے اعمال کا ذکر فرمایا ہے۔

سُئِلَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ اَکْثَرِ مَا یُدْخِلُ النَّاسُ الْجَنَّۃَ قال ”تَقْوَی اللہِ وحُسْنُ الْخُلُقِ“۔ (رواہ الترمذی: حدیث/۲۰۰۴)

حضرت ابن القیمؒ نے فرمایا کہ تقوی اللہ سے حقوق اللہ ادا ہوں گے اور حسن خلق سے حقوق العباد کی ادائیگی ہوگی۔ کیونکہ یہی صلاح ہے، اور صالح شخص ہی جنت میں جائے گا۔

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس میں بھی

اصل تقوی اللہ ہی ہے، اس لئے کہ تقویٰ ہی سے آدمی حسن خلق اختیار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اعمال کو اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے تا کہ جنت کا داخلہ نصیب ہوجائے جو اصل کامیابی ہے۔

اب اخیر میں سعادت مند جوانوں سے کہتا ہوں کہ آپ حضرات اس سیمینار کے سلسلے میں کافی دنوں سے صفائی ستھرائی کے سلسلہ میں محنت و جانفشانی کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی خوب ہی خوب جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ ہاں ایک بات کی آپ سعادت مند جوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ نماز کی پابندی کریں اس لئے کہ نماز ہر شخص پر فرض ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے اذیت و تکلیف نہ دیں اس لئے کہ یہ حرام ہے۔ بس ان دونوں کو اختیار کرلیں تو ان شاء اللہ دین و دنیا کی بھلائی نصیب ہوگی۔

اب میں سیمینار کی عنداللہ قبولیت اور بھلائی و کامیابی کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کی مغفرت فرمائے اور جنت میں عالی مقام سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

اب اخیر میں ان تقریظات وتبصرے کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت مولاناؒ نے اپنے حسن ظن کی بناء پر اس حقیر کی تالیفات پر ارقام فرمایا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

تقریظ وتبصرہ

''رسالۃ المسترشدین'' اور اس کے قیمتی حواشی عربی زبان میں تھے، اس لئے شیخ طریقت، علوم اسلاف کے شارح حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب الہ آبادی

زید مجدھم و اطال اللہ بقاء ھم ذخرا للاسلام و المسلمین نے ارادہ فرمایا کہ اس کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے، چنانچہ حضرت اقدس مدظلہ نے جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ کے اپنے سفر کینیڈا میں اس کی ابتدا فرمائی اور از راہ ذرہ نوازی اس ہیچ مداں کو بھی اس کار خیر میں شامل ہونے کا اشارہ فرمایا تا کہ اس کار خیر کے ثواب میں کچھ حصہ مل سکے، حضرت والا کی اس نوازش کا بندہ تہہ دل سے شکر گذار ہے۔

ھذا ما عندی، و اللہ اعلم بالصواب

احقر عبداللہ کاپودروی غفرلہ

۷؍شوال المکرم ۱۴۳۰ھ

۲۷؍ستمبر ۲۰۰۹ء بروز یکشنبہ

(مقدمات کاپودروی: ۱۹۷)

تبصرہ بر فیضان محبت

باسمہ تعالیٰ

ذوالمجد والشرف حضرت مولانا قمر الزمان صاحب

اطال اللہ بقائکم و عمت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض اینکہ آں محترم کی گراں قدر تالیف ''اقوال سلف'' سے بندہ استفادہ کرتا ہے، بزرگان دین کے قیمتی ملفوظات سالکین کے لئے نسخۂ شفا ہیں۔ اب آں محترم کی تازہ تصنیف ''فیضان محبت'' موصول ہوئی تو اس کا مطالعہ شروع کیا، سبحان اللہ! کیسی عجیب کتاب ہے کہ سلوک کے بہت سے مسائل سہل انداز میں

اشعار کے ذریعہ بیان فرمادیئے ہیں۔ کتاب شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کو جو سوز اور درددل عطا فرمایا تھا اس کا اثر ان کے کلام میں جھلک رہا ہے، آں محترم کی تشریحات نے اس پر چار چاند لگا دیئے ہیں۔

کتاب کو پڑھتے پڑھتے بے اختیار سبحان اللہ! الحمدللہ! نکل جاتا ہے، واقعی یہ کتاب مجلسوں میں پڑھنے اور طلباء کو سبقاً سبقاً سنانے کے قابل ہے۔

احوال قلبیہ کی طرف ترغیب کے عنوان کے تحت جو اشعار ہیں، ان کو پڑھ کر تو طبیعت مچلنے لگتی ہے، ایسا سرور پیدا ہوتا ہے کہ ان کو بار بار پڑھنے کے باوجود جی نہیں بھرتا، اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو بھی شرف قبولیت عطا فرما کر اجر عظیم عطا فرمائے۔ اطاعت اور اتباع میں فرق بتایا گیا وہ بھی بہت خوب ہے، بہت سے لوگ شاید اس فرق کو سمجھتے نہیں ہیں۔

بہر حال یہ کتاب علماء، طلبہ وسالکین سب کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے، مگر افسوس اس کا ہے کہ ایسے شیخ کامل کی خدمت میں رہنے کا موقع نہ مل سکا۔ صرف ایک مرتبہ حضرت اقدس قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی معیت میں آں محترم کے آستانہ پر حاضری ہوئی تھی، آپ نے حضرت کی ملاقات وزیارت کرائی تھی، مگر وہ حضرتؒ کی شدید علالت کا دور تھا، فقط روئے انور کی زیارت ہوسکی۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرتؒ نے مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

ناچیز اس قیمتی ہدیہ پیش کرنے کا دل سے شکر گذار ہے اور متمنی ہے کہ اپنی خصوصی توجہات اور دعاؤں سے تعاون فرما کر ممنون فرمائیں گے کہ بندہ اپنے

اندر بہت کمزوری محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ بزرگوں کی توجہات سے عمل صالح کی توفیق اور استقامت عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین

والسلام

احقر عبداللہ غفرلہ کاپودروی

۱۳؍شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

(مقدمات کاپودروی؍ ۲۱۲)

وفات: آپ کی وفات ۲۵؍شوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء میں کاپودرہ ضلع بھروچ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن[1] صاحب کاندھلویؒ المتوفی ۱۴۴۰ھ

ولادت وابتدائی تعلیم: حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن صاحب بن مولانا رؤوف الحسن صاحب کاندھلوی ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۰ر جنوری ۱۹۲۲ء میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے، خاندان کے معمول کے مطابق قرآن پاک کے حفظ سے تعلیم کی ابتداء ہوئی۔ حافظ رحیم بخش عرف حافظ منگتو صاحب کاندھلوی نے بسم اللہ کرائی، قرآن شریف کا کچھ حصہ حافظ بھکن صاحب کاندھلوی سے پڑھا، حفظ کی تکمیل حافظ سعادت خاں دیوبندیؒ کے پاس ہوئی۔ فالحمدللہ

عربی وفارسی کی تعلیم: حفظ کی تکمیل کے بعد آپ مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ کاشف العلوم میں ابتدائی فارسی عربی کی کتابیں شروع کیں، مگر آب وہوا کی ناموافقت سے طبیعت خراب رہنے لگی، اس وجہ سے آپ نے مظفرنگر کے قدیم ومعروف ادارہ ''مدرسہ مرادیہ'' میں داخل ہوکر ابتداء سے شرح جامی تک کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ مرادیہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شوال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے۔ ۱۳۶۲ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

---

[1] آپ کے صاحبزادے مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے آپ کے حالات مرتب کردہ مولانا ابوعثمان محمد شعبان بستوی ارسال کیا، اسی سے اخذ کرکے یہ مضمون تیار کیا گیا ہے۔ مرتب

بیعت وسلوک: حضرت مولاناؒ ابتداءً بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مشورہ سے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے بیعت ہوئے، اورآپ کی طرف سے چاروں سلسلوں میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشآء

آپ کا اہم کارنامہ: حضرت والاؒ کا ایک عظیم دینی ملی اورفلاحی کارنامہ یہ بھی ہے کہ اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی تعمیل ارشاد میں آپ نے بہت سے مقامات پر مدارس دینیہ اور مکاتب قرآنیہ قائم فرمائے جن میں ہزاروں مسلم بچوں کوقرآن کریم کی نعمت ملی اور عقائد کی درستگی ہوئی۔ چنانچہ حضرت والاؒ سے بار بار سنا گیا ہے کہ ہمارے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہریانہ وپنجاب میں اگراب بھی کوئی اللہ کا بندہ جاکر پڑھائے تو مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے قوی امید ہے کہ یہ علاقہ پہلے سے زیادہ آباد ہوجائے گا، چنانچہ آپ نے ہریانہ وپنجاب میں کئی مکاتب دینیہ قائم فرمائے جو الحمدللہ تاحال دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی طریقے سے مغربی یوپی (میرٹھ، مظفرنگر) میں بھی کئی مدارس ومکاتب قائم فرمائے۔ آپ نے پورے ۵۶ ؍سال تک کاندھلہ کی جامع مسجد اوراپنے محلہ کی مسجد میں تفسیر قرآن کا درس دیا۔ فالحمدللہ رب العالمین

کچھ علمی یادگار: (۱) ’’دعا کی حقیقت اورفوائد وثمرات‘‘ یہ ۱۵ ؍ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ مطابق ۹ ؍اگست ۱۹۹۸ء کا بیان ہے جو جامع مسجد اسارہ ضلع باغپت میں ہوا جس کوکتابی شکل دی گئی ہے۔

(۲) ''درود شریف اور ذکر کے فضائل'' یکم/ ۲/ رجب ۱۴۱۹ھ بروز جمعرات وجمعہ مدرسہ تعلیم القرآن گنبدان کا بیان ہے، جس کو کتابی شکل دی گئی ہے۔

(۳) '' حق تعالیٰ کے دو مخصوص انعام'' ۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ صوبہ ہریانہ کے مشہور شہر پانی پت کی مسجد کالی کالونی کا بیان ہے، جس کو کتابی شکل دی گئی ہے۔

(۴) ''تقاریر تفسیر قرآن''۔

وفات: ۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق ۲/ جون ۲۰۱۹ء بروز اتوار شام پانچ بجکر پچیس منٹ پر بعمر سو سال چار مہینہ سولہ دن اس دار فانی میں گذار کر لمبی علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اور کاندھلہ میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

ف: الحمد للہ اس حقیر نے دو مرتبہ مولانا کی زیارت کی ہے، ایک مرتبہ تو کچھ بے ہوشی میں تھے، مگر پہچانتے تھے جس کی وجہ سے زیارت سے خوش ہوئے اور متعدد دعا وغیرہ کے رسالے عنایت فرمائے۔

دوسری مرتبہ جب حاضر ہوا تو بے ہوشی طاری تھی جس کی وجہ سے صرف نظری زیارت ہوئی اس کو بھی یہ حقیر اپنی سعادت سمجھتا ہے۔

مزید مسرت کی بات یہ ہے کہ آپ ہماری تصنیفات خاص طور سے ''طہارت قلب'' کو بہت پسند فرماتے تھے، آپ نے اپنے خادم مولانا محمد شعبان بستوی سے اس کتاب کو سات مرتبہ سنا، اس سے ان کی پسندیدگی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا کو جزائے خیر مرحمت فرمائے اور امت میں اس سے استفادہ کا ذوق پیدا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ المتوفی ۱۴۴۰ھ

نام ونسب وولادت: حضرت مولانا سید محمد واضح رشید (محمد خامس) حسنی ندویؒ حضرت مولانا سید عبد الحی حسنیؒ کے نواسہ اور مولانا سید خلیل الدین حسنیؒ کے پوتے ہیں، والد ماجد سید رشید احمد حسنی مرحوم تھے، ان کی ایک تحریر کے مطابق ۲۰/نومبر ۱۹۳۳ء مطابق ۳/شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ کو تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئے، ۱۹۵۱ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت حاصل کی، اور اسی سال رمضان المبارک کا ایک حصہ مسوری دہرہ دون میں حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے ساتھ گذارا اور انہی سے بیعت کا تعلق قائم کیا، ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، اور ان کی خدمت میں حاضری اور اصلاحی مکاتبت جاری رکھی، ان کے ایماء پر دہلی میں آل انڈیا ریڈیو کے اہم عہدہ سے مستعفی ہوکر ۱۹۷۳ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی خدمت اختیار کی، اور اسی سال حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، اور سعودی بادشاہ شاہ فیصل شہیدؒ کے ساتھ ایک خصوصی میٹنگ میں بھی شرکت کی۔

۱۹۸۴ء میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ساتھ اردن، یمن، حجاز، کویت، پاکستان کا تفصیلی دورہ کیا اور وہاں کے امراء وسلاطین اور عالم اسلام کے عمائدین کے ساتھ اہم مٹنگوں اور مذاکرات میں شرکت کی، اور مکہ مکرمہ میں

رابطہ ادب اسلامی کی تاسیس میں حصہ لیا۔ ۲۰۰۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس منتظمہ نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ندوۃ العلماء کا معتمد تعلیم منتخب کیا، اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی یہ بشارت صادق آئی کہ عزیز واضح کو ندوہ سے فائدہ پہنچے گا اور ندوہ کو ان سے فائدہ پہنچے گا۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب کو اجازت وخلافت سے سرفراز کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ واضح بھی اس کے اہل ہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد رابع صاحب نے حضرت مولانا علی میاںؒ کی طرف سے اجازت وخلافت سے سرفراز کیا۔

چند اہم کتابیں: مختصر شمائل النبویہ، مجموعہ اربعین حدیث، رجال الفکر والدعوۃ الجزء الخامس (الامام احمد بن عرفان الشہید) ادب اہل القلوب، الشیخ ابو الحسن قائدا حکیما، مسئلہ فلسطین، نیا عالمی نظام وغیرہ۔

معمولات اور طبیعت: مزاج میں اخفاء وکم سخنی تھی، ان کے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ فرماتے تھے کہ اس میں انہیں نانا مولانا عبدالحی حسنیؒ سے زیادہ مناسبت تھی، تہجد، اشراق، چاشت کا اہتمام، نمازوں کے علاوہ مسجد میں وقتی اعتکاف، رمضان کا آخری عشرہ کا اعتکاف، تدبر ومعانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور اس کا سننا، حدیث کا مطالعہ، اوقات کی دعاؤں اور اوقات کی سورتوں کا اہتمام۔ فرماتے ہیں کہ علاج قرآنی دعاؤں سے کرلیتا ہوں۔

وفات: ۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶؍ جنوری ۲۰۱۹ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں وفات پائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جب وہ تہجد کے لئے اٹھے

تھے اور اس کی تیاری کر چکے تھے کہ کلمات تسبیح وذکر کے ساتھ داعی اجل کو لبیک کہا۔ تکیہ کلاں رائے بریلی میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے پہلو میں مسجد کے شمالی جانب تدفین عمل میں آئی۔ **نور اللہ مرقدہ**

ف: ماشاءاللہ مولاناؒ بہت ہی مبارک حالات میں اپنے مولیٰ تعالیٰ سے جاملے، مبارک ہو۔ اس حقیر سے بہت محبت فرماتے تھے۔ تصانیف خاص طور سے اقوال سلف کو بہت پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ''مولانا کی کتاب ''اقوال سلف'' ایسی مفید کتاب ہے کہ اس کو مدارس عربیہ میں تو کیا مکاتب میں رہنی چاہیے، تاکہ اس کو پڑھیں اور نفع اٹھائیں''۔ الحمدللہ ''معارف مصلح الامتؒ'' جلد سوم پر جامع ترین مقدمہ تحریر فرمایا جو طبع ہو چکا ہے۔ سب نے پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مولاناؒ کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

ایسے مخلص رفیق کی اچانک جدائی سے غم ہوا۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں مقام عالی سے نوازے۔ آمین اور آپ کی جدائی سے جو ہمارے مشفق مکرم حضرت مولانا محمد رابع حسنی صاحب مدظلہ کو جو حزن وغم ہوا ہے اور وہ اس پر صبر فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس صبر عظیم پر جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ آمین

ماشاءاللہ آپ کے صاحبزادے مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی مدرسہ عالیہ عرفانیہ اکبری گیٹ چوک لکھنؤ میں کتب احادیث وادب کی تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ عربی جریدہ ''الرائد'' ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایڈیٹر، ماہنامہ ''رضوان'' کے معاون مدیر اور مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر امیٹھی کے ناظم ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید خدمت انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب ؒ انگلینڈ المتوفی ۱۴۴۱ھ

پیدائش اور تعلیم : حضرت علامہ خالد محمود کی پیدائش بقول خود ۱۹۲۵ء میں قصور میں ہوئی، جب کہ ہم عصر، ہم عمر اور پرانے ساتھیوں کے بقول ۱۹۲۳ء میں ولادت ہوئی۔ آپ کے والد غنی محمد صاحب محکمۂ تعلیم میں آفیسر تھے، قصور تبادلہ ہو گیا تھا، آبائی علاقہ امرتسر تھا، تمام خاندان وہیں آباد تھا، حضرت علامہ نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم حنفیہ قصور میں حاصل کی، اس کے بعد امرتسر میں مفتی محمد حسن صاحب ؒ سے پڑھا، ۱۹۴۴ء میں دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اس وقت کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ تھے، ان کے علاوہ دیگر بڑے شیوخ اساتذہ بھی دورۂ حدیث پڑھاتے تھے، ان سے آغاز کیا لیکن اختتام سے قبل ہی حضرت مدنی ؒ گرفتار ہو گئے، دورۂ حدیث مکمل نہ ہو سکا تو پھر ڈابھیل جا کر شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ سے دورۂ حدیث مکمل کیا، اس کے بعد عصری تعلیم میں ایم ،اے بھی کیا، اور مرے کالج سیالکوٹ میں پروفیسر ہو گئے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ؒ سے اجازت حدیث حاصل کی اور موطا امام مالک بھی ان سے پڑھی۔

تدریسی اور دعوتی خدمات : تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے مختلف مدارس میں مناظرہ و دیگر فنون پڑھانا شروع کیا، مشہور شیخ الحدیث مولانا صوفی سرور صاحب ؒ نے بھی آپ سے فن مناظرہ میں تعلیم حاصل کی، آپ کی دینی و علمی

خدمات سے مسلمانان اہل مشرق اور اہل مغرب دونوں نے فائدہ حاصل کیا، آپ کا زیادہ وقت اہل یورپ کو دین کی دعوت دینے میں گزرا۔

جب بھی اسلام کے خلاف کفر والحاد کی آندھی چلی، اللہ رب العزت نے اس امت کے بہترین نفوس اس کے مقابل میں کھڑے کر دیئے، ہر بزرگ نے اپنے مناسب حال کسی نہ کسی مورچے کو سنبھالا اور ایسے بڑے مسلمانوں کا ایک قافلہ ہر دور میں باطل سے نبرد آزما رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عن تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین۔ (کتاب المدخل، مشکوٰۃ شریف:۳۶)

اس علم کو ہر صحیح جانشین سے آگے ثقہ لوگ لیتے رہیں گے، وہ اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، جھوٹوں کی من گھڑت باتوں اور جاہلوں کی تاویل کو ہمیشہ دور کرتے رہیں گے۔

العلماء ورثۃ الانبیاء: علمائے کرام دین کے محافظ اور امت کے دینی سربراہ ونگراں ہیں، اس منصب سے نہ وہ تادم مرگ مستعفی ہو سکتے ہیں اور نہ کوئی انہیں معزول کرسکتا ہے، اس منصب کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیدار مغز ہوں اور ان کی دینی حس قوی ہو، وہ ہر وقت ہوشیاری کے ساتھ نظر کرتے رہیں کہ امت میں کوئی فتنہ تو نہیں پیدا ہو رہا ہے، اور فتنہ نظر آئے تو ان کو اس کا احساس شدت کے ساتھ ہونا چاہئے جس کی وجہ سے وہ فوراً اس کا سر کچلنے میں لگ جائیں۔

چنانچہ علامہ خالد محمود صاحبؒ میں دونوں وصف امتیازی شان کے ساتھ موجود تھے، فتنہ کا احساس انہیں بہت جلد ہو جاتا تھا، اور شدت احساس سے وہ

بے چین ہوجاتے تھے، حمیت دینی کا جذبہ ان میں اس قوت وشدت کے ساتھ ابھرتا تھا کہ اس فتنہ کی سرکوبی کے بغیر انہیں چین نہیں آتا تھا۔ آپ کے بارے میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کہا کرتے تھے کہ اگر عصر کی نماز کے بعد کوئی فتنہ اٹھے تو مغرب کی نماز کے بعد علامہ خالد محمود صاحب سے مناظرہ کروالینا جس سے فتنہ ختم ہوجائے گا۔

پس حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ جماعت حقہ کے ایک عظیم سپوت ہیں جنھوں نے اس دور میں اسی فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لئے بے نظیر محنتیں کیں، مناظرے کئے، کیا یورپ، کیا افریقہ ہر جگہ اس شجرۂ خبیثیہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہے، علامہ مرحوم نے ۱۹۵۳ء ہی میں امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے حکم پر رد قادیانیت پر پہلی کتاب ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت'' لکھی، اس کے علاوہ رد قادیانیت پر مطالعہ قادیانیت کے حوالے سے چھوٹے رسائل کے علاوہ ''عقیدۃ الامم فی مقامات عیسیٰ ابن مریم'' ''عقیدۃ السلام فی الفرق بین الکفر والاسلام'' ''مرزا قادیانی شخصیت وکردار'' نامی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

ان کتابوں کے بارے میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس کتاب پر علامہ خالد محمود کا نام آجائے اس کی حقانیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

ردِ روافض میں آپ کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ اور تصنیفات میں سے ''تجلیات آفتاب'' دو جلدوں میں، ''فتنۂ بریلویت'' جو اس دور کے عظیم فتنوں

میں سے ایک ہے، علامہ مرحوم نے اس فتنہ کا بھی بھرپور تعاقب کیا، اور دس جلدوں میں ''مطالعہ بریلویت'' لکھ کراس گروہ کے ضال اور گمراہ ہونے پر مہر لگادی۔

غرضیکہ علامہ موصوف نے ۹۵/ برس کی عمر تک قادیانیت سمیت تمام فرقہ باطلہ کے خلاف بھرپور تحریری اور تحریکی کام کیا۔عصری نوجوانوں کے لئے آپ کا تیار کردہ دینی تعلیم کا جاندار نصاب ۸/ کتب پر مشتمل ہے، دیگر تصنیفات میں ''آثار التنزیل''،''آثار الحدیث''،''آثار التشریع''،''آثار الاحسان'' دو دو جلد اور ''اسلام پر ایک نظر'' موجود ہیں۔

آپ کے رفقاء میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ جیسے جید علمائے کرام تھے۔

ساؤتھ افریقہ میں آپ کی زیارت: ناظرین کرام کی خدمت میں یہ حقیر عرض پرداز ہے کہ دسمبر ۲۰۱۶ء کو یہ حقیر جنوبی افریقہ کے سفر پر تھا، عزیزم مولانا محمد عبداللہ سلمہ ساتھ تھے۔ ۶/ دسمبر ۲۰۱۶ء کو واپسی میں جب ہم لوگ جہانسبرگ ایرپورٹ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب اس حقیر سے ملاقات کے لئے یہیں ایرپورٹ پر انتظار فرمارہے ہیں، جس سے مجھے شرمندگی ہوئی کہ اس قدر عظیم شخصیت اس حقیر آدمی سے ملنا چاہتی ہے، یقیناً یہ آپ کی کسر نفسی وفنائیت کی خاص علامت معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو خود اپنے کو خوشی ہوئی ہی، آپ بھی بہت مسرور ہوئے اور معاً فرمایا کہ آپ سے سجدہ علی الطین کی توفیق کے لئے دعا کا

خواستگار رہوں، چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔مگر خود اس کی اہمیت کا اس حقیر کو احساس ہوا جس کی وجہ سے اس عمر میں (جب کہ سن ہجری کے حساب سے تقریباً نوے سال ہورہی ہے) زمین ہی پر سجدہ کرنے کی سعی کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ علامہ کی برکت سے موت تک اس پر عمل کی توفیق سے نوازتا رہے۔ **وماذلک علی اللہ بعزیز۔**

اس سفر میں اپنی چند تصنیفات ''آثارالتنزیل'' ''آثارالحدیث'' وغیرہ عنایت فرمائیں۔ جن کا مستقلاً مطالعہ کررہا ہوں۔ ماشاءاللہ آپ کی تصنیفات علوم باکرہ ومعارف الٰہیہ سے پرنور اور غایت درجہ بصیرت افروز ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت کے علماء وفضلاء کو ان سے مستفیض ومستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

آپ نے محض ان علوم میں اشتغال کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ باطنی علوم واسرار اور احوال وکیفیات کی نعمتوں کے حصول کی بھی فکر رکھی جس کے لئے متعدد علماء باطن کے سامنے جھکے اور ارادت وبیعت کا شرف حاصل فرمایا۔ چنانچہ انھوں نے خود فرمایا کہ ''میں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب شیروانیؒ، حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ سے اصلاحی تعلق رکھا۔اب میں اس کے لئے آپ سے رجوع کرتا ہوں'' یہ سن کر یہ حقیر انگشت بدنداں ہوگیا کہ اس قدر عظیم عالم بلکہ علامہ اس حقیر کی طرف اصلاح کے لئے رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی غایت درجہ مسکنت، عجز وانکساری بلکہ فنائیت کی علامت ہے جو اس طریق کی اصل وجان ہے۔اور جس کے بعد تو یہ حال ہوجاتا ہے ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

اس حال کے بعد ہی عموماً مشائخ اجازت وخلافت سے نوازتے ہیں۔
میں اگرچہ اس لائق نہیں مگر مولانا کے اس تواضع وانکسار اور فنا کا حال دیکھ کر مولانا کو خلافت دینے کا خیال موجزن ہوا۔ جس کو لکھ کر عزیزم مولانا کمال الدین صاحب کے ہاتھ ان کی خدمت میں بھیجا جس کو انھوں نے بصد ادب پیش کیا اور حضرت العلامہ نے اسے قبول فرمایا۔ فالحمدللہ رب العالمین

انگلینڈ میں آپ کی زیارت: جب یہ حقیر انگلینڈ کے سفر پر گیا تو بلیک برن مفتی عبدالصمد صاحب کے جامعۃ العلم والہدیٰ میں قیام کے وقت خود آپ ملاقات کے لئے تشریف لائے اور دوسری مرتبہ حافظ مکا صاحب کی دعوت میں ملاقات ہوئی۔ پھر یہ حقیر زیارت کے لئے مانچسٹر گیا، بہت ہی محبت وعنایت کا سلوک فرمایا۔ اس سفر میں آپ سے مزید دلی تعلق استوار ہوا جو اخیر تک بفضلہٖ تعالیٰ مفتی فیض الرحمٰن صاحب اور حافظ مکا صاحب کے ذریعہ قائم رہا۔ فللہ الحمد والمنہ

اب ہم اپنے خاص عزیز حضرت مولانا محمد اسمٰعیل بھوٹا صاحب کا مضمون جو علامہ کے قدیم رفیق تھے انھوں نے علامہ کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے اس کو مزید معرفت وبصیرت کے لئے نقل کرتے ہیں جس سے ان شاء اللہ حضرت علامہ کی عظمت ورفعت دل میں جاگزیں ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شیخی ومرشدی دامت برکاتہم العالیہ کے حکم سے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

بندہ ۱۹۷۲ء میں برطانیہ آیا۔ اس وقت ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے لوگ کافی تعداد میں یہاں آباد تھے اور مزید آرہے تھے، ہندوستانی (گجراتی) علماء کافی تعداد میں تھے جو اکثر و بیشتر پاکستانی اور بنگلہ دیشی مسلمانوں کی مساجد اور مکاتیب کے آباد ہونے کا ذریعہ بنے، اور بعد میں دارالعلوم کی بنیاد کا بھی ذریعہ بنے۔

پاکستانی اور بنگلہ دیشی علماء کم تعداد میں تھے، پاکستانی مسلمان یہاں آباد ہو رہے تھے ایسے موقع پر بریلوی علماء پورے برطانیہ کے مسلمانوں کو نرغۂ بریلویت میں گھیر کر پورے برطانیہ کو بریلوی بدعتی بنانا چاہتے تھے، ایسے موقع پر حضرت علامہؒ نے مسلمانوں کے عقائد کو درست رکھنے اور درست کرنے میں کافی جدوجہد کیا، ان کے ساتھ مناظرے کئے، تقاریر کے ذریعہ اور تحریر کے ذریعہ، اس کی تفصیل بڑی طویل ہے کبھی موقع ملا اور حضرت شیخ نے اجازت دی تو عرض کروں گا، بندہ کے برطانیہ آنے سے پہلے تقریباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے کہ لندن شہر سے پچاس میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے جس کا نام وکنگ ہے جہاں برطانیہ کی سب سے پہلی مسجد شاہجہاں بیگم نواب بھوپال نے بنوائی ہے، اس پر قادیانیوں کا قبضہ تھا وہاں سے ان کو نکال باہر کرنے میں علامہؒ اور حضرت والا کے خلیفہ مولانا موسیٰ کرماڈیؒ پیش پیش تھے۔ اور انھیں بزرگوں کی برکت سے وہ مسجد آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے اپنے بزرگوں کی برکت سے بندہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے غیرت ایمانی عطا فرمائی ہے، حضرت علامہؒ میں یہ غیرت مکمل طور پر اپنے

بزرگوں کی برکت سے موجود تھی اس لئے ناچیز بھی علامہؒ سے مستفید ہوتا رہا۔

محمد اسمٰعیل بھوٹا ٹنکاروی

اقتباس: یوں تو آپ کی تمام ہی تصانیف غایت درجہ علوم نادرہ اور معارف باکرہ پر مشتمل ہیں، مگر بغرض اختصار آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''آثار التنزیل'' سے اقتباس نقل کرتا ہوں۔ وہو ہذا۔

''لکل آیۃ ظھر و بطن'' (مسند ابی یعلیٰ: ج/۵ ص/۸۰)

قرآن کریم کے اس بطن سے علمائے محققین اور فضلائے عارفین نے ایسے ایسے حقائق دریافت کئے اور ایسے ایسے عجائب وغرائب معلوم کئے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک حقیقت قرآن عزیز کی شان اعجاز اور حضور ختمی مرتبت کی عظمت وصداقت کی ایک کھلی زبان اور ایک واضح برہان ہے۔ قرآن حقائق ومعارف کا ایک دریائے ناپید کنار ہے اور اس کے عجائب کبھی ختم ہونے کے نہیں۔ لاکھوں اور کروڑوں موتی اس میں سے دریافت ہو چکے ہیں اور ابھی تک اس کی اتھاہ گہرائیوں کی کوئی تحدید نہیں۔ کلام مخلوق کسی انداز میں بھی کلام خالق کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

ابن ابی حاتم حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فظھرہ التلاوۃ وبطنہ التاویل فجالسوا بہ العلماء وجانبوا بہ السفھاء''

قرآن کا ظاہر اس کی تلاوت ہے، اس کا باطن اس کے مطالب ہیں اس

کے لئے علماء کے پاس بیٹھو اور بے وقوفوں سے کنارہ کش رہو۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ ایسے حقائق ''الاعتبار والتاویل'' کے نام سے پیش ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک موقع پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس مقام پر یقیناً یہی ہے۔ یہ درجہ صرف تفسیر کو حاصل ہے جس کا مدار آثار سلف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے خاص طور پر یہ دعا کی تھی۔

''اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل'' اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی صحیح مراد سمجھا۔

ف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ آمین (قمر الزمان)

ظاہر ہے کہ یہاں تاویل سے مراد اصل بات کو پہنچنا ہے نہ کہ اس کے معنی ظاہر کو چھوڑنا۔ حضرت علامہ خازنؒ لکھتے ہیں:

اما التاویل وھو صرف الآیة علی طریق الاستنباط الی معنی یلیق بھا محتمل لما قبلھا وبعدھا وغیرہ مخالف الکتاب والسنة فقد رخص فیه اھل العلم فان الصحابة قد فسروا القرآن واختلفوا فی تفسیرہ علی وجوہ ولیس کل ماقالوہ سمعوہ من النبی صلی اللہ علیه وسلم ولکن علی قدر ما فھموا من القرآن تکلموا فی معانیه وقد دعا النبی صلی اللہ علیه وسلم لابن عباس فقال ''اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل''۔ (تفسیر خازن: ج۱)

وہ تاویل جس میں قرآن پاک کی کسی آیت کو استنباط اور استدلال کے طریقے سے کسی ایسے معنی کی طرف لوٹایا جائے جس کی وہ آیت اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے محتمل ہے اور گنجائش رکھتی ہے تو اس قسم کی تاویل کی اہل علم نے اجازت دی ہے، صحابہ کرامؓ جب تفسیر کرتے تھے تو اس میں ہر ایک بات تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی نہ ہوتی تھی بلکہ وہ اپنے اپنے فہم کی روشنی میں ان مطالب ومعانی میں کلام فرماتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قسم کی تاویل مقبول کے لئے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اسے تاویل کتاب کا علم عطا فرما۔

ہاں جو تاویل ظاہر الفاظ قرآن سے ماخوذ نہ ہو اور الفاظ قرآن اس کے کسی طرح محتمل نہ ہوں یا وہ تاویل اسلام کے کسی بنیادی اصول سے متصادم ہو یا قرآن پاک کی دوسری نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہو تو یہ تاویل ''تاویل باطل'' ہوگی جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اسی تاویل باطل کو تحریف کہا جاتا ہے۔(آثار التنزیل: ج/۲ ص/۳۴۳)

حضرت یوسف علیہ السلام کی سفر آخرت کی تیاری: اس عظیم دنیوی سکون کے بعد (یعنی حکومت مصر سے مشرف ہونے کے بعد) حضرت یوسف علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر آنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کو وہ دنیوی مسرت ملی جو کسی مرد حق آگاہ کو اس دنیا میں مل سکتی ہے۔مصر کی حکومت ایک طرف ہو اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی روحانی سرپرستی دوسری طرف گویا آپ روحانی اور مادی ہر طرح کی دولت پائے ہوئے

تھے۔ جب تک حضرت یعقوب علیہ السلام زندہ رہے آپ مصر میں حکومت کرتے رہے۔ جب والد کی وفات ہوئی آپ انتظامی امور میں جانشین مقرر کرکے خود ہمہ تن سفر آخرت کی تیاری میں لگ گئے۔ آپ کی یہ دعا اس وقت کے آپ کے سکون قلبی کی دل سے اٹھی صدا ہے۔

"رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ" (سورۂ یوسف: ۱۰۱)

اے میرے رب تو نے مجھے کچھ حکومت بھی دی ہے اور تاویل الاحادیث کا مجھے علم بخشا۔ اے آسمان اور زمین کے بنانے والے تو ہی میرا والی ہے دنیا اور آخرت میں، تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے پہلے صالحین (حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام) کے ساتھ ملا دے۔ (آثار التنزیل: ج/۲ ص/۲۹۰)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نزدیک حکومت مصر سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع وفات کے وقت نعمت اسلام سے فائز ہونا اور آخرت میں حضرات صالحین کے ساتھ لاحق ہونا تھا، جس کے لئے بجناب الٰہی یہ دعا فرماتے تھے۔

یہ حقیر فقیر محمد قمر الزمان عرض پرداز ہے کہ دراصل یہی وہ حقیقت ہے جس کا استحضار ہر شاہ وگدا کو ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

اقتباس: حضرت العلامہ ؒ نے اپنی تصنیف "آثار الاحسان فی سیر السلوک

والعرفان'' میں سالکین کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے راہ ولایت میں پیدا شدہ بدعات میں سے دس بدعات کو شمار کرایا ہے۔ہم ان میں سے ساتویں، آٹھویں اورنویں بدعت کوآپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

ساتویں بدعت

خلافت کی عام تقسیم: کسی کواپنا خلیفہ بنانا درحقیقت اسے اپنی نیابت پرلانا ہےاور یہ بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔جس کوخلافت دی جارہی ہے اگر وہ اس منصب کااہل ہےتو یہ نیکی بھی ہےاورارشاد کا دائرہ عمل بھی، اورنااہل کومنصب خلافت پرلانا بدی بھی ہےاورفتنہ کا دخل بھی۔صوفیہ کرام کے ہاں خلافت اہل لوگوں کودی جاتی ہے یا پھرکسی کی اصلاح وہدایت اوراسے برائی سے نیکی پر لانے کے لئے دی جاتی ہے، یہ ایک حکیمانہ طرزعمل ہوتا ہے۔صوفیہ کرام نےکبھی کسی کوخلافت اس لئےنہیں دی کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں اس شیخ کے گیت گاتے رہیں اورلوگوں کوکھینچ کھینچ کراس کےقدموں پرلاتے رہیں یا دوسرے مشائخ کےحلقہ اثرکوگھٹانے یا مٹانے کے لئےمحنت کرتے رہیں۔جو پیرمحض اپنے حلقہ اثرکوبڑھانے کے لئےخلافتوں کی عام تقسیم کرتا ہے وہ اس سلسلے میں بدعت کوجنم دیتاہےاور یہ ایک ایسی بدعت ہےجس سےشریعت اورطریقت دونوں کی بدنامی ہوتی ہے۔

سلسلہ کو بڑھانا مطلوب نہیں: سلسلےکوآگے بڑھانا ہرگزطریقت میں مطلوب نہیں۔اس کی نظرحق تبلیغ پرہونی چاہئے گووہ کسی دوسرے شیخ طریقت کے حلقے میں ہو۔

آٹھویں بدعت

خلافت کا اولاد میں چلنا: خلافت اگر اہل حضرات کو ملے تو قطع نظر اس کے کہ وہ اولاد میں سے ہے یا نہیں اس میں کوئی عیب کی بات نہیں لیکن محض اس لئے کہ یہ سلسلہ خاندان سے باہر نہ جانے پائے اور اس گدی پر غیر خاندان کا کوئی فرد نہ آنے پائے، اپنی اولاد کو جانشینی کا منصب دینا طریقت میں بڑی بدعت ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلہ میں وہی لوگ آگے آئے جو اس کے اہل تھے اور جو نااہل تھے انہیں کبھی یہ منصب نہیں دیا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نااہل افراد کو محض خاندانی نسبت پر خلافت دینا انبیاء کا طریقہ نہیں، طریقت میں یہ ایک بدعت ہے جو بدعتی پیروں میں (بلکہ اپنوں میں بھی) عام چل نکلی ہے۔

ف: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مستقل ایک رسالہ ''تحفۃ الشیوخ'' لکھا ہے جو بصیرت افروز ہے۔ (مرتب)

نقشبندی سلسلہ کے مورث اعلیٰ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اولاد میں سے نہ تھے، چشتی سلسلہ کے مورث اعلیٰ حضرت امام حسن بصریؒ حضرت علی مرتضیٰؓ کے خاندان میں سے نہ تھے، جس طرح خلافت ظاہرہ اپنے دائرہ رشد میں کسی نسبی امتیاز سے نہ چلی حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اپنی اہلیت وقابلیت کی بناء پر منصب خلافت پر آئے، خلافت باطنہ بھی پہلے ادوار میں حسب ونسب پر نہیں دائرہ احسان میں چلتی رہی۔ کسی کو مقام ولایت نصیب ہو جائے تو اس کا معنی یہ تو نہیں کہ اب اس کا بیٹا اور پوتا بھی (جو اہل نہ ہو) ولی بن ولی کہلائے اور منصب ولایت کا حقدار ہو جائے۔

اہل سنت کے مقابل شیعہ بیشک خلافت نسب میں قائم کرنے کے مدعی ہیں لیکن قرآن کریم نے اہل کرامت کے لئے تقویٰ کی بنیاد رکھی جو جتنا متقی ہوگا اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باکرامت ہوگا اور سب اہل کرامت اسی اساس پر اٹھے ہیں۔ ''ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' (الحجرات)

سلسلہ چشتیہ کے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے جانشین خواجہ بختیار کاکیؒ ان کے صاحبزادے نہ تھے، حضرت خواجہ کاکیؒ کے جانشین بابا فرید گنج شکرؒ ان کے صاحبزادے نہ تھے اور بابا گنج شکرؒ کے جانشین شاہ نظام الدین اولیاءؒ اور کلیر شریف کے حضرت علی احمد صابرؒ ان کے صاحبزادے نہ تھے۔ نقشبندی سلسلہ کی خانقاہ کندیاں شریف کو لیجئے مولانا احمد خانؒ کے جانشین مولانا محمد عبداللہ سلیم پوریؒ (لدھیانہ) ان کے صاحبزادے نہ تھے، مولانا خان محمد صاحبؒ مولانا عبداللہؒ کے صاحبزادے نہیں۔ پھر علماء دیوبند کو دیکھئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ حضرت گنگوہیؒ کے صاحبزادے نہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے صاحبزادے نہ تھے، مولانا عبدالحفیظ مکیؒ حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحبزادے نہیں ہیں۔

خلافت اولاد کے لئے ضروری نہیں ہے: اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ خلافت اولاد میں چلے یا چلائی جاتی رہے، یہ سلسلہ اہل کو ملے تو یہ سلسلہ کی عزت ہے اور نااہل کو جائے تو یہ بدعت ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

اگر کسی نااہل کو خلافت مل جائے اور اسے دل میں پتہ ہو کہ اس نے کیسے جھوٹے خواب بنائے اور اپنے پیر کو سنائے تو اب اس خلافت کا بوجھ صرف پیر پر نہ رہے گا یہ خلیفہ بھی برابر کا قصوروار ہوگا، اسے چاہئے کہ وہ اب لوگوں کو بیعت نہ کرے جب تک اس کی اپنی اصلاح نہ ہو جائے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

"عن اسماء قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور" (اخرجہ الخمسۃ الا الترمذی)

ترجمہ: حضرت اسماء سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ایسے امر کا اظہار کرے جو اس کو نہیں ملی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دونوں کپڑے جھوٹ کے پہن لئے۔ (مطلب یہ ہے کہ گویا سر سے پیر تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا۔)

چونکہ **"مالم یعط"** عام ہے کمالات باطنیہ کو بھی اس لئے حدیث میں ایسے شخصوں کی بھی مذمت ہے جو باوجود عاری یا ناقص ہونے کے قول یا فعل یا طرز و انداز سے اپنے کو بزرگ ظاہر کرتے ہیں خاص کر جب کہ مرید کرنا بھی شروع کر دیں۔ (التکشف: ص ۳۷۷)

ف: چنانچہ اس وقت ایسا بہت ہو رہا ہے، جہاں کسی نے کسی کو اجازت دی وہ بیعت کرنا شروع کر دیتا ہے حتی کہ عامی آدمی عالم کو بیعت کرنے سے باز نہیں آتا، حالانکہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں خلافت کی تین قسمیں تھیں۔ ایک مجاز بیعت، دوسرے مجاز صحبت، تیسرے مجاز

للعوام، یعنی وہ صرف عوام کو بیعت کرسکتا ہے علماء کو نہیں، مگر اب تو ایسا ہی ہے جیسا کبھی حضرت مصلح الامتؒ سے سنا کرتا تھا کہ ’’یہ وہ جامہ ہے جس کا نہیں الٹا سیدھا۔العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

نویں بدعت

شیخ کے انتقال کے بعد اسی کے سلسلہ میں زبردستی لوگوں کو باقی رکھنا:

شیخ اور مرید کے درمیان نسبت کا پایا جانا بہت اہم ہے،نسبت کے پائے جانے سے فیض بہت ملتا ہے اوراس میں ترقی بھی ہوتی ہے،نسبت نہ ہو تو فیض کا ملنا بہت دقت طلب ہوتا ہے، اسی لئے مشائخ بعض حضرات کو بیعت سے انکار کردیتے ہیں کہ ان میں مناسبت نہیں پائی جاتی اور وہ انہیں دوسرے مشائخ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔شیخ کی زندگی میں اس سے تعلق بہت ضروری ہوتا ہے، البتہ شیخ کے انتقال کے بعد اگر اس کی اولاد یا اس کا کوئی نائب اہل لوگوں میں سے ہو تو اس کی طرف بشرط نسبت رجوع کرنا اور تجدید بیعت کرنا بہتر ہوتا ہے، لیکن اگر شیخ کے انتقال کے بعد ان کے نائبین میں سے کسی سے نسبت نہ ہو تو ضروری نہیں کہ مجبوراً اس کے کسی خلیفہ سے بیعت کی جائے، کسی بھی شیخ سے (جس کے اندر صلاحیت ہو اوراس سے مناسبت پائی جائے) بیعت کا تعلق قائم کیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ شیخ کے انتقال کے بعد اس کے مریدوں کو زبردستی یا ترغیب دے دے کر اس کی اولاد یا کسی خلیفہ سے بیعت کرنے کی تاکید کرتے ہیں وہ بدعت کے مرتکب ہیں۔تزکیہ کا مقصد نہ سلسلہ کی کثرت ہے اور نہ مریدوں کا ہجوم۔ یہ دل کی اصلاح ہے اوراس کے لئے اسی شیخ سے وابستگی چاہئے

جس کے ساتھ نسبت اتحاد ہو اور جو صحیح معنوں میں مصلح ہو اور دوسرے اہل حق اکابر کے حلقہ درس میں جانے سے نہ روکے۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ اپنے مریدوں کو اس کی تمام اجازت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں مریدوں کو اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا اللہ کا بندہ بنانا چاہتا ہوں۔

(آثارالاحسان فی سیر السلوک والعرفان: ص/۴۵۰ تا ۴۵۳)

وفات حسرت آیات: ۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات تین بجے کے قریب عالم اسلام کی یہ عظیم علمی، روحانی اور عبقری شخصیت اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور مانچسٹر (انگلینڈ) کی سرزمین میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خواب ہوگئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلیؒ متوفی ۱۴۴۱ھ

شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مرقومہ: برادر صغیر مولانا سلطان الدین قمر سنبھلی

تمہید: یادش بخیر آج اوراق حیات کے تقریباً ۳۷/ ۴۷، صفحات اچانک الٹ جاتے ہیں تو خود کو بڑے بھائی مولانا برہان الدین کے ساتھ اپنے والد محترم حضرت مولانا قاری حافظ حکیم حمید الدین مرحوم کی انگلی پکڑے نماز کے لئے مسجد کی طرف جاتے دیکھتا ہوں (بھائی صاحب مجھ سے تین برس آٹھ ماہ بڑے تھے، آپ کی ولادت ۴/ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۵/ ۱۹۳۸ء کو سنبھل میں ہوئی) گھر کی فضائیں قرآن کریم کی تلاوت، تعلیم و تعلم اور مشق وقراءت سے منور نظر آئیں۔ ہمارے والد محترم ملک کے کئی علمی اداروں میں تعلیم سے فراغت اور فن تجوید میں مہارت حاصل کر چکے تھے اور ایک مدت سرزمین حرم مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور وہاں کی مشہور عالم درسگاہ مدرسہ صولتیہ کے ماہر اساتذہ فن تجوید سے استفادہ کیا اور پھر اپنے وطن کے کئی شہروں میں تشنہ گان فن تجوید کو سیراب کیا۔ بعد ازاں اپنے شہر کے معززین کے اصرار پر ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں اپنے گھر کے قریب سنبھل میں مدرسہ حمیدیہ تجوید القرآن کی بنیاد رکھی۔ اسی چشمہ فیض سے بھائی صاحب اور اس ناچیز نے بھی جرعہ کشی کی، عام طلبہ کے ساتھ طالبات اور عام خواتین میں بھی قرآن شریف کی تلاوت کا ستھرا

ذوق پیدا ہو، اس کے پیش نظر والد صاحب رحمہ اللہ نے اپنی والدہ نیز اہلیہ یعنی ہماری والدہ اوراپنی صاحبزادی کو بھی نہ صرف فن تجوید کی تعلیم دی بلکہ ہماری والدہ کو حافظہ اور مکمل تجوید کی تعلیم کے بعد انہیں پروقار تقریب میں سند فضیلت اور رداء فراغت بھی عطا کی۔ اسی طرح خواتین میں بھی تجوید وقراءت کا ذوق عام ہوا ۱۹۵۸ء میں والدہ قبلہ کے انتقال کے وقت ہماری ہمشیرہ جو عمر میں ہم سے خاصی بڑی تھیں اور ہم دو بھائی مولانا برہان الدین سنبھلی اور یہ ناچیز (سلطان الدین قمر سنبھلی) اسی دنیا آب وگل میں موجود تھے ہم والدہ کے سایہ سے بہت بچپن میں ہی محروم ہو چکے تھے یعنی ۱۹۴۹ء میں ان کی وفات ہوئی۔

بھائی صاحب کی تعلیمی سرگرمیاں: ہمارے بچپن میں سنبھل میں بجلی کا عام گھروں میں انتظام نہیں تھا کہ مٹی کے تیل کے لیمپ یا سرسوں کے تیل سے جلنے والے چراغ روشنی کا ذریعہ تھے۔ چنانچہ ایسے ہی مدھم اور ٹمٹماتے چراغوں کی روشنی میں رات گئے تک بھائی صاحب کو سبق یاد کرتے اور پڑھائی میں منہمک دیکھا اس وقت ایسے ہی حالات میں طلبہ کو تعلیم کے مراحل طے کرنے ہوتے تھے۔ تقریباً دس سال کی عمر تک پہونچتے پہونچتے حفظ مکمل کرلیا تھا۔ بھائی صاحب کی طبیعت کا میلان صرف حصول تعلیم کی طرف ہی تھا کسی طرح کے کھیل کود یا کھلنڈرے بچوں سے کوئی تعلق نہیں تھا تکمیل حفظ وقراءت پر عظیم الشان تقریب کا اہتمام تھا، والد صاحب نے جلسہ عام کا اہتمام کر کے علماء کے ہاتھوں دستار بندی اور سند تجوید سے نوازا، فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم کے لیے صبح فجر کے بعد سے شام تک کئی مدرسوں میں حاضر ہوکر اساتذہ سے درس لیتے۔ گھر سے خاصی دور محلہ دیپا سرائے

کی اہم درسگاہ علی الصباح جاتے مولانا عابد حسین جو فارسی اور ابتدائی عربی کے مقبول مدرسین میں تھے ان سے بھرپور استفادہ کیا مدرسہ سراج العلوم ہلالی سرائے میں مولانا حبیب احمد اسرائیلی نے بڑی شفقت اور خاص توجہ کا معاملہ فرمایا۔ چونکہ بھائی صاحب نے ابتداء سے ہی پڑھائی میں محنت کی اور فضول کاموں یا کسی کھیل میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اسی لئے انکی تعلیم سے دلچسپی اور استعداد کے مثبت چرچے مقامی مدارس کے ذمہ داران اور تدریس سے وابستہ حضرات میں عام تھے، اسی لئے سبھی اساتذہ نے بھرپور توجہ تعلیم پر دی۔ جید حافظ اور مجود ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ نے خوش الحانی کی نعمت سے بھی نوازا تھا اس لیے رمضان المبارک میں جس مسجد میں تراویح پڑھاتے دور دور کے محلوں سے لوگ کھنچے چلے آتے، یہ سلسلہ برسوں دہلی جانے تک جاری رہا شہر کی بہت سی مساجد کے ذمہ داران اور مقتدی ایک سال قبل ہی اگلے رمضان شریف میں اپنے یہاں تراویح سنانے کا وعدہ لے لیتے۔ غرض وطن میں مختلف درسگاہوں اور معروف اساتذہ سے ابتدائی اور متوسطات بلکہ بعض اعلی کتب تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۷۵ھ /۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں حصول تعلیم اور تکمیل کے لیے داخل ہوئے اور اس وقت کے مشاہیر اساتذہ سے اعلی درسی کتابیں پڑھیں۔ وہاں مسلسل دو سال تک دارالعلوم میں تکمیل کے بعد ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء کو دورہ حدیث سے فراغت اور سند حاصل کی۔ دورہ حدیث میں اس وقت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث تھے اسی سال حضرت مدنی کا انتقال ہوا اور پھر درمیان سال میں مسند درس کو حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے رونق بخشی۔ اور اسی طرح بخاری

شریف کی آپ سے تکمیل کی۔ یوں دونوں بزرگوں سے درس بخاری کی سعادت ملی ان بزرگ اساتذہ سے استفادہ کے علاوہ علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رح۔ مولانا سید فخر الحسن مرادابادیؒ۔ مولانا محمد جلیل صاحب رحمہ اللہ۔ مولانا شبیر احمد خان صاحبؒ مولانا معراج الحق رح۔ مولوی محمد ظہور دیوبندی رح۔ اور مولانا محمد حسین بہاریؒ، نیز حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد قاری طیب علیہ الرحمہ سے حجۃ اللہ البالغہ نیز حدیث الاسودین میں استفادہ واجازت ملی۔ مولانا عبدالاحد صاحب مولانا سید حسن اور قاری حفظ الرحمن رحمہم اللہ سے استفادہ کا شرف ملا دارالعلوم کے دورہ حدیث کے ہی سال ۱۳۷۰ھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ" احادیث مسلسلات" مظاہر علوم میں پڑھ کر اجازت وسند نیز تلمذ کا شرف حاصل کیا۔

سلسلہ تدریس: تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دو ماہ اپنے وطن سنبھل کے قدیم مدرسہ سراج العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں اسی دوران دہلی سے پیش کش ہوئی اور بھائی دہلی چلے گئے وہاں مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی میں مسلسل بارہ سال تقریباً تمام کتب درسیہ زیر درس آئیں۔ انتہی

اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کیلئے دعوت دی گئی تو اس کو قبول کیا جیسا کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ''تعمیر حیات'' بابت ۲۵ رجنوری ۲۰۲۰ء میں قمطراز ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تقرر: انہیں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے عقیدت کا تعلق بھی تھا، اس لئے ان کی طرف سے دارالعلوم

ندوۃ العلماء لکھنؤ کا جب تقاضا سامنے آیا، تو انہوں نے اس کو ترجیح دی، اور یہاں آنے پر بعض اہم اداروں کی طرف سے اچھے مشاہرہ کے ساتھ ان کو پیشکش ہوئی، لیکن انہوں نے ندوہ کے قیام کو ہی ترجیح دی، اور ۱۹۷۰ء سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں علوم شریعہ کے استاذ کی حیثیت سے آخر تک رہے، اور ایک باکمال استاد کے طور پر تعلیم و تربیت کا کام ۴۵ ؍سال سے زائد عرصہ تک خاص طور پر تفسیر و حدیث اور اسرار شریعت پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی معرکۃ الآراء کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا درس ان کے ذمہ رہا، جو بہت مقبول رہا، بخاری شریف کے بعض ابواب اور سنن ابوداؤد، تفسیر قرآن کریم، کشاف اور بیضاوی شریف کا بھی درس دیا، اور تفسیر کے شعبہ کے صدر کی حیثیت سے اچھی خدمت انجام دی، مزید دار الافتاء میں اور دار القضاء میں قاضی کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات حاصل کی گئیں اس کے علاوہ اور بہت سے خدمات انجام دی، ان کی دینی صفات و خصوصیات کی قدر کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ نے اجازت و خلافت سے بھی سرفراز کیا تھا۔ اپنی علالت و معذوری کی وجہ سے آخر میں تدریسی خدمت سے سبکدوش ہوگئے، مگر ارشاد و تربیت کا کام متعلق طلبہ کیلئے کرتے رہے تھے، اور ان کے علمی و دینی صفات و خصوصیات سے فائدہ اٹھانے کا سلسلہ جاری تھا کہ یہ روشن چراغ بھی بجھ گیا، اور وہ اپنی طویل دینی علمی و دینی خدمات کا حقیقی صلہ لینے اپنے مالک حقیقی کے پاس پہونچ گئے،

اللھم اغفرہ وارحمہ وادخلہ فی العلیین واحشرہ مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔

وفات: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی نے ۸۳/سال کی عمر پائی، اور جمعہ کے مبارک دن ۲۱/جمادی الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۷/جنوری ۲۰۲۰ء عصر کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا، اور پوری زندگی علم و دین کی خدمت میں گزار کر اپنے مالک حقیقی کے جوار رحمت میں پہونچ گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔ للہ ما اخذ ولہ ما اعطی، و کل شیء عندہ باجل مسمی۔**

اگلے روز بعد نماز ظہر دارالعلوم ندوہ العلماء ہی میں نماز جنازہ ہوئی، اور ڈالی گنج قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، جہاں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کئی اساتذہ و کارکنان اور بعض ممتاز علماء مدفون ہیں۔

امت مسلمہ کو اللہ تعالی ان کا نعم البدل عطا فرمائے، اور ان کی وفات سے جو خلا و خسارہ ہوا ہے اس کو پر فرمائے۔ آمین

اپنی سعادت: الحمد للہ کہ اس حقیر کا آپ سے نہایت قوی تعلق تھا، جب یہ حقیر دارالعلوم ندوہ العلماء حاضر ہوتا تو آپ سے ضرور ملاقات کرتا، جس سے وہ بہت مسرور ہوتے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس حقیر کی کئی تصنیفات پر تبصرہ ارقام فرمایا سب سے پہلے ''اقوال سلف'' پر سب سے عمدہ تبصرہ آپ ہی نے تحریر فرمایا تھا جو پسند کیا گیا۔ فجزاھم اللہ تعالی (قمر الزمان)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد[۱] صاحب پالنپوری ؒ متوفی ۱۴۴۱ھ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

نام ونسب: آپ کا نام والدین نے احمد رکھا تھا۔ سعید احمد آپ نے اپنا نام خود رکھا ہے۔ آپ کے والد کا نام یوسف ہے، آپ کا خاندان مؤمن برادری سے تعلق رکھتا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا شمالی گجرات میں ہوئی۔ جو علاقۂ پالن پور کی مشہور بستی ہے۔

تعلیم وتربیت: شہر پالن پور میں متوسطات کی کتابیں پڑھیں، ۱۳۷۷ھ میں آپ نے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیکر تین سال تک تعلیم حاصل کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ: ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیکر ۱۳۸۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل فرمائی۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے شعبۂ دارالافتاء میں داخلہ لیکر افتاء کا کورس مکمل کیا۔

تدریسی خدمات: آپ کا تقرر دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت میں درجۂ علیا

---

[۱] ماشاء اللہ! عزیزم مولانا مقصود احمد سلمہٗ نے اپنے استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب ؒ کی جو توصیف کی وہ یقیناً قل و دل کا مصداق ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کی اقوال سلف کے صفحات میں گنجائش نہیں ہے، چونکہ کتاب تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ ورنہ میں خود بھی اپنے خصوصی تعلق کی بناء پر کچھ ان کے علمی وعملی کمالات کو درج کرتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی مغفرت فرمائے۔ اور بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کے بعض صاحبزادوں سے بھی ملاقات ہے خصوصاً حسین احمد صاحب سے کہ وہ مجھ سے اصلاحی تعلق رکھتے ہیں، بلکہ ان کو بیعت کی اجازت دے دی ہے۔ (مرتب)

کے استاذ کی حیثیت سے ہوا۔تقریباً ۹؍سال تک اس مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔اور درس نظامی کی بہت سی کتابیں پڑھائیں۔ ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوگیا، اس وقت سے تادم حیات دارالعلوم دیوبند میں فقہ، تفسیر اور حدیث شریف کے علاوہ تمام علوم وفنون کی کتابیں زیر درس رہیں۔

بیعت واجازت: موصوف جس طرح علوم ظاہری میں درک وکمال رکھتے تھے اسی طرح علوم باطنی سے بھی بہرور تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بیعت تھے۔ اوران کے علاوہ دیگر بزرگان دین سے بھی فیض یافتہ تھے، خاص طور پر حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی مجالس میں شرکت کرتے تھے۔ اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہریؒ کے مجاز بیعت وارشاد تھے۔

تصنیفی خدمات: تقریباً چھیالیس کتابیں آپ نے بطور صدقۂ جاریہ چھوڑا ہے۔جس میں خاص طور سے ’’ہدایت القرآن، تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری، تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی، رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فضل وکمال: موصوف کو اللہ جل شانہٗ نے بہت سی خوبیوں وکمالات سے نوازا تھا۔آپ کا ذوق لطیف، طبیعت سادہ اور نفیس تھی۔مزاج میں استقلال اور اعتدال تھا۔فطرت میں سلامت روی کے مالک تھے۔حق وباطل اور ثواب وخطا کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے تھے، حقائق ومعارف کے ادراک میں یکتائے زمانہ تھے۔جس طرح موصوف کا انداز خطابت نہایت مؤثر اور درس نہایت مقبول اور عام فہم ہوتا تھا۔اسی طرح آپ کی تمام تصانیف آسان عام فہم

اورمقبول عام وخاص ہیں۔آپ کی تصانیف کی مقبولیت کیلئے یہی کافی ہے کہ دارالعلوم دیوبنداوردیگرمدارس میں داخل نصاب ہیں۔

اقتباس ازعلمی خطبات حصۂ دوم: قدافلح من تزکیٰ وذکر اسم ربه فصلیٰ کی تشریح کرتے ہوئےفرمایا:

ایک شرک وکفر سے علیحدہ ہوجائے اور ظاہری وباطنی حسی ومعنوی نجاستوں سے پاک ہوجائے اورقلب وقالب کوعقائدصحیحہ اوراعمال صالحہ سے آراستہ کردے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھےاوراس کا فارمولہ یہ ہے کہ بندہ جوبھی کام کرے اس میں جائز وناجائز کا خیال رکھے۔یعنی ناجائز کو چھوڑ دے اور جائز کو اپنالے۔کاروبار میں یہی اللہ کو ہر وقت یاد رکھنا اور گھریلو زندگی میں ہمیشہ یادرکھنا یہ ہے کہ والدین کے ساتھ جومعاملہ کرے، بھائی بہنوں کے ساتھ، بیوی بچوں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ، اعزہ واقارب کے ساتھ جومعاملات کرے شریعت کے مطابق کرے۔کسی معاملہ میں شریعت کی خلاف ورزی نہ کرے۔اسی طرح کھانے پینے میں حلال وحرام کاخیال رکھے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ نمازیں پڑھے، یہ ہمیشہ اللہ کو یادرکھنے کی ایک شکل ہے۔اور یہی تین کام کامیابی کی ضمانت ہیں۔ (علمی خطبات دوم ص: ۱۲۴)

وفات: ۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۱؁ھ مطابق ۱۹؍مئی ۲۰۲۰؁ءکواس دارفانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ممبئی میں جوگیشوری کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔رحمہ اللہ تعالیٰ۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ [1] المتوفی ۱۴۳۹ھ

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ولادت وتعلیم: ۲۲؍جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸؍جنوری ۱۹۲۶ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ عربی تعلیم کا آغاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاتھوں ہوا، جن سے آپ نے میزان الصرف پڑھی، بقیہ ابتداء سے انتہاء تک پوری تعلیم دارالعلوم دیوبند ہی کے اساتذہ سے ہوئی۔ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں فراغت ہوئی۔

تدریس: تعلیمی مرحلہ مکمل ہونے کے ساتھ ہی دارالعلوم میں بہ حیثیت مدرس تقرر ہوگیا، تدریسی سفر نورالایضاح اور ترجمۂ قرآن مجید سے شروع ہوا، اور بخاری شریف نیز صحاح ستہ کی دوسری کتب تک پہنچا۔

یوں تو حضرت مولانا کا شمار دارالعلوم کے مقبول اساتذہ میں ہوتا تھا اور تمام علوم میں دسترس ہونے کی وجہ سے وہ اپنے سے متعلق تمام اسباق کا حق اس طرح ادا کرتے تھے کہ ہر استعداد وصلاحیت کا طالب علم مطمئن ہوجاتا تھا لیکن علم الکلام ان کا خاص اور موروثی موضوع تھا جس میں ان کے جوہر کھلتے تھے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی پڑھاتے ہوئے کلامی مسائل پر ان کی نکتہ آفرینیاں قابل رشک ہوتی تھیں اور فن خطابت میں خصوصی مہارت کی وجہ سے وہ علم الکلام کے

---

[1] مرتبہ: عزیزم مولانا شکیب صاحب سلمہ

پیچیدہ مسائل کو بھی ایسے دلنشیں اور سہل انداز میں پیش کر دیتے تھے کہ کمزور سے کمزور استعداد والا طالب علم بھی کچھ لے کر ہی اٹھتا تھا۔

اوصاف وکمالات: حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ فاضلانہ اخلاق سے مزین، عارفانہ خوش مزاجی وخوش گفتاری سے مرصع، لطافت و پاکیزگی، باذوقی وبامروتی، لینت ونرمی، حلم وبردباری، کرم فرمائی وذرہ نوازی، عفوودرگذر، متانت وسنجیدگی، تواضع وانکساری، خاکساری وکسر نفسی، خورد پروری اور انسانیت ومردم گری میں یکتائے زمانہ اور ایک نمونہ تھے۔ الغرض آپ اخلاق حسنہ سے مزین اور علمی وخاندانی اقدار وروایات کے امین و پاسبان تھے۔

بیعت وخلافت: آپ کی بیعت شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے اور اصلاح وتربیت والد ماجد سے ہے اور والد ماجد کی طرف سے بھی آپ کو خلافت واجازت بیعت حاصل ہوئی۔ آپ نے دیگر امور ومشاغل کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی آخر تک جاری رکھا، پچاس سے زائد حضرات کو خلافت عطا فرمائی۔

آپ کی جامعیت: آپ کی زندگی درسی وتدریسی، تصنیفی وتالیفی اور تعلیمی وملی خدمات سے بھری ہوئی ہے، زندگی میں امت مسلمہ کی خیر خواہی وخیر سگالی کے سوا کسی اور طرف توجہ نہیں فرمائی، حتی کہ ذاتی آرام وسکون کو بھی ملی کاموں کے لئے تج فرما دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمات کے اعتراف میں دنیا بھر سے آپ کو ایوارڈوں سے نوازا گیا۔ چنانچہ مصر کی حسنی مبارک حکومت کے دور میں آپ کی مختلف الجہات خدمات کے اعتراف میں مصر کا سب سے بڑا ایوارڈ ''نوط

الامتیاز'' سے سرفراز کیا گیا۔ ترکی نے ''جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتویؒ'' ایوارڈ سے نوازا، اور ہندوستان میں بھی متعدد ایوارڈ سے سرفراز فرمائے گئے، جیسے ''شاہ ولی اللہ ایوارڈ'' اور اس کے علاوہ آپ اپنی بے مثال خطابت کی وجہ سے ''خطیب الاسلام'' کے لقب سے اتنا معروف ہوئے کہ یہ آپ کے نام کا جز بن گیا۔

عقائد میں رسوخ: عقائد ونظریات اور افکار وخیالات میں رسوخ وپختگی، اعتدال وتوازن، یکسانیت وبرابری، حسن مزاجی ومذاق اور لطافت طبع کا ایک ایسا جاذب نظر، دل کش ودلربا، خوش نما اور حسین مرقع، کہ اس کی نظیر بہت کم ہی مل پائے گی۔

وحدت فکر: آپ نے ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ'' (آل عمران:۱۹) اور ''اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً'' (الانبیاء:۹۲) پر عمل کرتے ہوئے وحدت فکر کو مسلمانوں کی عظمت وبلندی کے لئے خشت اول قرار دیا اور وحدت فکر کی حصولیابی اور وحدت فکر کی بقا کے لئے فقہ معین ومسلک معین کو محض خاموشی سے اختیار کرنے اور صرف دین منزل کے اعلان وتبلیغ کی تاکید کی، مسلک ومذہب کسی کو بتانے یا اعلان کرنے کی چیز نہیں ہے، اسے کہیں زیر تذکرہ لائے بغیر خاموشی سے اختیار کرنا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

''تشکیل نظام کے اس مرحلہ پر یہ حقیقت ہر اختلاف سے بالاتر ہوجاتی ہے کہ قوموں کے لئے ہر دائرۂ حیات میں ترقی کی خشت اول صرف وحدت فکر ہی ہونی چاہئے، ورنہ اختلاف افکار ونظریات کے سامنے ارتقاء کا تصور ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا، ملت اسلام میں وحدت فکر بیدار کرنے کا واحد طریق اس کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا کہ ہر طبقہ ملت میں اپنے فقہ

معین اور مسلک مختار کو ادنیٰ درجہ میں بھی زیر تذکرہ لائے بغیر تبلیغ دین صرف دین منزل من اللہ کے لئے مخصوص ہو‘‘ (خطبات خطیب الاسلامؒ ج/ ۳ ص/ ۹)

اعتدال کی تلقین: حضرت مولانا اپنے اکثر خطاب میں امت مسلمہ کو افراط وتفریط سے بچنے اور اعتدال کی تلقین فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اعتدال ہی اس امت کی سب سے امتیازی صفت ہے، اس آیت کریمہ سے استشہاد کرتے ’’**وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا** ‘‘اور مسلمانو! اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا تا کہ تم دوسری امت کے افراد پر گواہ بن سکو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ بنیں۔ وسطیت اور اعتدال ہی اس امت کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ تمام اعمال وعبادات میں وسطیت اور اعتدال کی روح کارفرما ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نہ صرف اعتدال ومیانہ روی کے داعی تھے بلکہ خود آپ کی زندگی میانہ روی کا پرتو تھی اور اعتدال آپ کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔ اسی لئے آپ اپنی مختصر سی زندگی میں اتنے کارہائے نمایاں انجام دینے میں کامیاب ہو سکے جو ایک انجمن بھی انجام نہیں دے پاتی۔ چنانچہ آج کا مسلم معاشرہ افراط وتفریط کی وجہ سے جس مسلکی گروہ بندی اور جماعتی عصبیت سے دوچار ہے اس نے ملت کے شیرازے کو پارہ پارہ کردیا، خطیب الاسلامؒ کی نظر میں اس کا ایک بڑا سبب مسلک کو عین دین سمجھ لینا ہے اور دین سمجھ کر پھر اسی فقہی مسلک کی تبلیغ شروع کردینا ہے، اسی چیز نے ملت وحدت کو تار تار کر رکھا ہے، مولانا فرماتے ہیں: ’’جب کسی مذہب فقہی یا مسلک فکری کو دیگر مذاہب فقہیہ یا مسالک فکریہ کے بالمقابل ترجیحاً کے بجائے اہل علم نے تبلیغاً

پیش کرنا شروع کر دیا تو بظاہر اسباب اسی غلطی نے امت میں بے نہایت طرق اختلاف کے بیج بو دیئے۔ (خطبات خطیب الاسلام: ج/۱ص/۱۳۵)

انتظامی صلاحیتوں کے جوہر اور دارالعلوم وقف دیوبند کی بنیاد:

حضرت خطیب الاسلامؒ ایک کامیاب وباوقار معلم، صاحب طرز انشاء پرداز ومصنف، اور مقبول ومعتبر خطیب ہونے کے ساتھ ہی بہت ہی لائق ودوررس منتظم بھی تھے۔ ان کی انتظامی صلاحیتوں کے مظہر دو ادارے تھے، ان میں سے ایک دارالعلوم کی طرف سے ان کی سربراہی میں قائم کیا گیا شعبہ ''معارف القرآن'' اور دوسرا خود ان کا اپنا قائم کردہ ذاتی ادارہ ''جامعہ دینیات اردو دیوبند'' تھا۔ اول الذکر کا خصوصی ہدف علوم قرآنیہ پر تحقیق تھا جس میں خود حضرت مولانا پوری دل جمعی کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اس شعبہ کی طرف سے متعدد تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں، چنانچہ جب ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف کی بنیاد پڑی تو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ نے اپنی انہیں بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دارالعلوم وقف کو مختصر سی مدت میں دنیا کے اندر ایک عالمی ادارے کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ اللہم زد فزد

سعادت عظمیٰ: اپنی سعادت کیلئے مولانا سالم صاحبؒ کا یہ مکتوب کافی ہے:

باسمہ تعالی

حضرت المحترم مولانا قمر الزماں زید مجدہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عطیۂ علمیہ ''اقوال سلف'' حصّہ دوم نے ممنون ومسرور فرمایا، اور فوراً ہی پیش آمدہ سفر میں اس موقر تالیف سے فی الجملہ استفادہ کا موقع بھی میسّر آگیا، یہ اقوالِ

سلفِ صالحین تو زندگی بخش تھے ہی، لیکن آں محترم کے اضافی اور وضاحتی حواشی نے ان کی قیمت وافادیت میں گوناگوں اضافہ فرمادیا۔

یہ سلسلۂ فیض حضرت الہ آبادی علیہ الرحمۃ ہی کا ہے، (اس سے مراد مرشدی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی قدس سرہٗ ہیں۔محمد قمر الزماں) جس کے لئے مشیتِ ربانی نے آپ کو منتخب فرمالیا،حق تعالی اس فیضان کو دواماً عموم وشمول ارزانی فرمائے اور عمر واقبال اور صحت وکمال کے ساتھ آں محترم کو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ موفّق فرمائے۔آمین

اس ہدیۂ گراں بہا کے لئے بصمیم قلب شکرگذار ہوں۔والسلام

احقر محمد سالم

مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند

۸/۱/۱۴۱۰ھ

۱۱/۸/۱۹۸۹ء

وفات: آپ ۲۷/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء بروز سنیچر ۹۵/سال کی عمر اس دار فانی سے دار بقا کی جانب کوچ کر گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔نماز جنازہ مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی نے پڑھائی، اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ۔

آؤ بیٹھیں مرکز انوار کی باتیں کریں　　نور برسائیں رخ دلدار کی باتیں کریں

نبی خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ　　کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ　　صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ

یوں تو ''اقوال سلف جلد اول'' میں حبیب رب العالمین ، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آ چکی ہے، لیکن اب چاہتے ہیں کہ تبرکاً وتیمناً پھر حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل کریمہ واخلاق حسنہ کے سرچشمہ سے چند قطرات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر کے چشم کو نور بصارت اور قلب کو سرور وبصیرت سے مزین کرنے کا سامان فراہم کریں۔ واللہ الموفق۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم　　الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

سب سے پہلے کتاب زاد المعاد (مصنفہ علامہ ابن قیمؒ) کے مقدمہ سے اقتباس نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جس کا ترجمہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے کیا ہے جو معارف مصلح الامت جلد ر ۳ صفحہ ۳۵۸ میں شائع ہو چکا ہے۔ وہ یہ ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے حمد ونعت کے بعد کلام کو یہاں سے شروع فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خلق واختیار کے ساتھ متفرد ہیں، یعنی سب چیزوں کے وہی خالق ہیں اور جس چیز کو جس انداز پر پیدا فرمایا ہے اس میں انہیں کے انتخاب اجتباء اور اختیار کو دخل ہے۔

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَایَشَاءُ وَیَخْتَار۔ (سورۃ القصص آیت ۶۸)	اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور (جو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے۔

اسی انتخاب کے قبیل سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے تمام بنی آدم میں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی اور پھر ان میں سے تین سو تیرہ کو رسالت کے لئے مخصوص فرمایا، جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے۔ جسے احمد اور ابن حبّان نے روایت کیا ہے۔ پھر اُن رسولوں میں سے بھی اولوالعزم کو منتخب فرمایا جنکی تعداد پانچ ہے اور سورہ احزاب اور شوریٰ میں ان کے اسماء آئے ہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَاِذْاَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُوْحٍ وَاِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی بْنِ مَرْیَم (سورۃ الاحزاب آیت ۷)	اور (اے پیغمبر) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا، اور تم سے بھی، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔ (آسان ترجمہ)

ایک دوسرے مقام میں یوں فرمایا کہ:

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَاوَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ۔ (سورۃ الشوری آیت ۱۳)	اس نے تمھارے لئے دین کا وہی طریقہ طے کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جو (اے پیغمبر) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ، اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم دین کو قائم کرو، اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (آسان ترجمہ: مفتی تقی عثمانیؒ)

پھران اولوالعزم رسل میں سے دوکو خلت (گہری دوستی) سے نوازا یعنی اپنا خلیل بنایا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

اور حق تعالیٰ شانہ کے اسی اختیار اور اجتباء کے قبیل سے یہ ہے کہ اس نے تمام بنی نوع انسان میں سے اولاد اسمعیل کو منتخب فرمایا اور ان میں سے بھی خزیمہ کے شاخ بنی کنانہ کو پھران اولاد کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا۔ پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو پھر بنی ہاشم میں سے سید اولاد آدم فخر الانبیاء والرسل امام الاولین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا۔

(معارف مصلح الامتؒ مجموعہ ملفوظات مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ: ج/۲ص/۳۵۸)

نسب مبارک: آپ کا نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیگر سابقہ انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں زیادہ پسندیدہ نبی قرار دیا، اس سلسلہ میں ان کی قربانیوں کو وہ مقام عطا فرمایا جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قربانیوں کے مقابلہ میں زیادہ بالاتر تھیں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تمغۂ خلیلی عطا فرمایا، جس کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا: ”وَاتَّخَذَاللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا“(النساء:۱۲۵) (اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اس پسندیدگی کو ان کی اولاد تک منتقل فرمایا جس کی دعا خود ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی ،لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ پسندیدگی صرف ان کی ان ہی اولاد تک محدود رہے گی جو صحیح راستے پر رہیں گے اور اپنے کو اس کا اہل بنائیں گے۔

وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ۔ (البقرۃ:۱۲۴)

جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انھوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگون کا امام بنادوں گا، عرض کرنے لگے: اور میری اولاد کو، فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ ۚ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ؕ رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡكُرُوۡنَ۔ (ابراھیم:۳۵،۳۷)

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنادے، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے، اے میرے پالنے والے معبود! انھوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے، پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف اور کرم کرنے والا ہے، اے میرے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس لا بسایا ہے، اے ہمارے پروردگار! یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں، اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ تیرا شکر کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی رضا طلب میں اس کے نہایت مشکل ترین حکم کو بھی پوری وفاداری کے ساتھ انجام دیا تھا اور اس کی بنا پر آپ کو آپ کے رب کی طرف سے خلیل اللہ کا خطاب ملا اور آپ اپنے پروردگار کے بہت محبوب نبی ہوئے، آپ کی ایک قربانی تو یہ ہوئی کہ اپنے پروردگار کا حکم پا کر اپنے شیر خوار بچے کو ماں کے ساتھ ایسی غیر آباد اور خشک جگہ میں ٹھہرا دیا جہاں کوئی مددگار اور ہمدرد نہ تھا، اور نہ پانی، کھانے کا ذریعہ تھا، پھر اس بیٹے کے جوان ہونے پر اس کو ذبح کر دینے کا حکم ہوا، انھوں نے اس کی تکمیل کی کوشش کر ڈالی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو بچا دیا اور پھر ان کی نسل سے ہی آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزند حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام، پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام، یہ سب نبی ہوئے۔ اور خاص طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے عظیم تر اور آخری نبی بنانا طے فرمایا، جس کو ان حالات میں ہدایت اور رہنمائی کا کام سپرد کرنا تھا جب کہ دنیا اپنے بگاڑ اور گراوٹ کی بہت نچلی سطح تک پہنچنے والی تھی۔

یہ آخری نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں پیدا ہوئے، اور ان کا سلسلۂ نسب اپنے خاندان ونسل میں سب سے بہتر شاخ کے ذریعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ آپ کا نسب مبارک اس طرح ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب

بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔(رہبرانسانیت:۹۵)

ولادت باسعادت: پھر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ آپ اپنے والد کا سایہ نہ پائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی نگہبانی ہو، لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کیا کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ آپ کے پیدا ہونے سے کچھ ماہ قبل جب کہ آپ بطن مادر ہی میں تھے مدینہ کے ایک سفر کے درمیان انتقال کیا، اور وہیں تدفین عمل میں آئی، اس طرح ان کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، ۹/ربیع الاول دوشنبہ کا دن تھا(۱۷/اپریل ۵۷۰ء) چنانچہ آپ کی پیدائش ہونے پر آپ کے دادا عبدالمطلب کو اپنے اس پوتے کی طرف خاص شفقت وتوجہ کا معاملہ رکھنے کی ذمہ داری ملی، انھوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نام رکھا، اور ایسی شفقت اور فکر کی کہ والد کے نہ ہونے کی حتی الوسع تلافی کی۔(رہبرانسانیت، مؤلفہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ:۹۸)

رضاعت: پیدائش کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے، پھر کئی روز تک آپ کے چچا ابولہب کی باندی ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا، اس کے بعد یہ دولت خداداد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو نصیب ہوئی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

جدامجد اور والدہ ماجدہ کی وفات: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال کی تھی، آپ کی والدہ محترمہ مقام ابواء میں جب کہ مدینہ (جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ننہال خاندان نجار میں تھی) سے مکہ مکرمہ آرہی تھیں انتقال ہوگیا۔ اور جب آپ ؐ آٹھ سال کے سن کو پہنچے تو دادا کے سایۂ شفقت سے

محروم ہو گئے۔ یہ تربیت الٰہی کے وہ اسرار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت خدیجہؓ سے رشتۂ ازدواج: جب آپ ﷺ پچیس سال کے ہو گئے تو قریش کی باا ثر و بارسوخ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا عقد مسنون ہوا۔

آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی حیات میں اور کسی سے نکاح نہیں فرمایا۔ ہجرت مدینہ سے تین سال پہلے حضرت خدیجہؓ کی وفات ہو گئی اور آپ کی عمر ۴۹ ربرس کو پہنچی تو اور خواتین رضی اللہ عنہن آپ کی نکاح میں آئیں۔

آپ ﷺ کی اولاد اطہار: آپ ﷺ کے دو فرزند اور چار صاحبزادیاں حضرت خدیجہؓ سے ہوئیں، اور ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ہیں۔ (احسن السیر، مرتبہ مولوی محبوب احمد قمر الزمان ندوی: ص ر ۲۱)

نبوت کا آغاز اور وحی کا نزول: پھر تیسرے سال کے رمضان میں جب آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال چل رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا کے اندر ذکر الٰہی اور عبادت میں مشغول تھے کہ یکایک حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور آپ کو وحی و نبوت سے نوازا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز نیند میں اچھے خواب سے ہوا، آپ جو خواب دیکھتے وہ سفید صبح کی طرح نمودار ہوتا، پھر آپ کو تنہائی پسند آنے لگی، چنانچہ آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر آئے بغیر عبادت کرتے، اور عرصہ کے لئے توشہ بھی لے جاتے۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور اسی جیسی مدت

کے لئے پھر توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا ہی میں تھے کہ آپ کے پاس حق آ گیا، یعنی آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا ''پڑھو''! آپ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا آپ فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس زور سے دبوچا کہ مجھے چور کر ڈالا۔ پھر چھوڑ کر کہا ''پڑھ''! میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا، اور چور کر ڈالا پھر چھوڑ کر کہا: ''پڑھ''! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس نے تیسری بار دبوچا اور کہا {اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝} (العلق)

ترجمہ: پڑھ! اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ! تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم دیا انسان کو وہ بات سکھائی جس کو وہ جانتا نہ تھا۔

ان آیات کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچ کر فرمایا ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو'' انہوں نے اوڑھا دی یہاں تک کہ دہشت جاتی رہی پھر حضرت خدیجہؓ کو واقعہ سنا کر فرمایا مجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہے انہوں نے کہا:

اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اللہ آپ کو کبھی نہیں رسوا کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، خالی ہاتھ والوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلہ میں پیش آنے والی مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو

اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ دور جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ اور عبرانی لکھنا جانتے تھے، چنانچہ عبرانی میں توفیق الہی کے مطابق انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں ورقہ نے کہا بھتیجے تم کیا کہتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا۔ ورقہ نے کہا ''یہ تو وہی نوموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ کاش میں اس وقت جوان ہوتا، کاش میں اسوقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ہاں! کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمہارے جیسا پیغام لایا ہو، مگر اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو، اگر میں نے تمہارا وہ دن (جس دن تمہاری قوم تمہیں مکہ سے نکالے گی) پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا''۔ اس کے بعد ورقہ بن نوفل جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی حدیث: ۳)

مندرجہ آیات طیبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ پر دال ہیں

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ (التوبة: ۱۲۸، ۱۲۹)

ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں حضرت مولانا عاشق الہی مہاجر مدنیؒ نے نہایت عمدہ مضامین ارقام فرمایا ہے ان کو بعینہ نقل کرنے کی سعادت حاصل

کرر یا ہوں۔ وہ یہ ہے

یہ دو آیتیں ہیں جن پر سورہ توبہ ختم ہو رہی ہے۔ پہلی آیت میں سیدنا خاتم النبیین محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعض صفات بیان فرمائیں۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ تمہارے پاس ایک رسول آیا جو بڑے مرتبہ والا رسول ہے (اس پر رَسُوْلٌ کی تنکیر دلالت کرتی ہے) اور یہ رسول تم ہی میں سے ہے اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ بشر ہے تمہاری جنس میں سے ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب سے ہے، جو مخاطبین اوّلین ہیں ان کا ہم زبان ہے وہ اس کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نسب کے اعتبار سے اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے تم ہی میں سے ہے اس کے نسب کو، اس کی ذات کو اور اس کی صفات کو اچھی طرح سے جانتے ہو۔

مفسر ابن کثیر (ص ۴۰۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کسریٰ کے سامنے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا "ان اللہ بعث فینا رسولا منا نعرفه نسبه و صفته و مدخله و مخرجه و صدقه و امانته" (اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے جو ہم میں سے ہے ہم اس کے نسب کو اور اس کے حالات کو جانتے ہیں ہم ہر طرح سے اس کی سچائی و امانت کو جانتے ہیں) آپ جن لوگوں میں پیدا ہوئے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی انہیں میں رہے، آپ انہیں کی زبان میں بات کرتے تھے جس کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے آپ سے استفادہ کرنے اور آپ کی باتیں سننے اور سمجھنے کا خوب موقعہ تھا۔ اگر ان کا نبی ان کی جنس سے نہ ہوتا

مثلاً فرشتہ ہوتا یا ان کا ہم زبان نہ ہوتا یا رہنے سہنے میں کسی ایسی جگہ رہتا جہاں آنا جانا اور ملنا جلنا دشوار ہوتا تو استفادہ کرنے اور بات سمجھنے میں دشواری ہوتی یہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ انہیں میں سے رسول بھیج دیا۔ کما قال تعالیٰ (فی سورہ آل عمران) (لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ) (اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا) آپ کی دیگر صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ (عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ) کہ امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ کو شاق گزرتی ہے۔ اور آپ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور آپ امت کے نفع کے لیے حریص ہیں آپ کو یہ بھی حرص ہے کہ جملہ مخاطبین ایمان لے آئیں اور یہ بھی حرص ہے کہ اہل ایمان کے تمام حالات درست ہو جائیں اور آپ کو مومنین کے ساتھ بڑی شفقت ہے، آپ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ کا تعلق صرف ایسا نہیں ہے کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو گئے بلکہ آپ کا اپنی امت سے قلبی تعلق ہے۔ ظاہراً بھی آپ ان کے ہمدرد ہیں اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ بھی شریک ہوتے تھے اور ان میں سے کسی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کو کڑھن ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا (وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ) (یعنی مؤمنین کے ساتھ آپ نرمی کا برتاؤ کیجیے) ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی، اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا چند آدمی جب اس کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہلے ہی سے

ادھر روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو آپ آ رہے تھے آپ نے فرمایا لَمْ تُرَاعُوْا۔ ڈرو نہیں، کوئی فکر کی بات نہیں۔ (صحیح بخاری ص۴۱۷ ج۱)

حضرات صحابہ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لیے فکر مند ہوتے تھے۔ عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ دوا بتاتے تھے۔ مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لیے ان امور کی تعلیم دیتے تھے۔ جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسانوں کو خود ہی بچنا چاہئے لیکن آپ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لیے آپ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص۴۰۴) اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ پر چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے (مشکوٰۃ ص۳۶۶) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو) (رواہ البخاری ومسلم) جوتے پہننے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔ (رواہ مسلم)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے جب تک کہ دوسرے چپل کو درست نہ کرلے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہوکر توازن صحیح نہیں رہتا (رواہ مسلم) آپ امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے لیے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو، اور آپ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو۔ اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲)

نیز آپ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں) اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائے گی جو سراپا شفقت پر مبنی ہیں۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہوجائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کے چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور زبردستی گرتے ہیں، یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لیے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

پھر فرمایا کہ اگر لوگ روگردانی کریں حق کو قبول نہ کریں۔ محبت، شفقت اور رافت ورحمت والے رسول کی تصدیق نہ کریں تو آپ ان کی طرف سے ایذاء پہنچنے کے بارے میں متفکر نہ ہوں آپ یوں اعلان کردیں (حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ) (کہ اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) (عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ) (میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے) توکل علی اللہ نبیوں کا اور ان کے امتیوں کا سب سے بڑا ہتھیار رہے اس سے مشکل ترین کام آسان ہوجاتے ہیں۔ حضرت ابو درداء (رض) نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام سات مرتبہ (حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ) کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام فکرمندیوں کی کفایت فرمائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ٤٠٥ ج ٥) (انوار البیان سورۃ نمبر ۹ التوبہ آیت نمبر ۱۲۸-۱۲۹)

اس آیت کے تحت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ یوں رقمطراز ہیں:

لوگو! بلاشبہ تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں اور تمہاری ہی جنس میں سے ہیں تم کو کسی قسم کی تکلیف پہنچنا اور تمہارے ضرر کی ہر بات ان پر بہت شاق اور بیحد گراں ہوتی ہے وہ تمہاری بھلائی اور تمہارے نفع کے بے انتہا خواہش مند ہیں بالخصوص مسلمانوں پر بڑے شفیق اور نہایت مہربان ہیں یعنی وہ بشر ہیں جن یا ملائکہ نہیں ان کی خو بو سے تم واقف ہو تمہاری تکلیف اور ضرر رساں باتیں ان پر شاق ہیں بنی نوع انسان کی بھلائی اور نفع پر حریص ہیں چاہتے ہیں کہ تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہو تمہارا عذاب ان کے لئے بیحد گراں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں تلاش رکھتا ہے تمہاری یعنی چاہتا ہے کہ امت میری زیادہ ہوتی رہے۔

پھر اگر اس پر بھی یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے مجھ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی مجھ کو بس ہے اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے یعنی اگر مخلوق نہیں مانتی اور اپنے ہاتھوں خود عذاب مول لیتی ہے تو آپ کہہ دیجئے میرا کیا نقصان ہے میرا حامی اور مددگار تو اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ایسا ہے کہ عرش عظیم بھی اس کی مملوک ہے۔ (کشف الرحمٰن)

اس آیت کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ بیان القرآن میں یوں رقمطراز ہیں:

رسالت وکمالات رسالت مع اظہار جلادت (بہادری)

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (الیٰ قولہٖ تعالیٰ) وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

(اے لوگو) تمہارے پاس ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہارے جنس (بشر) سے ہیں (کہ تم کو نفع حاصل کرنا آسان ہو) جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے (چاہتے ہیں کہ تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے) جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے پھر بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ (تو) بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں (ایسے رسول سے مستفید نہ ہونا بڑی محرومی ہے) پھر اگر (اس پر بھی آپ کو رسول ماننے سے اور آپ کی اتباع کرنے سے) روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) میرے لئے (تو) اللہ تعالیٰ (محافظ و ناصر) کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں (پس معبودیت اس کے ساتھ مختص ہے تو لامحالہ سارے کمالات علم وقدرت اس میں بے مثل ہوں گے پھر مجھ کو کسی کی مخالفت سے کیا اندیشہ) میں نے اسی پر بھروسہ کرلیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے (تو اور چیز تو بالا ولیٰ اس کی مملوک ہوں گی پس اس پر بھروسہ کرنے کے بعد مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں البتہ تم اپنی فکر کرلو، حق کا انکار کر کے کہاں رہو گے) مسائل السلوک: یہ صفات ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور چونکہ شیخ بھی نائب ہوتا ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا، اس لئے یہ صفات اس میں بھی ہونا ضروری ہیں۔

(بیان القرآن)

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اب دلی تقاضا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں نازل شدہ آیت کریمہ ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' کی شرح ''رحمۃ للعالمین''

(مولفہ حضرت مولانا قاضی سلیمان سلمان منصور پوری) سے نقل کریں ۔ جسے مولانا نے نہایت ذوق وکیف سے درج فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی ذوق وشوق سے اس کے مطالعہ کی توفیق مرحمت فرمائے ۔ وہ یہ ہے۔

"وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیاجہاں کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کرنے کے لئے)

رب العالمین نے سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرما کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جس طرح پروردگار کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لا پرواہ نہیں رہ سکتی ۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وتفہیمات سب کے لئے اور سب کے فائدہ کے لئے ہیں اور کوئی شئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کرسکتی ۔ (از رحمۃ للعالمین ص/ ۹۳ ج/ ۳)

لفظ رحمت ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہوا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کے لئے نہیں ہوا، ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے ورحمتی وسعت کل شیء (اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہورہی ہے) پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ عالمین کے لئے رحمت بنایا گیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لئے ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ رحمۃ للعالمین وہی وجود مزکی ٹھہرے گا جس نے اہل

عالم کی بہبود وسود، رفاہ وفلاح، خیروصلاح، عروج وارتقاء، صفاوبہا کے لئے بلاشائبۂ غرض اور بلاآمیزشِ طبع اپنی مقدس تر زندگی کو صرف کیا ہو۔

جس نے بندوں کو اللہ سے ملایا ہو، جس نے الٰہی جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو۔ جس نے دل کو پاک، روح کو روشن، دماغ کو درست، طبع کو ہموار بنایا ہو۔ جس کی تعلیم نے امن عامہ کو مستحکم اور مصلحت عامہ کو استوار کیا ہو۔ جو غریبی وامیری، جوانی وپیری، امن وجنگ، امیدوترنگ، گدائی وبادشاہی، مستی وپارسائی، رنج وراحت، حزن ومسرت کے ہر درجہ، ہر پایا اور ہر مقام پر انسان کی رہبری کرتا ہو۔ جس نے فلک کی بلندی، زمین کی پستی، رات کی تاریکی، دن کی روشنی، سورج کی چمک، جگنو کی دمک، ذرہ کی پرواز، قطرہ کی طراوت میں عرفان ربانی کی سیر کرائی ہو۔ جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپانی، بھیڑیوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہانبانی، غلامون کو سلطانی، شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو۔ جس نے خشک میدانوں میں علم ومعرفت کی دریا بہائے ہوں۔ جس نے سنگلاخ زمینوں سے کتاب وحکمت کے چشمے چلائے ہوں۔ جس نے خودغرضوں کو محبت قومی کا دردمند بنایا ہو۔ جس نے دشمنوں کو اپنا جگر بند ٹھہرایا ہو۔

وہ غریب کا محب، شاہوں کا تاج، غلاموں کا محسن، بے آسراؤں کا آسرا، دردمندوں کی دوا، مساوات کا حامی، محبت کا جوہری، صدق کا منبع، خاکساری کا نمونہ، اولین انسان، مسکینوں کا ساتھی، آقاؤں کا آقا، یتیموں کا سہارا، بے خانماؤں کا ماویٰ، چارہ گروں کا دردمند، اخوت کا بانی، اخلاص کا مشتری، صبر کا معدن، رحمت ربانی کا پتلا، آخرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیا نام ہوگا؟۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری' اقوام کی بیگانگی' رنگتوں کا اختلاف' زبانوں کا تباین دور کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ سب کے دماغوں میں ایک ہی تصور' سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہو۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو بندہ کو اللہ کی حضوری تک لے جاتا اور اسے ''اُدۡعُوۡنِیۡ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ'' کی قدسی آواز سے آشنا بناتا ہے اور اللہ اور بندہ کے درمیان کسی تیسرے کے لئے کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑتا۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کے طریق کی اس طرح تعلیم دیتا ہے۔

''اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ''۔ (حٰمٓ السجدہ ع۵)

تو (اب) آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے، پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاویگا جیسا کوئی ولی دوست ہوتا ہے۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو اخوت اور محبت کا نام نعمت الٰہی رکھتا ہے اور فرماتا ہے۔

''فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا''۔ (آل عمران ع۱۰)

سو تم اللہ تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو معاملات انصاف میں عداوت ونفرت کے تأثرات سے ہم کوعلیحدہ رکھنے کا حکم دیتا ہے اورخالص انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔

”وَلَایَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ“ (مائدہ ع۲)

اورکسی خاص لوگوں کی عداوت تم کواس پر باعث نہ ہوجائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کروکہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اوراللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کوتمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

رحمۃ للعالمین وہی ہے جوشہادت واقعہ کے لئے لوگوں کواس طرح تیار کرتا ہو۔

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا“ (النساء:۱۳۵)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو،خواہ تمہاری گواہی خودتمہارے والدین کے خلاف یا اقرباء کے خلاف ہو،امیر ہو یا غریب کہ رعایت یا رحم کے خیالات تمھیں آتے ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالی ان دونوں سے بڑھ کر ہے، دیکھو ایسا نہ کرنا کہ سچی شہادت سے عدول کرو یا دبی زبان سے کوئی بات کہو، گواہی سے ٹل

ہی جاؤ یہ باتیں تو خواہش نفس پر چلنے کی ہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو ہر انسان کو اس کی بیوی کے متعلق یہ تعلیم دیتا ہے۔

"وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ"۔ (روم ع ۳)

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی، اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

رحمۃ للعالمین وہی ہے جس نے شوہر بیوی کے رشتہ کو اتنا پاک ٹھہرایا کہ بہشت میں جاتے وقت بھی اس جوڑے کو ایک دوسرے سے الگ نہ کیا بلکہ یوں خبر دی۔

"اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ"۔ (الزخرف ع ۱۷)

تم اور تمہاری (ایماندار) بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہو جاؤ۔

رحمۃ للعالمین وہی ہے جو شوہر اور بیوی کے حقوق کی بابت یہ فیصلہ سناتا ہے۔

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ" (سورۂ بقرہ ع ۲۸)

عورتوں کے حق شوہروں پر ویسے ہی ہیں جیسے شوہروں کے حق عورتوں پر۔

پھر سینارٹی کے متعلق یہ تعلیم فرماتا ہے۔

"اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ

بِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ" (نساء ع ۶)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو ایک انسان کی جان کی قدر و قیمت ان الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے۔

"مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًام بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِي الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعاً وَ مَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا" (مائدہ ع ۵)

جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدون کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ اور جس نے اسے زندہ کیا گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو خونخوار لڑائیوں کو بند کرتا' حکمرانی کی آرزو یا توسیع ملک کی تمنا یا غلبہ قوت کے اظہار یا جوش انتقام کے وفور کے اصول پر لڑائی کرنے کو قطعًا ممنوع ٹھہراتا ہے۔ وہ جنگ کو صرف مظلوم کی امداد کا آخری ذریعہ' عاجزوں' درماندوں' عورتوں' بچوں کو ظالموں کے ہاتھ سے چھڑانے کا وسیلہ' مذاہبِ مختلفہ اور ادیان متعددہ میں عدل وتوازن قائم کرنے کا آخری حیلہ بتاتا ہے۔ دنیا کا رحم دل سے رحم دل شخص بھی ان اصولوں کے لئے لڑائی کی ضرورت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اور معمولی سمجھ کا انسان بھی ایسی لڑائی کو سراپا رحمت کہنے میں ذرا تأمل نہیں کرسکتا۔

ہاں رحمۃ للعالمین وہ ہے جو انسانوں کو اخلاق فاضلہ اور فضائل محمودہ اور

محاسن جمیلہ اور صفات کاملہ کی تعلیم دیتا ہے۔

ماں باپ کی بابت سکھاتا ہے۔

"وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا"۔ (بنی اسرائیل ع ۳)

اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

اس حکم میں فرمانبرداری، اطاعت وخدمت گذاری کا بھی حکم دیا اور یہ بھی بتایا کہ ماں باپ کے لئے دعا کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ جس طرح بچہ ماں باپ کی تربیت کا محتاج ہے اسی طرح ہر انسان اللہ تعالیٰ کے رحم کا محتاج ہے۔

قصور والوں کی معافی کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ۔ (سورہ نور ۱۰)

اور چاہئے کہ یہ معاف کردیں اور درگذر کریں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے۔

معافی دینا انسان کو ذرا مشکل اور شاق گذرتا ہے اس لئے اسے سمجھایا گیا ہے کہ انسان معافی کا اللہ تعالیٰ سے خواستگار ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ خود معافی دینے کو پسند نہیں کرتا گویا یہ اصول بتایا، معاف کرو تم کو بھی معاف کیا جائے گا۔

زنا کی برائی کے متعلق بھی استدلال کا ایسا ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

"وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيۡلًا"۔ (بنی اسرائیل)

زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ تو بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔

برے راستہ پر غور کرنا چاہئے۔

ایک عیاش مزاج شاید اپنی شوریدگی طبع کی حالت میں زنا کو کچھ معیوب نہ سمجھتا ہو۔مگر اسے غور کرنا چاہئے کہ کسی کی بہو بیٹی کو اپنے بستر پر بھی بلانا تو اسے ناگوار نہیں گذرتا لیکن کیا اسے یہ بھی ناگوار نہیں ہے کہ اس کی بیٹی بہو غیر کے بستر بھی جائے۔ اگر اس کی غیرت اسے پسند نہیں کرتی تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شخص خود اپنے طرز عمل سے ایسی ہی برائیوں کا راستہ بنا رہا ہے۔ یہ راستہ سب سے پہلے اس کے گھر تک سیدھی سڑک بن جائے گا۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم تمام عالم کو سنایا،شراب کو رجس اور عمل شیطان اور بنائے عداوت وسبب بغض وسرمایۂ غفلت اور ذریعہ دوری از خدا بتایا۔ (رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۳۱۴ تا ۳۲۴)

وفات: دوشنبہ کے دن صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پردہ اٹھایا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور مسجد طیبہ کے درمیان پڑا ہوا تھا۔اس وقت نماز ہو رہی تھی ۔تھوڑی دیر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پاک نظارہ کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات کا نتیجہ تھا ملاحظہ فرما رہے تھے۔اس نظارہ سے رخِ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی ۔صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھے کہ آپ کا ارادہ نماز میں آنے کا ہے،وہ پیچھے ہٹنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کے نماز پڑھاتے رہو۔ یہی اشارہ سب کی تسکین کا موجب ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ چھوڑ دیا یہ نماز

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے مکمل فرمائی۔

دن چڑھا تو پیاری بیٹی فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ کان میں کچھ بات کہی وہ رو پڑیں۔ پھر کچھ اور بات کہی تو وہ ہنس پڑیں۔ بتول پاک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پہلی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی تھی کہ اب میں دنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔ اور دوسری بات یہ فرمائی تھی کہ اہل بیت میں سے تم ہی میرے پاس سب سے پہلے پہنچو گی (یعنی انتقال ہوگا)۔ اسی روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سیدہ نساء العالمین ہونے کی بشارت فرمائی۔

پھر حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا، دونوں کو چوما اور ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ پھر ازواج مطہرات کو بلایا اور ان کو نصیحتیں فرمائیں۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا، ان کو بھی نصیحت فرمائی۔ اس وقت تف مبارک سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ پر پڑ رہا تھا۔ اسی موقع پر فرمایا: **الصلوۃ الصلوۃ وما ملکت ایمانکم** : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت یہی تھی۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی ارشاد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار دوہراتے رہے۔

اب نزع کی حالت طاری ہوئی۔ اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سہارا دیئے ہوئے پس پشت بیٹھی تھیں۔ پانی کا پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے رکھا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ میں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ انور پر پھیر لیتے تھے۔ چہرۂ

مبارک کبھی سرخ ہوتا، کبھی زرد پڑ جاتا تھا زبان مبارک سے فرماتے تھے: **لا اله الا الله، ان للموت سکرات** (بخاری) اتنے میں عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما آ گئے، ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک پر نظر ڈالی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مسواک کو اپنے دانتوں سے نرم بنا دیا، آپ نے مسواک کی۔ پھر ہاتھ کو بلند فرمایا اور زبان قدسی سے فرمایا **اللهم رفیق الأعلیٰ** یعنی اب میں اعلیٰ و برتر رفیق کو اختیار کرتا ہوں۔

۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ وقت چاشت تھا کہ جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کیا، اس وقت عمر مبارک ۶۳/سال قمری پر چار دن تھی۔ **انا لله و انا اليه راجعون**

اللهم صل و سلم عليه و على آله و اصحابه اجمعين۔

(احسن السیر، مرتبہ مولوی محبوب احمد قمر الزمان ندوی: ص/۸۳)

شیخ محمد ابوالمواہب شاذلیؒ کے اس ملفوظ پاک پر اپنے اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں شیخ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک مجلس میں کہا

ے

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ   بَلْ هُوَ يَاقُوْتٌ بَيْنَ الْحَجَرِ

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں مگر عام انسانوں کی طرح نہیں، بلکہ وہ مثل یاقوت کے ہیں عام پتھروں کے درمیان۔

تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہاری مغفرت فرما دی اور ان تمام لوگوں کی بھی جنھوں نے تمہارے ساتھ اس کلمہ کو کہا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد شیخ ابوالمواہبؒ اپنی ہر مجلس میں اس کلمہ کو کہا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔

(طبقات کبریٰ ۲/۶۹، اقوال سلف: ج/۴ ص/۲۸۶)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کلمہ مبارکہ کی برکت سے ہم سب لوگوں کی مغفرت فرمائے اور جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت ومصاحبت نصیب فرمائے۔آمین یارب العالمین

(احسن السیر، مرتبہ مولوی محبوب احمد قمرالزمان ندوی:ص/۱۳۴)

نعت شریف

وہ جہاں کا رمزِ وجود ہے، وہ مدارِ کارِ نظام ہے
وہ خدا کی شانِ جمال کا، بخدا کہ مظہرِ تام ہے

کرو یاد معرکہ بدر کا، پڑھو فتحِ مکہ کا واقعہ
وہ خدا کا قہر وجلال تھا، یہ نبی ﷺ کی رحمتِ عام ہے

سبھی انبیائے کرام کا ہے، مقام سب سے بلند تر
وہ ہلال چرخِ کمال تھے، مِرا شاہ بدرِ تمام ہے

جو غذائے روح وسکونِ دل ہے، اُنہی کی پاک حدیث ہے
جو مریض دل کے لئے شفا ہے، اُنہی کا پاک کلام ہے

جو مجھے ملا وہ ملا اُنہی کی نگاہِ لطف وکرم سے ہے
قلم وزبانِ حبیب کیا ہے، اُنہی کا فیض دوام ہے

خیر ختام

’’اقوال سلف‘‘ کا حصہ یازدہم بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہوا۔ اور اسی پر اقوال سلف کا سلسلہ بھی خیر ختام تک پہنچا جس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوات والتسلیمات و دیگرانبیاء کرام علیہم السلام اور صدہا صحابۂ کرامؓ وتابعین اور اولیاء کرامؒ کے مؤثر ومفید اقوال و احوال مذکور ہوئے، جس کو اس حقیر نے تقریباً چھیالیس، سینتالیس سال کی مسلسل جدوجہد سے جمع وترتیب دیا۔ اور حتی الوسع اس کی تحقیق میں کوئی کسر نہیں چھوڑا۔ کوئی کمی رہ گئی ہوتو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ آمین

چونکہ اقوال سلف کی تالیف کا مقصد وحید متقدمین ومتأخرین کی تعلیمات میں توافق و یکسانیت کو واضح کرنا تھا، اس لئے جہاں تک ممکن ہوا اس کو عیاں کرنے کی کوشش کی۔ الحمدللہ اس کی ہر جلد کو علمائے اہل سنت والجماعت کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ چنانچہ ہر ایک نے اس کی صحت وصواب کی تصدیق کی بلکہ اپنی اپنی آراء کو تحریری طور پر تقریظ وتبصرہ کے عنوان سے پیش کیا۔

فجزاہم اللہ تعالیٰ

اب بطور یاددہانی کے عرض ہے کہ اس کتاب کی ابتداء حضرت العلامہ قطب ربانی عبدالوہاب شعرانیؒ کی ذات بابرکات کی شہرۂ آفاق کتاب ’’الطبقات الکبریٰ‘‘ سے ہوئی۔ اولاً سلف صالحین کے اقوال واحوال اسی کتاب سے پیش کئے گئے۔ اس کے بعد دوسری کتابوں سے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

مزید یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی ایک نصیحت جو انھوں نے اپنے ابتدائی مضمون کے اخیر میں درج فرمایا ہے اس کو یاددہانی کے لئے درج کروں۔ وہ یہ ہے:

ثم ان من طالع مثل ھذا الکتاب ولم یحصل عندہ نھضۃ ولا شوق الی طریق اللہ عزوجل فھو والاموات سواء۔ (الطبقات الکبریٰ: ص ۳ر)

جوشخص اس جیسی کتاب کا مطالعہ کرے اور اس کے اندر اللہ عزوجل کے طریق کا شوق وجذبہ نہ ابھرے تو وہ اور مردے برابر ہیں۔

اس لئے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس معرکۃ الآراء کتاب کے مطالعہ کی اس طرح صدق وخلوص سے توفیق دے کہ اللہ تعالیٰ کے طریق کا شوق وجذبہ بیدار ہوجائے اور ہمارے قلوب کو حیات روحانی سے نوازے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا: الحمدللہ علی احسانہ کہ اقوال سلف کی تالیف کا سلسلہ دولت خانہ شیخ المشائخ حضرت مرشدی وسیدی مصلح الامتؒ مکان نمبر ۲۳ بخشی بازار الہ آباد میں غالباً ۱۳۹۴ھ سے شروع ہوکر بیت محبوب احمد واخوانہ مکان ۴۰۷ر بخشی بازار ومدرسہ عربیہ بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد، مدرسہ دارالمعارف کریلی الہ آباد کے بعد بیت الاذکار وصی آباد الہ آباد میں ۲۹ر ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ کو تمام تک پہونچ گئی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔ بحرمۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اے اللہ کریم اس میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں معاف فرما اور اپنے کرم سے اس حقیر کو نیز جملہ معاونین کو خواہ کسی طرح کی اعانت کی ہو، اجر جزیل سے مالا مال فرمایئے۔ آمین

دلی تقاضا ہے کہ ایک اعرابی صحابی کی دعا نقل کروں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا اوران کواس دعا پر تحفہ سے نوازا۔ وہ یہ ہے

عن انس، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر بأعرابی وهو يدعو فی صلاته، وهو يقول: يا من لا تراه العيون، ولا تخالطه الظنون، ولا يصفه الواصفون، ولا تغيره الحوادث، ولا يخشى الدوائر، يعلم مثاقيل الجبال، ومكاييل البحار، وعدد قطر الأمطار، وعدد ورق الأشجار، وعدد ما أظلم عليه الليل، وأشرق عليه النهار لا توارى منه سماء سماء، ولا أرض أرضا، ولا بحر ما في عقره، ولا جبل ما في وعره، اجعل خير عمري أخره، وخير عملي خواتيمه وخير أيامي يوم ألقاك فيه۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دیہاتی کے پاس سے گزرے جو دوران صلوۃ ان الفاظ میں دعا کررہا تھا:

''اے وہ ذات جو نگاہوں سے پوشیدہ ہے، جو خیال وگمان میں سما نہیں سکتا ہے، اور ماہر سے ماہر شخص بھی اس کی صفات بیان نہیں کرسکتا ہے، اور جس میں حالات اور زمانے کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے، اور نہ وہ کسی حادثے اور مصیبت سے دوچار ہوسکتا ہے۔ وہ پہاڑ کے وزن سے، سمندر میں پانی کی مقدار سے اور بارش کے قطرے کی تعداد سے واقف ہے، وہ درخت کے پتوں کی تعداد سے باخبر ہے اور اس بات سے آگاہ ہے کہ زمین وآسمان میں موجود چیزوں کی تعداد اور مقدار کیا ہے، اس سے نہ تو آسمان کا کوئی حصہ پوشیدہ ہے اور نہ زمین کا کوئی ٹکڑہ، اور نہ سمندر کی تہہ میں اور پہاڑ کے اندر رہنے والی کوئی چیز۔ اے میرے

پروردگار! میری زندگی کا آخری حصہ سب سے بہتر بنادے۔ (آمین) اور میرا آخری عمل سب سے بہتر کردے اور میرے لیے سب سے اچھا وہ دن بنادے جس میں میری تجھ سے ملاقات ہو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح سے دعا پر اس کی تعریف فرمائی اور خوش ہوکر اسے سونے کا ایک ٹکڑہ بطور تحفہ دیا۔

مزید دعائیں: اللهم انی اسئلک الفوز فی القضاء ونزل الشهدآء وعیش السعدآء ومرافقة الانبیاء والنصر علی الاعداء انک سمیع الدعاء۔ (مناجات مقبول: ۶۸، ترمذی رقم الحدیث ۵۰۸۴)

اللهم انی اسألک خیر هذا الیوم وفتحه ونصره ونوره وبرکته وهداه۔

رب اسألک خیر ما فی هذا الیوم وخیر ما بعده۔ (مناجات مقبول)

وصلی الله وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه اجمعین۔

الحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات والصلاة والسلام علی سید البریات وعلیٰ آله واصحابه وازواجه الطاهرات مسلسلات ومتواترات۔ (۱)

محمد قمر الزمان الہ آبادی

بیت الاذکار وصی آباد الہ آباد۔

۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ

۳۰/ مارچ ۲۰۲۱ء

---

(۱) معارف القرآن ادریسی، اخیر پارہ: ۱۔

مراجع ومصادر ''اقوال سلف'' حصہ یازدہم

قرآن مجید	کلام اللہ تعالیٰ
فیوض الرحمٰن فی تفسیر القرآن	افادات حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستیؒ
تفسیر ابن کثیر	حضرت علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ
اردو تفسیر ابن کثیر	حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ
بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
تفسیر عثمانی	حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
گلدستۂ تفاسیر	حضرت الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنیؒ
تفسیر خازن	حضرت شیخ علاء الدین علی بن محمد بغدادیؒ
اعیان الحجاج	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ
ترمذی شریف	حضرت امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ
تلاوت قرآن	مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ
کشف الرحمٰن	سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ
صفحات من صبر العلماء	شیخ عبدالفتاح ابوغدہ الشامیؒ
ذکر طیب	حافظ محمد اکبر شاہ بخاری
خطبات حکیم الاسلام	مواعظ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
مقامات مقدسہ	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ	مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ

ماہنامہ ''الفرقان'' خصوصی اشاعت	مدیر: حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی
صحبتے با اولیاء	حضرت مولانا تقی الدین صاحب مظاہری ندوی
مشکوٰۃ شریف	حضرت علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ
شعب الایمان	حضرت علامہ بیہقیؒ
موطا امام مالکؒ	حضرت امام مالکؒ
اللوانح الانوار فی طبقات الاخیار (طبقات کبریٰ)	حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ
درمختار	حضرت علامہ حصکفیؒ
مجالس ذکر	صوفی محمد اقبال صاحب مدنی
عالم اسلام کی عالمی شخصیات ترجمہ: من اعلام الحرکۃ الاسلامیہ للعقیل	مترجم حضرت مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب مولف حضرت مولانا عبداللہ عقیل صاحب
سوانح حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ	حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی پاکستانی
نقوش رفتگاں	حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کراچی
مکتوبات مولانا سید ابوالحسن ندویؒ	حضرت مولانا محمد حمزہ صاحب حسنی لکھنؤ
رسالہ تعمیر حیات	از ندوۃ العلماء لکھنؤ
مسند احمد بن حنبل	حضرت امام احمد بن حنبل الشیبانیؒ
بخاری شریف	حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
مسلم شریف	حضرت امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ
حیات ابوالمآثر	عزیزم مولانا مسعود احمد الاعظمی
سوانح حضرت مولانا پیر غلام حبیب صاحبؒ	مولانا نعیم اللہ صاحب فاروقی نقشبندی

جامع الصغیر	الحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطیؒ
سوانح آہ حضرت (مولانا قاری صدیق احمد صاحبؒ)	مظاہر علوم سہارنپور
حیات طیبہ (سوانح مولانا محمد طیب صاحب کنہواں، بہار)	مولانا اظہار الحق صاحب مظاہری
روح البیان	مواعظ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھیؒ
عرفان محبت	مواعظ منظوم حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھیؒ
رسالہ ترجمان الاسلام بنارس	مضمون حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ
فیض احسن واشرف	حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانوی
حیات مسیح الامتؒ	حضرت مولانا رشید احمد صاحب میواتی مفتاحی
شریعت وتصوف	حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحبؒ
تذکرۃ الرضاء	حضرت مولانا قاری رشید احمد صاحب اجمیری
فیض ابرار	مواعظ حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیویؒ
سوانح مولانا انعام الحسن صاحبؒ	حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
حالات ننھو میاںؒ	مولانا محمد سلمان گنگوہی
احیاء العلوم	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ
سوانح قطب دکن حیات وخدمات	حضرت مولانا مفتی عبدالمنعم فاروقی صاحب
حیات عبدالرشید	مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی
ترغیب المسلمین	حضرت علامہ محمد موسیٰ روحانی بازی پاکستانی
گلستان قناعت	حضرت علامہ محمد موسیٰ روحانی بازی پاکستانی
ابن ماجہ	حضرت امام ابن ماجہ قزوینیؒ

تفہیمات الٰہیہ	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
ماہنامہ ''معارف'' اعظمگڈھ	مدیر: مولانا ضیاء الدین اصلاحی
ماہنامہ دار العلوم دیوبند	مدیر: مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
ملفوظات فقیہ الامتؒ	حضرت مولانا مسعود احمد قاسمی
آئینۂ مظاہر علوم (فقیہ الاسلام نمبر)	مظاہر علوم وقف، سہارنپور
تذکرۂ مصلح الامتؒ	از: مؤلف عفی عنہ
ماہنامہ ''الرشاد'' اعظمگڈھ	مدیر: ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
آئینۂ مظاہر علوم خصوصی اشاعت	مدیر: مولانا محمد ریاض الحسن صاحب
لالہ وگل	حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ دیوبند
رسالۃ المسترشدین	شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی بصریؒ
اردو ترجمہ نصیحۃ المسلمین	از مؤلف عفی عنہ
دعوۃ الداعی	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حیات ابرار	حضرت مولانا محمد فاروق صاحب میرٹھیؒ
مجالس ابرار	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ
تذکرۃ الصدیق	حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب باندہ
مسند امام احمد بن حنبلؒ	حضرت امام احمد بن حنبل الشیبانیؒ
کمالات نبوت	حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ
سہ ماہی ''فکر اسلامی	مدیر: مولانا محمد اسعد صاحب قاسمی
محدث عصر	مدیر: مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب دیوبند

مکتوبات خواجہ محمد معصوم مجددیؒ	تلخیص وترجمہ حضرت مولانا نسیم احمد امروہویؒ
کاروان زندگی	مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
افادات قرآنی	// // // //
ارکان اربعہ	// // // //
نبی خاتم	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
دین کامل	حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ
ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
چند نامور علماء	حضرت مولانا بدر الحسن صاحب قاسمی
ماہنامہ ''حسن تدبیر'' (حکیم الاسلام نمبر)	مدیر مولانا اعجاز صاحب عرفی دہلی
الاعتدال	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ
یادوں کے چراغ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم
ذکر رفتگاں	مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری
تذکرۂ اکابر گنگوہ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب گنگوہی
فقہ السنۃ للشیخ سابق مصری	مقدمہ از مولانا ولی اللہ مجید قاسمی مئوی
آپ کے مسائل اور ان کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ
ماہنامہ ''بینات'' شہید اسلام نمبر	از: جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاون پاکستان
تحفۃ الشیوخ	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اشرف السوانح	حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ
تذکرہ حضرت مولانا شاہ علی احمد بوالویؒ	حضرت مولانا محمد سلطان ذوق ندوی چاٹگامی

حیات ابرارؒ	حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھیؒ
دعوۃ الداعی	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
جامع مکمل تاریخ دار العلوم دیوبند	حضرت مولانا محمد اللہ صاحب قاسمی
بزم اشرف کے چراغ	مکرم پروفیسر احمد سعید صاحب
صدق وصفا	کلام منظوم مکرم محمود خاں رائے بریلویؒ
گلہائے پریشان	// // // //
گرد راہ	کلام منظوم مکرم محمود خاں رائے بریلویؒ
گلدستۂ محبت	مولانا اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی
مقدمات کاپودروی	// // // //
آثار التنزیل	حضرت علامہ خالد محمود صاحب مانچسٹر انگلینڈ
آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان	// // // //
علمی خطبات	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری
خطبات خطیب الاسلام	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد صاحب قاسمیؒ
مناجات مقبول	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
انوار البیان فی کشف اسرار القرآن	حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنی
رہبر انسانیت	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی